اظہارِ تشکر

میرا فرض ہے کہ میں عصرِ حاضر کے مایہ ناز ادیب، عظیم سیرت نگار اور استاذِ گرامی قدر جناب پروفیسر خیال آفاقی صاحب کی محبت، شفقت اور پُرخلوص تعاون پر قلبِ صمیم سے شکریہ ادا کروں، جنھوں نے کمال مہربانی سے اس کتاب کی ترتیب وتالیف اور اشاعت تک کے مبارک سفر میں قدم قدم پر میری راہنمائی فرمائی۔

اس کے ساتھ میں کئی کتابوں کے مصنف اور سیرت نگار جناب ڈاکٹر حافظ محمد منشا طیب صاحب کے احسان کا بھی زیرِ بار ہوں، جنھوں نے پُرخلوص انداز اور کمال جاں فشانی سے اس کتاب میں شامل مختلف واقعات کو حددرجہ بااعتبار حوالہ جات کے ذریعے قابلِ قبول اور مستند بنانے میں میرے ساتھ تعاون فرمایا۔

میں جناب پروفیسر ڈاکٹر رفاقت شاہد صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہوں، جنھوں نے اشاعت سے قبل اس کتاب میں شامل مضامین کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انھیں زبان و ادب کی خوبصورتی بھی عطا فرمائی۔

آخر میں میں ادارہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز کی باوقار قیادت اور اُن کے قابلِ احترام ساتھیوں کا بھی خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری کو نہایت احسن انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

ربِّ کریم سے دعا ہے کہ ان تمام معزز حضرات کے میرے ساتھ اس بابرکت تعاون، راہنمائی اور حوصلہ افزائی پر جزائے خیر عطا فرمائے اور ان برگزیدہ ہستیوں کو تا ابد شاد و شاداب اور آباد و کامران رکھے۔ آمین!

نام کتاب	پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ترتیب وتالیف	محمد عبدالقیوم
پرنٹرز	ضیاء القرآن پرنٹنگ پریس، لاہور
تعداد	1000
تاریخ اشاعت	13 جنوری 2023
ہدیہ	4000/-

ملنے کا پتہ

فیصل الیکٹرک کمپنی 27۔ وحدت روڈ، لاہور۔ فون:۔ 0300-1351947

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تو غنی از هر دو عالم مَن فقیر
روزِ محشر عُذر هائے مَن پذیر
ور حِسابَم رَا تو بِینی نَاگزیر
از نگاہِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پِنہاں بگیر

اے اللہ آپ دو عالم کے مالک ہیں
اور میں آپ کا ایک حقیر بندہ ہوں
روزِ محشر میری ایک درخواست قبول فرمائیں
اگر میرا حساب و کتاب لینا ناگزیر ہی ہو
تو نگاہِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھپا کر حساب لیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وہ دانائے سبل ختم الرّسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

نگاہِ عشقِ و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

وہ صاحب دولت ہستی کون سی ہے؟ وہ پاک ذات جو خدا تک پہنچانے والے راستوں سے پوری طرح آ گاہ ہے۔ وہ پاک ذات جس پر اس دنیا میں رسُولوں اور نبیوں کے آنے کا سلسلہ ختم ہوا۔ وہ پاک ذات جو اس کائنات کی آقا و مولا ہے۔ وہ پاک ذات جس کی برکت سے راستے کی گرد کو وادیِ سینا (کوہِ طور) کی تجلیوں کا رتبہ ملا۔

عشق و مستی کی نگاہ میں وہی پاک ذات ہے جس کا ظہور اس کائنات میں سب سے اوّل ہوا اور دنیا کے لیے وہی پاک ذات پہلا اور آخری نمونہ ہے، وہی قرآن ہے۔ جیسا کہ حضرت اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

کان خلقه القران O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآنی اخلاق کا مکمل عملی نمونہ تھے۔ اسی سے حق اور باطل میں فرق ہوا، اسی کو قرآن پاک میں یٰسین اور طٰہٰ کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔

اصالتِ کل، امامتِ کل، سیادتِ کل، امارتِ کل
حکومتِ کل، ولایتِ کل، خدا کے یہاں تمھارے لیے

کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسُول و نبی
عتیق و وصی، غنی و علی، ثنا کی زباں تمھارے لیے

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمھارے لیے

تمھاری چمک، تمھاری دمک، تمھاری جھلک، تمھاری مہک
زمین و فلک، سماک و سمک میں سکّہ نشاں تمھارے لیے

یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکم رواں تمھارے لیے

عطائے ارب، جلائے کرب، فیوضِ عجب، بغیر طلب
یہ رحمتِ ربّ، کس کے سبب، بہ ربِّ جہاں تمھارے لیے

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُجالا کر دے

مرے ہاتھ میں تھا جب تک مرے مصطفیٰ کا دامن
مرے پاؤں چومتی تھی یہی گردشِ زمانہ

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمۂ افلاک کا ایستادہ اِسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اِسی نام سے ہے

ہے قرآن سے جو قریب تر
ہے حدیث بس وہی معتبر

جو کلام حق کا ہو آئینہ
وہی اعتبار کی بات ہے

اظہارِ عقیدت ومحبت

تاثرات

گلدستۂ تعظیم وتکریم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ نیاز

اہلِ عرب جب اپنے کسی بھائی کو دُکھ یا تکلیف میں دیکھتے ہیں تو اُس کی تسلّی، تشفی اور دِل جوئی کے لیے اکثر یہ قول دہراتے ہیں

''اے میرے عزیز بھائی!
باہمت اور باوقار لوگوں کی طرح اوّلین لمحات میں صبر وتحمّل کا راستہ اختیار کرو!
آج جس دُکھ یا مصیبت نے تجھے مغموم اور دِل گرفتہ کر دیا ہے،
اِس عرصۂ غم میں تم اگر اللہ کے حبیب رسُولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبّہ میں پیش آنے والے دُکھ کے لمحات اور صدمات کو یاد کرو
تو تمھیں اپنی تکالیف اور غم چھوٹے نظر آئیں گے۔''

قارئینِ کرام!

حیاتِ اقدس کے سدا بہار، معطّر ومنوّر اور ایمان افروز موضوع پر لکھی گئی اِس کتاب ''پیغمبرِ اسلام ﷺ'' میں سیرتِ رسُول اللہ ﷺ کو مسلسل اور مربوط اسلوب میں بیان کرنے کی بجائے میں نے عرب کے مندرجہ بالا مشہور قول کی روشنی میں گلزارِ سیرت کے دل گداز واقعات، حیرت انگیز کارناموں اور بہار آفریں مضامین کو ایک واضح ترتیب اور نمایاں انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے تا کہ عام قاری کو بھی بآسانی خدائے بزرگ وبرتر کی تقدیس، تعلیماتِ اسلام اور صراطِ مستقیم کی جانب حضور نبی کریم ﷺ کی تیئس برس پر محیط ماہ وسال کی عظیم اور بے مثال جدوجہد کے دوران پیش آنے والی بے شمار مشکلات اور صدمات کے بارے میں صحیح انداز میں آگاہی حاصل ہو سکے۔

قارئینِ کرام!

انسانی معاشرے کی تشکیل وتعمیر ہو یا کسی شخص کی انفرادی تربیت و راہنمائی؛ طمانیتِ قلب کا سب سے زیادہ طاقت ور، اثر انگیز اور حیات آفریں ذریعہ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ ہے۔

بِلاشبہ آپ ﷺ کا ذِکرِ مبارک بے چینی اور خوف میں امن اور سکون کی علامت، باعثِ فلاح ونجات اور سرمایۂ جان و امان ہے۔

قارئینِ محترم!

اِس کتاب کے مطالعے کے دوران آپ محسوس کریں گے کہ تحریکِ اسلامی کے مقدس راستے میں پیش آنے

والی بے شمار مشکلات، کشمکش حیات کے سنگین مراحل اور آزمائش کی ہر تکلیف دہ گھڑی میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ بڑے صبر وتحمل، انتہائی ثبات اور کامل استقامت کے ساتھ اپنے متعین لائحہ عمل پر گامزن رہے اور بالآخر اُس بابرکت اور فقید المثال معاشرتی، سماجی اور روحانی انقلاب کو معراجِ کمال تک پہنچا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کا حق تمام وکمال ادا فرما دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

معزز قارئین!

خیر الانام پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ، عاداتِ جمیلہ اور اخلاقِ کریمانہ کا ہی یہ اثر اور اعجاز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا ہر فرد، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اپنا ہو یا بیگانہ، دوست ہو یا دشمن، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جرأت وشجاعت، عفو و درگزر، جود و سخا، صدق ودیانت، فہم وفراست، عجز وانکسار، یکتائے روزگار فضائل وکمالات اور تعلیماتِ عالیہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعقیدت اُس کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے۔

قارئین کرام!

کتاب ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی ترتیب وتالیف میرے لیے اعزازِ حیات، راحتِ قلب اور انعامِ عظیم ہے۔ میں اللہ ذوالجلال والاکرام کا شکر گزار ہوں جس نے اپنے خاص فضل وکرم سے مجھ جیسے ایک عام آدمی کو سرورِ دوعالم، ہادیِ اعظم، رفعتوں کے حامل، سراپا رشد وہدایت، ذاتِ بابرکات، عالی صفات، احسن واکمل، دائمی نمونۂ عمل، خاتم النّبیین، اکرم الاوّلین، خیر الانام، پیغمبرِ اسلام، محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ کے آفتابِ عالم کی طرح تابندہ و درخشندہ پہلوؤں کو گلدستۂ عقیدت میں سجا کر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اِس کتاب کے مطالعے سے آپ کی روح انبساط وانشراح کی کیفیت سے سرشار اور قلب نورِ ایمان کی شمع سے منوّر ہو جائے گا۔

میری دعا ہے کہ میری یہ کاوش دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مقبول قرار پائے اور اِس کتابِ عظیم کو میرے انتہائی قابلِ احترام والدین، اہلِ خانہ اور میرے لیے بخشش کا ذریعہ بنا دے! آمین یا ربَّ العالمین!

یہ کرم نہیں تو کیا ہے یہ بہت بڑی عطا ہے
کِیا شاہِ دوجہاں نے مجھے خادموں میں شامل

آپ کی دعاؤں کا طالب
محمد عبد القیوم

حرفِ سپاس

اِس کتاب میں شامل مضامین کی ترتیب و تالیف کے لیے میں نے جن شہرۂ آفاق مشاہیر کی نگارشات اور اندازِ تحریر و تحقیق سے استفادہ کیا، اُن تمام قابلِ احترام حضرات کے نام شکریہ کے ساتھ کتاب کے آخر میں درج کیے گئے ہیں۔

میری دعا ہے کہ فضیلت کی حامل اِن بلند پایہ ہستیوں کو بارگاہ الٰہی سے بلند مقام و مرتبہ عطا ہو۔ آمین!

میں اپنے تمام اساتذہ کرام، خاص طور پر جناب مفتی بشیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد پسرور اور جناب پروفیسر عبدالجبار صاحب پرنسپل جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کے قدموں میں بیٹھ کر میں نے حدیث، فقہ اور تفسیر کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

میں اُن تمام برادرانِ عزیز اور قابلِ احترام ساتھیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے اِس کتاب کی تیاری کے دوران مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھا اور مسلسل میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی ترتیب و تالیف کے اِس سعادت آفریں سفر میں اپنے ادارے کے کمپیوٹر سیکشن کے انچارج جناب بابر بیگ صاحب کے پُرخلوص تعاون کا بھی میں بے حد شکر گزار ہوں۔

اللہ ذوالجلال والاکرام اِن تمام قابلِ احترام ہستیوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے! آمین!



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جناب پروفیسر احمد رفیق اختر صاحب

سیرتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھی ہوئی اِس کتاب کا انداز نہایت سادہ، خوبصورت اور دل نشیں ہے، کسی بھی نقطہ نظر سے پڑھیں، اِس میں مصنف کا خلوصِ قلب جھلکتا ہے۔ واقعات مستند ہیں اور اندازِ بیاں منفرد ہے۔ ایسی توضیحات عمومی کتبِ تاریخ میں نہیں ہیں۔ ایسی ذاتی وضاحتیں جس کی وجہ سے پڑھنے والا اُس زماں ومکاں میں پہنچ جاتا ہے اور ہر واقعے کو ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ مصنف دُور افتادہ ادیب نہیں، بلکہ بہت قریب کے واقعہ نگار لگتے ہیں۔

کتاب ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کو آپ ایسے ہی پڑھتے ہیں جیسے مصنف اسے محسوس کرتا ہے۔ ہر لفظ ہر جملہ ہمارے سامنے گزرتا ہوا لگتا ہے۔ اِس کو ادب کے مروجہ طریقوں سے نہیں سمجھا یا جا سکتا بلکہ یہ تو ایک ایسے حاضر خدمت گزار کا بیان لگتا ہے جو اُس زمانے میں، اُس معاشرے کا حصہ ہونے کی حیثیت میں واقعات اور حادثات کو بیان کر رہا ہو۔

مجھے یہ کتاب بہت اچھی لگی ہے۔ دِل اِس مسافرِ سیرت کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔ اللہ اور رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے قبول فرمائیں اور مصنف کو تحریر وتقریر کی برکت عطا فرمائیں۔

یہ مؤثر ترین، انتہائی سادہ اور بنیادی اظہارِ وضاحت ہے۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب
چیف ایڈیٹر: روزنامہ پاکستان

محمد عبدالقیوم صاحب ماشاء اللہ ایک بڑے بزنس مین ہیں۔ ضابطے اور قاعدے کے پابند، قرینے، سلیقے اور اَدب وآداب کا خیال رکھنے والے۔ وقتاً فوقتاً کوچۂ سیاست میں بھی تانک جھانک جاری رکھتے تھے۔ لیکن اب وہ عملی طور پر سیاست میں اپنی دل چسپی کم کر چکے ہیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ان کا شمار نہ صرف مصنّفین اور محققین میں ہوگا، بلکہ وہ ان کی صفِ اوّل میں بیٹھے نظر آئیں گے، کیوں کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحقیق وجستجو کا موضوع بنانے والا پچھلی صف کا آدمی تو ہو ہی نہیں سکتا۔

دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کا ہدیۂ عقیدت انہیں ایک اور ہی لذت سے آشنا کر چکا ہے۔

میں تیرے فقیروں میں
میں تیرے غلاموں میں
اُس در کی گدائی
بادشاہی سے بہتر ہے

کہ گدا بننے والوں کو باشاہت کی آرزو نہیں رہتی۔ ان کے لیے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی مرضی، ان سے گزریں یا نہ گزریں۔

تقریباً سات سوصفحات پر مشتمل سیرت کی اِس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے شب وروز کی تفصیلات آسان الفاظ اور دلچسپ پیرائے میں بیان کی گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ ان کی یہ مبارک کاوش ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی اور پڑھنے والے شوق کی آنکھوں سے اس کا مطالعہ کریں گے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جناب عطاء الحق قاسمی صاحب

دِلوں میں اُترنے کے فن سے آشنا، عجز و انکسار کے پیکر اور کتابیں پڑھنے کا شوق رکھنے والے ہمارے بھائی عبدالقیوم نے جب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کتاب لکھنے کے ارادے کا اظہار کیا تو میں نے انھیں نصیحت کی کہ یہ ایک نازک موضوع ہے، اِس لیے نہایت احتیاط کے ساتھ مضامین کا انتخاب کریں۔ احتیاط کی بات میں نے کہہ تو دی تھی لیکن مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ عبدالقیوم بھائی کتاب لکھتے وقت پوری ذمہ داری کے ساتھ عشقِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام تقاضوں کو پورا کریں گے۔ کتاب کے کچھ باب میں نے پڑھے ہیں۔ نثر کی خوب صورتی دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

بہرحال قیوم بھائی کو میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شان دار موضوع پر کتاب کی تکمیل پر دِل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور یہ دعا بھی کہ اللہ ذوالجلال والاکرام ہمارے بھائی کو اِس کارِ خیر کا اجر عطا فرمائے۔
آمین!



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جناب پروفیسر خیال آفاقی صاحب

وابستگان دامنِ مصطفیٰ اور فدائین پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ ہر دور میں اپنے ذوق وشوق کے تحت نظم میں اور نثر میں سیرتِ رسُول اللہ ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو الفاظ کے پھولوں سے سجانے کی کوششوں میں مصروف رہتے آئے ہیں۔ بِلاشبہ یہ کارِ عظیم، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔

جہانِ سیرت کے اِس راہِ مقدس میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی نظر آتے ہیں جو قلم کاری کے حوالے سے اپنی کوئی شناخت نہیں رکھتے، گویا بقول دانائے راز:

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

سیرتِ رسُول ﷺ کے مولّفین کی فہرست میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کرنے والے ایک ایسے ہی خوش بخت مجاہد محمد عبدالقیوم صاحب کی مثال اِس وقت ہمارے سامنے ہے اور میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے
یہ بڑے نصیب کی بات ہے

کتاب ''پیغمبرِ اسلام ﷺ'' کو نہایت اعلیٰ، منفرد اور باکمال انداز میں پیش کرنے پر میں خوش دِل، خوش مزاج اور دِل و دست کشادہ کے مالک محمد عبدالقیوم صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اللہ ربُّ العزت سے میری دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے ذکرِ مقبول کی برکت سے ہمارے اِس بھائی کو بہشتِ بریں میں داخل فرمائیں۔ آمین!



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نادر شخص، نایاب کتاب
پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جناب سعود عثمانی صاحب

صاحبِ حیثیت لوگ تو بہت ہوتے ہیں، صاحبِ دماغ بھی بہت ہیں۔ مسئلہ صاحبِ دل کا ہے جو کم کم ہوتے ہیں اور پھر اگر ان تینوں خصوصیات کا امتزاج تلاش کیا جائے تو وہ محض نادر اور نایاب۔

چند دن پہلے ایسے ہی ایک باکمال شخص سے ملاقات ہوئی۔ محبت اور خلوص سے چھلکتا ہوا شخص۔ میں تلاش میں تھا کہ کس چیز نے ان کی شخصیت میں یہ اوصاف اکٹھے کیے ہیں۔

پھر جناب عبدالقیوم نے ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی ایک غیر مطبوعہ جلد عنایت کی تو سمجھ میں آ گیا کہ کس چیز نے انہیں یہ بھاگ لگائے ہیں یا شاید اللہ تعالیٰ نے عبدالقیوم صاحب کو بہت سے اوصاف کا حامل اِسی لیے بنایا ہے کہ ان کی قسمت میں یہ سعادت تھی۔ معاملہ جو کچھ بھی ہو، یہ طے ہے کہ اِس توفیق کو صرف پیسے، محنت اور تدبیر سے نہیں خریدا جا سکتا اور یقیناً یہ کتاب عبدالقیوم صاحب کی توفیقاتِ خاص میں سے ہے۔

یہ کیسا عجیب معاملہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار بار پڑھے ہوئے واقعات بھی، ایک بار پھر پڑھنے پر دل اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ کتابوں کے درمیان قاری، مصنف، کتابچی اور ناشر کی حیثیات میں زندگی گزارنے کے بعد بہت سی باتیں میرے لیے معمول کی باتیں بن کر رہ جانی چاہئیں، لیکن یہ سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی ساعتیں اب تک مجھ سمیت اربوں لوگوں کے دلوں میں ٹک ٹک کرتی دھڑکتی ہیں۔ ہم سبزہ زاروں کے بیچ میں بھی بیٹھے ہوں تو وہی صحرا ہمارے اندر پھیلنے لگتا ہے اور ریت کے ٹیلے یہاں سے وہاں نقل مکانی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

عبدالقیوم صاحب کی مرتب کردہ یہ کتاب ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' تو ہے بھی خاص واقعات پر مشتمل۔ سیرت پر موجود اَن گنت کتابوں میں ایک قیمتی اور دقیع اضافہ۔

یہ کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے ان واقعات، تفصیلات اور پس منظروں پر مشتمل ہے جن میں انسانی تاریخ کے سب سے بڑے انسان کو تکالیف، مصائب، مشکلات اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

یہ ایک نادر موضوع ہے اور کم از کم میرے علم کی حد تک ایک منفرد کتاب۔

جناب عبدالقیوم نے ابتدا ہی میں حرفِ نیاز کے عنوان سے اِس کتاب کے موضوع کی وضاحت کردی ہے۔ عربوں میں قول ہے کہ جب تم زندگی میں مصائب، تکالیف، مشکلات اور سختیوں سے گزرو تو حبیبِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ واقعات یاد کرو اور اندازہ کرو کہ وہ کن حالات میں کن تکالیف سے گزر رہے تھے، تم اپنی تکلیفیں بھول جاؤ گے۔

میں یہ کتاب پڑھتا رہا اور میری آنکھوں کے عدسے بار بار دھندلاتے رہے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں پڑھنے کے دوران یہ قیمتی موتی سمیٹتا رہا ہوں تو اندازہ کیجیے کہ مرتب کیسا مالا مال ہوا ہوگا۔ تنہا یہی ثروت مندی قابلِ رشک ہے۔ اِس پر مستزاد ایک اعلیٰ کتاب کی عطا، جس میں مستند حوالوں سے تفصیلات بیان کی گئی ہوں۔ یہ سب خزانے کسی صاحبِ توفیق ہی کو مل سکتے تھے۔

خیر اندیش
سعود عثمانی صاحب



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جناب سجاد میر صاحب (سینئر کالم نویس)

میرے ذہن میں عبدالقیوم صاحب کے بارے میں ایک تاثر تو یہ تھا کہ وہ سیاست میں دلچسپی رکھتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ ایک اچھے مہمان نواز ہیں۔ اِن کی یہ متواضع شخصیت اِن کے اپنے گھر یا دفتر تک محدود نہیں، بلکہ اِس کے اثرات دور دور تک ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کی مہمان نوازی کی اِس صفت کو قبول کیا اور انھیں یہ سعادت عطا فرمائی کہ وہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کام کریں۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنا زیادہ وقت اِس کام کے لیے وقف کر چکے ہیں۔ اب جو سیرت پر کتاب ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا عظیم الشان مسودہ دیکھا تو رشک آیا۔ یقیناً یہ کام توفیقِ الٰہی سے ہی ممکن ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس سچے اور سیدھے سادے عاشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس سعادتِ عظیم کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جناب پروفیسر پرویز احمد باجوہ صاحب

(ابنِ آدم پسروری)

کوہِ ہمالیہ کے دامن میں واقع وادی کشمیر سے جنوب کا رُخ کریں تو پربتوں سے اُترتے ہوئے تاحدِ نظر خطۂ پنج آب کی زرخیز زمینوں پر نظر پڑتی ہے، جہاں گھنے سایہ دار اور پھل دار اشجار اور لہلہاتی ہوئی سر سبز و شاداب فصلیں دکھائی دیتی ہیں جس سے ایک عجیب سی فرحت، شادمانی اور طمانیت کا احساس دامن گیر ہوتا ہے اور گندم کے سنہری گوشوں اور دھان کی دلفریب خوشبو قلب و روح کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ اِس سفر میں دریا، ندیاں اور جھرنے مسافر کے ہم قدم اور ہم رقاب ہوتے ہیں اور جنت نظیر وادی سے بچھڑنے کا غم پسرور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سکینت اور ممنونیت میں ڈھل جاتا ہے، کیوں کہ فردوسِ بریں سے اُتر کر فرشِ زمیں پر زندہ دلانِ پسرور جس والہانہ انداز سے استقبال کرتے ہیں، اِس سے فرحت و انبساط کا احساس دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ اِس خوش گوار سفر کی روداد کی کینوس پر تصویر کشی اور صفحۂ قرطاس پر منتقلی مشکل ترین کام ہے۔ میری مراد شہر پسرور سے ہے جسے ماضی میں اس کی جاذبیت اور باوقار لوگوں کی اپنائیت کے باعث پُرسُرور کہا جاتا تھا۔

عبدالقیوم صاحب نے اِسی شہر کے ایک متمول گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اور یہیں سے زندگی کا سفر شروع کیا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ایک ایسا سانحہ تھا جس نے پاکستان کے ہر شہری کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اُن کے جذبے فنا، حوصلے عنقا اور روحوں پر لرزہ طاری ہو چکا تھا۔ یہی وہ موقع تھا جب ہمارے بھائی نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعے سے یہ سیکھا کہ مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں جس شان دار، باوقار اور صبر و استقلال کے ساتھ اپنی کامیابیوں کے سفر کو مکمل فرمایا، وہ ہر شخص کے لیے مشعلِ راہ اور قندیلِ آرزو ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعے کے دوران جو حیرت انگیز تجربات انھیں حاصل ہوئے، اس پر انھوں نے بنفسِ نفیس قلم آزمائی کا فیصلہ کیا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل کتاب ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' سادگی اور سلاست کا نمونہ ہے۔ سیرت نگار نے انتہائی عام فہم انداز میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف ادوار کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور تمام واقعات کو انتہائی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگرچہ وہ کوئی منجھے ہوئے انشا پرداز یا

ماہرِ سخن ور نہیں ہیں لیکن ان کا سحر خیز اور عطر بیز قلم دنیا کے سب سے بڑے انسان اور انبیا کے سردار کی حیاتِ طیبہ کو الفاظ میں ڈھالتا ہے تو عقیدت کا رنگ غالب آنے کے باوجود حقیقت سے دور نہیں جاتا۔

حیرت کی بات ہے کہ جناب محمد عبدالقیوم نے واقعات کو اِس خوب صورتی اور ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے کہ انسان کے سامنے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصف صدی پر مبنی حیاتِ مقدس کے ایک ایک لمحے کی تصویریں روشن ہوتی جاتی ہیں۔

آگے آنے والے ابواب میں اعلانِ نبوت، قریش کی طرف سے شدید مزاحمت، مخالفت، مخاصمت اور ہجرت کا بیان ہے۔ اس کے بعد مدنی زندگی، غزوات، اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی سیرت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں فتح مکّہ اور گلدستۂ تعظیم و تکریم کا ذکرِ عظیم ہے جس میں درود پاک کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

عبدالقیوم صاحب کی شاہکار تصنیف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ انھوں نے محسنِ انسانیت پر قلم اُٹھانے سے قبل تاریخِ اسلام کا عمیق مطالعہ کیا، قرآن حکیم اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتب سے راہنمائی حاصل کی اور انتہائی خوب صورتی سے یہ واضح کر دیا کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان نے ہر مشکل اور آزمائش کا مقابلہ عزمِ صمیم اور قلبِ سلیم کے ساتھ کیا اور زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر مرحلے میں فقید المثال حکمت، جرات، استقامت، استقلال اور جلال و جمال کا مظاہرہ فرمایا۔

یہ کتاب دراصل ہمارے بھائی محمد عبدالقیوم کی طرف سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا جانے والا ہدیۂ عقیدت ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور انھیں دنیا و آخرت میں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائیں۔ آمین!

خیر اندیش

پروفیسر پرویز احمد باجوہ صاحب



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روشنی کا اعلیٰ مینار

جناب سلمان غنی صاحب

ایگزیکٹو ایڈیٹر: روزنامہ دنیا، لاہور۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے بہت سے ایسے کام بھی لیتا ہے جو اِس کے لیے نہ صرف نیکی وسلامتی کا سبب بنتے ہیں، بلکہ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کے لیے بھی اسے بہت کچھ سمیٹنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ کام عمومی طور پر ایسے ہی لوگ کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص محبت اور شفقت ہو۔ ویسے تو جب بندہ اللہ تعالیٰ کے بعد اپنے آپ سے عہد کرتا ہے کہ وہ زندگی میں کچھ ایسا کام بھی کر جائے جس سے نہ صرف اِس کی بخشش ممکن ہو، بلکہ یہ کام لوگوں کے لیے علم وفکر کی راہنمائی کا بھی سبب بنے۔

محمد عبدالقیوم صاحب ایک معروف سیاسی اور کاروباری شخصیت ہیں۔ اِن کا دسترخوان اور دوستوں کے ساتھ محبت بھی کمال کی ہوتی ہے۔ برسوں سے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بے شمار کتابیں اِن کے زیرِ مطالعہ تھیں۔ حال ہی میں اُنھوں نے نہایت قابلِ تعریف کارنامہ سرانجام دیا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واقعی ایک بڑے اعزاز سے نوازا ہے جس پر اِن کو اور اِن کے دوستوں کو ناز بھی ہے اور فخر بھی۔

حیاتِ طیبہ کے سنہرے واقعات پر مشتمل کتاب ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' میں کمال کے مضامین ہیں جن میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طرزِ زندگی، طرزِ عمل، رہن سہن، مشکل حالات کا مقابلہ یا اُن سے نمٹنے کا انداز، جنگِ اُحد، جنگِ خندق، صلح حدیبیہ، فتح مکّہ، غزوۂ حنین، مدینہ کی مشکلات، سخت ترین آزمائش کے تین سال، جہدِ مسلسل، ہجرت، سفرِ طائف جیسے معاملات پر خوب صورت تصویر کشی اور بھرپور معلومات کا احاطہ کیا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ سارا کام بڑی محنت سے کیا گیا ہے۔

برادرم محمد عبدالقیوم نے کمال یہ کیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارکہ سے جڑے اہم اور غیر معمولی واقعات کو بڑے ہی شاندار، خوب صورت اور سلیس انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کر کے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑے جامع انداز میں اُجاگر کر کے بہت سے پڑھنے والوں کی علمی و فکری راہنمائی کی ہے۔ کیونکہ کتاب میں شامل مضامین کے مطالعہ سے ہر معاملہ فہم فرد، چاہے وہ مرد ہو یا

عورت، حیاتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہی حاصل کر کے اپنی معلومات اور علم میں اضافہ کر سکتا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت پر ہمارے عزیز از جان بھائی محمد عبدالقیوم مبارکباد کے مستحق ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ منفرد انداز میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترتیب دینے کی اِس غیر معمولی کاوش کو ہر سطح پر پذیرائی ملے گی، کیونکہ بڑی محنت سے کیا جانے والا یہ کام اپنی مقصدیت اور افادیت کے حوالے سے بھی اہمیت رکھتا ہے۔ بالخصوص ہماری نئی نسل کے لوگوں کو یقینی طور پر اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اُصولی طور پر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی یہ اہم کتاب ہمارے تعلیمی اداروں کے کتب خانوں میں بھی ہونی چاہیے اور خاص طور پر دینی تحقیق کے حوالے سے اس کتاب سے بہت زیادہ استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

خیر اندیش

سلمان غنی صاحب



قدم قدم آزمائش، قدم قدم امتحاں

سیرت کے واقعات سے کھلا ہم پہ یہ راز
بے مثل ہے جہاں میں فراست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
چارا گرانِ دردِ محبت یہ جان لیں
مِٹتی نہیں دِلوں سے عقیدت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

لکھی تاریخ ایسی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر نے محبت کی
کوئی دوجا نہ لکھ پایا عمل کی داستاں ایسی

والدِ محترم کا انتقال

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ مکّہ کے عظیم المرتبت اور جلیل القدر سردار عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سب سے زیادہ خوب صورت، باوقار، باکمال، بردبار، فضیلت و بزرگی کے آئینہ دار، اندازِ گفتار میں سحر کار، پاکیزگی و نیک کرداری میں یکتائے روزگار، احساسِ ذمہ داری سے حد درجہ سرشار، عادت و کردار میں بے مثال اور حسن و جمال سے مالا مال تھے۔ سیّدنا عبداللہ اپنے برگزیدہ اور نیک نام والدین کے سب سے زیادہ لاڈلے اور چہیتے بیٹے تھے۔ اُن کی واجب الاحترام والدۂ ماجدہ کا نام عفت مآب سیّدہ بی بی فاطمہ تھا۔

جناب عبدالمطلب نے چاہِ زم زم کی کھدائی کے دوران پیش آنے والی مشکلات اور مزاحمت پر یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ پر یہ انعام فرمائیں کہ میں اپنے دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان ہوتے دیکھوں اور وہ زندگی کے تمام معاملات میں میرے مددگار و معاون اور طاقت و نصرت کا باعث بنیں تو میں اللہ ذوالجلال والاکرام کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اُن میں سے ایک بیٹے کو اس کی راہ میں قربان کر دوں گا۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کی تمنا کو پورا فرما دیا تو ایفائے عہد کے لیے اُنھوں نے اپنے فرماں بردار اور اطاعت شعار بیٹوں کو ساتھ لیا اور قرعہ اندازی کے لیے خانۂ کعبہ میں تشریف لے آئے لیکن جب قرعہ چھوٹے سردار جناب عبداللہ کے نام نکل آیا تو اللہ پروردگار کا یہ فیصلہ دیکھ کر اُن کی بہنیں اپنے پیارے بھائی سے لپٹ کر رونے لگیں۔ اُنھوں نے ابا جان کی مِنت سماجت شروع کر دی اور انھیں اللہ کا واسطہ دے کر یہ عرض کیا کہ وہ ایفائے نذر کے لیے بھائی جان عبداللہ کی قربانی کے فیصلے پر عمل درآمد کرنے کی بجائے کوئی متبادل راستہ اختیار فرمائیں لیکن مصمّم ارادے کے مالک سردار عبدالمطلب تو اپنے عہد کو من و عن پورا کرنے کا پختہ عزم فرما چکے تھے۔

وہ حضرت عبداللہ کو خانۂ کعبہ کی دیوار کے پاس لے آئے، جب کہ اس سارے معاملے کے دوران حفظِ مراتب اور ادب وآداب سے آراستہ وپیراستہ سیّدنا عبداللہ کسی پریشانی کا اظہار کرنے کی بجائے ایک بلند حوصلہ، سعادت مند اور باادب فرزند کی طرح سرِ تسلیم خم کیے اپنے والدِ محترم سردار عبدالمطلب کی طرف سے کیے جانے والے آخری اعلان کے منتظر کھڑے تھے۔

اس گھمبیر صورتِ حال کی وجہ سے پورا گھرانہ، عزیز واقارب اور مکّہ میں موجود قبیلۂ قریش کے تمام افراد، بلکہ پورا شہر مضطرب اور فکر مند نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ نوجوان عبداللہ کی سلامتی اور خیریت کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ساتھ ساتھ وہاں موجود ہر شخص کی جانب سے بڑے سردار جناب عبدالمطلب کی خدمتِ اقدس میں لگاتار یہ درخواست بھی پیش کی جا رہی تھی کہ برائے مہربانی وہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی فرمائیں اور اپنی نذر کو کسی دوسری صورت میں بدل دیں، چناں چہ ہر طرف سے آنے والے زبردست اخلاقی، جذباتی، معاشرتی دباؤ اور مزاحمت کے بعد سردار عبدالمطلب نے بالآخر اس تجویز پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا کہ چھوٹے سردار جناب عبداللہ اور اُونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کر لی جائے۔ یوں سیّدنا عبداللہ کی زندگی کے بدلے سو اُونٹوں کی قربانی دے کر سردار عبدالمطلب نے اپنی منت اور نذرانے کے عہد و پیمان کو پورا فرمالیا۔(1)

اس حیرت انگیز واقعے کے دن اہلِ مکّہ نے دیکھا کہ وجیہ وشکیل، سحر انگیز شخصیت اور دلوں میں اُتر جانے والے خداداد حسن و جمال کے حامل سیّدنا عبداللہ نہایت باوقار، پُرسکون اور صابر نظر آ رہے تھے۔

قربانی کا دن اُن کے لیے درحقیقت ایک سخت ترین آزمائش کا دن تھا۔ اُس دن وہاں موجود لوگوں نے دیکھا کہ اللہ کے فضل وکرم سے سیّدنا عبداللہ اپنی زندگی کے اس مشکل ترین امتحان میں پوری طرح سرخرو رہے تھے جس کے نتیجے میں اُن کی سعادت مندی اور استقامت کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی، چناں چہ مکّہ کے اس ہر دل عزیز سردار کا ذکرِ خیر عرب کی ہر محفل اور مجلس میں ہونے لگا۔ لوگ اُن کے چاند جیسے چہرے، اُٹھتی جوانی اور خوب صورت شباب کی بات کرتے جو بڑے سردار جناب عبدالمطلب کی منت کے بدلے قربان ہونے لگے تھے۔ لوگ اُن کی فرماں برداری، صبر واستقلال اور حسن و جمال کا ذکر کر کے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے۔

سیّدنا عبداللہ کی زندگی کی خیریت و عافیت اور حفاظت کا یہ سارا انتظام و انصرام اللہ ذوالجلال والاکرام کی طرف سے نہایت احسن انداز میں تکمیل پا گیا تو اُس کے بعد سیّد القریش حضرت عبدالمطلب اپنی اہلیہ محترمہ سیّدہ بی بی فاطمہ کے ہمراہ اپنے چہیتے اور لاڈلے صاحب زادے کی شادی کے لیے نسب اور شرف کے لحاظ سے معزز و محترم اور مقام و مرتبے کے لحاظ سے بنو ہاشم کے شایانِ شان قریش ہی کے ایک اور قبیلے بنی زُہرہ کے صاحبِ جاہ وجلال رئیس اور سلیم الطبع سردار وہب بن عبد مناف سے اُن کی نورِ نظر، لختِ جگر اور عالی نژاد صاحب زادی

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 155/1

عفت مآب سیّدہ آمنہ کا رشتہ مانگنے اُن کے گھر پہنچ گئے۔

بنی زُہرہ کی یہ افضل ترین خاتون پورے قبیلۂ قریش میں اپنے حسن و جمال میں بے مثال اور نیکی و بھلائی میں درجۂ کمال پر فائز تھیں۔ خاندانِ بنو زُہرہ نے سردارِ مکّہ جناب عبد المطلب اور ان کے لائقِ تعظیم اور بلند مرتبہ افرادِ خانہ کی اپنے گھر تشریف آوری پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا اور میزبان خاندان نے نہایت مسرّت کے ساتھ اس رشتے کو منظور کر لیا۔

خانوادۂ بنو ہاشم کے سربراہ سردار عبد المطلب کا خاندان مکّہ کا سب سے زیادہ عالی وقار اور رفیع الشّان گھرانہ تھا۔ اب اس خاندان کے ایک افسانوی شہرت کے حامل اور سعادت مند فرزندِ ارجمند سیّدنا عبد اللہ کی شادی مکّہ کی اشرافیہ سے تعلّق رکھنے والے ایک عالی نسب اور آبرومند گھرانے کے رئیس سردار وہب کی نورِ نظر بی بی جی سیّدہ آمنہ کے ساتھ طے پا گئی۔ کچھ دنوں بعد جب شادی کی تمام تقریبات بہ خیر و خوبی اختتام پزیر ہو گئیں تو اُس وقت کے رسم و رواج کے مطابق سیّدنا عبد اللہ تین دن تک اپنی سسرال میں ہی قیام فرما رہے۔ شادی کے چوتھے روز جب وہ اپنی شریکِ حیات کو ساتھ لے کر اپنے گھر تشریف لائے تو سسرال میں آمد پر عفت مآب سیّدہ آمنہ کا نہایت شفقت و محبت اور گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔(1)

اس خوش گوار اور پُر بہار ازدواجی زندگی کے ابھی چند ماہ ہی گزر رہے تھے کہ فرماں بردار حضرت عبد اللہ اپنے والدِ محترم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک تجارتی کارواں کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ وقتِ روانگی انھیں خدا حافظ کہنے اور بی بی جی سیّدہ آمنہ کی حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے بھائیوں اور بہنوں کے علاوہ بنو ہاشم اور بنو زُہرہ کی معزز اور ممتاز خواتین بھی وہاں موجود تھیں۔

چند ہفتوں بعد جب تجارتی قافلہ واپسی کے لیے ملک شام سے روانہ ہوا تو اسی سفر کے دوران حضرت عبد اللہ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ تیز بخار، ضعف اور نقاہت کی وجہ سے اُن کے لیے مشکل ہو گیا کہ وہ اپنے سفر کو جاری رکھ سکیں، چناں چہ اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ طبیعت کے سنبھلنے تک وہ یثرب میں ٹھہر جاتے ہیں۔ کارواں میں شامل تاجر ساتھی چند دن تک تو اُن کی صحت یابی کا انتظار کرتے رہے لیکن جب جناب عبد اللہ کی علالت نے طول اختیار کیا تو وہ لوگ انھیں خدا حافظ کہہ کر یثرب سے روانہ ہو گئے۔

بنو ہاشم خاندان کے لیے تجارتی قافلے کی مکّہ میں آمد خوشی کی بجائے پریشانی اور افسردگی کا باعث بن گئی، کیوں کہ جب بڑے سردار جناب حضرت عبد المطلب اور عفت مآب بی بی جی سیّدہ آمنہ کو یہ خبر ملی کہ شدید علالت کی وجہ سے جناب عبد اللہ یثرب میں اپنے ننھیال میں ہی ٹھہر گئے ہیں۔ اس افسوس ناک خبر کی وجہ سے بوڑھے سردار جناب عبد المطلب کی حالت تو بہت زیادہ ناگفتہ بہ ہو گئی۔ اُنھوں نے نہایت تشویش اور اضطراب کے عالم

1۔ السیرۃ النبویہ لابن اسحٰق: 42/1

میں اپنے بڑے بیٹے جناب حارث کو بھائی کی خبر گیری اور تیمارداری کے لیے یثرب روانہ فرمایا کہ جیسے ہی وہ سفر کے قابل ہوں، انھیں لے کر مکّہ آجائیں لیکن افسوس کہ جنابِ عبداللہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ یثرب ہی میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

جناب حارث یثرب پہنچے تو وہاں کے بزرگوں نے انھیں جواں سال بھائی کے انتقال پُر ملال کی خبر دیتے ہوئے بتایا کہ جب حضرت عبداللہ نے مسلسل ایک ماہ بیمار رہنے کے بعد اس دنیائے بے ثبات کو الوداع کہا تو انھیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ دارُ النابغہ، محلہ بنی نجار میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

سوگوار اور غم زدہ جناب حارث کی بدنصیبی کہ وہ تو اپنے پیارے بھائی جناب عبداللہ سے ملاقات کی خواہش کے ساتھ یثرب آئے تھے لیکن انھیں بھائی کا مزار دیکھنا پڑا۔ غریب الوطنی میں موت کا یہ کتنا حسرت ناک اور دل گداز منظر تھا کہ وقتِ آخر نہ ماں باپ پاس تھے، نہ کوئی بہن بھائی اور نہ ہی اُن کی عفت مآب اہلیہ محترمہ سیّدہ آمنہ خاتون موجود تھیں۔ جواں سال بھائی کی موت کی یہ دردناک خبر لے کر جناب حارث جب مکّہ پہنچے تو پورے خاندان میں صفِ ماتم بچھ گئی۔(1)

بنو ہاشم کے ہر گھر سے گریہ وزاری اور آہ وفغاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ سیّد القریش سردار عبدالمطلب کے کاشانے پر ماتم پُرسی اور تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ خصوصاً وفا شعار شریکِ حیات سیّدہ آمنہ، جو بے چینی سے اپنے سرتاج کی آمد کی منتظر تھیں، اُن پر تو یہ روح فرسا خبر بجلی بن کر گری۔ اُن کے معصوم دل کی تو دنیا ہی ویران ہوگئی، اس لیے کہ وہ اُمید سے تھیں۔(2)

حُسن وجمال کے اس شہزادے کے عینِ عالمِ شباب میں وصال پُرملال کی خبر پر اہلِ خاندان ہی نہیں بلکہ ساری قومِ قریش سوگوار نظر آ رہی تھی۔ شدید دُکھ اور صدمے کی وجہ سے ہر اپنے بیگانے کا دل غم زدہ، ہر آنکھ اشکبار اور مکّہ کے تمام گھروں اور محفلوں میں اُداسی کا عالم چھایا ہوا تھا۔

اپنے محبوب شوہر کی جدائی کا غم یقیناً سب سے زیادہ سیّدہ آمنہ کو تھا۔ ابھی تو اُن کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہ اُتری تھی کہ انھیں بیوگی کا غم سہنا پڑا۔ ماں باپ اور بہن بھائی افسردہ کہ جوانی کی ابتدا میں ہی اُن کی سہاگ کی خوشیاں رنج وغم میں بدل گئیں۔ اُن کی ساری اُمیدیں، آرزوئیں اور تمنائیں ناتمام رہ گئیں، یہاں تک کہ وہ اپنے سرتاج کا آخری دیدار بھی نہ کر سکیں۔ اُن کے سنہرے خواب شرمندۂ تعبیر ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ گئے اور اُن کا یہ خواب اور انتظار بھی اُدھورا رہ گیا کہ: سیّدنا عبداللہ اپنے نورِ نظر، لختِ جگر کو دیکھ کر کتنا خوش ہوں گے لیکن یہ تو قضا وقدر کے اپنے فیصلے تھے کہ سیّدنا عبداللہ باپ بننے کے انمول لمحات کی مسرتوں اور خوشیوں سے فیض یاب نہ ہو سکے۔

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 80/1

2۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔ رقم الحدیث: 4191

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، کہ جن کی ذاتِ پاک کی مہک سے مشرق اور مغرب معطر ہونے والے تھے، وہ معصوم ہستی تو دھرتی پر پاؤں رکھنے سے پہلے ہی یتیم ہو جانے کی وجہ سے اپنے والدِ محترم کے لاڈ پیار اور شفقت و محبت کا لمس کبھی محسوس نہ کر سکی۔

ایک وقت تھا جب سردار عبد المطلب نے سو اُونٹوں کی قربانی کے بدلے سیّدنا عبد اللہ کو اللہ ذو الجلال والا کرام سے مانگ لیا تھا لیکن آج غم والم اور بے بسی کا یہ کیسا منظر ہے کہ بڑے سردار صاحب اُونٹوں کی کسی بھی تعداد کے بدلے میں اپنے چہیتے بیٹے کو واپس نہیں لا سکتے۔ یقیناً، جب ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تھوڑی بہت باتیں کرنا شروع کی ہوں گی تو اپنی پیاری امی جان سے اپنے ابا جی کے متعلّق ضرور دریافت فرمایا ہوگا:

اے امی جان!

میرے ابا جی کہاں ہیں؟

تو جواب میں سراپا شفقت ماں جی نے اپنے فرزندِ ارجمند کو سایۂ مہربان سے دائمی محرومی کے اُس افسوس ناک حادثے کے متعلّق آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہوگا:

میرے عزیز از جان بیٹے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیارے ابو جان تو رحلت فرما چکے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں بھی اللہ ذُو الجلال والا کرام کا فرمان ہے:

اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ (الضحیٰ:6)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یتیم نہیں پایا اور پھر اپنی آغوشِ رحمت میں ٹھکانا فراہم کیا۔

سیّدہ آمنہ خاتون نے اپنے جواں سال رفیقِ حیات کی دائمی جدائی اور مفارقت کے غم میں ایک درد انگیز مرثیہ کہہ کر اپنے دِلی جذبات کا اظہار اِن الفاظ میں کیا تھا:

سرزمینِ مکّہ بنو ہاشم گھرانے کے ایک حسین وجمیل اور بے مثال فرزند کی
مرگِ ناگہانی پر اُداسی اور ویرانی کا منظر پیش کر رہی ہے۔
میرے عزیز از جان سرتاج، جو اپنے خاندان کی شان اور عظمت کی علامت تھے،
وہ اپنے اہلِ خانہ سے بہت دور کفن کی دو سفید چادروں کے ساتھ لحد میں جا لیٹے۔
بنو ہاشم گھرانے کے وہ باوقار اور بے نظیر فرزند فرشتۂ اجل کے بلاوے پر
بہادروں کی طرح اُس کی جانب بڑھے اور اُسے گلے لگا لیا۔
افسوس کہ بنو ہاشم قبیلہ اپنے ایک خوب صورت اور کمال کی سج دھج رکھنے والے

نوجوان سے محروم ہوگیا۔

کتنے حسرت ناک تھے اُس اداس دن کے وہ آخری لمحات جب لوگ اُن کے کفن
میں لپٹے جسدِ خاکی کو تخت پر اُٹھائے اُن کی آخری آرام گاہ کی جانب بڑھ رہے تھے
تو اُس الم ناک موقعے پر ہمارے عظیم سردار کے جنازے میں شریک بہت بڑے ہجوم
میں شامل اُن کے غم زدہ ساتھیوں کو کندھا دینے میں بھی مشکل پیش آرہی تھی،
ساتھ ساتھ جنازے کے جلوس میں شامل اُن کے دوست احباب حسبِ حال
اُن کے محاسن اور خصائل بھی بیان کرتے جارہے تھے۔اُن کے سب ساتھی
اپنے دوست کے چاند جیسے چہرے، پاکیزہ جوانی، جود و سخا، شرافت وشفقت
اور قربانی کے دن اُن کی فرماں برداری اور صبر واستقلال کی باتوں کا تذکرہ کرکے
اپنے غم کی شدّت کو کم کرنے کی کوشش کررہے تھے۔
اگرچہ قضاوقدر کے فیصلے پر اُس پُرشکوہ انسان نے لبیک کہا اور وہ آن کی آن میں ہمیں
داغِ مفارقت دے کر چلے گئے لیکن آج بھی اُن کے بلند مرتبہ کردار کے تاثر کو ہر شخص
اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، کیوں کہ وہ بے کسوں کے ساتھی اور غریبوں کے ہمدرد تھے۔
لوگ اُس رحم دل اور نیک صفت ہستی کو یاد کرکے اس لیے روتے ہیں کہ وہ بے حد فیاض،
نہایت دریا دل اور بہت زیادہ کرم فرمانے والے انسان تھے۔(1)

عفت مآب سیّدہ آمنہ نے جس طرح اپنے جلیل القدر اور صاحبِ عظمت شوہر کو اتنے شان دار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا، سیّدنا عبداللہ واقعی اُس کے مستحق تھے، کیوں کہ اُن کی واجب الاحترام ذاتِ بابرکات کے ساتھ نہ صرف اُن کی زندگی میں، بلکہ وفات کے بعد بھی لوگوں کے لیے بھلائی، خیر اور رحمت وابستہ رہی۔

یہی وجہ تھی کہ اُن کی وفات کے تقریباً اکسٹھ سال بعد فتح مکّہ کے دن جب پورا شہر اسلامی فوجوں کے قبضے میں تھا اور شہر میں موجود بڑے بڑے جفا کار، سفاک اور سنگ دل سرداروں کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور دل ڈوب رہے تھے اور اسلام کے آغاز میں مشکلات کھڑی کرنے اور ظالمانہ طرزِ عمل اختیار کرنے والے وہ سب فرعون اور شدّاد آج حضور نبیِ کریم رحمۃ للّعالمین ﷺ کے رحم وکرم پر تھے۔

جب اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین ﷺ نے مفتوح، مجرم اور قیدی کفارِ مکّہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

اے اہلِ مکّہ! کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

1۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 80/1

صحنِ کعبہ میں موجود قبیلۂ قریش کے تمام افراد لب بستہ اور دم بخود نظر آ رہے تھے۔ اُس وقت جب کہ صورتِ حال کافی گھمبیر تھی، سردار سہیل بن عمرو مکّہ شہر کے نمائندے کی حیثیت سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک عاجزانہ درخواست پیش کرنے کے لیے بڑے سہمے ہوئے انداز میں آگے بڑھے اور عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اہلیانِ مکّہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کی توقع اور بھلائی کی اُمید رکھتے ہیں۔
ہمیں یقین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر مہربانی فرمائیں گے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہمارے عالی مرتبت، صاحبِ عظمت اور رحیم و کریم بھائی سیّدنا عبد اللہ کے رفیع المنزلت،
نرم دل اور شفیق و مہربان فرزندِ ارجمند ہیں۔

اُن کے جو غلام ہو گئے وہ خلق کے امام ہو گئے
آپ کا دیا جو واسطہ اُن کے سارے کام ہو گئے

اہلِ مکّہ آج اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شکست خوردہ اور مجرم کی حیثیت سے کھڑے تھے۔ شرمندگی اور ندامت کی اُس حالت میں اُنھوں نے رحم کی درخواست پیش کرتے ہوئے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ محترم کے پسندیدہ فضائل اور خوب صورت صفات کو اپنی رحم کی درخواست کے ساتھ بطورِ سفارش پیش کیا تھا۔

فتحِ مکّہ کا دن بدلے کا دن بھی ہو سکتا تھا اور یقیناً ہر قسم کا بدلہ جائز بھی تھا لیکن ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سراپا عفو و درگزر اور رحمتِ عالم تھے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلیانِ مکّہ کی طرف سے پیش کی گئی رحم کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا کرتے ہوئے فرمایا:

جاؤ! آج تم سب آزاد ہو، آج تم پر کوئی گرفت نہیں!
اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو معاف فرمائے! اور اللہ تبارک وتعالیٰ بہت ہی رحم فرمانے والے ہیں۔(1)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

میرے آقا دشمن کو ایسا نوازیں ہے مشہورِ عالم آپ کی خوش خصالی
رسُولوں میں حاصل ہوا نہ کسی کو آپ کا ایسا رتبہ آپ کی شان عالی

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 412/1

والدۂ محترمہ کی وفات

جب اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک تقریباً چھے سال کے قریب تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدۂ ماجدہ عفت مآب حضرت آمنہ اپنے دل نواز اور باسعادت فرزندِ ارجمند صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت عبدالمطلب کے ننھیال قبیلۂ بنوعدی بن نجار کے ہاں یثرب تشریف لے گئیں۔ اس سفر میں آپ کی کنیز اُمِّ ایمن بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔

مدینہ میں کوئی ایک ماہ قیام کے دوران والدۂ محترمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہ گھر دکھایا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدِ محترم گرامی قدر سردار عبداللہ اپنی علالت کے دوران قیام پزیر رہے۔ وہ جگہ بھی دکھائی جو بالآخر اُن کی آخری آرام گاہ بنی اور جہاں اب وہ ابدی نیند سو رہے تھے۔

اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اپنی والدۂ محترمہ کے ساتھ اس پہلے اور آخری سفر کی بہت سی باتیں اور یادیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذہن میں بہت اچھی طرح محفوظ رہیں۔ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گفت گو کے دوران اُس گھر کا ذکر فرمایا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے قیامِ یثرب کے دوران اپنی والدۂ محترمہ کے ہمراہ ٹھہرے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بھی بتایا کہ:

بنونجار کی ایک لڑکی انیسہ میرے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

کبھی کبھی ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر درختوں پر بیٹھے پرندوں کو اُڑایا کرتے تھے اور یثرب میں قیام کے اُس مختصر عرصے کے دوران میں نے گھر کے قریب ہی ایک میٹھے پانی کے تالاب میں بڑی اچھی مہارت کے ساتھ تیرنا بھی سیکھ لیا تھا۔(1)

یثرب میں تقریباً ایک ماہ اقامت پزیر رہنے کے بعد بی بی سیّدہ آمنہ نے مکّہ واپسی کا ارادہ فرمایا لیکن افسوس کہ وطن کی جانب اُس طویل سفر کے آغاز میں ہی ایک جانکاہ حادثہ پیش آ گیا۔ حضرت آمنہ اپنے مختصر سے قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ سے ابھی تھوڑے ہی فاصلے پر پہنچنے پائی تھیں کہ اچانک اُن کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ تکلیف اتنی بڑھی کہ اُن کی حالت دوبارہ سنبھل نہ سکی۔

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 93/1

فرض شناس اور اطاعت گزار کنیز (برکہ) اُمِّ ایمن نے اُن کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور نہ ہی خدمت ونگہداشت میں ذرّہ برابر کوتاہی کی مگر سراپا شفقت ومحبت مادرِمہربان اپنی زندگی کے آخری سفر میں منزل تک نہ پہنچ سکیں۔

وہ اپنے لختِ جگرکو دیارِغیر میں تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ کر اور اپنے حسّاس اور جاں گداز نونہال کی خوشیاں دیکھے بغیر، تمام آرزوئیں، اُمنگیں اور ارمان دل میں لیے، غم زدہ کیفیت کے ساتھ، آن کی آن میں اس دنیائے بے ثبات سے رخصت فرما گئیں تو اُن کی اُسی بے آب و گیاہ بیاباں میں تجہیز وتکفین کردی گئی۔(1)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ محترم سیّدنا عبداللہ نے غریب الوطنی میں انتقال فرمایا تھا اور آج پیکرِ شفقت و محبت والدۂ محترمہ بھی وطن سے بہت دور اپنے خالقِ حقیقی سے جاملیں۔

مکّہ کی طرف واپسی کا یہ ایک حسرت ناک سفر ثابت ہوا، کہ اس کے آغاز میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے تو والدۂ محترمہ کی شدید علالت اور پھر آناً فاناً اُن کی موت جیسے ایک الم ناک اور درد ناک سانحے سے گزرنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحرا کی اُس اُداس اور بے نور شام میں اپنی پیاری والدۂ محترمہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے موت کی آغوش میں جاتے اور اُن کے جسدِ خاکی کو منوں مٹی تلے دفن ہوتے دیکھا۔

کچھ دن پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افسردہ دل کے ساتھ اپنے مرحوم ابّا جان کے مزار کی زیارت کی تھی جن کے لطف وکرم اور شفقت ومحبت کو دیکھنے کا موقع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میسّر نہ آسکا تھا اور اَب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پیاری امی جان کی دائمی مفارقت کا دُکھ بھی سہنا پڑا اور وہ بھی گھر سے بہت دور، جہاں ایک کنیز کے سوا نہ کوئی قریبی عزیز تھا اور نہ کوئی ہمدرد و رفیق، جو دُکھ کے اُن لمحات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریکِ غم ہوسکتا۔ اس حادثۂ روح فرسا کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ تدفین کے بعد یہ چھے سال کے معصوم صاحبزادے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لحد کے پاس ہی حزن وملال اور رنج والم کی کیفیت میں بیٹھے رہے اور شدّتِ غم سے مبارک آنکھوں سے لگاتار بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ اپنی امی جان سے مخاطب تھے:

امی جان!
آپ بولتی کیوں نہیں ہیں؟
آپ اُٹھیں اور میرے ساتھ گھر چلیں!

حسب ونسب اور مقام ومرتبے کے لحاظ سے پوری قوم میں افضل و باوقار، عفت وعصمت میں بے مثال، سنجیدہ ومتین اور انتہائی پرہیزگار فضیلت مآب سیّدہ بی بی آمنہ خاتون نے وقتِ رحلت بڑی افسردگی کے ساتھ اپنے نورِ نظر

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 94/1

کے چاند جیسے چہرۂ مبارک کو آخری بار پیار سے دیکھا اور انتہائی نحیف و نزار آواز میں یہ کلمات ادا فرمائے:

ہر ذی روح موت کے تلخ تجربے سے گزرے گا اور ہر نئی چیز بالآخر
خستہ حال ہو جاتی ہے۔ کوئی کتنا ہی عظیم یا طاقت ور ہو، ایک دن فنا کے
گھاٹ اُتر جائے گا۔ یہ میری زندگی کے آخری لمحات ہیں اور میں اس وقت
موت کی جانب بڑھ رہی ہوں لیکن میری تعریف وتوصیف، خیر اور بھلائی کے ساتھ
ابد تک جاری رہے گی، کیوں کہ میں نے ایک طیّب، طاہر اور عزت وعظمت والے
فرزند کو جنم دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مونس وغم گسار آیا اُمِّ ایمن اس دردانگیز اور غم ناک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے مسلسل بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لیے مکّہ مکرمہ واپس پہنچیں تو شفیق اور مہربان دادا جان سردار عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔

برسوں کے بعد جب عمرہ حدیبیہ کے موقع پر اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِسی ابواء کے مقام سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ قد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ ٥

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اپنی امی جان کے روضۂ مبارک کی زیارت کی اجازت عطا فرمائی ہے۔(1)

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مرحومہ والدۂ ماجدہ کے مزار پر تشریف لے گئے، اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر مبارک کو درست فرمایا۔ اس وقت ماں جی کی یاد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے۔

یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور بے ساختہ رونے لگے۔

بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رونے سے منع فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَدْرَکَتْنِیْ رَحْمَتُهَا فَبَکَیْتُ ٥

مجھے اپنی امی جان کی شفقت ومحبت یاد آ گئی،

1۔ سنن ترمذی۔ ابواب الجنائز۔ رقم الحدیث: 1054۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 94/1

پھر بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔(1)

روزِ گرم و شب تیرۂ و تار میں
کوہِ صحرا کی خلوت پہ لاکھوں سلام
خندۂ صبح عشرت پہ نوری درود
گریۂ ابرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
نرمئ خوئے لینت پہ دائم درود
گرمئ شانِ سطوت پہ لاکھوں سلام
اُن کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود
اُن کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

1۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:94/1

شفیق ومہربان داداجان کا انتقال

یثرب سے مکّہ واپسی کے سفر میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس وقت ایک تکلیف دہ صدمے سے دو چار ہونا پڑا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 'ابواء' کے مقام پر پہنچے کہ مادرِ مہربان سیّدہ آمنہ کا سایۂ شفقت ومحبت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سے اُٹھ گیا۔ افسوس کہ پیاری امی جان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابھی دو سال ہی اکٹھے گزارنے نصیب ہوئے تھے کہ وہ بھی رحلت فرما گئیں۔

باہمت کنیز برکتہ کا اُس وقت صدمے سے اگرچہ بُرا حال تھا، پھر بھی غم زدہ دِل اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی حفاظت سے اپنے ہمراہ لے کر مکّہ مکرمہ پہنچ گئیں تو داداجان سردار عبدالمطلب نے ہمارے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا۔

وجیہ وشکیل داداجان کی شخصیت، عزت وعظمت اور جلال وجمال کا حسین امتزاج تھی۔ قدرت نے آپ کو حسنِ باطن کے ساتھ حسنِ ظاہر بھی بڑی فیاضی کے ساتھ عطا فرمایا تھا۔ چہرے پر وقار، رعب ودبدبہ اور شان وشوکت نمایاں نظر آتی تھی۔ حلم، بردباری اور دین داری کی صفات کے ساتھ آپ بڑے فیاض اور مہمان نواز بھی تھے۔

عظیم الشان قوّت وکردار کے مالک سیّدنا عبدالمطلب مکّہ کے سرداروں میں سب سے زیادہ جہاں دیدہ، بلند حوصلہ اور صاحبِ وجاہت سردار تھے۔ وہ غریبوں اور یتیموں کے ہمدرد، کمزوروں اور مسکینوں سے محبت کرنے والے اور عہد کے پابند تھے۔ قحط سالی میں محتاجوں کو کھانا کھلاتے اور حاجیوں کے آرام وراحت کا انتظام فرماتے تھے۔ وہ مکّہ کے ایک ایسے ہر دل عزیز فرماں روا تھے جو سب کو ساتھ لے کر چلتے تھے۔ ایک مہربان بزرگ کی حیثیت سے اُن کی ذات شہر میں اتحاد اور اتفاق کی علامت تھی۔

اپنے ارادوں اور مقاصد میں ثابت قدم اور غیر متزلزل شخصیت کے مالک جناب سردار عبدالمطلب کا ایک اہم کارنامہ زَم زَم کے چشمے کو نئے سرے سے فعال بنانا تھا جو مدّت ہوئی بند ہو چکا تھا۔ وہ اپنی قوم قریش کے لیے انتہائی بابرکت ثابت ہوئے۔ قوم بھی انھیں بڑی عزت، قدر، خوشی اور محبت سے دیکھتی اور اپنا راہنما تسلیم کرتی تھی۔ جب بھی نجی محفلوں اور مجلسوں میں اُن کا ذکر ہوتا تو لوگ شان دار الفاظ کے ساتھ اپنے سردار کی تعریف وتوصیف کیا کرتے تھے۔

سردار عبدالمطلب کی زندگی تک خاندانِ بنو ہاشم کا ستارہ عروج پر تھا، چناں چہ قریش کے فرماں روا کی حیثیت سے اور اُن کی تعظیم واکرام کی خاطر کعبۃ اللہ کے زیرِ سایہ حطیم کے سامنے اُن کے لیے ایک نشست گاہ مخصوص تھی جس پر نہایت اعلیٰ قالین اور نفیس گاؤ تکیے لگائے جاتے تھے۔ مشکِ اذفر اور دوسری خوشبوؤں سے معطر یہ معزز

سردار مسند کے وسط میں تشریف فرما ہوتے تو اُن کے بیٹے اور معززینِ قریش، جن میں ابوسفیان کے والد حرب بن اُمیّہ اور عاص بن وائل جیسے قدآور سردار حفظِ مراتب، مناسبت اور شائستگی کے ساتھ قالین کے اطراف میں حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے تھے۔

اس ممتاز اور باوقار محفل میں شرکت کے لیے اکثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لاتے۔ اگر کوئی چچا خاندانی ادب و احترام اور دستورِ محفل کا خیال کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کرتے تو سردار عبدالمطلب اُن کو کہتے:

میرے اس ذی وقار بیٹے کو میرے قریب آنے دو!
ان کو نہ روکو! ربِّ کعبہ کی قسم!
مجھے اپنے اس بیٹے میں بزرگی اور عظمت کے آثار نظر آتے ہیں۔
ان شاء اللہ!
میرے اس صاحبِ قدر و منزلت بیٹے کی شان بہت بلند اور مستقبل بہت عظیم ہے۔
میں اُمید رکھتا ہوں کہ میرا یہ بیٹا جزیرۃ العرب میں مقام اور مرتبے کے لحاظ سے اُن
رفعتوں اور بلندیوں تک پہنچے گا جہاں آج تک کوئی عرب نہیں پہنچ سکا اور نہ آئندہ پہنچ سکے گا۔(1)

عزم و ہمت کے مالک دادا جان نے غریب الوطنی میں والدۂ محترمہ کی محبت و شفقت سے محروم ہو جانے والے پوتے اور اپنے جواں مرگ صاحب زادے عبداللہ کے خوبرو نورِ نظر کو اپنے سینے سے لگایا اور عمر کے آخری حصے میں انتہائی جذبۂ شفقت و محبت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمّے داری کو بڑے احسن انداز میں پورا کیا اور اپنے کم سن لاڈلے پوتے کو اتنا پیار دیا کہ اس سے پہلے اُنھوں نے کبھی اپنی حقیقی اولاد کو بھی اتنا زیادہ نہیں چاہا تھا۔

گھر میں کنیز اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کے علاوہ دادا جان خود بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام و آسائش کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل جوئی اور دل داری میں کوئی کمی نہ آنے دیتے تھے۔ خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اور جس وقت چاہتے، اپنے شفیق اور مہربان دادا جان کے پاس چلے جاتے، خواہ وہ تنہا ہوتے، اُن کے سونے کا وقت ہوتا یا وہ اہم شخصیات سے ملاقات فرما رہے ہوتے، حالاں کہ اُن کے جلال و اکرام اور بڑی بارعب شخصیت ہونے کی وجہ سے اُن کے بیٹے بھی یہ جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

کھانے کے وقت دسترخوان پر دادا جان پیارے پوتے کو اپنے ساتھ بٹھاتے، بلکہ اس بات کا بہت زیادہ خیال فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر کھانے میں اُن کے ساتھ شامل ہوں۔ وہ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں بٹھا لیتے،

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 168/1

انتہائی اُلفت ومحبت کے ساتھ سر مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور کمر مبارک تھپتھپاتے رہتے۔

وہ ایک لمحے کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے اُوجھل نہ ہونے دیتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر کے لیے کہیں اِدھر اُدھر چلے جاتے اور نظر نہ آتے تو وہ بے حد مضطرب اور بے قرار ہوجاتے۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت مندی، اطاعت شعاری، مستعدی اور ذہانت ہی ہر ایک کا دل موہ لیتی تھی۔ خاص طور پر دادا جان تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمدہ عادات واطوار اور درخشندہ وتابندہ رُخِ انور کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھی لیکن افسوس کہ پیار کا یہ عرصہ زیادہ طویل ثابت نہ ہوسکا۔

والدۂ محترمہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے صرف دو سال بعد ہی انتہائی مہربان، شفیق اور غایت درجہ پیار کرنے والے دادا جان بھی بیاسی سال کی عمر میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوان ہوتا دیکھنے کی حسرت دل میں لیے، اس عالمِ بے ثبات سے عالمِ جاوداں کی جانب روانہ ہوگئے۔ دائمی مفارقت کے اس الم ناک سانحے کے وقت حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمرِ عزیز صرف آٹھ سال، دو ماہ اور دس دن تھی۔ اس طرح پہلے محترم والد صاحب، پھر دو سال بعد پیاری امی صاحبہ اور اب دل وجان سے زیادہ عزیز رکھنے والے دادا جان بھی جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوکر وہاں پہنچ گئے جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا۔

والدین کریمین کی وفات حسرتِ آیات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دادا جان کا مبارک وجود ہی خوشیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا لیکن افسوس کہ بہت چھوٹی عمر میں، جب کہ دو بڑے سانحات کے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے کہ محبتیں نچھاور کرنے والی اس مہربان اور شفیق ہستی کی رحلت وجدائی کا صدمہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہنا پڑا۔ مکّہ مکرمہ کی تاریخ کے اُس اداس دن پورا شہر سوگوار تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے ہر دل عزیز سردار کے انتقال پُر ملال پر کئی روز تک اپنے کاروبار بند رکھے۔ جب لوگ اپنے سردار عبدالمطلب کے جسدِ خاکی کو اُن کی آخری آرام گاہ: مکّہ کی بلند پہاڑی پر واقع حجون کے قبرستان کی طرف لے جارہے تھے تو اُس وقت ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سر جھکائے، اپنی مقدس آنکھوں سے لگاتار چھلکتے آنسوؤں کے ساتھ، جنازے کے ہمراہ چل رہے تھے۔(1)

جب مکّہ کے برگزیدہ سردار کو اُن کے دادا ''قُصی'' کے پہلو میں سپردِ خاک کیا جارہا تھا تو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پیارے اور شفیق دادا جان کی طرف فرطِ محبت سے دیکھتے جارہے تھے۔

جب دادا جان کا جسدِ خاکی لحد کی تاریکیوں میں گم ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے محسوس ہوا جیسے شفقت ومحبت اور لطف وکرم کا ایک روشن چراغ تھا جو بجھ گیا۔ گہری اُداسی اور شدید غم والم کی کیفیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شفیق اور مہربان دادا جان کو الوداع کہا اور نڈھال قدموں سے گھر واپس تشریف لے آئے۔

اگرچہ دادا جان کی آغوشِ تربیت اور نگہداشت کا عرصہ صرف دو سال تک ہی محدود رہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 95/1۔ الرحیق المختوم، ص: 87

مبارک زندگی میں جب بھی کوئی اہم موقع ہوتا یا مشکل مرحلہ پیش آتا ، حضورنبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہایت ناز اور افتخار کے ساتھ اپنے پیارے دادا جان کا ذکر بالشان فرمایا کرتے تھے ۔ اگر شفیق اور مہربان دادا جان کی سرپرستی میں کچھ وقت اور گزر جاتا تو شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے افسردہ خاطر دل پہ لگے ماں باپ کی جدائی کے زخم مندمل ہو جاتے لیکن یہ تو مالکِ قضاو قدر کے اپنے فیصلے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا ہی بہترین طرزِ عمل ہے ۔

کروڑ ہا صفات کے مالک ہمارے حضورنبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ وہ ''صبر اور برداشت'' کے اس امتحان میں بھی احسن اور کامل انداز میں پورے اُترے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جب سردارِ مکّہ جناب عبدالمطلب کی طبیعت خراب ہوئی تو اُنھیں ایسا محسوس ہوا کہ شاید اب میں چراغِ سحری ہوں اور میرا اِس عالمِ آب و خاک کو خیر باد کہنے کا وقت قریب آپہنچا ہے ، تو اُنھوں نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت گزاری اور اُن کے اُمور کی نگہداشت کے لیے اپنے نرم دل ، غم گسار اور شفیق فرزند سردار ابوطالب کے سپرد کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ

اے میرے فرزندِ ارجمند ! اپنے بھائی عبداللہ کے نورِ نظر کا خیال رکھنا ۔

حضورنبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کثیر العیال حضرت ابوطالب کے گھر منتقل ہوئے اور اُن کے کمزور معاشی حالات اور محدود ذرائع آمدن دیکھے تو اُسی وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ گھر کے معاملات مناسب انداز میں چلانے ، مالی حالات کو بہتر بنانے اور کنبے کی کفالت کے لیے اپنے بامروّت اور شریف النفس چچا جان کا ہاتھ بٹائیں گے ، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکّہ کے تپتے ریگزاروں اور جھلسا دینے والی گرمی میں قراریط پر شہر والوں کی بکریاں چرانا شروع کر دیں ۔

ہمارے حضورنبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امتحان اور آزمائش کے اس دور میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ لینے کی بجائے بکریاں چرانے کے لیے صبح سویرے گھر سے نکلتے اور پھر غروبِ آفتاب کے بعد واپس تشریف لاتے ۔ کام کے دوران دوپہر کے کھانے میں کبھی پیلو اور کبھی بیر کھا کر گزارہ فرما لیتے ۔(1) زمانۂ رسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے خوش گوار ماحول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنی اُن دنوں کی مصروفیت کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ :

بکریاں چرانا انبیا علیہم السلام کی سنت ہے ۔(2)

---

1 ۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد : 101/1 ۔ سنن لابن ماجہ ۔ رقم الحدیث : 2149

2 ۔ سنن لابن ماجہ ۔ کتاب التجارات ۔ رقم الحدیث : 2149 ۔ صحیح عندالالبانی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی
اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ
عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفےٰ تم پہ کروڑوں درود
برسے کرم کی بھرن پھولیں نعمتوں کے چمن
ایسی چلا دو ہوا تم پہ کروڑوں درود

نبوّت کا آغاز

پہلی وحی کا نزول

پہلی وحی کے نزول کے وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً چالیس برس کے قریب تھی۔(1)

گزشتہ کچھ عرصہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیاوی اُمور میں دلچسپی اور تجارتی سرگرمیوں کی جانب میلان کم ہو گیا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مناظرِ قدرت کے مطالعے اور مشاہدے میں غیر معمولی طور پر منہمک اور خاموش رہنے لگے تھے۔ کھانے پینے کی رغبت اور لوگوں سے ملنا جلنا بھی کم ہو گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ تر تنہائی کو پسند فرمانے لگے تھے۔

اسی طرح حقیقت کی جست جُو اور سچ کی تلاش میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تدبر، تفکر اور محویّت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

اُن ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ کاشانۂ اقدس سے کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان، جس میں جَو کی روٹی، ستّو اور پانی ہوتا، اپنے ساتھ لے کر مکّہ سے شمال مغرب کی جانب تقریباً تین میل دور ایک دشوار گزار راستہ طے کر کے جبلِ نور میں انتہائی بلندی پر واقع ''غارِ حرا'' میں کچھ دن کے لیے تشریف لے جاتے۔ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے، پھر اہلِ خانہ سے ملاقات کے لیے گھر تشریف لے جاتے۔

غارِ حرا میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل یکسوئی کے ساتھ اِن اُمور پر غور و فکر فرماتے کہ

عالمِ اسباب اور عالمِ آخرت کی اصل حقیقت اور اِس کائنات کی تخلیق اور اِس کے مقاصد کیا ہیں؟

خالق و مالک اور پروردگار کی بندگی و اطاعت کا حق کس طرح ادا ہو سکتا ہے

اور معاشرے کے یہ ناسمجھ اور نافہم لوگ خود اپنے ہی ہاتھوں سے تراشیدہ بے جان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں جو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

وادیِ مکّہ میں منیٰ کے میدان سے بائیں جانب ممتاز اور منفرد نظر آنے والے جبلِ نور کی بلندی سے چاروں جانب نظر کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی، بلکہ ہر طرف گہری خاموشی اور مکمل تنہائی کا ماحول ہوتا ہے۔ سب سے خوب صورت بات یہ کہ یہاں سے بیت اللہ شریف بھی ہر وقت نظروں کے سامنے رہتا ہے، جس کی طرف دیکھنا بھی عین عبادت ہے۔(2)

1۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب، باب ھجرۃ النبی واصحابہ۔رقم الحدیث:3902

2۔معجم البلدان:233/2۔رقم الحدیث:3۔صحیح بخاری۔باب بدء الوحی۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:236/1

مشرکانہ عقائد

اعلانِ نبوّت سے پہلے اہلِ عرب شدید گمراہی میں مبتلا تھے، حتیٰ کہ قریش نے تو اللہ وحدہٗ لاشریک کے مقدس اور بابرکت گھر کو بھی بتوں کی پرستش کا مرکزِ اعظم بنا دیا تھا۔ شرک اور صنم پرستی میں مبتلا اپنی قوم کی یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت آزردہ خاطر اور رنجیدہ رہتے تھے۔ جب اِن بے شعور اور کم فہم لوگوں سے پوچھا جاتا کہ تمھارے پاس ان مصنوعی خداؤں کی پرستش کو جائز ٹھہرانے کے لیے کوئی دلیل ہے تو جہالت اور لغویات میں گھرے ہوئے وہ نادان لوگ کہتے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے مذہب پر عمل کر رہے ہیں۔

مزاجِ اقدس میں تبدیلی

آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے سے تقریباً چھے ماہ قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والاصفات میں غیر معمولی تبدیلی آ چکی تھی۔ نبوّت کے آغاز کے پہلے مرحلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لگاتار ''رویائے صادقہ'' یعنی سچے اور بھلے خواب آنا شروع ہو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات خواب میں جو کچھ ملاحظہ فرماتے، صبح کو سب کچھ ویسا ہی عمل میں آ رہا ہوتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی آواز کے بغیر ایک تابندہ چمک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے آ جاتی اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد روشنی اور نور کا ایک ہالہ سا بن جاتا۔ (1)

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شریکِ حیات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے خدیجہ رضی اللہ عنہا!

میرے ساتھ غیر معمولی واقعات پیش آ رہے ہیں۔

آہستہ آہستہ وہ بابرکت لمحات قریب آتے گئے۔ بالآخر اللہ ذُوالجلال والاکرام کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے وہ عظیم الشان پیغام آن پہنچا جس کا انسانیت کو صدیوں سے انتظار تھا، جس میں انسان کی فلاح و بہبود، روح کے اُجالے، ایمان کی روشنی، علم کے نور اور سلامتی کے ساتھ صراطِ مستقیم کی جانب راہنمائی کی واضح ہدایات موجود ہیں۔ وہ یہ کہ

صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام کی ذات عبادت کے لائق ہے
جس نے اِس کائنات کو تخلیق کیا ہے، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے،
اُسی نے انسان کو متوازن اور بہترین صورت میں پیدا کیا،
جس نے انسان کو علم و عقل سے نوازا ہے
اور جس کے پاس قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کے ساتھ

1۔ رقم الحدیث: 3۔ صحیح بخاری۔ باب بدء الوحی۔

ہم سب نے حاضر ہونا ہے۔
وہ اللہ نہایت ہی کریم ہے۔ وہ کسی بھی کمی اور خامی سے پاک ہے۔
اُس کا کوئی شریک نہیں اور وہ مختارِ کُل اور قادرِ مطلق ہے۔

جبرئیل علیہ السلام کی آمد

21 رمضان الکریم کی نصف شب کے ذرا بعد جب گہری خاموشی اور ایک طویل سکوت ہر طرف محیط تھا(1)، مبارک ترین فرض کی ادائیگی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے بلند مرتبہ رکھنے والے اور ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کائنات کی سب سے افضل، اشرف اور عظیم ترین ہستی کے سرمبارک پر تاجِ نبوت سجانے اور پیغامِ رسالت پہنچانے کے لیے رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اُٹھائے جانے کے تقریباً چھے سو سال کے بعد جب روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کے حبیب اور انسانیت کے عظیم ترین محسن حضرت محمد ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کرنے کے بعد دیباوحریر کے جزدان میں لپٹی ہوئی ایک تحریر کو پیش فرمایا:

خاتم النّبیین رحمۃ للعالمین ﷺ فرماتے ہیں:
حضرتِ جبرئیل علیہ السلام نے میرے سامنے سورۂ علق کی
ایک تا پانچ آیات تلاوت فرمائیں۔
یہ اللہ ذوالجلال والاکرام کا فضل وکرم تھا کہ وہ آیاتِ مبارکہ
میری زبان پر بھی جاری ہوگئیں۔
پھر میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر اُن آیات کو دہرایا
تو مجھے ایسے لگا کہ جیسے یہ میرے لوحِ دل پر نقش ہوگئی ہیں۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۚ‏ ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ‏ ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۙ‏ ﴿۳﴾
الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ‏ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ؕ‏ ﴿۵﴾

مفہوم وحی اوّل

(اے میرے حبیب ﷺ!)
پڑھیے اپنے پاک پروردگار کے نام کے ساتھ!
جو تمام کائنات کے خالق ہیں اور اُسی خالقِ ارض وسما نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا۔

1۔ سیرت انسائیکلوپیڈیا۔ دارالسلام: 47/3

(اے نبی پاک ﷺ!) پڑھیے! آپ ﷺ کے پروردگار تو بڑے ہی کرم فرمانے والے ہیں۔
قلم کے ذریعے علم عطا فرمایا اور انسان کو وہ علم سکھایا جس کو وہ پہلے سے نہیں جانتا تھا۔

ذوقِ اقراء تو دیکھا تھا جبرئیل علیہ السلام نے ہم تو غارِ حرا دیکھتے رہ گئے

چناں چہ اِس غیر معمولی نوعیت کے واقعہ کے بعد جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو مستقبل میں پیش آنے والی ذمہ داریوں کے احساس سے پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

تھوڑا آرام فرمانے کے بعد جب آپ ﷺ کی طبیعت کچھ بحال ہوئی اور بے تابی و بے قراری کی کیفیت بھی کم ہوگئی تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جبرئیل علیہ السلام کی آمد اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت کا منصب عطا فرمائے جانے کی بشارت سے آگاہ فرمایا۔

سلیم الطبع سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اِس مبارک اور عظیم الشان پیغام کو بڑی مسرت اور صدقِ دل سے قبول کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابنِ عم!
میری طرف سے بھی آپ ﷺ مبارک باد قبول فرمائیں کہ خالقِ ارض وسما نے
آپ ﷺ کو نبوّت کے منصبِ جلیلہ پر سرفراز فرمایا ہے۔
ان شاء اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کے ساتھ نیکی، بھلائی اور خیر
کے سوا اور کوئی معاملہ نہیں فرمائیں گے۔
اُس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جان ناتواں ہے،
میں اِس بات پر ایمان لاتی ہوں کہ بے شک آپ ﷺ
اللہ کے برحق رسُول ﷺ اور سچے نبی علیہ السلام ہیں۔(1)

اِس طرح حضور ﷺ کی نیک دل، سلیم الطبع، فدا کار، وفا شعار اور جاں نثار شریکِ حیات سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اِس عالمِ انسانیت میں وہ پہلی خوش نصیب ہستی ہیں جنھیں مسلمِ اوّل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

قریب ترین احباب میں عالی نظر اور سلیم الفطرت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق فرمائی، کلمۂ شہادت پڑھا اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

گھر کے افراد میں سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارث سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔(2)

1۔رقم الحدیث:3۔صحیح بخاری۔باب بدء الوحی
2۔السیرۃ ابن اسحٰق:139/1۔دلائل النبوۃ للبیہقی:163/2

نورِ حق کو تسلیم کرنے والے یہ سب برگزیدہ لوگ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت و کردار کی پاکیزگی، راست گوئی، وعدے کی پابندی، امانت و دیانت، شفقت و محبت، سخاوت و شرافت اور مہمان نوازی جیسی جلیل القدر صفات سے بڑی اچھی طرح آگاہ تھے۔ اس لیے ان برگزیدہ ہستیوں نے اسلام قبول کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جس کے قدموں کو عرشِ بریں نے لیا
جس کا کونین میں سب نے کلمہ پڑھا
کام آئے جو محمود روزِ جزا
جس کے القاب ہوں مصطفیٰ مجتبیٰ
اُس پہ بے حد درود اُس پہ بے حد سلام

نور سے جس کے معمور کون و مکاں
جس سے روشن زمیں جلوہ گر آسماں
آسمانِ نبوّت کا وہ ماہ تمام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام

کھانے کی پہلی دعوت

وحی اوّل کے بعد تقریباً تین سال تک دعوتِ اسلام کا کام نہایت آہستہ روی اور نرم انداز کے ساتھ جاری رہا یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اِس فرمانِ الٰہی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اعلانیہ تبلیغ کے مقدس فرض کا آغاز فرمائیں:

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ (1)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

اپنے قریبی رشتہ داروں کو (شرک، بت پرستی، ظلم و زیادتی، بے حیائی اور گمراہی کے برے انجام سے) ڈرائیے! اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لے آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کریں، اُن کے ساتھ شفقت، محبت اور تواضع کے ساتھ پیش آئیں!

احتیاط اور خاموشی کے ساتھ تبلیغ کے گزشتہ تین سالوں کے دوران رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایمان اور اسلام کی دعوت کے لیے صرف خاص خاص افراد کے ساتھ ہی رابطہ فرمایا لیکن اب جب کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ واضح فرمان پہنچ گیا کہ اپنے قریبی عزیز و اقارب سے تبلیغِ دین کے مقدّس فرض کا آغاز فرمائیں تو اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خانۂ اقدس پر ایک ضیافت کا اہتمام فرمایا جس میں بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب سے تعلّق رکھنے والے قریب ترین عزیزوں اور قرابت داروں کو شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔(2)

اس ضیافتی اجتماع میں چالیس کے قریب سرکردہ مہمانوں نے شرکت کی جس میں خاندان کے بزرگوں کے علاوہ اُن کے بیٹے اور پوتے بھی شامل تھے۔ مہمانوں کی تواضع اور خاطر مدارت بہترین کھانوں اور دودھ سے کی گئی۔ جب مہمان کھانے سے فراغت پا چکے تو رحمتِ دوعالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خطاب کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے میرے خاندان کے بزرگو اور بھائیو!

اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤ!

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ ہر آن مخالفت پر تیار رہنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا ابولہب

1۔ الشعراء 26:215-214
2۔ سنن نسائی۔ کتاب الوصایا۔ رقم الحدیث: 3644۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث: 883

نے سخت غصے کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کے پسندیدہ اور پاکیزہ دین کو فتنہ و فساد اور تباہی و بربادی سے منسوب کر دیا جس سے مجلس میں ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

ابولہب نے کہا:

اے میرے بھائی کے بیٹے!

ہمارے خاندان کے تمام اہم افراد یہاں موجود ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس موضوع پر چاہیں اِن کے ساتھ گفت گو فرمائیں

مگر ہمارے عقیدے کے خلاف اس نئے دین کے متعلّق کوئی بات نہ کریں،

کیوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کو جس نئے ضابطۂ حیات کی تعلیم دے رہے ہیں،

وہ ہمارے آباؤاجداد کے مذہب، تہذیب وتمدن اور خاندانی روایات کے بالکل برعکس ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اِس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ خانوادۂ بنو ہاشم عرب کے تمام (بت پرست) قبائل کی مشترکہ طاقت سے لڑنے کی سکت نہیں رکھتا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا

جو اپنے اہلِ خانہ اور رشتہ داروں پر اِس سے زیادہ سخت مصیبت اور پریشانی کا معاملہ

لے کر آیا ہو جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے لیے لے کر آئے ہیں۔

اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اِس نئے مذہب کے متعلّق اپنے خیالات ونظریات کے اظہار کا مشن اِسی طرح جاری رکھا تو ایک دن آئے گا کہ نہ صرف ہمارا گھرانا، بلکہ پورا شہر اضطراب و انتشار اور بدنظمی کا شکار ہو جائے گا۔

میرے نزدیک اِس مسئلے کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کنبے کے لوگ اور قریبی عزیز ہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فوری طور پر اِس اشتعال انگیز مہم سے روک دیں، قبل اِس کے کہ قریش کے سرکردہ گھرانے اور عرب کے تمام جنگ جُو قبائل ہمارے خلاف متحدہ محاذ بنا کر مقابلے اور مجادلے کے لیے تیار ہو جائیں۔(1)

جب ابولہب اتنے سخت لہجے میں الٹی سیدھی ہانک رہا تھا تو اُس کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو رہا تھا۔ابولہب کی اِس بے ہودہ اور لغو گفت گو سے مجلس کا ماحول اتنا خراب ہو گیا کہ اب کسی اچھے انداز میں وہاں اللہ کے پیغام کو آگے بڑھانا ممکن نہ رہا تھا۔

1۔انساب الاشراف للبلاذری:118/1

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابولہب کی اِن فضول باتوں کو نہایت صبر و تحمل اور خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور جواب میں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ اِس طرح اُس دن اہلِ مجلس کے سامنے ایمان و اسلام کی دعوت کو پیش کرنے کا معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی
اُس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام
ربِّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود
حق تعالیٰ کی مَنت پہ لاکھوں سلام

کھانے کی دوسری دعوت

کھانے کی پہلی دعوت ابولہب کے جارحانہ رویّے کی وجہ سے کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ہی ختم ہوگئی تھی، حالانکہ محفل میں موجود بنو ہاشم اور بنو مطلب خاندان کے کئی افراد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کو سننا چاہتے تھے۔ چند روز بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قریبی عزیز واقارب کے لیے کھانے کی ایک اَور دعوت کا اہتمام فرمایا تاکہ اللہ ذُوالجلال والاکرام کا پیغامِ توحید اپنے گھرانے کے افراد تک پہنچایا جاسکے۔

پہلی دعوتِ طعام میں ابولہب کی بے جا مداخلت، افسوس ناک تقریر اور مخالفانہ طرزِ عمل کے باوجود سرورِ عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرابت داری کا خیال کرتے ہوئے اُسے دوسری بار بھی شرکت کی دعوت بھیج دی، چنانچہ ضیافت میں شریک ہونے کے لیے وہ بھی خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ کاشانۂ اقدس پر پہنچ گیا۔

دعوت میں موجود لوگ جب کھانے سے فارغ ہوچکے تو پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے احسن انداز میں توحید و رسالت کی دعوت پیش کرنے کے لیے ان بابرکت الفاظ کے ساتھ اپنے خطاب کا آغاز فرمایا:

سب تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہیں۔
میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد اس اَمر کا اعلان کرتا ہوں کہ میں
اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھتا ہوں جو قادرِ مطلق ہے اور اس بات
کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
میں اُسی پر بھروسا کرتا ہوں اور اُسی کی مدد چاہتا ہوں۔

اے حاضرینِ مجلس!

بِلاشبہ کارواں کا قائد صحیح راستے کی جانب راہنمائی کے لیے
اپنے گھر والوں سے ہمیشہ سچ بات کہتا ہے۔
خیر خواہی کے اسی جذبے کے تحت میں آپ لوگوں کو
یہ مشورہ دے رہا ہوں۔
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھاری طرف
اور تمام انسانیت کی طرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا کر بھیجا ہے
اور اسی قادرِ مطلق کی جانب سے مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ

میں اپنے قرابت داروں کو ایک اللہ کی عبادت،
ایمان اور دینِ اسلام کی دعوت دوں
اور قیامت کے دن کے دردناک عذاب سے خبردار کروں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
اے بنی عبدالمطلب!
اللہ ربّ العزت کی قسم!
ایک دن تم سب موت کی آغوش میں چلے جاؤ گے،
ایسے جیسے تم سو گئے ہو۔
پھر تمھیں قبروں سے زندہ یوں اُٹھایا جائے گا،
جیسے کسی سوئے ہوئے شخص کو اُٹھایا جاتا ہے۔
پھر تم سے اُن اعمال کا حساب لیا جائے گا جو کچھ تم دنیا
میں کرتے رہے ہو۔ اگر اچھے کام کیے ہوں گے
تو جنت کے باغات میں تمھارا گھر ہوگا جہاں تم ہمیشہ کے لیے رہو گے،
اگر ناپسندیدہ اور بُرے کام کیے ہوں گے
تو ہمیشہ کے لیے تمھارا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:
اے بنی عبدالمطلب! میرے چچا جان عباس رضی اللہ عنہ!
میری پھوپھی جان صفیہ رضی اللہ عنہا!
تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی لپکتی ہوئی آگ سے بچاؤ!
اللہ ذُوالجلال والاکرام نے مجھے اپنے قریبی رشتہ داروں کو
آخرت کے دردناک عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے۔
پس تم سب لوگ بُت پرستی اور شرک سے پیچھے ہٹ جاؤ
اور ایک اللہ کی عبادت کو اپنی زندگی کا شعار بنالو!
اگر تم نے باطل عقائد کو نہ چھوڑا
اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی اختیار نہ کی
اور اپنی پیشانیوں کو اُس کے سامنے سجدہ ریز نہ کیا

تو میں اللہ تعالیٰ سے تمھارے معاملے میں کسی چیز کا مالک ومختار نہیں ہوں،
البتہ میرے مال میں سے جو چاہو، تم مجھ سے لے سکتے ہو!
اے عبد المطلب کے بیٹو!
اللہ کی قسم!
آج تک کوئی نوجوان اپنی قوم کے لیے اتنا اعلیٰ وافضل
اور عزت وتکریم بخشنے والا پیغام لے کر نہیں آیا،
جیسا میرا یہ پیغامِ حق وصداقت ہے۔
میں آپ لوگوں کے پاس دنیا اور آخرت کی برکتیں
اور سعادتیں لے کر آیا ہوں
اور آپ لوگوں کو اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کی طرف
آنے کی دعوت دیتا ہوں۔
بس آپ لوگوں کو دو سادہ سے جملے ادا کرنے ہیں جو نہایت آسان ہیں
لیکن اللہ کے ہاں اُن کا اجر بہت ہی زیادہ ہوگا۔
وہ بابرکت جملے یہ ہیں:
اشھد ان لاالہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ
میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے دریافت فرمایا:
آپ لوگوں میں سے کون ہے
جو نیکی اور بھلائی کی اس دعوت پر لبیک کہے
اور اس پیغامِ عظیم کو لوگوں تک پہنچانے میں میرا ساتھ دے؟
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس رفیع المنزلت خطاب کے بعد محفل میں موجود لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کا اظہار کرنے لگے۔ نزدیکی رشتہ داروں کے اس اجتماع میں سب سے پہلے چچا جان جنابِ ابوطالب نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:
یہاں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھرانے کے تقریباً سب لوگ موجود ہیں۔
اِسی خاندان کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے میرے لیے

اپنے باپ عبد المطلب کے دین کو چھوڑنا تو ذرا مشکل ہے
لیکن جو بات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہنا چاہتے ہیں،
پورے اطمینان کے ساتھ کہیں۔
میں اپنی طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یقین دلاتا ہوں کہ
زندگی کی آخری سانس تک میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تائید و حمایت
اور حفاظت کا فرض ادا کرتا رہوں گا۔

لیکن فطرتاً جھگڑالو اور بدتمیز ابولہب نے ایک بار پھر تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

خدا کی قسم!
جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے پیش کیا جانے والا یہ پیغام
ہمارے خاندان میں اختلاف اور افتراق پیدا کر دے گا
جس سے خاندان کے اتحاد اور یگانگت کو نقصان پہنچے گا۔

پھر اُس نے اہلِ خاندان سے مخاطب ہو کر کہا:

اے خاندانِ بنو ہاشم!
بہتر یہ ہے کہ بتوں کی مخالفت اور شہر میں انتشار کا سبب بننے والے
اس پروگرام کو آگے بڑھنے سے پہلے ہی روک دیا جائے،
وگرنہ ایک دن آئے گا کہ
سارا عرب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان کا دشمن بن جائے گا
اور وہ اکٹھے ہو کر تم لوگوں پر حملہ آور ہو جائیں گے۔
جب کہ حقیقت یہ ہے کہ پورے عرب کی طاقت کا مقابلہ کرنا
ہمارے خاندان کے بس کی بات نہیں۔
بالآخر نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہلاکت کے سوا باقی کچھ نہ بچے گا۔(1)

سردار ابو طالب نے اپنے بھائی ابولہب کے متشدّد خیالات کی حمایت سے انکار کرتے ہوئے کہا:

خدا کی قسم!
جب تک ہمارے جسم میں جان ہے،
ہم جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ کا ساتھ دیں گے۔(2)

1۔ الکامل فی التاریخ: 660/1
2۔ ایضاً

رسُولِ رحمت پیغمبرِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابلِ احترام پھوپھی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی ابولہب کی باتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

بھائی!
ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ
تم ہر وقت اپنے عزیز از جان بھائی عبداللہ کے بیٹے
کی مخالفت کرنے کے لیے کسی نہ کسی موقعے کی تلاش میں رہتے ہو۔
بھائی!
میری اس بات کو اچھی طرح سن لو!
نہ تو دشمنی اور عداوت کا تمھارا یہ وطیرہ ہمیں اچھا لگتا ہے
اور نہ ہم اپنے بھتیجے کی نصرت وحمایت سے کبھی پیچھے ہٹیں گے۔
خدا کی قسم!
تمام مذاہب کے عالم ایک زمانے سے لگا تار
اور مسلسل یہ بشارت سناتے چلے آ رہے ہیں
کہ ایک محترم نبی آنے والے ہیں۔
ربِّ کعبہ کی قسم!
وہ نبیِ مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہی تو ہیں۔(1)

جرأت وہمت کے پیکر، دلیر اور دلاور سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
گو میں ابھی لڑکپن میں ہوں لیکن تبلیغِ اسلام کی اس مقدس مہم کے دوران
میں ہر آن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے
ہر اُس شخص سے جنگ کروں گا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرے گا۔(2)

ابولہب نے بڑے سخت لہجے میں کہا:

یہ تو جھوٹی آرزوؤں اور خودساختہ خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے والی بات ہے۔(3)

یہ کہہ کر ابولہب طیش میں اُٹھ کر چلا گیا۔ سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور پھوپھی جان سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ

1۔انساب الاشراف للبلاذری:119/11
2۔الکامل فی التاریخ:661/1۔مسند احمد۔رقم الحدیث:883
3۔انساب الاشراف للبلاذری:119/11

خاندان کے کسی فرد نے بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے پیش کی گئی تعلیمات پر دلچسپی ظاہر نہ کی اور یوں کھانے کی دوسری دعوت بھی کسی ظاہری کامیابی کے بغیر ختم ہوگئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اس دعوتِ طعام میں شریک چالیس میں سے سینتیس افراد کو آخر کار اللہ ربُّ العزت نے اسلام جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرما دیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

''مصحفِ نور'' پر آبِ زر کا ورق
''یا کفِ حور'' پر ''موتیوں'' کا طبق
''مَن رانی'' میں ہے قَدراٰیٔ کی رمق
شبنم باغِ حق یعنی رُخ کا عرق
اُس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام

کوہِ صفا

اعلانِ نبوت کے بعد تین سال تک آہستگی، احتیاط اور نرم انداز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو لوگوں تک پہنچانے کا عمل انتہائی کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ تبلیغی دعوت کی اس حکمتِ عملی کے تحت قریبی عزیز و اقارب اور دوست احباب میں سے کئی پُرخلوص، پُرعزم اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ تاہم حسنِ کردار کے پیکر، صاحبِ فہم و ادراک اور سلیم الفطرت جاں نثاروں کی تعداد ابھی چالیس سے زیادہ نہیں ہوسکی تھی کہ اللہ ذُوالجلال والاکرام کی جانب سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں علی الاعلان اسلام کو ظاہر کرنے اور اُس کی تبلیغ و اشاعت کا یہ واضح پیغام پہنچادیا گیا کہ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ (1)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایئے! اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں، اُن مومنین سے بہ تواضع پیش آیئے!

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان کی تعمیل میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان کے قریبی عزیزوں کے لیے کاشانۂ مبارک پر دعوتِ طعام کا اہتمام فرمایا۔

ضیافت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں عقیدۂ توحید اور ایمان و اسلام کی جانب آنے کی دعوت دی۔ اس تبلیغی کوشش میں کوئی نمایاں کامیابی تو حاصل نہ ہوسکی لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حوصلہ بلند رکھا اور پورے عزم کے ساتھ آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح سویرے کوہِ صفا پر تشریف لے گئے، پھر اُس پہاڑ کے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ندا دی:

یا معشر قریش!

یا معشر قریش!

اہلِ مکّہ نے کسی ہنگامی حالت سے خبردار ہونے کی صدا سنی تو عرب کے دستور کے مطابق اُنھوں نے لبیک کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت بڑی تعداد میں لوگ کوہِ صفا کے دامن میں جمع ہو گئے۔ جس خاندان کا سربراہ خود نہ پہنچ سکا، اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔

1۔ الشعراء 26:214-215

اجتماع میں سے لوگوں نے استفسار کیا:

مالك يا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!
ہمیں بتائیں کہ کیا کوئی اہم معاملہ درپیش ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت مدّبرانہ اور حکیمانہ انداز میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے میری قوم قریش!
اگر میں آپ کو یہ خبر دوں کہ اس وادی کے پیچھے سے دشمن ایک لشکرِ جرار کے ساتھ
آپ لوگوں پر حملہ آور ہونے کے لیے مکّہ کی جانب بڑھ رہا ہے
تو کیا تم لوگ میری اس بات کی تصدیق اور تائید کرو گے؟

وہاں پر موجود سب لوگوں نے یک زبان ہو کر عرض کیا:

بے شک! ہمیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہر بات کا مکمل یقین ہے،
کیوں کہ برس ہا برس سے یہ بات ہمارے تجربے میں رہی ہے کہ
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کبھی کوئی خلافِ واقعہ بات
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی زبانِ (مبارک) سے ادا نہیں فرمائی۔
حقیقت یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک راست گو، صادق القول
اور امانت دار شخصیت کے مالک ہیں۔

جماعتِ قریش کے سرکردہ افراد کی جانب سے دیئے گئے جواب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے ایک ایک کنبے، قبیلے اور خاندان کا نام لے کر فرمایا:

اے بنو عبد المطلب! اے بنو ہاشم! اے خاندان عبد مناف!
اے اولادِ تیم! اے قبیلۂ بنو مخزوم! اے فرزندانِ اسد!
اے بنو عبد شمس و بنو زھرہ!
اور اے مکّہ شہر کے لوگو!
اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمایا ہے۔
میں آپ لوگوں کی جانب نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں
اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ
ایک سخت عذاب سے پہلے آپ لوگوں کو خبردار کروں۔

اے جماعتِ قریش!

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر ذِی روح کو مرنے کے بعد

اس کائنات کے خالق کے روبرو پیش ہونا ہے۔

جب کہ موت ہر انسان کی جانب بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے،

اگر تم اللہ کی شدید پکڑ سے بچنا چاہتے ہو تو صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔

قیامت کے دن ہر شخص کے لیے اللہ کی رحمت اُس کے ایمان اور نیک اعمال پر منحصر ہے۔

اُس روز میرے رشتہ دار صرف پرہیز گار لوگ ہوں گے۔

اس دُنیا میں میرے اور آپ لوگوں کے درمیان

چوں کہ نزدیکی قرابت داری کا تعلق ہے، اس لیے یہاں میں

آپ لوگوں کے ساتھ صلہٗ رحمی کا حق ضرور ادا کرتا رہوں گا۔(1)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

اللہ کی قسم!

عرب کا کوئی نوجوان اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل

پیغام لے کر نہیں آیا جیسا کہ میرا یہ پیغامِ خیر و برکت ہے۔

میں تمھارے لیے دین اور دُنیا، دونوں میں

کامیابی اور کامرانی کی بشارت لے کر آیا ہوں۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ صرف اُسی کی عبادت کرو۔

صراطِ مستقیم پر چلو اور اپنی اپنی جانوں کو آخرت کے دائمی عذاب سے بچانے کی فکر کرو۔(2)

کوہِ صفا کے دامن میں جمع ہونے والے قریش اس نہایت موثر، فصاحت و بلاغت سے بھرپور اور بصیرت افروز خطاب سے ششدر رہ گئے۔ طنز و استہزا کے سنگریزے پھینکنے والے اہلِ مکّہ آج ساکت و جامد کھڑے تھے۔ شاید اُنھیں اتنے سخت اور واضح الفاظ میں تنبیہ کی توقع نہیں تھی۔

اِس سے پہلے کہ مجمع میں سے کوئی اور بولتا، وہاں موجود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب، جو بتوں کو پوجنے اور شرک کی لعنت میں سب سے آگے تھا، اُس بے ادب اور کبیدہ خاطر شخص نے سخت برہمی اور خفگی کا اظہار

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 157/1۔ ذکر کردہ تمام تفصیلات الطبقات کی روایت میں موجود ہیں۔ البتہ اس روایت کی اصل صحیحین میں موجود ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 3525، 4770۔ صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: 208

2۔ الکامل فی التاریخ: 660/1

کرتے ہوئے بڑے متکبرانہ انداز اور دل آزار لہجے میں یہ افسوس ناک کلمات کہے:

تبالك سائراليوم الهٰذا جمعتنا

ہمارے تو سارے دن کا ستیاناس ہو گیا۔

کیا یہی گفت گو کرنے کے لیے ہمیں یہاں بلایا گیا تھا؟(1)

عقیدۂ توحید کے مہتم بالشان پیغام کو اہلِ مکّہ تک پہنچانے کی اِس کوشش کو بھی ابولہب نے کامیاب نہ ہونے دیا۔

ابولہب کی ہرزہ سرائی اور قومِ قریش کے حوصلہ شکن طرزِ عمل کے باعث رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت افسردہ ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر فرمایا، کیوں کہ یہی اللہ کا حکم تھا۔

وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ (2)

(اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اپنے رب کے لیے صبر فرمایئے!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ؕ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ؕ

غارِ حرا کی گود میں چمکی جو شمعِ نور
کوہِ صفا پہ اس نے کیا جا کے پھر ظہور
گونجی فضا میں نعرۂ توحید کی صدا
اک ضربِ حق نے کر دیا باطل کو چُور چُور

کیا پُر اثر تھا اوّلیں نعرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
آئینۂ حیات ہے خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
رَفعِ ذِکرِ جلالت پہ اَرفَع درود
شرحِ صدرِ صدارت پہ لاکھوں سلام

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 4770۔ صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: 208　　2۔ المدثر 74:07

قریش کا پہلا وفد حضرت ابوطالب کی خدمت میں

سردارانِ مکّہ شہر کی اس بدلتی ہوئی صورتِ حال کو بڑی گہری نظر سے دیکھ رہے تھے کہ سب سے پہلے تو (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے اعلانِ نبوت، پھر نرم انداز کے ساتھ تبلیغِ اسلام کا تین سالہ دور اور اب اگلے مرحلے میں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے علی الاعلان اور بلاخوف وخطر توحید ورسالت کا پیغام اور تعلیماتِ اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کا آغاز فرمانا اور اُس کے نتیجے میں کئی نیک فطرت اور سلیم الطبع شخصیات کا اسلام قبول کر لینا، یہ تمام تبدیلیاں اہلِ مکّہ کے رسم ورواج اور عقیدے کے خلاف تھیں، لہٰذا اشرافِ قریش کے نزدیک یہ سب کچھ نا قابلِ قبول تھا۔

انھیں اس بات کا بھی غم وغصہ تھا کہ سردار ابوطالب جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہر معاملے میں نصرت وحمایت کرتے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تحفظ دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شرک اور بت پرستی کے خلاف انقلاب آفریں تقریروں سے بھی نہیں روک رہے۔ لوگ ہمارے دین سے متنفر اور اسلام کی طرف زیادہ راغب نظر آنے لگے ہیں جس کے نتیجے میں فرزندانِ توحید کی تعداد مکّہ مکرمہ میں روز بہ روز بڑھتی جارہی ہے۔

شہر میں جو کچھ ہو رہا تھا، یہ سب سردارانِ قریش کے لیے نہ صرف باعثِ تشویش بلکہ نا قابلِ برداشت تھا، چناں چہ اُنھوں نے باہمی مشورہ کر کے اسلامی تحریک کو اِسی مرحلے پر روک دینے کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا جان سردار ابوطالب سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔

اِس کے لیے سردارانِ قریش نے شہر کے معزز اور ممتاز اکابرین پر مشتمل ایک دس رکنی وفد تشکیل دیا جس میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن مطلب، بنیّہ بن حجاج، بنی اسد سے عبدالعزیٰ، بنی مخزوم میں سے ابوجہل اور ولید بن مغیرہ شامل تھے۔

قبیلۂ قریش کے یہ اشراف جناب ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ

اے ہمارے محترم سردار!

ایک اہم مسئلے کے لیے ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔

آپ کے بھائی کے فرزند جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ نے تو ہمیں پریشانیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔

وہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے معاملات کو بڑی تیزی سے آگے بڑھا رہے ہیں۔

اب اُنھوں نے ہمارے معبودوں پر شدید نکتہ چینی اور اُن کی اعلانیہ توہین کو اپنا روزمرّہ

کا معمول بنالیا ہے، وہ ہمارے معبودوں کو اندھا، بہرا اور گونگا کہتے ہیں،
انھیں جہاں بھی موقع ملتا ہے، وہ اپنی تقاریر میں ہمارے مذہب کے عیب نکالتے ہیں
اور اُسے جھوٹا قرار دیتے ہیں۔
وہ بلا جھجک ہمارے رسم و رواج اور عقائد و نظریات کی مخالفت کرتے ہیں،
ہمیں بے وقوف اور ہمارے باپ دادا کو نالائق، عقل سے عاری اور گمراہ ٹھہراتے ہیں
جس سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے۔
خدا کی قسم!
اِس سے زیادہ صبر کرنا اب ہمارے لیے بہت مشکل ہو گیا ہے۔
ہم اپنے مقدس دیوتاؤں کی تذلیل اور اپنے آباؤ اجداد کی توہین کے باوجود آپ
کی ذات کی خاطر خاموش رہے
اور یہ سب کچھ صرف اس لیے برداشت کیا کہ قبیلے کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے
ہمیں آپ کے مقام و مرتبہ کا احترام تھا لیکن اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔
اے ہمارے محترم سردار!
اب آپ بھی اِس اہم ترین مسئلہ کو آسان نہ لیجیے۔
صورتِ حال کی نزاکت پر سنجیدگی سے غور کیجیے۔
ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنے بھائی کے بیٹے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبد اللہ کو
نئے دین کی تبلیغ و اشاعت سے منع فرمائیں
اور انھیں اِن سخت باتوں کے اظہار سے بھی روکیں،
کیوں کہ اِس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے۔
اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو آپ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبد اللہ کے معاملات سے
علیحدگی اختیار کرنے کا اعلان کر دیجیے
اور اُن کی نصرت و حمایت سے دست بردار ہو جائیے
تو پھر ہمارے لیے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبد اللہ کا براہِ راست مقابلہ کرنا
اور اُن کی اُبھرتی ہوئی تحریک کو دبانا کوئی مشکل نہ ہوگا۔

سردارانِ قریش جب بات چیت کے لیے آئے تھے تو وہ انتہائی غصّے کی حالت میں تھے لیکن بنو ہاشم کے متحمل مزاج، بردبار اور جہاں دیدہ سردار جناب ابو طالب نے بڑی شائستگی اور خوش اسلوبی سے اُس کشیدہ صورتِ حال کو

سنبھال لیا اور اُن مشتعل حضرات کی سخت باتوں اور غصّے کا جواب بڑی نرمی، دانش مندی اور حُسنِ تدبّر سے دے کر انھیں بڑے اچھے ماحول میں رخصت کر دیا۔(1)

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود
بے تکلف مَلاحت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ لابن اسحاق:1/148۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:1/265

قریشِ مکّہ کا دُوسرا وفد

سردارانِ مکّہ شہر کے حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ جناب ابو طالب کے ساتھ اُن کی پہلی ملاقات کا اب تک کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا تھا جس سے ان معززینِ شہر کی تشویش ہر آنے والے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفّار کی تمام تر کوششوں، دھمکیوں اور مخالفتوں کے باوجود تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا فرض بدستور پوری ہمت، جراَت اور استقامت کے ساتھ ادا فرمانے میں مصروف تھے، بلکہ اب تو پہلے سے زیادہ سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اُن کے بے بس اور لاچار بتوں کی پوجا سے علی الاعلان منع فرمانا شروع کر دیا تھا جس کے نتیجے میں قریش کے غیظ وغضب اور دشمنی میں روز بہ روز اضافہ ہونے لگا تھا۔

مکّہ کے نادان نوجوان تو بہت زیادہ مشتعل تھے اور وہ اپنے بزرگوں سے یہ مطالبہ کرنے لگے تھے کہ اُنھیں بنو ہاشم خاندان سے جنگ کرنے کی فوراً اجازت دی جائے، چناں چہ شہر کے اِس تند و تیز ماحول میں قریش کا ایک اعلیٰ سطحی وفد دوٹوک مذاکرات کے لیے دوبارہ جناب ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے ارکان بہت غصّے میں تھے۔ اُن لوگوں نے اپنی گفتگو کا آغاز ہی انتہائی سخت اور اشتعال انگیز لہجے میں کیا۔

اُنھوں نے کہا:

اے ہمارے سردار!

آپ کا شمار شہر کی انتہائی معزز، قابلِ احترام اور برگزیدہ شخصیات میں ہوتا ہے۔ حسب ونسب اور شرف کے اعتبار سے بھی آپ ایک خاص مقام و منزلت رکھنے والے عالی مرتبہ سردار ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہم نے پہلے بھی آپ سے گزارش کی تھی کہ آپ اپنے بھائی کے فرزند جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ کو نئے مذہب کی تبلیغ و اشاعت سے سختی کے ساتھ روکیں یا پھر آپ اُن کی حمایت و اعانت سے دست بردار ہو جائیں لیکن افسوس کہ آپ نے ہماری کسی بھی گزارش کو قبول کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

خدا کی قسم!

جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے مخاصمت اور مخالفت کی یہ ساری باتیں اب ہماری برداشت سے باہر ہو چکی ہیں۔ وہ اپنی تقریروں میں مسلسل ہمارے اسلاف کی برائی اور بے عزتی کرتے ہیں۔ وہ ہمارے دانش مندوں کو نامعقول اور بے وقوف کہتے ہیں اور ہمارے معبودوں کی تنقیص کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے طریقۂ عبادت پر بھی نکتہ چینی کرنے کا طرزِ عمل اپنائے ہوئے ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف سے جماعتِ قریش میں کشیدگی اور تفرقہ پیدا کرنے کے یہ تمام شعار ہماری برداشت سے باہر ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے خداؤں کے خلاف کوئی بات قطعاً نہیں سن سکتے، لہٰذا اَب ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ یا تو آپ اپنے بھائی کے فرزند کی بڑھتی ہوئی تبلیغی سرگرمیوں کو روکیں اور اُن سے کہیں کہ وہ ہمارے ساتھ محاذ آرائی اور ہمارے مذہب کی مذمت واہانت کا جاری سلسلہ بند کر دیں یا پھر آپ اور آپ کا ساتھ دینے والے تمام لوگ ایک خوں ریز جنگ اور اِس کے بدترین نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جائیں اور یاد رہے، یہ نہ ختم ہونے والی جنگ، ہم آپ سے اُس وقت تک لڑیں گے جب تک دونوں فریقین میں سے کوئی ایک فنا نہ ہو جائے اور یہ خدا کو علم ہے کہ کون زندہ بچے گا۔

اس بار قریش کے وفد کا لہجہ بڑا تند و تیز اور رویّہ انتہائی جارحانہ تھا۔ آخر نہایت تلخ انداز میں سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے۔ (1)

اشرافِ مکّہ کے سخت لہجے اور تلخ اندازِ گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُن لوگوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے، دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے کا نازک لمحہ اور خطرناک گھڑی آن پہنچی ہے اور اب وہ لوگ کوئی سخت ترین قدم اُٹھانے اور اپنے مقصد کے حصول میں آخری حد تک جانے کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر چکے ہیں، چناں چہ جناب ابو طالب کو اُن لوگوں کی جانب سے دی گئی کھلی دھمکیاں اور بات کرنے کے ترش اور درشت لہجے سے بڑی تشویش لاحق ہو گئی۔ وہ کافی دیر تک سوچتے رہے کہ یہ عجیب مشکل آن پڑی ہے کہ قبیلۂ قریش نہ صرف ہم سے جدا ہو گیا ہے، بلکہ دشمنی پر اُتر آیا ہے۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کے آخری حصّے میں اپنی ہی قوم کے ساتھ کوئی بدمزگی پیدا ہو یا جنگ تک نوبت آ جائے، لہٰذا بہت کچھ سوچنے کے بعد جناب ابو طالب نے اپنے فرزند عقیل کے ہاتھ پیغام بھیج کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قریش کے وفد کی آمد اور اُن لوگوں کی طرف سے دی گئی سنگین اور خوف ناک نتائج کی دھمکیوں کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد حالات کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے نہایت محبت و شفقت اور مخلصانہ انداز میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قائل کرنے کی کوشش کی:

اے میرے بھائی کے عزیز از جان بیٹے!

قوم قریش کے اکابرین جمع ہو کر میرے پاس آئے تھے۔

میں نے دیکھا کہ ہماری قوم میں انتقام کی آگ پوری طرح بھڑک چکی ہے۔ آج وفد میں شامل ارکان کے تیور خطرناک حد تک بدلے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اب مرنے مارنے پر تُل گئے ہیں۔ ایک بزرگ راہنما کی حیثیت سے شہر میں میرا جو احترام و اکرام تھا، اَب وہ بھی اُن کی راہ میں حائل نظر نہیں آتا۔

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 266/1

اے جانِ برادر!

میری آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درخواست ہے کہ جو باتیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قوم کو پسند نہیں، ان سے گریز کریں۔ اپنی تقریروں میں اپنے عقائد کی اعلانیہ تبلیغ اور بت پرستوں کے آبائی مذہب کی مذمت کرنا ترک کردیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ ہماری قوم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اِس قسم کی تقریروں سے سخت اشتعال میں ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجودہ صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں اوراس بات کا بھی خیال رکھیں کہ میں اب بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، مجھ پر ایسا بارِ گراں نہ ڈالیں جس کو اُٹھانے کی میں سکت نہیں رکھتا۔

میرے پیارے بیٹے!

میرے بڑھاپے اور اپنی جان پر رحم فرمائیں اور کوئی ایسا راستہ نکالیں کہ ہم لوگوں کے لیے جینے کی کچھ گنجائش باقی رہ جائے۔

جناب ابو طالب کی طرف سے مجبوری کی یہ باتیں سن کر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محسوس ہوا کہ شاید چچا جان کے اعصاب عمر کے اِس حصّے میں کمزور پڑ گئے ہیں اور میرے ساتھ تعاون جاری رکھنے میں وہ مشکل محسوس کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ میری نصرت واعانت سے دست بردار ہوجائیں اور مجھے اُن ظالم دشمنوں کے رحم وکرم پر تنہا اور بے یارومددگار چھوڑ دیں۔ چچا جان کی زبان سے شہر کے اشتعال انگیز حالات کا سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس فیصلہ کن گھڑی میں کوئی دباؤ محسوس کرنے، حوصلہ ہارنے یا دل شکستہ ہونے کی بجائے پورے استقلال، استقامت اور عزم وہمت کے ساتھ جو الفاظ ادا فرمائے، اُس کا ایک ایک حرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالی مرتبت شخصیت کا عکاس اور مقامِ نبوت کی رفعتوں کا امین ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پُرجلال انداز اور غیر متزلزل یقین کے ساتھ فرمایا:

چچا جان!

اللہ ربّ العزت نے مجھے رُوئے زمین پر توحید کا عظیم الشان پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے مامور فرمایا ہے۔

تکمیلِ دین کی اِس راہ میں میرا جو قدم اُٹھ چکا ہے، اب وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔

میں اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر قریشِ مکّہ میرے دائیں ہاتھ پر سُورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں تاریک دِلوں کو ایمان کی روشنی سے منّور کرنے کے اِس فرض سے دست بردار ہوجاؤں، تو یہ ناممکن ہے۔

میرے سامنے اب دو ہی صورتیں ہیں:

یا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے پسندیدہ دین اسلام کو

غلبہ عطا فرما دے یا میں اپنے فرضِ منصبی، تبلیغ و اشاعتِ اسلام اور حق وصداقت کی اِس راہ میں اپنی جان نثار کردوں۔

یہ الفاظ ادا فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

شفیق اور مہربان چچا جان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِن الفاظ کا زبردست اثر ہوا۔ اُن پر رقّت طاری ہوگئی لیکن اتنی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمرے سے باہر تشریف لے جا چکے تھے۔

سردار ابو طالب نے اپنے فرزند عقیل کو بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس بلائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو چچا جان نے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمت، جرأت اور استقامت کی تعریف کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا:

میرے پیارے بیٹے!

اگر یہی بات ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو دعوت دینا چاہتے ہیں، دیں اور جس طرح چاہتے ہیں، اپنے تبلیغ واشاعت کے کام کو جاری رکھیں!(1)

اللہ کی قسم!

میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد اور حمایت جاری رکھوں گا۔

میں کسی قیمت پر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا

اور نہ کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بے یار و مددگار چھوڑوں گا۔

اس سلسلے میں اہلِ قریش کی طرف سے جو بھی آفت یا پریشانی آئے گی،

اُسے بھی دیکھ لیں گے۔

میری طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مطمئن رہیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں۔

بنو ہاشم کے اس عظیم سردار نے جو کہا تھا، وہ کر دکھایا اور آخر وقت تک اپنے عزم اور عہد پر قائم رہے۔

فرق مطلوب و طالب کا دیکھے کوئی
قصّہ طور و معراج سمجھے کوئی
کوئی بے ہوش جلووں میں گم ہے کوئی
کِس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 266/1

سیّدہ بی بی رقیہ۔ بی بی جی اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہما

(طلاق کے لیے دباؤ)

اعلانِ نبّوت کے بعد جب پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے توحید اور اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے تبلیغ کا آغاز فرمایا تو اس بابرکت فرض کی ادائیگی کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہر محاذ پر قریشِ مکّہ کی طرف سے زبردست مخالفت اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، حتّیٰ کہ بعض لوگ تو تبلیغ کے اس مقدس عمل کو روکنے کے لیے نہایت پست اور نازیبا حرکتوں پر بھی اُتر آئے۔

بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب (ابولہب) کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کا نکاح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دو صاحب زادیوں بی بی جی سیّدہ رقیہ اور بی بی جی سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ چچا کے تعلقات نہایت خوش گوار تھے اور وہ ذاتی طور پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بلند اخلاق، پاکیزہ کردار اور صداقت و امانت جیسی صفات کا بہت زیادہ معترف و مدّاح تھا لیکن جب سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو توحید اور رسالت کی طرف آنے کی دعوت کا آغاز فرمایا تو وہی اہلِ مکّہ، جو اپنی نجی مجلسوں اور محفلوں میں نہایت ادب اور احترام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے، اُنھوں نے اسلام دشمنی میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شدید مخالفت شروع کر دی، بلکہ ان میں سے کئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت، وقار اور جان کے دشمن بن گئے۔

دونوں میاں بیوی ابولہب اور اُمّ جمیل بھی اُن لوگوں میں شامل تھے جو اپنے بغض، حسد اور ضد کی تسکین کے لیے عناد اور دشمنی میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ اُن لوگوں نے رحمتِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تبلیغ کی بجائے خانگی معاملات میں الجھانے، دُکھوں کے بوجھ تلے دبانے اور قلبِ مبارک کو ٹھیس پہنچانے کے لیے اُن رشتوں کو توڑنے کا فیصلہ کر لیا جن رشتوں کو جوڑنے کے لیے اُس نے خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی تھی۔

تبلیغ کے مقدّس عمل کو روکنے کے لیے ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو بلا کر کہا کہ میرا تم دونوں کے ساتھ اُس وقت تک بات چیت کرنا حرام ہے جب تک تم جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بن عبداللہ کی دونوں صاحب زادیوں کو طلاق نہ دے دو، چناں چہ اُن دونوں بدبختوں نے اپنے اذّیت پسند ماں باپ کو خوش کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صدمہ پہنچانے کی غرض سے دونوں فرشتہ صفت اور نیک سیرت صاحب زادیوں کو بغیر کسی قصور کے قبل از رخصتی طلاق دے کر اُن کے گھر بسانے کے معصوم خوابوں کو ظالمانہ انداز میں بکھیر دیا۔ دنیا کے تمام شفیق والدین کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو قطع رحمی کے اس الم ناک عمل سے دِلی

صدمہ پہنچا۔(1)

متکبر اور متعصّب باپ کے خبیث اور عقل سے عاری بیٹے عتیبہ نے صرف اِسی پر بس نہیں کیا بلکہ انتہائی گستاخانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی کے ساتھ دست درازی کی بھی کوشش کی۔ اس دریدہ دہن نے بدزبانی کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے کہا:

میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی ہے

اور میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس دینِ اسلام کا بھی منکر ہوں۔

ایک ظالم اور جاہل باپ کے اُکسانے اور اشتعال دلانے پر اپنے ہی خاندان کے ایک نوجوان کا کردار اتنا ذلیل، شرم ناک اور تکلیف دہ تھا کہ اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے بے ساختہ یہ الفاظ ادا فرمائے:

اے اللہ پاک!

اپنے درندوں میں سے کسی درندے کو اِس پر مسلط فرما دے!

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بعد ابولہب اپنے بیٹے کی سلامتی کے متعلّق ہر وقت فکرمند اور خوف زدہ رہنے لگا تھا، چناں چہ ایک بار جب یہ دونوں باپ بیٹے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ مُلکِ شام گئے تو ایک منزل پر پہنچ کر اُس قافلے کے لوگ ایک راہب کی عبادت گاہ کے قریب کھلے میدان میں ٹھہر گئے۔ ابولہب اور اُس کے ساتھیوں نے جب زبردست احتیاطی اور حفاظتی انتظامات مکمل کر لیے تو مطمئن ہو کر سو گئے۔ رات کے پچھلے پہر ایک شیر سارے قافلے میں سے ڈھونڈ کر صرف عتیبہ پر حملہ آور ہوا اور ایک ہی جھٹکے سے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس طرح وہ گھٹیا اور بدفطرت شخص اپنے انجام کو پہنچ گیا۔(2)

وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول
اُس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 652/1
2۔ دلائل النبوۃ الاصبہانی: 454/1

سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا

(طلاق کے لیے دباؤ)

قریش کے کئی بد بخت اور فتنہ گر سردار اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور عداوت میں اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی صاحب زادی بی بی جی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کو ختم کرانے اور طلاق دلوانے کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے داماد جناب ابوالعاص بن الربیع پر شدید دباؤ ڈالا کہ وہ بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنی شادی کے تعلّق کو ختم کر دیں۔ جیسے ابولہب کے دو بیٹوں نے اپنے باپ کے کہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحب زادیوں بی بی جی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور بی بی جی سیّدہ امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے نکاح کے رشتوں کو توڑ کر اُن سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، اس طرح تم بھی رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر بی بی جی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنج وغم اور پریشانیوں میں اضافہ کرو!

قریش کے فتنہ پروروں کی طرف سے جناب ابوالعاص کو طلاق کی ترغیب دیتے وقت یہ پیش کش بھی کی گئی کہ اگر تم مکّہ کی کسی خوب صورت لڑکی کو پسند کرتے ہو یا قریش کے کسی مال دار گھرانے میں شادی کے خواہش مند ہو تو ہم وہاں آپ کا نکاح کرادیں گے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا کے باادب، باوقار اور رشتوں کا احترام کرنے والے فرزندِ ارجمند جناب ابوالعاص گو کہ ابھی حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور فی الحال وہ اپنے آباء واجداد کے مذہب اور طریقۂ عبادت پر ہی عمل پیرا تھے لیکن بنیادی طور پر وہ ایک شریف النفس، نیک طبع، محبت کرنے والے اور باوفا شوہر تھے۔ اُنھوں نے قریش کے اس ناجائز دباؤ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، چناں چہ مکّہ کے اُس ممتاز اور امانت دار تاجر نے اکابرینِ شہر سے مخاطب ہو کر کہا:

اے جماعتِ قریش! آپ لوگ سن لیں!
میں اپنی نیک طینت اور معصوم فطرت شریکِ حیات سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔
زینب میری نہایت ہمدرد اور غم گسار بیوی ہے۔ ہم دونوں کے درمیان باہمی محبت، اِحترام اور موافقت کا بہترین رشتہ قائم ہے۔
میں انھیں کوئی دُکھ یا تکلیف پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا،
لہٰذا اس طرح کی پیش کی گئی کوئی بھی ترغیب میرے لیے

ناقابلِ قبول ہے کہ زینب کی جگہ قریش کی کوئی دوسری عورت میری بیوی
بن کر میرے گھر آئے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوالعاص کی اس وفاداری سے بہت خوش ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی اس نیکی، اپنے اہلِ خانہ سے بہترین سلوک اور شریفانہ برتاؤ کا ذکر ہمیشہ بھلائی کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔اس دفعہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالعاص کے اس اچھے عمل کی تعریف وتوصیف فرمائی، اُن کا شکریہ ادا کیا اور اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے آٹھ ہجری کے شروع میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف روانہ ہوگئیں۔(1)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

یہی ہے خالد اساسِ رحمت
یہی ہے خالد بنائے رحمت
نبی کا عرفان زندگی ہے
نبی کا عرفان بندگی ہے

میرے ہر دُکھ اور درد کی دوا آپ ہیں
اے حبیبِ خدا تم پر ہر دم درود

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:652/1

فرزندانِ ارجمند سیّدنا قاسم اور سیّدنا عبداللہ کی وفات رضی اللہ عنہم

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے دوسرے سال جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی زیست مبارک کی ستائیس بہاریں دیکھ چکے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک فرزندِ ارجمند جناب سیّدنا قاسم رضی اللہ عنہ عطا فرمائے۔ ان کے ہی خوب صورت نام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کنیت ابوالقاسم تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت پسند فرماتے تھے لیکن افسوس کہ اُنھوں نے بہت تھوڑی عمر پائی اور وہ شیر خوارگی کے زمانے میں ہی اس دنیائے بے ثبات سے رحلت فرما گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد میں سے سیّدنا قاسم رضی اللہ عنہ پہلے بچے تھے جو فوت ہوئے۔

سرورِ دو عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوسرے صاحب زادے سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اعلانِ نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ یہ اپنے جلیل القدر اور عظیم المرتبت والدِ گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ''طاہر'' اور ''طیب'' کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے۔ اللہ کی مشیت کہ سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ ابھی تھوڑا تھوڑا چلنے لگے تھے کہ وہ بھی اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

اس حادثۂ دل فگار نے سرورِ کائنات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے حد افسردہ اور غمگین کر دیا۔

اُن دنوں مکّہ میں حق اور باطل کے درمیان محاذ آرائی اپنے عروج پر تھی اور گروہِ قریش کے کچھ کمینہ فطرت افراد کی جانب سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف بے ہودہ پروپیگنڈا اور فضول قسم کے تاثرات کا پرچار اپنی انتہا پر تھا۔ افسوس کا مقام کہ اس سانحۂ عظیم پر بھی سخت دل چچا ابولہب، نزدیک کے ہمسایوں اور جماعتِ قریش کی اکثریت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اظہارِ تعزیت کرنے کی بجائے اپنی محفلوں اور مجلسوں میں مسرت وشادمانی کی باتیں کر کے ایک دُکھ دینے والا طرزِ عمل اختیار کیا اور کہا کہ:

چوں کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی وارث نہیں رہا، لہٰذا تبلیغِ اسلام
کا یہ معاملہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی تک ہی محدود رہے گا اور بالآخر
وہ وقت بھی آجائے گا، جب ہم اپنے شہر میں امن اور سکون سے رہ سکیں گے۔

بیٹوں کو بیٹیوں پر فوقیت دینے والے گروہ کے ایک حرماں نصیب اور سیاہ بخت شخص عاص بن وائل سہمی نے ایک محفل میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا:

اب جب کہ (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چھوٹے بیٹے بھی انتقال کر گئے ہیں
اور ان کی کوئی اولادِ نرینہ باقی نہیں رہی تو اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا۔

ہر ایک پر لطف وکرم اور شفقت ومہربانی فرمانے والے اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پیارے بیٹے کی رحلت کے ساتھ، جفا گر اور قسی القلب لوگوں کی جانب سے کہے گئے تلخ جملوں اور تند وتیز تبصروں سے بہت دُکھ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تکلیف دہ صورتِ حال پر افسردہ اور مغموم ہو گئے۔

یوں بھی قدرتی طور پر ہر باپ اپنے بیٹے کی وفات جیسے المیّہ پر دُکھ کی حالت میں ہوتا ہے۔ ایسے آزردہ اور اَلم انگیز ماحول میں تو قرابت دار، کنبہ اور قبیلے سے تعلّق رکھنے والے افراد اور نزدیکی ہمسائے اظہارِ ہمدردی اور غم گساری کے لیے آتے ہیں لیکن ان شدید دُکھ اور غم ناک لمحات میں بھی مشرکین مکّہ نے انتہائی تکلیف دہ الفاظ اور ناشائستہ تبصرے کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید صدمہ پہنچایا۔

اُس وقت جب کہ نزدیکی رشتے داروں اور مکّہ کے نام نہاد سرداروں کا بغض وحسد اور جوشِ مخاصمت اپنے عروج پر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی وتشفی اور دل داری کے لیے جبرئیلِ امین علیہ السلام اللہ ذُوالجلال والاکرام کا پیغامِ خاص لے کر آئے کہ:

> آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل شکستہ نہ ہوں۔ مستقبل کی تمام عظیم ترین کامیابیاں، بھلائیاں اور خیرِ کثیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منتظر ہے۔ دنیا ہو یا آخرت، ہر دو جہاں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ومرتبہ بلند رہے گا۔ کروڑوں لازوال نعمتیں، مسرتیں اور انعامات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حاضر ہیں۔

قرآنِ حکیم کی سورۃ الکوثر میں ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣ (1)

اس بابرکت سورۃ میں بشارت اور نویدِ مسرّت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسکین، دل پذیری اور مستقبل کے انعامات سے متعلّق بھی ایک اعلان تھا کہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دُشمن وہ تمام سردار، ثروت مند تاجر اور رئیس زادے، جو بے پناہ دھن دولت، قیمتی اثاثہ جات اور مسلح افرادی قوت کے مالک ہیں، بالآخر بے نام ونشان رہ جائیں گے اور کوئی اُن کا نام لیوا نہ ہوگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صبر واستقامت اور لگن کے ساتھ کی جانے والی جدوجہد نے ایک ایسا پُرشکوہ اور جلیل القدر انقلاب برپا کر دیا جس نے پورے عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ پھر وہ دن بھی آ گیا جب فتح مکّہ کے عظیم الشان موقعے پر اُن متکبر سرداروں، سرمایہ داروں اور امیرزادوں کی گردنیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے جھک گئیں۔ اُس روز اہلِ مکّہ کی جانب سے معافی کی درخواست کے ساتھ سردار سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بصد احترام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ کلمات ادا کیے:

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 106/1

اخ کریم و ابن اخ کریم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے کریم بھائی کے کریم فرزند ہیں اور ہمیں
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے مہربانی اور کرم نوازی کا پورا یقین ہے۔(1)

چناں چہ سورۃ الکوثر کی پیشین گوئی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ عداوت اور مخاصمت رکھنے والے تمام لوگ آخر کار عاجز اور لاچار ہو گئے۔ اُن نام نہاد قائدینِ قریش کو اپنی محفلوں اور مجلسوں میں یاد کرنے والا اور اُن رئیس زادوں کے ساتھ اپنا تعلّق ظاہر کرنے والا کوئی نہ رہا۔ مکّہ کی اس زوال پزیر اشرافیہ کا نام و نشان تک مٹ گیا اور وہ سب لاپتا و لاوارث ہو کر صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو گئے۔

دوسری طرف اللہ ذُوالجلال والاکرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمد و ستائش اور ذکرِ خیر کو بلند سے بلند تر فرما دیا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○

اور بلند کیا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر۔(2)

اس کلامِ حق کی زندہ حقیقت یہ ہے کہ آج اس دنیا میں بسنے والے تمام مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اپنے تعلّق اور نسبت پر فخر محسوس کرتے ہیں اور شب و روز اپنے آقا و مولا پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درود و سلام کا نذرانہ بھیجنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جب کہ آسمانوں پر بھی اللہ اور اس کے اطاعت گزار فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

سبحان اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

افتخارِ دو عالم ہے اُن کا وجود
وہ سراپا کرم ہیں بہ ربِّ ودود
اُن پہ ہوتا ہے ابد رحمتوں کا ورود
تا قیامت رات دن ہزاروں درود
یادگارِ اُمت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ الحلبیہ 141/3: 2۔الم نشرح 4:94

اہلِ مکّہ کی عداوت کا مظاہرہ

عبداللہ بن عمرو بن العاص جو اس وقت تک حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، وہ ابتدائے عہدِ اسلام میں کفّارِ مکّہ کی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ دشمنی، سنگ دلی، عداوت اور سخت ترین اذیت رسانی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

> ایک دن قریش کے بااثر اور بلند مرتبہ سردار حطیم والے حصّے میں بیٹھے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلّق باتیں کررہے تھے کہ ہمارے بُتوں کی پرستش کے خلاف ہونے کے ساتھ اب جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نئے مذہب کی تبلیغ بھی شروع کردی ہے اور یہ سب کچھ ہمارے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔ اِس سنگین مسئلے پر ہم لوگ اب تک اپنی برداشت سے بھی زیادہ صبر اور ضبط کا مظاہرہ کرچکے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں احمق، ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ، شہر کے معززین اور اکابرین کی دانش مندی کو جہالت اور ہمارے طریقۂ عبادت کو کفر کہہ کر ہمارے مذہب کو تو بالکل ہی جھوٹا قرار دے دیا ہے۔ ان کی اِنھی باتوں نے ہماری جماعت اور شہر کے اتحاد کو انتشار اور تفرقہ میں ڈال دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے کی گئی انتہائی اشتعال انگیز باتوں کے باوجود ابھی تک ہم لوگوں نے رواداری اور تحمّل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔

سردارانِ قریش کے درمیان بات چیت کا یہ سلسلہ چل رہا تھا کہ اُسی دوران رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خانۂ کعبہ میں تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے حجرِ اَسود کو بوسہ دیا، پھر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے جب قریش کے سرداروں کی اُس مجلس کے قریب سے گزرے تو اُن لوگوں نے بیت اللہ شریف کی حرمت کا بھی کوئی خیال نہ کیا اور از راہِ مذاق پہلے تو ایک دوسرے کے ساتھ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کیے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے کچھ ناپسندیدہ کلمات کہہ دیئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ:

> حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرداروں کے کہے ہوئے اُن نامناسب الفاظ سے بہت دُکھ پہنچا، چناں چہ اس تلخ بات کے اثرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر بڑے نمایاں نظر آنے لگے۔

طواف کے دوسرے پھیرے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس مجلس کے پاس سے گزرے تو اُن بداطوار اور نام نہاد سرداروں نے پھر کوئی دل آزار بات کہہ دی۔ وہاں موجود سب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف

دیکھ کر محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ الفاظ بھی سخت ناگوار گزرے ہیں لیکن اُن کی طرف سے بار بار کی مداخلت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت باوقار انداز میں اپنے طواف کے عمل کو جاری رکھا۔

تیسری مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن نانہجار سرداروں کی مجلس کے برابر سے گزرے اور اُنھوں نے پھر کوئی اشتعال انگیز اور نازیبا بات کہی تو اس بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر جلال اور غضب کے آثار اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدم روک لیے اور انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے گروہِ قریش!
کان کھول کر سن لو!
قسم ہے اُس خدائے بزرگ و برتر کی
جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے،
میں تمھاری طرف ذبح کے حکم کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

قریش کے اُن سرکردہ افراد کو اتنے سخت جواب کی بالکل توقع نہیں تھی۔ یہ پُرجلال کلمات سنتے ہی پورے مجمع پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ ہیبت اور خوف کی وجہ سے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ کچھ دیر کے بعد جب اُن قائدینِ شہر کے حواس بحال ہوئے تو اُنھوں نے بہتر سے بہتر الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے بڑی نرمی، عاجزی اور اچھے اخلاق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اِس معاملے کو یہیں ختم کر دیا جائے۔

اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل نے بھی خوشامدانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا:

جنابِ ابوقاسم!
خیر و برکت کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنا طواف مکمل فرمائیں۔
اللہ کی قسم!
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو صاحبِ فہم و فراست ہیں،
اتنا سخت جواب دینے کی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عادت نہ تھی۔

دوسرے دن مشتعل افراد کی ایک بہت بڑی تعداد حرم شریف میں جمع ہو چکی تھی۔ وہاں موجود ہر شخص آتش انگیز لہجے میں کہہ رہا تھا کہ تمھارے سامنے کھڑے ہو کر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم لوگوں کو انتہائی سخت الفاظ میں ڈانٹ پلائی، اُن کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے تمھارے اعصاب جواب دے گئے، تم لوگوں میں سے کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہو سکی اور وہ تمھیں چپ کرا کے بڑے آرام سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اُنھوں نے دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں۔ مجمع

میں سے کئی مشتعل افراد کل کی رسوائی کا بدلہ لینے کے لیے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی وہ صاحب ہیں جو ہمارے آباء و اجداد کو عقل سے عاری اور ہمارے مذہب کو جہالت کہتے ہیں اور ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے سکون اور وقار کے ساتھ فرمایا:

ہاں! میں ہی وہ شخص ہوں جو یہ بات آپ لوگوں تک پہنچانے آیا ہوں کہ
ایک اللہ کی عبادت کرو اور پتھر کے اِن بتوں کی پرستش چھوڑ دو!

یہ کلمات سنتے ہی وہاں موجود لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے میں لے لیا، پھر وہ سب ایک ہی وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہونے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ ان میں سب سے زیادہ سنگ دل، شقّی القلب اور محروم القسمت شخص عقبہ بن ابی معیط نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک کو دونوں کناروں سے پکڑ کر بَل دینے شروع کر دیئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت تکلیف محسوس ہونے لگی۔ یہ المیہ دیکھ کر حرم میں موجود لوگوں میں شور مچ گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو دوڑتے ہوئے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھڑانے کے لیے تن تنہا ہی کفار کے اُس مشتعل اور غضب ناک ہجوم پر جھپٹ پڑے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی اِس جدّ وجہد میں سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اپنی پوری طاقت کے ساتھ مشرکینِ مکّہ سے الجھے ہوئے تھے تو اُس وقت وہ اپنی اشک بار آنکھوں کے ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے:

وَيْلَكُمْ اِيْمَانَهٗ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (1)

تم لوگوں پر افسوس!
کیا تم ایسے شخص کو شہید کرنے کا عزم رکھتے ہو
جو یہ کہتے ہیں کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ

یہ تھا وہ سخت سنگ دلی اور شدید اذّیت رسانی کا دردناک سانحہ
جو میں نے قریشِ مکّہ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کرتے دیکھا۔ (2)

ذکر ہر آن تیرا زبان پر رہے — جب کہے تو فقط بات تیری کہے
چراغ تیری محبت کا دل میں جلے — نام سے تیرے ملتی ہے تسکیں مجھے
میرے ہر دُکھ اور درد کی دوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں — اے حبیبِ خدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر دم درود

1۔ المومن 28:40
2۔ السیرۃ لابن اسحٰق: 229/1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 290/1

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین ہمسائے

مکّہ میں اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمسایوں میں سے ایک طرف دشمنِ اسلام اور کمینہ خصلت ابولہب اور دوسری طرف شیطان صفت اور مکروہ صورت عقبہ بن ابی معیط کا گھر تھا۔ اس طرح کاشانۂ نبوت دو آمادۂ شرارت، بدتہذیب اور فساد پسند ہمسایوں کے درمیان واقع تھا۔ خاص طور پر کج خلق اور شر پسند عقبہ بن ابی معیط نے تو مسلسل تکلیف پہنچانے کا رویّہ اپنائے رکھا تھا۔ اُس رذیل کا یہ افسوس ناک طرزِ عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے انتہائی آزردگی اور افسردگی کا باعث بنا ہوا تھا۔

مکّہ بھر میں یہ گستاخ ظلم، زیادتی اور سرکشی میں سب سے سبقت لے گیا تھا۔ یہ خبیث آئے دن مردہ جانور، گندگی اور کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے کبھی صحن میں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا جا رہا ہوتا یا اُس جگہ، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے ہوتے، پھینک دیتا اور کبھی دروازے کے آگے ڈال جاتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میرا گھر دو شریر ہمسایوں کے درمیان واقع تھا۔
ایک طرف سراپا عداوت چچا ابولہب اور
دوسری طرف اذّیت پسند عقبہ بن ابی معیط تھا۔(1)

اُن کے ساتھ ساتھ حکم بن ابی العاص، عدی بن حمراء الثقفی اور ابن الاصد ہذلی، یہ وہ بدخصلت اور سیاہ باطن پڑوسی تھے جو گھر کے اندر بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پریشانی کا باعث بنتے رہتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے یا قرآنِ حکیم کی تلاوت فرما رہے ہوتے تو مشرکین کا یہ شیطانی ٹولہ اس دوران تالیاں پیٹنے اور شور مچانے لگتا تھا۔ یہ جاہلانہ اور سنگ دِلانہ طرزِ عمل ان شر پسندوں کو لے ڈوبا اور آخر کار وہ سب بدطینت ہمسائے کفر کی حالت میں موت سے جا ملے، سوائے حکم بن ابی العاص کے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔(2)

اسلام دشمنی میں سب سے آگے رہنے والا ابولہب نہ صرف مخالفت، گستاخی اور بدتمیزی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا، بلکہ پورے خاندان کے اعزاز میں دی گئی کھانے کی پہلی تبلیغی دعوت کا ماحول بھی جان بوجھ کر اُسی منحوس نے خراب کیا تھا اور کوہِ صفا کے تاریخی خطاب کے موقعے پر بھی سب سے بُرا ردِّعمل ابولہب کی جانب ہی سے آیا تھا۔

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 157/1　　2۔ ایضاً

ابولہب کی بد بخت بیوی اُمِّ جمیل تو رسُول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی میں اپنے شوہر سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔ اُس حرماں نصیب عورت کی شقاوت اور عداوت کی انتہا کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ وہ مسلسل کئی سال تک خود جنگل سے نوک دار کانٹے اکٹھے کر کے لاتی اور یہ سوچ کر رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کے گھر کے سامنے پھیلا دیتی کہ جب آپ ﷺ صبح نماز کی ادائیگی کے لیے حرم میں تشریف لے جائیں یا آپ ﷺ کے معصوم بچے کھیلنے کے لیے گھر سے باہر نکلیں تو اُن کے نازک پاؤں ان نوکیلے کانٹوں سے زخمی ہو جائیں، حتیٰ کہ یہ محروم القسمت عورت رسُول اللہ ﷺ کی مخالفت میں مختلف گھروں کے ساتھ رابطہ کر کے اُنھیں بھی اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف بھڑکاتی تھی، جب کہ اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین ﷺ بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ان مغرور اور بدفطرت لوگوں کے ان افسوس ناک حربوں، جفا خیز روّیوں اور انسانیت سے گری ہوئی حرکتوں کو مسلسل نظر انداز فرما رہے تھے۔(1)

ایک دفعہ آپ ﷺ نے اُن لوگوں کے اس غیر شریفانہ اور بدترین رویے پر بڑی متانت اور بردباری کے ساتھ صرف اتنا فرمایا:

اے بنی عبد مناف!
یہ ہمسائیگی کا کیا انداز ہے؟
کیا ہمسائے ایسے ہوتے ہیں؟(2)

”لاکھوں دُرود و سلام رحمۃ للعالمین سید المرسلین آقائے دو جہاں نبی آخر الزماں ﷺ پر“

اعتلائے جبلت پہ عالی درود
اعتدالِ طبیعت پہ لاکھوں سلام
اُن کے مولیٰ کے اُن پر کروڑوں درود
اُن کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:355/1
2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:416/1

سیّدہ بی بی جی زینب رضی اللہ عنہا (ایک تکلیف دہ واقعہ)

جناب حارث غامدی اپنے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے کے اور زمانۂ جاہلیت کے دنوں کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

میں اپنے والدِ محترم کے ساتھ حج کے لیے مکّہ گیا تھا۔ایک دن میں نے دیکھا کہ بازار میں ایک جگہ بہت سے لوگ جمع ہیں۔اُس اجتماع میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو توحیدِ الٰہی کی دعوت دیتے ہوئے فرمارہے تھے:

یا ایھا الناس!

قولو! لا الہ الا اللہ تفلحون

اے لوگو!

لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پاؤ گے!

اگر تم لوگ لات وعزیٰ اور ہر قسم کے بتوں کی
پرستش چھوڑ دو اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرو
تو جنت کے حق دار بن جاؤ گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات چوں کہ شرک اور بت پرستی کے خلاف تھے، اس لیے وہاں موجود لوگ اپنے آباء واجداد کے مذہب کے حق میں نہ صرف شور مچانے لگ گئے، بلکہ تہذیب سے نا آشنا اور شرافت سے محروم وہ لوگ ظلم و زیادتی اور انسانیت سوز حرکات پر اُتر آئے۔

اُن میں سے ایک بد بخت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مٹھی بھر کر مٹی پھینک دی، پھر اسلام کی مخالفت اور عناد میں اندھے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے اور اذّیتیں دینے لگے، یہاں تک کہ دو پہر ہو گئی۔غیر مہذّب اور خود سر جفا کاروں کے اس سنگ دِلانہ طرزِ عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت ٹھیک نہ رہی اور وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے گئے۔اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی واجب الاحترام دختر نہایت سرعت کے ساتھ ہاتھ میں تولیہ اور ایک برتن میں پانی لے کر وہاں پہنچ گئیں۔اضطراری کیفیت میں اُن کی چادر سر سے ڈھلک گئی تھی۔لوگوں کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیے گئے غیر مہذبانہ سلوک دیکھ کر وہ رونے لگ گئیں۔

پیکرِ صبر و رضا، ثابت قدم اور عالی ہمت خاتم النّبیین رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرۂ انور اور دستِ مبارک دھوئے اور پھر انتہائی استقامت، استقلال اور صبر و تحمّل کے ساتھ فرمایا:

میری پیاری بیٹی!
صبر کرو اور اپنے باپ کی تکلیف پر نہ رو!
ان شاء اللہ!
یہ وقت ہمیشہ اِس طرح نہیں رہے گا۔(1)

جناب حارث غامدی کا بیان ہے،
میرے دریافت کرنے پر کہ
یہ بی بی جی کون ہیں؟
لوگوں نے بتایا کہ:
یہ بنتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

اشکباریٔ مژگان پہ برسے درود
سِلک دُرِّ شفاعت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے کبھی
اُس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام
غم ہائے درخشاں حُسنِ لطیف
جس سے روشن ہوئے سینہ ہائے کثیف
اے شہِ ذوالکرم ہو سلام آپ پر
اے ہادیٔ محترم ہو سلام آپ پر

1۔دلائل النبوۃ للبیہقی:350/2۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:146/2

سخت ترین آزمائش کے تین سال

بُتوں سے گہری وابستگی رکھنے والے سردارانِ قریش کی زبردست مخالفت، مزاحمت اور ریشہ دوانیوں کے باوجود شہر میں امن وسلامتی کے دین اسلام کو لبیک کہنے والے کئی بااثر افراد کی شمولیت سے اسلام کی طاقت اورقوت میں روز بہ روز اضافہ ہورہا تھا، چناں چہ حالات کو ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر قریش کے کچھ سرکردہ راہنما طویل مشاورت کے بعد بالاتفاق اس فیصلے پر پہنچے کہ اسلام کے پیروکاروں پر اگر تشدّد میں مزید اضافہ کردیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ نئے دین سے برگشتہ ہوکر اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کی طرف دوبارہ لوٹ آئیں، حالاں کہ اس ارادۂ جارحیت سے قبل بھی سردارنِ قریش اسلام کی روشنی کو مکّہ میں اور بلادِ عرب میں پھیلنے سے روکنے کے لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ ایمان کے خلاف مختلف قسم کے منفی پراپیگنڈے اور غیر مہذب ہتھکنڈے استعمال کرچکے تھے، چناں چہ رونگٹے کھڑے کردینے والے جبر وتشدّد اور اذّیت رسانی کے اِن واقعات سے پریشان ہوکر مسلمانوں کو ملکِ حبشہ کی جانب ہجرت کرنا پڑی تھی۔

اسلامی عقائد اور اہلِ اسلام کے بارے میں توہین آمیز خبریں پھیلائی گئیں۔مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کے لیے اکثر اُن کو تضحیک اور تحقیر کا نشانہ بنایا جاتا۔ جب اس طرح کے تمام حربے ناکام ہوگئے تو پھر کفّار کی طرف سے خوب صورت عورتوں کے رشتے، مال و دولت اور بادشاہت کی پُرکشش پیش کشیں بھی کی گئیں لیکن مکّہ کی باطل قوتوں کی ان تمام دل آویز ترغیبات کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بار پہلے ہی مرحلے میں مسترد فرمادیا(1)، لیکن افسوس کہ ہرناکامی کے بعد دشمنانِ اسلام پہلے سے بھی زیادہ شدّت کے ساتھ ظلم وتشدّد پر اُتر آتے۔

اسلام دشمنی میں سخت رویّے کا اظہار کرنے والے عقبہ بن ابی معیط نے ایک بار گردن مبارک میں چادر ڈال کر بَل دینے کی کوشش کی(2)۔ایک اور موقعے پر مکّہ کا فرعون ابوجہل، ایک بھاری پتھر لے کر بُری نیت کے ساتھ آگے بڑھا لیکن اللہ نے اُسے ناکام بنادیا(3)۔ چند جھنجلائے ہوئے نادان اور عقل وشعور سے عاری افراد کی جانب سے جناب ابوطالب کو یہ پیش کش بھی کی گئی کہ عمار بن ولید یا کسی بھی سردار کے جوان بیٹے کو اپنا متبنّیٰ بنا لیں اور اُس کے بدلے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے سپرد کردیں۔(4)

مختصر یہ کہ مکّہ کے کج خلق اور تیرہ باطن راہنماؤں کو اب تک اپنی ہر قسم کی حکمتِ عملی، جوڑتوڑ اور تدابیر میں

1۔السیرۃ لابن اسحٰق:207/1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:293/1

2۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔رقم الحدیث:3856

3۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:1-299

4۔السیرۃ لابن اسحٰق:152/1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:267/1

مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا تھا اور تمام تر کوششوں کے باوجود وہ لوگ اللہ کے دین کی مقبولیت اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روز بہ روز بڑھتے ہوئے اعتبار، اعتماد اور ساکھ کے آگے بند باندھنے میں بالکل ناکام رہے تھے۔ کچھ مہتم بالشان خبریں تو جماعتِ قریش کے لیے مزید اضطراب کا باعث بن گئیں، بلکہ ایک کے بعد ایک رونما ہونے والے حیرت انگیز واقعات نے دنیائے کفر کے قائدین کی آتشِ غیظ وغضب کو خوف ناک حد تک تیز کردیا تھا۔

سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب جیسے باوقار اور عالی مقام بہادرانِ مکّہ نے جب اسلام قبول کیا تو اس سے شہر میں مسلمانوں کی عظمت و منزلت اور طاقت و توانائی میں بے حد اضافہ ہوگیا، چناں چہ مسلمان جو پہلے چھپ چھپ کر عبادت کرتے تھے، اس اہم کامیابی کے بعد بیت اللہ شریف میں آزادی کے ساتھ نمازیں ادا کرنے لگے۔(1)

ملکِ حبشہ میں انصاف پسند بادشاہ نجاشی اپنے دربار میں سیّدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ اکرام والطاف کے ساتھ پیش آئے۔ انھیں نہایت باعزت اور باوقار انداز میں خوش آمدید کہا اور ایسی شان دار پذیرائی فرمائی کہ قریش کا جو وفد ''تحویلِ ملزمان'' کا مطالبہ لے کر حبشہ گیا تھا، منہ دیکھتا رہ گیا۔(2)

سفارت کاروں نے مع تحائف ناکام و نامراد واپسی کے بعد سردارانِ قریش کو بتایا کہ مسلمان مہاجرین وہاں پوری حفاظت، اطمینان اور آزادی کے ساتھ رہ رہے ہیں اور اُس ملک میں جہاں چاہتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ ہزیمت کی یہ رُوداد سُن کر بت پرستوں کے سینوں میں حسد و عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی، چناں چہ اپنی پریشانیوں کو ختم کرنے کے لیے اُن اسلام دشمنوں کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کی جانے والی سازشیں جب اپنے عروج پر پہنچ گئیں تو انھوں نے انتہائی ظلم و زیادتی پر مبنی نئے مطالبات پیش کر دیئے۔ وہ یہ کہ:

i۔ مسلمان جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرنا چھوڑ دیں۔

ii۔ اور جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبد اللہ کو شہید کرنے کے لیے ہمارے سپرد کر دیں (نعوذ باللہ)۔(3)

ان مطالبات کو اعلیٰ مشاورتی مجلس میں پیش کرنے کے لیے معاندینِ اسلام نے قریش کے راہنماؤں کے علاوہ اپنے حلیف اتحادی قبائل کا ایک ہنگامی اجلاس منیٰ کے قریب کنانہ کی وادی محصب میں بلالیا۔(4)

اس خصوصی اجلاس میں نام نہاد اشرافِ مکّہ نے اپنی تقریروں میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تحریکِ اسلامی

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔ رقم الحدیث: 8806۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔ رقم الحدیث: 4487

2۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث: 1740 — 3۔ انساب الاشراف: 230/1

4۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر: 57/1

کے خلاف شدید غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب مزید سخت فیصلوں اور جارحانہ اقدام اُٹھانے کا وقت آپہنچا ہے۔

طویل غور وخوض کے بعد اذیت رسانی کی اس تجویز کو مکمل اتفاق رائے سے منظور کرلیا گیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو برادری سے خارج کر دیا جائے اور انھیں شہر سے باہر نکال کر اُن کے ساتھ اپنے خاندانی رابطے مکمل طور پر منقطع کر دیئے جائیں۔ مشترکہ اجلاس کے متفقہ فیصلوں کے مطابق سماجی مقاطعہ کا عہد نامہ تحریر کر کے اُس پر مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار سردارانِ قریش اور اُن کے حلیف قبائل کے سرداروں نے اپنے دستخط ثبت کر دیئے، پھر اس دستاویز کی اہمیت اور پختگی کو ظاہر کرنے، بلکہ تقدیس کا درجہ دینے کے لیے اسے ماہِ محرم سنہ ۷ نبوی کی چاندرات کو حرم شریف کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا۔

مرتب شدہ دستاویز میں اہلِ اسلام کو معاشرتی طور پر الگ کرنے والے مضمون میں اُس کی مدّت کا تعین کرنے کی بجائے نام نہاد حکومتِ مکّہ کی جانب سے اعلامیہ جاری کیا گیا کہ یہ سرکاری فرمان اُس وقت تک نافذ العمل رہے گا،

جب تک بنی ہاشم اور بنی مطلب اپنی شکست کا اعتراف کر کے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اُن کے سپرد نہیں کر دیتے یا خود (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے نئے مذہب سے دست بردار ہونے کا اعلان نہیں کر دیتے (1)۔

عہد نامے میں تحریر کردہ نکات کی تفصیل

آج کا یہ نمائندہ اجلاس بالاتفاق اس بات کا پختہ عہد کرتا ہے کہ:

☆ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور وہ لوگ جو اُن کا ساتھ دینا چاہتے ہیں، وہ سب شہر سے باہر چلے جائیں۔ اب ان لوگوں کو مکّہ میں رہنے کی اجازت نہیں۔

☆ کسی مسلمان کو ہمارے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ ہمارا کوئی ساتھی کسی مسلمان کے گھر میں قدم رکھے گا۔

☆ مکّہ کا کوئی شہری مسلمانوں کے ساتھ خرید وفروخت اور لین دین نہیں کر سکے گا، خاص طور پر کھانے پینے کی اشیا کسی بھی قیمت پر اُن تک نہیں پہنچنے دی جائیں گی۔

☆ مکّہ کے رہنے والے کسی بھی فرد کو مسلمانوں کے ساتھ باہم میل ملاقات رکھنے، خیر خیریت پوچھنے اور سلام وپیام کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی۔

☆ اہلِ مکّہ کو مسلمانوں کے ساتھ رشتے داری قائم کرنے کی سخت ممانعت ہوگی۔

1۔ الطبقات لابن سعد: 163/1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 3/2

☆ اگر مکّہ کا کوئی شہری کسی مسلمان کا مقروض ہے تو وہ رقم واپس کرنے سے صاف انکار کردے۔
☆ اور جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا، اہلِ اسلام کے ساتھ کسی بھی قسم کی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا جائے گا۔
☆ مکّہ کے کسی شہری کو اہلِ اسلام کے ساتھ کوئی مہربانی، رحم دلی یا دردمندی کا معاملہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔
☆ قطعِ رحمی کے مسّودے پر دستخط کرنے والے تمام سرداران اور اُن کے قبیلے کے لوگوں پر لازمی قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ تحریر شدہ عہد نامے کی تمام شرائط کی سختی سے پابندی کریں گے اور یہ کہ مسلمانوں سے کوئی صلح نہیں ہوگی،

جب تک کہ

(i) (جناب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے ساتھی نئے دین کی تبلیغ کرنا چھوڑ نہیں دیتے۔
(ii) بنی ہاشم؛ (جناب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حمایت سے دست بردار نہیں ہو جاتے۔
(iii) اور (جناب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے سپرد نہیں کر دیا جاتا۔(1)

اہلِ مکّہ کو کفر و شرک پر برقرار رکھنے کا یہ ظالمانہ اور سفاکانہ عہد نامہ قبیلۂ قریش کے علَم بردار خاندان بنوعبد الدار کے ایک فرد منصور بن عکرمہ نے تحریر کیا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے غضب نے اُس کی انگلیوں کو مفلوج کر دیا، نہ وہ حرکت کر سکتی تھیں اور نہ اُن سے لکھا جا سکتا تھا۔(2)

صاحبِ ادراک، دور اندیش اور معاملہ فہم سردار جناب ابوطالب کو جب وادی محصب میں چالیس کے قریب بُت پرست سرداروں اور اُن کے حلیف قبائل کے اجتماع اور پھر اُن کی طرف سے تعصب سے بھرپور ایک نفرت انگیز معاہدے کی اطلاع پہنچی تو اُنھوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو اپنے گھر پر جمع کیا اور کہا کہ

شہر کی سماجی روایات اور معاشرتی اقدار کے بالکل خلاف مکّہ کے کچھ ناعاقبت اندیش سردار
اور بنوکنانہ کے قبائل (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔
مخالفین ہمیں فقر و فاقہ میں مبتلا کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔
وہ لوگ انتہائی مذموم ارادے رکھتے ہیں۔
اس گھمبیر صورتِ حال میں آپ لوگ مجھے مشورہ دیں
کہ ہم کیا لائحۂ عمل اختیار کریں؟

اس پر دونوں خاندانوں کے جملہ افراد نے پُرجوش انداز میں جناب ابوطالب کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے

1۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی: 272/1۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: 311/2
2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 18/2

پورے صمیمِ قلب سے یہ عہد کیا کہ

حالات خواہ کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں، ہم اپنے عظیم المرتبت اور جان سے بھی زیادہ عزیز بھائی جناب محمد (ﷺ) بن عبداللہ کی رفاقت اور نصرت کا فریضہ یک جان ہو کر ادا کریں گے۔

اس مجلسِ مشاورت میں شریک افراد نے مخالفین کو یہ پیغام بھی پہنچا دیا کہ

آپ لوگ سن لیں! جناب محمد (ﷺ) ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔

اس لیے کوئی بد بخت کسی غلط ارادے یا نیت سے آپ (ﷺ) کی جانب بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

ہم اپنے بھائی کے دفاع کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

اس مقصد کے لیے ہمیں اپنی جانوں کی بھی کوئی پروا نہیں ہوگی۔(1)

جہاں دیدہ اور سرد و گرم چشیدہ سردار جناب ابو طالب اور دونوں خاندانوں کے سرکردہ افراد آنے والے حالات اور پابندیوں کے نتائج سے بے خبر نہیں تھے، کیوں کہ خود مکّہ کی بے آب و گیاہ اور سنگلاخ زمین سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی تھی۔ کھانے پینے اور پہننے کی تمام اشیا فروخت کرنے کے لیے لوگ باہر سے آتے تھے۔ اب، جب کہ اس انسانیت سوز عہد نامے کے تحت بنو ہاشم اور بنو مطلب کے افراد کے ساتھ ہر قسم کی تجارت پر پابندیاں لگا دی گئی تھیں اور انھیں مکّہ کی تجارتی منڈی سے فائدہ اُٹھانے سے روک دیا گیا تھا، لہٰذا جناب ابو طالب مجلسِ مشاورت کے فیصلوں کے مطابق دونوں خاندانوں کے مسلم اور غیر مسلم افراد کو اپنے ہمراہ لے کر شعبِ بنو ہاشم میں اقامت گزیں ہو گئے۔

ہاشمی خاندان میں سے صرف نا قابلِ اصلاح ابولہب اور اُس کے خاندان کے نامراد لوگ ہی باقی بچے تھے جنھوں نے اپنے ذاتی عناد اور اسلام دشمنی کی وجہ سے بنو ہاشم قبیلے کے مشترکہ فیصلے پر عمل کرنے اور قرابت داری کا حق ادا کرنے کی بجائے اپنے لیے علیحدہ راستے کا انتخاب کیا اور بُت پرستوں کے حق میں اپنی حمایت کا اعلان کر دیا۔

شعبِ بنو ہاشم؛ مکّہ شہر سے باہر دو پہاڑوں کے درمیان بالکل الگ تھلگ ایک وادی تھی جہاں کوئی درخت یا سبزہ تو درکنار، گھاس تک نظر نہ آتی تھی۔ اس چھوٹی سی گھاٹی میں داخلے کا راستہ بہت تنگ تھا۔ یہ وادی قبیلۂ بنو ہاشم کی مشترکہ میراث تھی۔(2)

اس وادی میں جناب ابو طالب، حضور نبی کریم ﷺ اور دونوں گھرانوں کے تمام افراد کا قیام کم و بیش تین

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 161/1 دلائل النبوۃ الاصبہانی: 272/1 دلائل النبوۃ للبیھقی: 311/2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 354/1

2۔ فرہنگ سیرت از سید فضل الرحمٰن: 218

سال تک رہا(1)۔قید و بند کے اُس زمانے میں انھیں انتہائی دُکھ، تکلیف اور محرومی کا سامنا کرنا پڑا۔میل ملاقات، رشتے ناتے اور خرید و فروخت، غرض یہ کہ ہر چیز پر پابندی تھی لیکن دونوں گھرانوں کے تمام افراد نے بڑی جرات، استقامت اور حوصلے کے ساتھ کفار کی اس ظلم و زیادتی اور بیداد گری کو برداشت کیا جس پر آہستہ آہستہ قریشِ مکّہ کو یہ احساس ہونے لگا کہ یقیناً اسلام وہ چراغ ہے جو پھونکوں سے نہیں بجھایا جا سکتا۔

ناانصافی اور ظلم پر مبنی اس عہد نامے کی تمام شرائط پر سختی کے ساتھ عمل درآمد کے لیے مکّہ کے ستم گروں نے محصورین پر دباؤ بڑھا دیا۔وادی کی جانب جانے والے تمام راستوں پر پہرے لگا دیئے تاکہ کھانے پینے کی کوئی چیز گھاٹی کے اندر نہ پہنچ سکے۔وقت کے ساتھ ساتھ سختیاں بڑھتی گئیں، چناں چہ خوف اور دہشت کا ماحول پیدا کرنے کے لیے شہر کے کچھ شر پسند محصورین کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں بھی بھیجتے رہتے تھے۔

یہ شدید ترین ابتلا اور سخت آزمائش کا زمانہ تھا۔وادی میں مقیم افراد کی ایسی ناکہ بندی کر دی گئی تھی کہ اُن تک کھانے پینے کی چیزیں پہنچنے کے تمام راستے مسدود ہو گئے تھے، جب کہ محصورین کا بازاروں میں داخلہ بھی بند تھا۔حتّٰی کہ حرمت کے چار مہینوں میں بنو ہاشم یا بنو مطلب کے افراد دُور دَراز سے آئے ہوئے تجارتی قافلوں سے کبھی کھانے پینے کی کوئی چیز خریدنا چاہتے تو ولید بن مغیرہ، ابولہب اور اُن کے سنگ دل ساتھی منڈیوں اور بازاروں میں پہنچ جاتے اور گراں نرخوں پر سارا سامان خود خرید لیتے۔محصورین میں اتنی مہنگی اشیا خریدنے کی سکت نہیں تھی، چناں چہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لوگ مایوسی اور بے بسی کے عالم میں بازار سے خالی ہاتھ، بھوک اور پیاس سے تڑپتے ہوئے بچوں کے پاس گھر واپس آجاتے۔(2)

اس مکمل ترین مقاطعہ کے نتیجے میں مسلمانوں کے غم والم اور رنج و تکلیف کی داستان بڑی دردناک ہے۔بھوک اور فاقہ کشی کی شدّت کا یہ عالم تھا کہ وادی میں مقیم بعض حضرات کو تو کئی بار جنگلی درخت طلح کے پتے اور جڑی بوٹیاں کھا کر گزارا کرنا پڑا۔سنگ دل سردارانِ قریش شیر خوار بچوں پر بھی کوئی مہربانی کرنے کے لیے تیار نہ تھے، جب کہ اُن کی ماؤں کی چھاتیوں کا دودھ مسلسل فاقوں کی وجہ سے خشک ہو چکا تھا۔بنو ہاشم اور بنو مطلب کے یہ معصوم بھوک اور پیاس کی وجہ سے انتہائی قابلِ رحم حالت میں اپنی ایڑیاں رگڑتے رہتے۔پتھر کے پہاڑوں سے ٹکراتی ان نونہالوں کے رونے اور بلکنے کی جگر خراش آوازوں کی گونج وادی سے باہر بھی دور دور تک سنائی دیتی تھی۔

غریب مائیں اپنے بچوں کی حالت زار پر گریہ وزاری کرتیں اور باپ بے بسی کے عالم میں انھیں تکتے رہتے لیکن بے رحم اور شقی القلب لوگوں پر کسی مظلوم کی آہ و فغان کا کوئی اثر نہ ہوتا۔معصوم بچے اکثر والدین کی آنکھوں

1۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 163/1

2۔دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی: 272/1۔دلائل النبوۃ للبیہقی: 312/2۔السیرۃ لابن اسحٰق: 159/1

کے سامنے کھانا پکنے کے انتظار میں بھوک کی شدّت سے تڑپتے تڑپتے سو جاتے۔ اگر کوئی اللہ کا نیک بندہ صلۂ رحمی کے جذبے سے محصورین تک کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچانے کی کوشش کرتا تو پہریداری پر متعین قریش کے بدفطرت محافظوں کی جانب سے اُسے زبردست مخالفت و مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا، لہٰذا شہر سے کوئی چیز اُن لوگوں تک چھپ چھپا کر ہی پہنچ سکتی تھی۔ (1)

ایک دن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے بیٹے جناب حکیم بن حزام اپنی پھوپھی جان کے لیے کھانے پینے کا کچھ سامان اور گندم لے کے وادی کی جانب جا رہے تھے کہ ابوجہل نے انھیں دیکھ لیا اور اُن سے جھگڑا کرنے لگا کہ میں آپ کو بنو ہاشم کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے کر نہیں جانے دوں گا۔ اتفاق سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک اور قریبی عزیز ابوالبختری بھی اُدھر آ گئے۔ اُنھوں نے حکیم بن حزام کی حمایت شروع کر دی۔ بات اتنی بڑھ گئی کہ تلخ کلامی سے ہوتے ہوئے ہاتھا پائی اور پھر لڑائی مار کٹائی تک نوبت پہنچ گئی۔ تاہم اس طرح کی تمام تر سختیوں اور پابندیوں کے باوجود قریش کے کچھ دردمند لوگ صلۂ رحمی کے جذبے کے تحت کھانے پینے اور ضروریاتِ زندگی کی دوسری اشیا رات کی تاریکی میں، خفیہ طریقے سے اپنے عزیزوں تک پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ (2)

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد اور سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر جناب ابوالعاص بھی اکثر اوقات کھانا تیار کر کے بھیجتے رہتے۔ اُن کے اس صالح عمل پر اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اپنی شفقت سے نوازتے ہوئے فرمایا:

ابوالعاص نے قرابت داری کا حق ادا کر دیا۔

لیکن یہ تو سب چھوٹے چھوٹے سہارے تھے۔ درحقیقت شہر بدری کے احکامات، اقتصادی محاصرے اور سماجی مقاطعے کا یہ دورانیہ جو مسلسل تین سال تک جاری رہا، قساوت القلبی، درندگی اور سنگ دلی کی بدترین مثال تھا۔

مشرکینِ مکّہ کو یقین تھا کہ (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دینے والے دونوں خاندانوں کے افراد قید و بند کی مصیبت، روز روز کی بھوک اور انتہائی کٹھن حالات سے عاجز آ کر ہماری شرائط پر سمجھوتا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے لیکن آفرین ہے اُن جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ اتنی مدّت تک شدّت کی گرمی اور تپتے ہوئے خیموں میں بڑے صبر و استقلال اور جرأت و استقامت کے ساتھ قریش کے ظلم و ستم اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرتے رہے لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُنھوں نے اپنی عقیدت و احترام کی فقید النظیر داستانیں رقم کر دیں۔

شاباش بنو ہاشم خاندان کے اُن غیر مسلم افراد کے لیے بھی کہ جنھوں نے اپنے قابلِ احترام گھرانے کے وقار،

1۔ الروض الانف: 217/3   2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 354/1

عزت اور شرافت کو برقرار رکھتے ہوئے ، ناعاقبت اندیش سردارانِ قریش کے ناقابلِ قبول مطالبات اور اُن کی جانب سے مسلّط کردہ بدترین حالات کے آگے سر جھکانے یا کسی بھی قسم کی کمزوری دکھانے کی بجائے صبر وتحمل کے ساتھ اچھے وقت کا انتظار کیا۔

اپنے خاندان کی طرف سے اس غیر معمولی حمایت کی وجہ سے پیغمبرِ اسلام فخرِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ناقابلِ تسخیر عزم، قوتِ برداشت اور استقلال کے ساتھ کبھی اعلانیہ اور کبھی رازداری کے ساتھ تبلیغِ اسلام کا فرض انجام دینے میں سرگرم رہے۔ حالات کا جبر اور کفّار کی سختیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند ارادوں، غیر متزلزل عزائم اور توانا جذبوں میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ لاسکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے سامنے پہاڑ کی طرح کامل استقلال اور استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

شدید ترین محاصرے اور مقاطعے کے اس سارے عرصے کے دوران رفیقانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان سے اللہ ربُّ العزت سے کسی شکوے کا کبھی اظہار نہ کیا، بلکہ صبر و برداشت اور عزم وثبات کی تصویر بنے رہے۔ اُنھوں نے اپنی بے مثال استقامت، اپنے مقصد کے ساتھ گہرے لگاؤ اور پورے جذبے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا اور دشمنوں کی اُن توقعات کو ناکام بنا دیا کہ شاید محصورین ان ناگفتہ بہ حالات سے گھبرا کر کسی موقعے پر ہمت ہار جائیں گے یا اُن کی قوتِ مدافعت جواب دے جائے گی۔

اتنے طویل دورِ حصار کے باوجود اہلِ مکّہ اور سردارانِ قریش کے لیے یہ ایک غیر متوقع نتیجہ تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بے مثال جرأت، اعلیٰ ترین مقصد پر ایمان اور اپنے آفاقی نصب العین پر مکمل یقین کی وجہ سے لوگوں کی توجہ اور اشتیاق کا اور بھی زیادہ مرکز بن گئے جس سے اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کی نیک نام شہرت پورے جزیرۃ العرب میں پھیلنا شروع ہوگئی۔

معاہدے کا خاتمہ

دُکھ، تکلیف اور مصائب وآلام کے یہ مشکل ترین حالات چند دن، ہفتے یا مہینے نہیں چلے، بلکہ لگاتار تین سال تک جاری رہے۔ بالآخر اللہ ذُوالجلال والاکرام نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قریبی ساتھیوں کے لیے آسانی اور کشادگی کا فیصلہ فرمایا اور ظلم وزیادتی اور مصیبت کا یہ تاریک دور ختم ہوگیا۔ قادرِ مطلق نے قطع تعلّق کے اس جفا کار معاہدے، صبر وضبط کی آزمائش، طویل اندھیری رات اور دَردناک دنوں کے اختتام کے اسباب پیدا فرما دیئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

تدبیرِ الٰہی سے ظاہر ہونے والا پہلا سبب

قطعِ رحمی کے اس بیدادگر عہد نامے پر عمل درآمد کے تھوڑے ہی عرصے بعد کچھ سلیم الفطرت لوگوں کے دلوں

میں شعبِ بنو ہاشم میں پابند کیے گئے خاندانوں کی رِقت بار حالتِ زار اور معصوم بچوں کی گریہ وزاری کو دیکھ کر یہ احساس پیدا ہوا کہ اَب اس خلافِ انسانیت عمل کا ہر قیمت پر خاتمہ ہونا چاہیے، کیوں کہ ایک طرف محصورین اور دوسری جانب پابندیاں عائد کرنے والے، یہ سب آپس میں قریبی رشتہ دار ہی تو تھے، چناں چہ اپنے فطری جذبۂ قرابت داری کے تحت کچھ انسان دوست حضرات اس عظیم غلطی کی تلافی کے لیے آگے بڑھے۔

ایسے نفیس طبیعت اور خیر سگالی کا جذبہ رکھنے والوں میں قبیلۂ بنو عامر کے ایک نیک نام فرزند ہشام بن عمرو بن ربیعہ نے سب سے پہلے اس ظلم کے خلاف آواز اُٹھائی۔ وہ فطرتاً حسنِ سلوک اور صلۂ رحمی کرنے والے شخص تھے اور اپنی قوم میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اچھے جذبوں کے مالک اس باضمیر شخص کو جب بھی موقع ملتا، پکا ہوا کھانا محصورین تک پہنچا دیتا۔ کبھی رات کے وقت گندم اور دوسری اجناس کی بوریاں اُونٹ پر لادی جاتیں اور گھاٹی کے دہانے پر لا کر اُونٹ کی مہار کھول دی جاتی، پھر چھڑی کے ساتھ اُس کے پہلو پر ضرب لگا کر اُسے گھاٹی کے اندر ہانک دیا جاتا اور وہاں پر موجود لوگ کھانے پینے کا سامان اُتار کر اُونٹ کو واپس بھیج دیتے۔ اس طرح مسلسل تکلیف دِہ حالات کا سامنا کرنے والے محصورین کو کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان مل جاتا۔

نیکی اور بھلائی کا یہ کام گروہِ قریش میں سے کئی افراد کو انتہائی ناگوار گزرا اور وہ ہشام بن عمرو کے ساتھ جھگڑا کرنے لگے۔ اس پر سردار ابوسفیان نے اُن لوگوں سے کہا کہ

بات کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ نوبت لڑائی جھگڑے تک جا پہنچے۔ ہمارے یہ ساتھی تو صلۂ رحمی کے جذبے کے تحت اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کر رہے ہیں۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم بھی ایسا ہی کردار ادا کرتے تو یہ ہم سب کے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔(1)

پیش قدمی

مارچ سنہ 619ء میں جب حج کا موسم ختم ہو رہا تھا تو ہشام بن عمرو نے قطعِ رحمی کی اس غیر انسانی دستاویز کو بے اثر بنانے کے لیے ایک قدم اور آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ ایک رات وہ اندھیرا گہرا ہوتے ہی زہیر بن ابی اُمیہ کے گھر جا پہنچے تا کہ سرورِ عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو تین سال سے مصائب وآلام سہنے اور شہر سے دور زندگی گزارنے پر مجبور کرنے والے قریش کے اس فیصلے کو کالعدم قرار دلانے کے لیے مناسب اور مضبوط قدم اُٹھائے جا سکیں۔ زہیر بن ابی اُمیہ، سردار عبدالمطلب کی صاحب زادی بی بی عاتکہ کے فرزند اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

ہشام بن عمرو اُن سے مخاطب ہوئے:

اے زہیر!

1۔عیون الاثر:149/1۔دلائل النبوۃ لاسماعیل اصبہانی:198/1

کیا یہ بات مناسب ہے کہ تم تو پُرتکلف اور خوش ذائقہ کھانے کھاتے ہو، اپنی پسند کا اچھے سے اچھا لباس پہنتے ہو، خوب صورت عورتوں سے شادی بیاہ کرتے ہو اور عالی شان گھر میں اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ آسودہ حال اور آرام دِہ زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہو،

جب کہ دوسری طرف آپ کی والدۂ محترمہ کے ایک بھائی جناب ابو طالب اور اُن کے دوسرے بھائی جناب عبداللہ کے فرزندِ ارجمند جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے بہت سے ساتھی نا قابلِ بیان مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

اُن پر خرید وفروخت کی پابندیاں ہیں اور اُن کے لیے بازار کے راستے بھی بند کر دیئے گئے ہیں۔ نہ وہ کسی کے گھر رشتے کے لیے پیغام بھیج سکتے ہیں اور نہ اپنی بیٹیوں کو کسی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر سکتے ہیں،

نہ اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان ہے اور نہ پہننے کے لیے کپڑے ہیں۔

اے زہیر!

میں خدا کی قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر قطعِ تعلّق کا اس قسم کا سلوک ابو جہل کے بھائیوں یا اُس کے کسی قریبی عزیز کے ساتھ روا رَکھا جاتا تو وہ اہلِ مکّہ سے ہرگز تعاون نہ کرتا۔

زہیر نے کہا:

اے میرے بھائی ہشام!

اللہ آپ کا بھلا کرے! شہر کے موجودہ حالات دیکھ کر میرا دل بھی رنجیدہ ہے لیکن اتنے اہم مسئلے کا حل نکالنا کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں۔

ہاں، اگر ہمیں کچھ اور دوستوں کی معاونت حاصل ہو جائے تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں کہ ناکہ بندی اور ظلم کے اس معاہدے کو منسوخ کرانے کے لیے یقیناً آگے بڑھوں گا۔

ہشام بن عمرو نے کہا:

اس اَلم ناک صورتِ حال کو ختم کرنے کے لیے میں آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔

زہیر نے کہا:

ٹھیک ہے، لیکن ہشام بھائی! اگر کچھ مزید نیک دل ساتھیوں کی معاونت حاصل ہو جائے تو پھر ممکن ہے کوئی بہتر صورت نکل آئے۔

چناں چہ ہشام بن عمرو، خاندانِ نوفل کے ایک رئیس اور منصفانہ طبیعت کے مالک جناب مطعم بن عدی کے پاس گئے جو ایک جرأت مند، دیانت دار اور اثر و رسوخ رکھنے والے سردار تھے۔ اُن کے بھی جدِّ امجد عبد مناف تھے۔ ہشام نے پابندی کی زد میں آئے ہوئے خاندانِ بنو ہاشم کے ساتھ اُس کی قریبی رشتہ داری کا ذکر کرتے

ہوئے کہا:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ قابلِ افتخار قبیلۂ عبدمناف کی اولاد میں سے دو گھرانوں کے افراد اِس وقت ہولناک مصائب میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ کتنے دُکھ کی بات ہے کہ آپ ان دونوں خاندانوں کی ہلاکت میں قریش کے نام نہاد سرداروں کا ساتھ دے رہے ہیں۔

مطعم بن عدی نے کہا:

مجھے محصورین کے ساتھ دِلی ہمدردی ہے اوراس اَلم ناک صورتِ حال پر میں بھی افسردہ ہوں
لیکن مشکل یہ ہے کہ مخالفین کا مقابلہ کوئی اکیلا شخص نہیں کرسکتا۔

ہشام نے مطعم سے کہا:

اس معاملے میں زہیر بھی ہمارے ساتھ ہیں۔

اس پر مطعم بن عدی نے ہشام سے کہا:

میرے بھائی!
بہتر نتیجے کے لیے ضروری ہے کہ آپ دو مزید ساتھیوں کو
اپنے اس منصوبے میں شریک کرنے کی کوشش کریں۔

ہشام وہاں سے اُٹھے اور تعاون کی درخواست کے ساتھ ابوالبختری اور زمعہ بن اسود کے پاس پہنچ گئے۔ محصورین کی پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے جب ہشام نے بنو ہاشم کے ساتھ اُن کی قریبی رشتہ داری اورعزیز داری کے حقوق یاد دِلائے تو وہ دونوں بھی اس نیک کام کے لیے اُن کا ساتھ دینے پر متفق ہوگئے، پھر اُسی رات قریش کے یہ معزز ترین اصحاب رضی اللہ عنہم شہر سے باہر مکّہ معظّمہ کے بالائی علاقے حجون کے مقام پر اکٹھے ہوئے اور اس کارِخیر پر اتفاق کرکے اپنے آپ کو پابند کرلیا کہ اب قطعِ رحمی کے اس منحوس عہدنامے کو ہر قیمت پر منسوخ کرایا جائے گا اور ساتھ ہی یہ بھی طے کرلیا گیا کہ کل صبح اپنی بات کا آغاز سردار عبدالمطلب کے نواسے جناب زہیر کریں گے اور ہم ایک کے بعد ایک اُن کی ہاں میں ہاں ملائیں گے۔

زہیر کی پیش قدمی

اگلے دن صبح سویرے درازقد زہیر بہترین کپڑے پہنے، لمبی ریشمی عبا زیبِ تن کیے اور قیمتی خوشبو لگائے بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ اُنھوں نے سب سے پہلے سات بار اللہ کے گھر کا طواف کیا، پھر وہ اچانک مجمع کی جانب مڑے اور وہاں موجود لوگوں سے بلند آواز میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

اے اہلِ مکّہ!
یہ کتنے بڑے ظلم اور انتہائی ناانصافی کی بات ہے کہ انواع واقسام کے کھانے ہمارے نصیب میں ہوں،

ہم پسندیدہ لباس پہنیں اور آرام دہ زندگی بسر کریں، جب کہ بنو ہاشم کے معصوم اور بھوک پیاس سے بچوں کے رونے کی آوازیں ہمارے گھروں تک آتی ہیں اور اُس وادیٔ سنگلاخ میں موجود کئی مرد حضرات اور خواتین کو اس وقت ہلاکتوں کا سامنا ہے، کیوں کہ نہ اُن کے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے

اور نہ انھیں پہننے کے لیے کپڑا خریدنے کی اجازت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بنو ہاشم پر پابندیوں کے اس نام نہاد معاہدے کی وجہ سے

وہ لوگ اس وقت شدید مشکلات سے دو چار ہیں۔

اے جماعتِ قریش!

سن لو! ظلم و ستم کو روا رکھنے والا یہ معاہدہ اور اُس کی سنگ دِلانہ شرائط مجھے منظور نہیں ہیں۔

خدا کی قسم!

اب میں اُس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھوں گا جب تک رشتوں کو ختم کرنے اور تعلّقات کو توڑنے والی اس ظالمانہ، سفاکانہ اور غیر متفقہ تحریر کو تار تار کر کے اپنے پاؤں تلے نہ روند دوں۔

مکّہ شہر کا فرعون ابو جہل بھی اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا وہ بڑے غصے سے چلایا:

اے زہیر!

میں تمھاری اس آرزو کو کبھی پورا نہیں ہونے دوں گا اور نہ ہی کسی دوسرے شخص میں یہ جرأت ہے

کہ وہ اس متفق علیہ فیصلے کو ختم کر سکے۔

اِدھر سے زمعہ بن اسود نے اُونچی آواز میں بولنا شروع کر دیا اور کہا:

خدا کی قسم!

اے ابو جہل!

تم اس شہر کے سب سے بڑے دروغ گو اور فریب کار شخص ہو۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس انسانیت سوز دستاویز کی تحریر متفقہ نہیں ہے۔

ہم اُس وقت بھی اس کی موافقت میں نہیں تھے۔

کیا تمھیں معلوم نہیں کہ منصور بن عکرمہ پر کیا آفت آئی ہے؟

جن انگلیوں سے اُس نے یہ معاہدہ لکھا تھا، وہ ناکارہ ہو چکی ہیں۔

ابو البختری ابو جہل سے مخاطب ہوا:

اے ابو جہل!

حقیقت یہ ہے کہ یہ عہد نامہ جس ماحول میں لکھا گیا تھا،

وہ ہمیں بالکل ناپسند تھا۔ اس میں درج کی جانے والی مکروہ شرائط سے
ہم اُس دن بھی مطمئن نہیں تھے اور نہ ہی آج ہم اس نام نہاد معاہدے کے پابند ہیں۔
آج کا دن فیصلہ کن ہے۔ ہم اس عہد نامے کی تحریر کو ضرور چاک کر کے رہیں گے۔

اس کے بعد بارُعب شخصیت کے مالک مطعم بن عدی کھڑے ہوئے اور کہا:

اے ابو جہل!
زہیر اور زمعہ کا موقف بالکل صحیح ہے۔ تم واقعی ایک جھوٹے اور غلط کار شخص ہو
جو اِس قسم کے بے رحم اور ستم شعار معاہدے لکھنے پر لوگوں کو مجبور کرتے ہو۔
ہم نے تعلّقات کو ختم کرنے والی اس تحریر کو نہ اُس وقت تسلیم کیا تھا اور نہ آج قبول کرتے ہیں۔
میں اور میرے ساتھی بیت اللہ شریف میں کھڑے ہو کر اِس نام نہاد عہد نامے اور اِس میں
لکھی ہوئی وحشیانہ تحریر سے دست برداری کا اعلان کرتے ہیں۔
اللہ ہمیں معاف فرمادے!

پھر اِس تحریک کے روحِ رواں ہشام بن عمرو نے بھی ابوجہل کو کھری کھری سنا دیں۔ ابوجہل ایک چالاک اور عیار آدمی تھا۔

مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر کہنے لگا: آج کی اس کارروائی پر جس طرح مطعم بن عدی اور
اُس کے ساتھی اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اس سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ
اس کارروائی کا مشورہ اور منصوبہ بندی پہلے سے طے شدہ ہے۔(1)

اچانک پیدا ہونے والی صورتِ حال کو دیکھ کر ابوجہل اور اُس کے نام نہاد ساتھی سخت پریشانی کے عالم میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ اس مسئلے کو کس طرح حل کریں۔

دوسری طرف

ایک اور روایت کے مطابق جب بیت اللہ شریف میں زہیر اور اُن کے ساتھیوں کا ابوجہل سے بحث مباحثہ چل رہا تھا، عین اُسی وقت حضور نبیِ کریم ﷺ شعبِ بنو ہاشم میں جناب ابو طالب سے مخاطب تھے۔

محترم چچا جان!
مجھے میرے علیم و خبیر رب نے قریش کے اس نام نہاد معاہدے کی موجودہ حالت کے بارے
میں مطلع فرمایا ہے۔ اس وقت اس عہد نامے کی تحریر مکمل طور پر تبدیل ہو چکی ہے۔ یہ مالکِ قضاو
قدر کے فیصلے ہیں کہ اس منحوس معاہدے کی تحریر میں ظلم، زیادتی اور نفرت کا اظہار کرنے والے

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 374-376/1

تمام الفاظ کو دیمک نے کھا لیا ہے اور اب اس تحریر کا صرف وہ حصہ محفوظ ہے جہاں اللہ کا بابرکت نام لکھا ہے، لہٰذا اس نئی صورتِ حال میں آپ قومِ قریش سے قطعِ رحمی کے اس معاہدے کے خاتمے کا مطالبہ کریں۔

جناب ابوطالب نے یہ سب کچھ سنا تو اُسی وقت اپنے قبیلے کے کچھ افراد کو اپنے ہمراہ لے کر حرم پاک پہنچ گئے۔ جناب ابوطالب کی قیادت میں ایک وفد کو آتے دیکھ کر ابوجہل اور وہاں پر موجود لوگوں نے گمان کیا کہ شاید محصورین حالات کی سنگینی سے گھبرا کر کسی سمجھوتے کے لیے یہاں آئے ہیں۔

جناب ابوطالب اُن لوگوں سے مخاطب ہوئے اور کہا:

یا معشر القریش!

میں ایک ایسا لائحۂ عمل آپ لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس پیچیدہ مسئلے کو بڑے منصفانہ اور متوازن انداز سے حل کرنے میں مددگار ہوگا(1)۔ میرے بھائی کے بیٹے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سارا مکّہ جانتا ہے کہ وہ صادق اور امین ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اُنھوں نے مجھے ایک خبر دی ہے کہ تمھارے تحریر کردہ قطعِ رحمی کے معاہدے کی جن ظالمانہ اور بے رحمانہ شرائط میں ظلم و زیادتی اور اپنی ہی برادری کے لوگوں کے ساتھ تعلّقات کو توڑنے کا ذکر تھا، اللہ کے بھیجے ہوئے دیمک کے کیڑوں نے اُن منحوس الفاظ کو کھا لیا ہے اور اُس تحریر میں صرف اللہ جلّ شانہ کے بابرکت کلمات ہی دیمک سے محفوظ رہے ہیں۔ تم لوگ وہ تحریری عہد نامہ اُتار کر لے آؤ، اُسے کھول کر دیکھو اور اِسی بات پر فیصلہ کر لو! اگر میرے بھائی کے بیٹے کی بات سچ نہ نکلے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں درمیان سے ہٹ جاؤں گا اور اُنھیں آپ لوگوں کے سپرد کر دوں گا۔ پھر تم جیسا چاہو، اُن کے ساتھ معاملہ کرنا لیکن اگر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات سچ ہے تو پھر آج سے ظلم، زیادتی، جور و جفا اور ناانصافی پر مبنی قطعِ تعلقی کے اس منحوس معاہدے کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔

حرم میں موجود سردارانِ قریش نے اس تجویز پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

جناب ابوطالب!

بے شک آپ نے نہایت مناسب اور عدل و انصاف پر مبنی بات کی ہے،

لہٰذا ہم اُس عہد نامے کی تحریر کو کھول کر دیکھ لیتے ہیں۔

اس کے بعد مطعم بن عدی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور حرم پاک کے دروازے پر آویزاں کی گئی معاہدے کی اُس تحریر کو اُٹھا لائے لیکن جب اُسے کھول کر دیکھا گیا تو وہاں موجود سب لوگ حیران اور متعجب رہ گئے۔

1۔ السیرۃ لابن اسحٰق: 161/1

ابوجہل اور اُس کے ساتھیوں کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا، کیوں کہ اُنھوں نے اُس تحریری معاہدے کو اُسی حالت میں پایا، جیسا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ:

اللہ کے مبارک نام کے علاوہ باقی سب الفاظ کو دیمک کے کیڑوں نے کھالیا ہے۔

اب جناب ابوطالب نے اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

اے جماعتِ قریش! جن لوگوں نے تین سال تک ہمارے ساتھ ظلم وزیادتی اور ناانصافی کا سلوک روا رکھا اور نزدیک ترین خاندانی تعلّق اور قرابت داری کے بندھنوں کو توڑا ہے، میں اُن کی مذمّت کرتا ہوں۔(1)

حقیقتِ حال واضح ہونے کے بعد جناب مطعم بن عدی نے زہیر بن ابی اُمیّہ، زمعہ بن اسود، عدی بن قیس اور ابوالبختر ی کی موجودگی میں ظلم کی اس تحریر کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے محاصرہ ختم کرنے کا اعلان کردیا اور اِس طرح بفضلہٖ تعالیٰ فرزندانِ اسلام کو مکّہ بدر کرنے اور قطعِ تعلّق کرنے کا یہ افسوس ناک معاہدہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

تقریباً تین سال کا یہ جاں گسل عرصہ انتہائی عسرت، بھوک پیاس اور مصائب و آلام میں بسر کرنے کے بعد دس محرم سنہ دس نبوی کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دونوں گھرانوں کے افراد کو اپنے ساتھ لے کر مکّہ واپس تشریف لائے(2) تو ہر شخص تھکا ماندہ، شکستہ حال اور نڈھال نظر آرہا تھا۔ اُن کے چہرے کی ہڈیاں نمایاں نظر آرہی تھیں اور جسم کی کھال کو دھوپ کی تپش نے جھلسا دیا تھا، جب کہ تجارت پر پابندی کے سبب کئی صاحبِ حیثیت تاجر تہی دست ہو چکے تھے مگر اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے ان سب جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوصلے بلند، عزم غیر متزلزل اور ارادے مضبوط تھے۔

وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ (المدثر:7)

(اے میرے حبیب!) اپنے رب کے لیے صبر کیجیے!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبر واستقامت کے اس مشکل ترین امتحان میں نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ سُرخرو رہے۔

جنھیں عزم جواں ملتا ہے راہِ زندگانی میں
مصائب، راہِ منزل اُن کو دکھلایا ہی کرتے ہیں
یہ دنیا آسائش و آزمائش کی دھوپ چھاؤں سے عبارت ہے
خوشی ہو یا غم دونوں گزر ہی جایا کرتے ہیں
لگن ہو جن کے دل میں سچی وہ پہنچ جاتے ہیں منزل تک
حوادث راستے میں دام پھیلایا ہی کرتے ہیں

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:377/1۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:163/1
2۔الطبقات الکبریٰ:164

قریش کا تیسرا وفد

مکّہ کے مضافات میں واقع شعبِ ابی طالب میں تنہائی کا تین سالہ تکلیف دہ عرصہ گزارنے کے بعد ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوبارہ پوری دل جمعی ، جرأت و ہمت اور عزم و استقامت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے فرض کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے لیکن ابتلا کی اس تین سالہ مدت کے دوران بڑے سردار جناب ابو طالب کی صحت کافی متاثر ہو چکی تھی ۔ مقاطعہ کے بعد انھیں گھر واپس آئے ہوئے ابھی چند ہی ماہ گزرے تھے کہ وہ سخت بیمار ہو گئے ۔ اُن کی شدید علالت اور ضعف کی خبر سارے شہر میں نہایت سرعت کے ساتھ پھیل گئی ۔

خاص طور پر سردارانِ مکّہ جناب ابو طالب کی روز بہ روز گرتی ہوئی صحت اور آخری ایام کے متعلّق سوچ کر ایک نئے اندیشے میں مبتلا ہو گئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ جناب ابو طالب اب چند دنوں کے مہمان ہیں ۔ وہ اس لیے بھی تشویش میں مبتلا تھے کہ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق جیسی قد آور شخصیات مسلمان ہو چکی تھیں، بلکہ (پیغمبرِ اسلام) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی دعوتِ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کے اثرات اب عرب کے دور دراز قبائل میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے اور یہ بات تو اُن کے لیے اَور زیادہ پریشانی کا باعث بننے لگی تھی کہ لوگ اُن کی توقع سے کہیں زیادہ سرعت کے ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے ۔

سردارانِ قریش اس بات پر بہت زیادہ مشاورت کرتے کہ نئے دین کی تیزی سے بڑھتی ہوئی قبولیت اور مقبولیت کا تدارک کیسے کیا جائے ، چناں چہ اُنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ شدید محاذ آرائی یا کسی جھگڑے سے بچنے کے لیے پچیس سرکردہ افراد پر مشتمل ایک تیسرا وفد تشکیل دیا ۔

یہ بھاری بھرکم وفد جناب ابو طالب کی خدمت میں اِس اُمید کے ساتھ حاضر ہوا کہ شاید آج کے مذاکرات کے نتیجے میں (پیغمبرِ اسلام) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور قریش کے درمیان موجودہ مذہبی تنازعات اور شہر کی کشیدہ صورتِ حال میں بہتری کے لیے کوئی سمجھوتا ہو جائے یا کم از کم آپس میں مفاہمت کا کوئی ایسا ماحول بن جائے کہ فریقین ایک دوسرے کے ساتھ کشیدگی اور محاذ آرائی کی حالت سے پیچھے ہٹ جائیں ۔

سردارانِ قریش کے وفد نے اپنی گذارشات جناب ابو طالب کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا:

اے ہمارے محترم سردار!

> مکّہ کے ایک صاحبِ مرتبہ سردار اور قابلِ احترام بزرگ کی حیثیت سے ہمارے دلوں میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے، وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں ۔ آپ کی شدید علالت اور روز بروز کمزور ہوتی ہوئی صحت کو دیکھتے ہوئے ہمیں یہ اندیشہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں یہ آپ کا وقتِ آخر نہ ہو ۔

اے ہمارے قابلِ احترام سردار!

اِس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ پورے شہر میں ہمارے اور آپ کے بھائی کے بیٹے کے درمیان جو مذہبی کشیدگی اور کش مکش کی کیفیت ہے، اس میں مسلسل شدت آتی جارہی ہے جس سے آپ بڑی اچھی طرح آگاہ ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بلائیں اور اپنی زندگی ہی میں ہمارے درمیان کوئی ایسا باعزت معاہدہ یا سمجھوتا کرادیں جو فریقین کے لیے قابلِ قبول اور باعثِ اطمینان ہو، جس سے ہمارے شہر میں دوبارہ امن اور صلح و آشتی کا ماحول واپس آجائے اور مستقبل میں، ہم دونوں فریق شہر میں دشمن بن کر رہنے کی بجائے دوست بن کر رہ سکیں۔

اے ہمارے صاحبِ مرتبہ سردار!

مسئلے کے حل کے لیے ہم آپ کی خدمت میں ایک بہتر اور قابلِ قبول تجویز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تجویز یہ ہے کہ جن باتوں سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے، جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن سے دست بردار ہوجائیں۔ جن معبودوں کی ہم پرستش کرتے ہیں، انھیں برا بھلا نہ کہیں اور نہ وہ ہمارے بزرگوں کے مذہب کی توہین کریں، بلکہ وہ اپنی تقریروں میں اِس بات کا بھی اعلان نہ کیا کریں کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش چھوڑ دو! اور اپنی دعوتِ تبلیغ اور اشاعت اسلام کی مہم کے تحت شہر کے مزید لوگوں کو اپنے دین میں داخل نہ کریں۔ ان مطالبات کے بدلے ہماری طرف سے انھیں یہ پیش کش ہے کہ ہم جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کے دین کے معاملات اور طریقۂ عبادت میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے اور نہ اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم اور زیادتی کر کے انھیں اُن کے دین سے ہٹانے کی کوشش کریں گے۔

جب وفد کے ارکان اپنی بات پوری کر چکے تو جناب ابو طالب نے پیغام بھیج کر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلایا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر بسترِ مرگ پر دراز مہربان بزرگوار جناب ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

اے میرے پیارے بھائی کے عزیز از جان بیٹے!

آج میرے پاس آپ کی قوم کے اشراف واکابر جمع ہو کر آئے ہیں۔ یہ معزز لوگ برابری کی سطح پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک معاہدہ صلح وامن کے خواہش مند ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ براہِ راست بات چیت کر کے کچھ وعدہ و وعید اور عہد و پیمان کرنا چاہتے ہیں۔ جواب میں یہ لوگ بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے کچھ وعدہ و اقرار کے خواہش مند ہیں۔

اے میرے فرزندِ عزیز!

مکّہ کے اِن معززین نے شہر کے الجھے ہوئے مسائل کے حل کے لیے باہمی مفاہمت کی ایک اچھی تجویز پیش کی ہے جو مجھے بھی انصاف کے قریب لگتی ہے۔ اگر اس تجویز کی بنیاد پر اِن معززین کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کوئی سمجھوتا طے پا جاتا ہے تو میرا خیال ہے کہ شہر میں دوبارہ امن کی فضا پیدا ہوسکتی ہے۔

وفد کی جانب سے پیش کی گئیں تجاویز سننے کے بعد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا:

میرے محترم چچا جان!

میں اِن لوگوں کے سامنے ایک ایسی بات پیش کرنا چاہتا ہوں جو اِن کے لیے بہت ہی زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگی۔ وہ خیر اور بھلائی کا ایک ایسا کلمہ ہے جسے مکّہ کے یہ معزز لوگ اپنی زبان سے اگر ایک دفعہ کہہ دیں اور دل وجان سے اُس کلمۂ پاک کا اقرار کرلیں تو یہ لوگ پورے جزیرۃ العرب کے فرماں روا بن جائیں گے، بلکہ عجم پر بھی اِن کی بادشاہت قائم ہو جائے گی اور آخرت میں بھی یہ لوگ عزت واحترام کے حق دار ہوں گے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اِس بات کو بیان فرمایا تو وفد کے ارکان نے کہا کہ

مرحبا!

ایسی نفع بخش اور مفید بات تو ہم ہر وقت ماننے کے لیے تیار ہیں۔

وفد میں شامل ابوجہل نے بڑے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا:

مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدِ محترم جناب عبداللہ کی قسم!

اگر اِس ایک بات میں اتنی خیر و برکت ہے تو ہمیں ایسی دس باتیں قبول ہیں۔

جواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لوگو!

اِس بات کا اقرار کرو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،
نہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہراؤ اور اِس کے ساتھ اپنے جعلی اور خودساختہ
معبودوں کی پرستش سے بھی دست بردار ہوجاؤ!

یہ بات سنتے ہی اشرافِ قریش ایک دم بھڑک اُٹھے اور اُنھوں نے عرب کے ایک پرانے رواج کے مطابق اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر پیٹ پیٹ کر اپنے غیظ وغضب کا اظہار کرنا شروع کر دیا، پھر آپس میں کہنے لگے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات مان کر اپنے تمام معبودوں کی پرستش سے دست بردار ہو جائیں اور

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک اللہ کی عبادت کرنے لگ جائیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ بات واقعی بڑی عجیب وغریب اور حیران کردینے والی ہے، کیوں کہ ایک اللہ کی عبادت کرنے کا خیال اور تصور بھی ہمارے لیے سخت تکلیف دہ اور ناقابلِ قبول ہے، پھر وہ سب غضب ناک ہو کر اُٹھے اور پاؤں پٹختے ہوئے یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ ہمارا جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔ ہمیں ہر قیمت پر اپنے معبودوں کی پرستش پر قائم رہنا ہے۔(1)

اس طرح قریشِ مکّہ کی طرف سے ان کے اپنی جہالت اور کفر پر اڑے رہنے کے باعث شہر میں حصولِ امن کی یہ تیسری کوشش بھی ناکام ہوگئی۔

جو کہ پیشِ خدا سب سے اوّل جھکی
اور جو روزِ جزا سب کی حامی بنی
جس کو ہر حال میں فکرِ اُمت رہی
جو کہ عزمِ شفاعت پہ کھچ کی بندھی
اُس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 417/1

حضرت ابوطالب کا انتقال پُر ملال

جناب ابوطالب خاندانِ بنو ہاشم کے ایک باوقار اور دلِ دردمند رکھنے والے سردار تھے۔ وہ اپنے اخلاص، نیک نیتی، شجاعت، تواضع اور میزبانی جیسی عالی صفات کی وجہ سے پورے شہر کی انتہائی مقبول ومحبوب اور صاحبِ تعظیم وتکریم شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے والدِ محترم کی وصیت کے مطابق اپنے مرحوم بھائی عبداللہ کے فرزندِ ارجمند کی نہ صرف اپنی اولاد کی طرح پرورش اور سرپرستی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شفقت ومحبت اور خلوص کا حق ادا کیا بلکہ خصوصاً اعلانِ نبوت کے بعد دشمن قوتوں کی زبردست مخالفت اور مخاصمت کے سامنے پورے عزم وثبات اور پائیداری وپختگی کے ساتھ چٹان کی طرح سینہ سپر رہے۔

جناب ابوطالب نے اپنے آخری سانس تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہ صرف مدافعت اور مزاحمت کا فرض ادا کیا بلکہ منفی سوچ رکھنے والے بدطینت اور متشدّد کفار کی جانب سے کی گئیں بہت سی عداوت اور عناد پر مبنی کارروائیوں کو بڑے حوصلے، بردباری اور حکمت ودانائی کے ساتھ ناکام بھی بنایا۔ قریش کے عالی مرتبت خاندان سے تعلّق رکھنے والے یہ معزز سردار دِل کی گہرائیوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت اور چاہت رکھتے تھے، چناں چہ اہلِ مکّہ کی طرف سے خاندانِ بنو ہاشم سے قطع تعلّق کے موقعے پر جناب ابوطالب نے کامل تنہائی اور مکمل حصار کے اُس تمام عرصے کے دوران اشیائے خوردونوش کی ترسیل میں رکاوٹیں اور خرید وفروخت پر ہر قسم کی پابندی جیسی پریشانیوں کا سامنا بڑے صبر وضبط اور حوصلے کے ساتھ کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑنا قبول نہ فرمایا۔

تین سالہ آزمائش کے اس دور میں جن خراب وخستہ حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا، اُس سے گھاٹی میں موجود کئی لوگوں کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی۔ اِسی عرصے کے دوران جناب ابوطالب جن کی عمر اَب اَسّی سال سے تجاوز کر چکی تھی، سخت بیمار ہوگئے۔ حصار کے اس اذیت ناک دور کے خاتمے کے بعد جب گھر واپسی ہوئی تو چچا جان کی بڑھتی ہوئی تکلیف کو دور کرنے کے لیے کئی تدابیر اختیار کی گئیں مگر قوتِ مدافعت میں کمی کی وجہ سے کوئی علاج بھی کارگر نہ ہو رہا تھا جس سے ان کی علالت، جسمانی کمزوری اور نقاہت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

مسلسل گرتی ہوئی صحت کے سبب جناب سردار ابوطالب کو یہ احساس ہونے لگا کہ شاید اب میرا آخری وقت قریب آگیا ہے تو اُنھوں نے اپنے خاندان کے سرپرست کی حیثیت سے اپنے گھرانے کے قریبی افراد اور اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

تم لوگ میرے بھائی سردار عبداللہ کے فرزند جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات کو غور سے سننا!

وہ پورے عرب میں کردار کے لحاظ سے پاک اور اپنے عمل میں سب سے زیادہ صادق اور امین ہیں،

ان سے ہدایت اور راہنمائی حاصل کرتے رہنا! اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کرنا!
اگر تم اطاعت اور پیروی اختیار کرو گے تو سعادت مند کہلاؤ گے،
تمھارا اقبال بلند رہے گا، تم لوگ ہر میدان میں کامیابیاں حاصل کرو گے
اور ہمیشہ خیریت، عافیت اور سلامتی کے ساتھ زندگی گزارو گے۔(1)

نبوت کا دسواں سال ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ قدم قدم پر ساتھ دینے اور مشکل وقت میں حمایت اور حفاظت کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہنے والے مکّہ کے یہ معزز، محترم اور سچے سردار تقریباً چھیاسی سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور اِس طرح ہجرت سے کوئی تین سال قبل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شفیق، مہربان اور بزرگ سر پرست سے محروم ہو گئے۔

بائیس سال کی عمر میں خاندانِ بنو ہاشم کے نیک نام اور عالی مقام سربراہ اور دبنگ شخصیت کے مالک چچا جان زبیر بن عبد المطلب، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکّہ کی معاشرتی، سماجی اور تجارتی سرگرمیوں میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، کے انتقال پُر ملال کے بعد اب جناب حضرت ابو طالب کی وفات کا یہ روح فرسا اور دِل دوز سانحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اتنے زیادہ رنج وغم اور صدمے کا باعث بنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی روز تک گھر سے باہر تشریف نہ لے گئے، کیوں کہ چچا جان زبیر بن عبد المطلب کے بعد شریف النفس اور جماعتِ قریش میں بلند مرتبہ ومقام کے حامل چچا جان جناب ابو طالب کا سایۂ عاطفت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے والدِ محترم اور دادا جان کی مانند تھا۔

کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے
محفل کا ہے رنگ وہی
ساقی کی نوازش جاری ہے
مہمان بدلتے رہتے ہیں
ذکر ہر آن تیرا زباں پر رہے
جب کہے تو فقط بات تیری کہے
دیپ تیری محبت کا دل میں جلے
نام سے تیرے مِلتی ہے تسکیں مجھے
آپ ہادیٔ دو جہاں ہو سلام آپ پر
سرورِ انس و جاں ہو سلام آپ پر

1۔السیرۃ النبویہ لابن اسحٰق: 237/1

اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات

معاشرتی، سماجی اور تجارتی مقاطعے کا تین سالہ تکلیف دہ زمانہ ختم ہونے کے فوری بعد اور زندگی کے ہر اہم موڑ اور موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھرپور انداز میں ساتھ دینے والے نرم طبیعت، متحمل مزاج اور نہایت مہربان چچا جان سردار ابو طالب نے ایک مختصر سی علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور اس دنیائے فانی سے رخصت فرما گئے۔

رسُولِ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک پر اُن کی وفات کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ پیکرِ صبر و استقامت، مونس و غم خوار اور کاروانِ اسلام کی اوّلین شخصیت اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، جن کا ایمان و وفا سے بھرپور دل نواز اور دل دار چہرہ دیکھ کر پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عزم و استقلال بڑھ جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و اعانت میں اپنا تن من دھن قربان کر دینے والی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محرم راز کہ جنھیں مسلسل پچیس سال تک خدمت گزاری کا شرف حاصل رہا، وہ اپنی خوش گوار یادوں کی خوشبو اور اپنی وفا کے اَنمٹ نقوش چھوڑ کر اِس عالمِ بے ثبات سے رحلت فرما گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

صرف ایک ماہ کے قلیل عرصے کے دوران ہر موقعے پر ساتھ دینے والی دو عزت مآب، باوقار اور آبرومند شخصیات کا زندگی کو خیر باد کہہ جانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ و معاون، ہر اَمر میں تائید و توثیق کرنے اور تمام مشکل لمحات میں دل جوئی کا باعث بننے والے یہ عزیز القدر خیر خواہ اور مددگار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مستقل جدائی کا غم دے کر عالمِ بقا کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان دونوں ہمدرد اور غم گسار ہستیوں کی رفاقت و حمایت سے محرومی کے دُکھ نے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر رنجیدہ اور مضمحل کر دیا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حزن و ملال کے اس سال کو ''عام الحزن''، یعنی رنج و غم کے سال سے موسوم فرمایا۔(1)

اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ مکّہ رضی اللہ عنہا کے ایک معزز سردار، ممتاز تاجر اور مردِ میدان خویلد بن اسد کی دخترِ نیک اختر تھیں۔ مکّہ کے یہ بہادر، دلاور اور جانباز سردار عرب کے مشہور و معروف معرکے ''حرب الفجار'' کے دوران اپنی زندگی کی بازی ہار گئے تھے۔(2)

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیۂ محترمہ اور مشیر و وزیر کے درجے پر فائز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک خوش خصال، نیک طبیعت، بردبار اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ میدانِ تجارت میں بے شمار کامیابیاں حاصل کرنے

1۔الرحیق المختوم،ص:168

2۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:1/106-13/8

کے باوجود اُنھوں نے اپنی پچیس سالہ ازدواجی زندگی کا ہر لمحہ اپنے جلیل القدر اور عظیم المرتبت شوہر کے راحت و آرام اور خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اُنھوں نے ایک جاں نثار اور ہمدرد رفیقۂ حیات کا کردار بھرپور طریقے سے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کے معاملات کو عمدہ انداز میں چلانا، بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش جیسی ذمے داریوں کو بھی بڑے احسن انداز سے نبھایا۔

گرامی قدر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ عظیم ہستی ہیں کہ جن کے لیے جبریل علیہ السلام اللہ کا سلام لے کر آئے اور جنھیں یہ فضیلت اور منزلت بھی حاصل ہے کہ اُنھوں نے ظلمت کدہ کفر وضلالت میں ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کیے گئے اعلانِ نبّوت و رسالت پر بِلا تامّل سب سے پہلے لبیک کہا اور بصد مسّرت سب سے اوّل مسلمان ہونے کے شرف کے علاوہ، اُنھیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں پہلی نماز پڑھنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ اس طرح اسلام کے ابتدائی دنوں میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدوجہد اور دعوتی امور میں ساتھ دینے والی تمام قابلِ احترام شخصیات میں اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ایک ممتاز مقام اور مرتبہ حاصل ہے۔(1)

وہ بے حد خلیق، وفا کا پیکر اور ایثار و قربانی کا مجسمہ تھیں۔ اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی کو اپنی خوشی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دُکھ کو اپنا دُکھ بنا لیا تھا۔ وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آزردگی اور مایوسی کے دنوں میں اُمید کا چراغ تھیں، چناں چہ راہِ اسلام میں جدوجہد کے دوران جب کبھی اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت مشکلات، کٹھن حالات اور اذیت ناک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریشِ مکّہ کی طرف سے کوئی دُکھ اور تکلیف پہنچتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان بد بخت دشمنوں کی دل خراش، دل آزار اور ناپسندیدہ باتوں سے رنجیدہ ہو کر واپس گھر تشریف لاتے تو اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اُس صورتِ حال کو نہایت شفقت و محبت اور حکمت و دانائی کے ساتھ سنبھال لیتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسے دل آویز انداز میں استقبال کرتیں، ڈھارس بندھاتیں اور اس طرح تسلی و تشفی اور دل جوئی فرماتیں کہ غم و اندوہ کے سارے بادل چھٹ جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے بھی زیادہ جذبہ و شوق اور عزم و ہمت کے ساتھ اپنی نبّوت کی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے دوبارہ مصروفِ عمل ہو جاتے۔

مکّہ مکرمہ کی اس معزز و محترم اور ذی ثروت خاتون کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ تنہائی کی اُس تین سالہ آزمائش کے دوران اُنھوں نے سخت ترین امتحان اور کرب انگیز شب و روز میں پیش آنے والے فکر و تشویش اور بے بسی و بے چارگی کے تمام حالات کو بڑے صبر وضبط اور استقلال و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔

ابتلاء کے اُس زمانے میں اس بلند نگاہ، عالی ظرف اور باکمال ہستی نے بغیر کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے بے مثال صبر و تحمل اور ناقابلِ یقین جذبۂ ایثار کے ساتھ مسلسل تین سال اپنے محبوب شوہر کی دن رات خدمت

1۔ السیرۃ النبویہ واخبار الخلفاء لابن حبان: 67/1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 160/2

گزاری اور خاطر داری کرتے ہوئے اپنے فرض کو بہ طریقِ احسن ادا کیا۔ مہر و محبت اور عشق و عقیدت کے اس مجسم وجود اور سکون و راحت کی اس پیکر نے ہر قسم کے دُکھ اور جبر کو اپنی ذات پر برداشت کر لیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کبھی آزردہ نہ ہونے دیا۔

ان کی بیماری کے آخری دنوں میں رحمتِ عالم حضورِ اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک روز اپنی پاک باز، باوفا اور محبوب اہلیۂ محترمہ کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

اے خدیجہ رضی اللہ عنہا! آپ رضی اللہ عنہا مجھ سے جدا ہونے کا غم نہ کریں،
اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت میں بھی آپ رضی اللہ عنہا کو میرا ساتھی بنایا ہے۔(1)

دائمی رفاقت کی یہ دل نواز اور تسکین بخش خبر سن کر یقین کی دولت سے مالا مال، بے مثال اور قابلِ رشک ازدواجی زندگی گزارنے والی خاتونِ عظیم نے اپنی آخری منزل کے لیے رختِ سفر باندھ لیا اور سچی رفاقت کا حق بہترین انداز میں ادا کر کے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

اپنی اہلیۂ محترمہ کے لیے جو اُنس اور تعظیم و تکریم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ مبارک میں جاگزیں تھی، اُس کی حرارت اور شدّت برس ہا برس گزرنے کے باوجود کم نہ ہو سکی، چناں چہ جب کبھی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکرِ خیر آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اشک بار آنکھوں کے ساتھ ہمدمِ دیرینہ کے لیے دُعائے رحمت فرماتے۔

ایک روز پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی رفیقۂ حیات کی لازوال محبت، بلند پایہ محاسن اور بے مثال ایثار پر شان دار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

اے عائشہ!
اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے زندگی کا کوئی ہم سفر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہتر عنایت نہیں فرمایا۔
جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُس وقت میری
نبوت اور رسالت پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا،
خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُس وقت میری سچائی کی تصدیق کی۔ جب مشکل حالات
میں لوگوں نے مجھے محروم رکھا، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میری غم خواری کی اور اپنے تمام
وسائل میرے قدموں پر نثار کر دیئے۔ وہ میری بہترین رفیقۂ حیات، پریشانیوں
میں وجہِ تسکین اور میرے پیارے بچوں کی ماں تھیں۔
اے عائشہ رضی اللہ عنہا!
خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفا شعاری اور جاں نثاری کے سبب مجھے ان کی یادوں کو

1۔ دلائل النبوۃ للبیہقی :351/2۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث:3820

تازہ کرنا اچھا لگتا ہے۔(1)

تین سالہ حصار اور تنہائی کے اُس عرصے کے دوران روح فرسا آلام ومصائب، نامساعد حالات اور حوصلہ شکن سختیاں برداشت کرنے کی وجہ سے گھریلو معاشی حالات، عسرت وتنگ دستی اور فقر و فاقہ والی کیفیت میں تھے۔ جب اس قابلِ تقلید اور خوب صورت سیرت و کردار کی حامل پاک ہستی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور دُکھ کے اُن لمحات میں جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دفنانے کا وقت آیا تو گھر میں اتنی نقد رقم موجود نہیں تھی جس سے کفن کے لیے دو چادریں خریدی جاسکتیں، لہٰذا اس کائنات کی خاتونِ اوّل کو اُن کی اپنی ہی چادر کا کفن دیا گیا۔

اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ اُن کے جسدِ خاکی کو دفن کرنے کے لیے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بہ نفسِ نفیس لحدِ انور میں اُترے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے اُنھیں اللہ کے سپرد فرمایا۔

اس طرح عفت مآب اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پاک سیرت، فیاض طبیعت، تحمل و برداشت اور اُجلے کردار سے نوازا تھا اور جنھیں اہلیانِ مکّہ نے اُن کے کردار کی رفعت وعظمت اور شرافت وصداقت کی وجہ سے ''طاہرہ'' کا خطاب دے رکھا تھا، نبّوت کے دسویں سال دس رمضان المبارک کو حجون کے قبرستان جنت المعلّیٰ کے ایک گوشۂ زمین میں ابدی نیند سوگئیں۔(2)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

وہ انیسِ غم مونسِ بے کساں
وہ سکونِ دل مالکِ اُنس و جاں
وہ شریکِ حیات شہِ لامکاں
سیما پہلی ماں کہفِ امن و اماں
نوشہِ بزمِ جنت پہ دائم درود
حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام
جس میں بے اِذن جا نہیں سکتا کوئی
جس کی تقدیس سارے جہاں سے بڑی
جس کی وحیِ الٰہی سے عزت بڑھی
عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی
اُس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام

1۔مسند احمد۔رقم الحدیث:24864
2۔الروض الانف:157/2۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:15/8

سفرِ طائف

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے ایک روز حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اس طرح کے کوئی کٹھن اور دشوار ترین لمحات آئے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگِ اُحد والے دن سے بھی زیادہ رنج وغم اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے عائشہ رضی اللہ عنہا!

مجھے اپنے فرض کی ادائیگی کے دوران قوم قریش کی جانب سے بڑی بڑی مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن میرے لیے اُحد کے دن سے بھی زیادہ اذّیت ناک وہ دن تھا جب میں نے اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کا پیغام پہنچانے کی غرض سے سردارانِ بنوثقیف کے سامنے خطاب کیا، تو اصنام پرست سرداروں کے رویّے نے نہ صرف مجھے بے حد مایوس کیا، بلکہ اُن کا جواب دینے کا انداز بھی انتہائی افسوس ناک تھا۔ اُن سیاہ باطن لوگوں نے میری طرف سے پیش کی گئی توحید ورسالت کی دعوت کو بڑے متکبرانہ لہجے میں فوراً ردّ کر دیا اور جب میں اُن کے گھر سے روانہ ہوا تو سرِ راہ کھڑے شہر کے آوارہ اور بدقماش لڑکوں نے مجھ پر اِس قدر پتھر برسائے کہ میرے پاؤں کی ایڑیاں تک خون آلود ہوگئیں۔ سخت دل اور ستم گر کافروں کے اِس افسوس ناک طرزِ عمل نے مجھے حزن وملال اور صدمے کی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ اس حالت میں چلتے چلتے جب میں ''قرن الثعالب'' کے مقام پر پہنچا تو ایک بادل کے ٹکڑے نے مجھے اپنے سائے میں لے لیا اور جب میں نے آسمان کی جانب دیکھا تو اُس بادل میں موجود جبرئیل علیہ السلام نے مجھے سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا: یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ توحید کے جواب میں قومِ ثقیف کے تُند وتیز جوابات اور اُن کے سفاکانہ رویّے کو اللہ ربُّ العالمین نے دیکھ لیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل جوئی کے لیے پہاڑوں کے منتظم فرشتے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع کر دیا ہے کہ حق وصداقت کا انکار کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نازیبا سلوک کرنے والے اِن جفا کاروں کی سزا کے متعلّق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حکم بھی

فرمائیں گے، اُس کی تعمیل ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کہ جبلِ ابوقبیس اور جبلِ قیقعان کو آپس میں ملا دیا جائے، تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظالمانہ اور گستاخانہ رویّہ رکھنے والے، ان دو پہاڑوں کے درمیان پس کر رہ جائیں۔(1)

اللہ! اللہ! کروڑوں دُرود وسلام رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ طائف والوں کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے انتہائی رنج اور صدمے کی حالت میں ہونے کے باوجود پیکرِ صبر و رضا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ رحمت نشان سے بددُعا نہ نکلی، بلکہ بڑے تحمّل اور عفو و درگزر کے ساتھ فرمایا:

اے جبرئیل!

میں طائف والوں کی تباہی اور بربادی کا ہرگز خواہش مند نہیں ہوں۔ یہ لوگ ناسمجھ ہیں، انھیں ابھی مہلت دیں! میری تو تمام جدّ و جہد صرف اس لیے ہے کہ یہ لوگ جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔ مجھے خدائے بزرگ و برتر سے اُمید ہے کہ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا ہوگی جو صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام کی عبادت کرے گی اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔(2)

انتقام لینے کی طاقت اور قدرت حاصل ہونے کے باوجود امن اور سلامتی کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس اذیّت ناک موقعے پر بھی اہلِ طائف کے لیے اپنی زبانِ مبارک سے صرف دُعائیہ کلمات ہی ادا فرمائے۔ اپنی جان کے دشمنوں کے لیے بھی شفقت و مہربانی دیکھ کر اوران کے حق میں دعائیں سُن کر پہاڑوں کے فرشتے نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بلاشبہ سچی ہے ربِّ ذُوالجلال والاکرام کی ذات جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رؤف و رحیم کا خطاب عطا فرمایا ہے۔(3)

جنگِ اُحد کے دن اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتی طور پر بھی انتہائی دُکھ، تکلیف اور رنج و الم کی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید زخمی ہوئے، پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید جسدِ خاکی کا مُثلہ کیا گیا اور بڑی بے رحمی سے اُن کے جسم کو کئی حصوں میں کاٹ دیا گیا، ستّر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید اور ستّر سے زیادہ شدید زخمی ہوئے۔ اس کے علاوہ اس جنگ کے نتیجے میں مسلمانوں کے وقار کو بھی سخت دھچکا لگا۔

اِن عظیم نقصانات کے باوجود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کے تبلیغی سفر کو اپنی زندگی کا سب سے زیادہ دُکھ دینے والا اور تکلیف دہ واقعہ اور منافیِ انسانیت سلوک قرار دیا تو اس سے اس کی شدّت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری کی روایت میں ان دو پہاڑوں کے لیے اَخشبین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کی شرح میں حافظ لابن حجر نے لکھا ہے کہ اس سے مکّہ مکرمہ کے دو پہاڑ ابوقبیس اور قیقعان مراد ہے۔ فتح الباری: 316/6

2۔ صحیح بخاری۔ کتاب بدءالخلق۔ رقم الحدیث: 3231

3۔ تفسیر لابن ابی حاتم: 1918/6

آیئے، اُن دُکھ، تکلیف اور غم کے روح فرسا لمحات کو تھوڑا تفصیل سے پڑھیں کہ خاتم النّبیین رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے فرض کی ادائیگی میں کیسے کیسے اذیّت ناک مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔

سفرِ طائف

ہر مشکل مرحلے میں ہمیشہ ایک مضبوط اور مستحکم سہارا بننے والے سردار ابو طالب کے انتقال پُر ملال کے بعد خاندانِ بنو ہاشم میں سر براہی کے منصب کے لیے نئے قائد کا انتخاب ہونا تھا لیکن افسوس کہ اِس اہم ترین عہدے پر خاندان کے کسی سلجھے ہوئے شخص کو منتخب کرنے کی بجائے قیادت کی یہ ذمّے داری اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دِلی عناد رکھنے والے ابولہب کے سپرد کردی گئی۔

سردار منتخب ہوتے ہی اُس عیار اور سنگ دل شخص نے پہلا اعلان یہ کیا کہ شعبِ ابی طالب کی طرح آئندہ کسی بھی مشکل وقت میں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ کو بنو ہاشم قبیلے کی حمایت اور سر پرستی حاصل نہیں ہوگی، اِس لیے اب مستقبل میں پیش آنے والے تمام معاملات میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خود ذمّے دار ہوں گے۔(1)

حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی خاطر خاندان بنو ہاشم کے سر براہ کی حیثیت سے سردار ابو طالب نے قریش کی دشمنی سے بھر پور مخالف اور اشتعال انگیز مہم کا مُقابلہ پوری ہمت اور جراَت کے ساتھ کیا۔ خاص طور پر شعبِ ابی طالب کے موقعے پر خاندانِ بنو ہاشم نے جناب ابو طالب کی سر براہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا فرض نہایت صبر اور برداشت کے ساتھ اور انتہائی باوقار انداز میں نبھایا، لیکن اب ایک تنگ نظر اور کم ظرف شخص کے قبیلہ کا قائد بن جانے سے حالات یک سر بدل گئے تھے۔

اب ظالموں کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہ رہا اور خاندان والوں کی طرف سے لاتعلّقی کا اعلان ہونے کے بعد حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تنہا ہو گئے تھے، جب کہ اِس دوران بہت سے مسلمان، مشرکین کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر چکے تھے۔

معاون و مددگار، جاں نثار و غم گسار اور صدقِ وصفا کی پیکر رفیقِ حیات سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرما چکی تھیں اور اب ابولہب نے بھی نیا قائد منتخب ہوتے ہی خاندانِ بنو ہاشم کی جانب سے ہر قسم کی امداد و اعانت سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکّہ میں کسی بااثر فرد یا کسی طاقت ور گروہ کی سر پرستی حاصل نہ رہی۔ فریب خوردہ بُت پرستوں اور شرک پسندوں کو روکنے والا کوئی نہ تھا، شہر کی صورتِ حال کو اپنے حق میں دیکھ کر دشمنانِ اسلام اَب زیادہ دلیری کے ساتھ مخالفت، مزاحمت اور مخاصمت پر اُتر آئے تھے۔

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 165/1

نئے سفر کا آغاز

مکّہ میں دعوت الی الاسلام کی راہیں مسدود پا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تقریباً تین ماہ بعد اور نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال سنہ 619ء میں اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین کی باتیں بتانے اور حق و صداقت کا پیغام پہنچانے کے لیے طائف کا سفر اِس اُمید کے ساتھ اختیار فرمایا کہ شاید اُس بارونق شہر کے لوگ حق اور سچ کی دعوت قبول کر لیں اور مسلمانوں کو اپنے دین کی تبلیغ کے لیے ایک نیا مرکز اور مزید جاں نثار میسّر آ جائیں یا کم از کم اشرافِ ثقیف میں سے کچھ صاحبِ حیثیت اور بااثر افراد اسلام قبول کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مستقل اپنے ہاں آنے کی دعوت دیں، اشاعتِ اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست و بازو بن جائیں اور دشمنوں کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل حمایت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھرپور تحفظ فراہم کرنے کا عہد کر سکیں۔

اِس خطرناک اور مشکل ترین سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار، فداکار اور خادمِ خاص حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ مکّہ سے باہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پہلا تبلیغی سفر تھا۔(1)

طائف میں آمد

طائف پورے حجاز میں اپنے ٹھنڈے موسم، باغات اور خوش حالی کی وجہ سے مشہور تھا۔ سطحِ سمندر سے دو ہزار فٹ بلند یہ شہر مکّہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے جانے کا یہ پُرمشقت سفر پیدل طے فرمایا تھا۔ کوئی سواری اُس وقت میسّر نہ تھی۔ اِس سفر کے دوران راستے میں آنے والے تمام قبائل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تعلیمات پیش فرمائیں لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود کسی قبیلے نے بھی عدل وانصاف اور توحید و رسالت کی اِس بابرکت دعوت کو قبول نہ کیا۔(2)

امیر اور خوش حال لوگوں کے شہر طائف میں اُس وقت رئیس القبائل سردار عمرو بن عمیر ثقفی کا خاندان سب سے زیادہ بااثر اور طاقت ور خاندان شمار کیا جاتا تھا۔ اُس مقتدر گھرانے کے تین افراد عبد یا لیل، مسعود اور حبیب اُس وقت پورے شہر میں نمایاں اعتبار و اعتماد کے مالک اور امتیازی حیثیت رکھنے والے سردار تھے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے اُن کے ساتھ ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور اُن پر دینِ اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا کہ ایک اللہ کے سامنے جھک جاؤ! اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور یہ کہ بتوں کو پُوجنا جہالت اور ضلالت ہے، پھر اُن بھائیوں کو ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی اطاعت و عبادت اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور فرمایا:

اللہ کے پسندیدہ دین کی مخالفت کرنے والی قوم قریش کے مقابلے میں آپ لوگوں کے پاس میں

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 165/1
2۔ ایضاً

اِس لیے آیا ہوں کہ آپ لوگ اشاعتِ اسلام کے اس عظیم اور بابرکت کام میں میری معاونت کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمھیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عظمت و وقار اور کامیابی وظفر مندی عطا فرمائے گا۔

لیکن جاگیردارانہ ذہنیت رکھنے والوں کے دِلوں پر تو جہالت کی تاریکیوں کا غلبہ تھا، چناں چہ سچائی اور راستی کی دعوت قبول کرنے، نیکی اور بھلائی کی آواز پر لبیک کہنے اور حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی اختیار کرنے کی بجائے اُنھوں نے بے رُخی اور بے اعتنائی کا جو سنگ دلانہ رویّہ اختیار کیا، وہ اُن لوگوں کی طرف سے انتہائی بداخلاقی اور بدتہذیبی کا مظاہرہ تھا۔ گفت گو کا کوئی سُلجھا ہوا انداز اختیار کرنے کی بجائے ان تینوں بدقسمت سرداروں نے جس سخت لہجے میں جوابات دیئے، وہ تو اہلِ مکّہ سے بھی زیادہ تکلیف دِہ تھے۔

صد افسوس کہ اُن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنے کی بجائے انتہائی تکبّر، رعونت اور کمینے پن کا رویّہ اپنایا۔

جہالت کے علم بردار ایک سردار نے کہا:

مجھے اِس بات کا بالکل یقین نہیں ہے کہ اللہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو نبوّت کے لیے منتخب فرمایا ہو۔ اگر اللہ نے واقعی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے تو پھر یہ اِس طرح ہے کہ گویا میں نے حرمِ کعبہ کے غلاف کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہو۔

دوسرے نابکار سردار کے لہجے میں بھی بے ادبی کا رنگ نمایاں تھا۔

اُس نے کہا:

اللہ کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا جسے نبوّت جیسا عظیم منصب عطا کیا جاتا۔ نہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس اپنے باغات اور محلّات ہیں، نہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے گھر پر حفاظتی دستوں کا کوئی پہرہ ہے حتیٰ کہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے مکّہ اور طائف کے درمیان کا یہ فاصلہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے پیدل طے کیا ہے۔ اللہ کو اگر اپنا رسُول بھیجنا تھا تو پھر وہ اِن دونوں شہروں کے کسی بڑے سردار کا انتخاب کرتا۔

تیسرے ناعاقبت اندیش سردار کا بات کرنے کا اسلوب بھی انتہائی غیر سنجیدہ تھا۔

اُس نے کہا:

میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ گفتگو نہیں کروں گا، کیوں کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے اعلان کے مطابق واقعی اللہ کے بھیجے ہوئے رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں تو پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا مقام اور مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ اِس صورت میں میرے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جیسی عظیم المرتبت شخصیت سے

کوئی تلخ اور ترش سوال جواب کرنا ادب واحترام کے بالکل منافی اور نہایت خطرناک بات ہوگی اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں ہیں اور رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہونے کی بات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی طرف سے کر رہے ہیں تو پھر یہ بات میری شان کے خلاف ہے کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قابلِ خطاب اور لائقِ توجّہ سمجھوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے اِس نامناسب اور درشت رویّے پر بے حد رنجیدہ ہوئے۔ سردارانِ ثقیف نے کوئی عقل وفہم کا انداز اختیار کرنے کی بجائے حد درجہ تلخ لہجے اور بڑے تکبّر کے ساتھ گھر آئی نعمت کو خوش آمدید کہنے سے انکار کر دیا اور اس طرح سردارانِ مکّہ کی طرح سردارانِ ثقیف کے تاریک دل بھی اسلام کی روشنی کو محسوس نہ کر سکے۔

اُن کے درشت، حوصلہ شکن اور انسانیت سے گرے ہوئے طرزِ عمل دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن لوگوں کی طرف سے جب کسی بہتری اور اچھائی کی اُمید نظر نہ آئی تو رخصت ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے تحمل کے ساتھ اُن سے فرمایا:

> تم لوگوں نے میری دعوت کے جواب میں تو اچھا انداز اختیار نہیں کیا لیکن میری اس خواہش کا تو احترام کرو کہ میری یہاں آمد اور ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کو اپنے تک ہی محدود رکھو، تاکہ اہلِ طائف کے منفی ردِعمل کی اطلاع اہلِ مکّہ تک نہ پہنچے اور کہیں وہ ظلم وستم میں پہلے سے بھی زیادہ بے باک نہ ہو جائیں اور مجھے اور میرے رفقا کو کسی نئی آزمائش سے دوچار نہ ہونا پڑ جائے۔(1)

مگر بنو ثقیف کے یہ سردار شریف لوگ نہ تھے۔ اُن کم ظرف سرداروں نے اپنے معزز اور محترم مہمان سے نہایت تکلیف دہ انداز میں یہاں تک کہہ دیا کہ **یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! اُخرُج مِن بَلَدِ نَا**
جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہمارے شہر سے فوراً چلے جائیں، کیوں کہ ہمیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہاں موجودگی سے اپنے نوجوانوں کے گم راہ ہونے کا خطرہ ہے۔(2)

اِس کے بعد اُن شقّی القلب سرداروں نے عربوں کی روایتی مہمان نوازی اور قبائلی رسم ورواج کے بالکل برعکس بے مروّتی اور سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے شہر کے بدچلن، آوارہ مزاج اور غنڈے قسم کے لڑکوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اشتعال دلایا تو وہ بدقماش راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ اُن ظالموں نے بابرکت قدموں اور ایڑیوں کو نشانہ بنا کر بڑی بے دردی سے سنگ باری شروع کر دی جس سے اس کائنات کی معزز

1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 67/1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 419/1
2۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 165/1

ترین، مقدّس ترین اور بزرگ و برتر ہستی کا معطر اور مطہر جسم مبارک خون سے تر بتر ہو گیا۔(1)

ہر طرف سے آنے والے اور بارش کی طرح برسنے والے اُن پتھروں کو حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اپنے ہاتھوں اور جسم پر روکنے کی کوشش میں تھے۔ بالآخر وہ بھی شدید زخمی ہو گئے۔ اُن کے جسم کے ہر حصے سے خون بہنے لگا اور وہ ایسے نظر آ رہے تھے جیسے خون میں نہائے ہوئے ہوں۔(2)

انتہائی بے بسی اور بے کسی کی حالت تھی۔ ظلم اور زیادتی کی انتہا یہ کہ جب درد ناقابلِ برداشت ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھ جاتے اور وہ خدا ناآشنا، بے رحم اور ستم گر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھا دیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے لگتے تو وہ بدکردار لوگ دوبارہ سنگ باری شروع کر دیتے۔ چلتے چلتے آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر سے باہر پہنچے تو حفاظت کے مدِنظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب کے ایک باغ میں داخل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تعاقب کرنے والے جہالت اور تاریکیوں کے عَلَم بردار شہرِ طائف کے غنڈے واپس چلے گئے۔(3)

باغ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کی چھاؤں تلے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ قریب ہی ایک چشمہ تھا جہاں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے پانی لا کر بہ صد ادب و احترام حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک اور جسمِ مبارک سے خون کو دھویا اور جو خون جوتوں میں جم گیا تھا، اُسے بہ دقّت تمام صاف کیا۔

سنگ دلوں کی سنگ باری، دل آزاری اور ظالمانہ سلوک کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات پر ہونے والے اس ظلم و زیادتی کے خلاف کوئی حرفِ شکایت زبان مبارک پر نہیں لائے اور نہ ان لوگوں کی تباہی و بربادی کی دُعا مانگی، بلکہ اُس وقت بھی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل انتہائی رنجیدہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُکھ کی اُس انتہائی کیفیت میں بھی یہ دُعا فرمائی جسے ''دعائے مستضعفین'' یا ''دعائے طائف'' بھی کہا جاتا ہے۔

دُعائے طائف

اُس متبرک دُعا میں ادا فرمائے گئے الفاظ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے پروردگار سے محبت اور اُس کی نصرت پر مکمل یقین اور بدترین حالات میں بھی اُمید کی شمع کو روشن رکھنے اور خالق و مالک کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط تر بنانے کا نمایاں تر اظہار پایا جاتا ہے۔

اُس وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو اللہ کی حمد بیان کی، پھر ربِّ ذُوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں دُعا کے لیے ہاتھ بلند فرمائے اور زبانِ مبارک سے بڑے درد و سوز اور انتہائی رقّت آمیز لہجے میں یہ کلمات ادا فرمائے۔

اے اللہ پاک!

میں آپ ہی کی ذاتِ بابرکت کے حضور اپنی ناتوانی، وسائل کی قلّت،

1۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم: 295/1
2۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 165/1
3۔ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: 438/2

تدبیر کی ناکامی اور اُن لوگوں کے مقابلے میں اپنی بے بضاعتی اور
بے بسی کی فریاد کرتا ہوں۔
اے اللہ!
آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں
اور آپ کی مہربانیاں اور کرم تو بے حد وحساب ہے۔
آپ ہی سارے جہاں کے عاجزوں، کمزوروں اور درماندہ بے کسوں
کے پروردگار اور بے سہاروں کا سہارا ہیں۔
میری ذات کے محافظ ونگہبان اور میرا سہارا بھی آپ ہی ہیں
اور میں آپ ہی کی مدد اور حمایت کا خواست گار ہوں۔
اے اللہ ذوالجلال والاکرام!
آپ نے میرا معاملہ کس کو سونپ دیا ہے؟
کیا اس غیر کے سپرد جو مجھ سے سختی اور ترش روئی سے پیش آئے
یا کسی بدمزاج دشمن کے حوالے
جسے آپ نے میری قسمت کا مالک بنا دیا ہو؟
اے ربِّ جلیل!
اہلِ طائف نے جس ظلم اور زیادتی کا برتاؤ میرے ساتھ کیا ہے،
وہ آپ نے دیکھ لیا ہے لیکن اگر آپ مجھ سے خفا نہیں
تو پھر مجھے کسی بھی تکلیف کی بالکل فکر نہیں ہے۔
اگر آپ کی طرف سے مجھے تحفّظ، خیریّت اور سلامتی عطا ہوجائے
تو میں اُس میں زیادہ اطمینانِ قلب، منزلت اور اہمیت محسوس کرتا ہوں۔
اے اللہ ربُّ العزت!
میں آپ ہی کی رحیم وکریم ذات کے نور کے دائرۂ اثر میں رہنا چاہتا ہوں،
جس سے تاریکیاں روشنیوں میں بدل جاتی ہیں
اور اندھیرے اُجالوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں،
جس پر دونوں جہانوں کا نظام قائم ہے
اور جس کی برکت سے دنیا اور آخرت کے تمام اُمور سلجھ جاتے ہیں۔

اے ربِّ کریم!
میں اِس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے آپ کی خفگی اور ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے۔
اے پاک پروردگار!
میں آپ سے آپ کی رضا کے حصول کا طلب گار ہوں،
یہاں تک کہ آپ کی رضا اور خوشنودی مجھے حاصل ہو جائے
اور یقیناً آپ کی بارگاہ سے عطا کی ہوئی توفیق کے سوا
کہیں سے مجھے نہ نیکی کرنے کی طاقت حاصل ہو سکتی ہے
اور نہ آپ کی مدد کے بغیر ہم کسی غلطی سے بچ سکتے ہیں۔(1)

مکّہ واپسی

حدودِ طائف سے باہر نخلہ کے مقام پر چند دن کے قیام اور جنات کی ایک جماعت سے ملاقات کے بعد جب مکّہ کی جانب روانگی کا وقت آیا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شہر کے کشیدہ حالات کے متعلّق اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
مکّہ میں تو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جان کو خطرہ ہے،
کیوں کہ خاندان کے نئے سربراہ کی حیثیت سے ابولہب تو پہلے ہی انتہائی مذموم اور ناپاک عزائم رکھنے والے بداندیش حریفوں کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کے فرض سے دست برداری کا اعلان کر چکا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پورے اطمینان اور کامل یقین کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اے زید رضی اللہ عنہ!
یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اِس وقت پیچیدہ اور دِقّت طلب صورتِ حال
کا سامنا ہے، لیکن یہ سب کچھ عارضی ہے۔
اللہ کریم ہمیں اِن پریشانیوں سے عافیت اور خیریّت کے ساتھ
نکلنے کی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا فرمائیں گے۔
بے شک اللہ ربُّ العزت اپنے دین کے حامی و ناصر ہیں اور وہ دن ضرور آئے گا،
جب ہمیں اِن بت پرستوں پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔(2)

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 420/1
2۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 165/1

یقین

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام تر رکاوٹوں کے باوجود منزل تک پہنچنے کا مکمل یقین تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی استقامت آسمان سے زیادہ بلند اور پہاڑوں سے زیادہ اٹل اور مضبوط تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے پورے یقین اور انتہائی صبر کے ساتھ منزل کی جانب گامزن تھے۔

تدبیر

کوہِ حرا کے قریب پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکّہ کے ایک قابلِ اعتماد شخص عبداللہ بن اریقط کو اخنس بن شریق کے پاس یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ کیا وہ ہمیں امان دینے کے لیے تیار ہے؟

اخنس بن شریق کو خواہش تو ہوئی کہ وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حقِ جوار قائم کرے لیکن چوں کہ کسی قبیلے کی قیادت اُس کے پاس نہیں تھی، اس لیے اُس نے بڑے ادب کے ساتھ معذرت کر لی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ پیغام سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا۔

اُس نے بھی معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میرے خاندان کی دی ہوئی پناہ پورے مکّہ پر لاگو نہیں ہوتی۔

اس کے بعد نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبداللہ بن اریقط کو بنی نوفل کے انتہائی بااثر اور بارسُوخ سردار مطعم بن عدی کے پاس بھیجا۔

مطعم بن عدی کے دادا نوفل اور حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پردادا ہاشم دونوں عبد مناف کے بیٹے اور سگے بھائی تھے۔ مطعم بن عدی اگرچہ مشرک اور کافر تھا لیکن اُس کا شمار مکّہ کے شریف اور رحم دل لوگوں میں ہوتا تھا۔ اُس نے شعب ابی طالب کا مسئلہ حل کرنے میں بھی بھرپور کردار ادا کیا تھا۔

مطعم بن عدی نے عبداللہ بن اریقط سے کہا:

یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

میں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بن عبداللہ کے پیغامِ حمایت کو بسروچشم قبول کرتا ہوں۔

تم جاؤ اور آں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنے ساتھ لے آؤ!

اِس کے بعد مطعم بن عدی نے ہتھیار لگائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر سے باہر نکلا۔ اُس نے اپنے بیٹوں اور قبیلے کے لوگوں کو بلایا اور انھیں بتایا کہ میں نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بن عبداللہ کے ساتھ حقِ جوار قائم کیا ہے۔ آپ سب لوگ ہتھیاروں سے مسلّح ہو کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حفاظت کے لیے خانۂ کعبہ میں جمع ہو جائیں، پھر اُس نے با آواز بلند سارے شہر کے سامنے یہ اعلان کیا کہ:

اے گروہِ قریش! میں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو امان دینے کا اعلان کرتا ہوں،
لہٰذا کوئی شخص آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب غلط نیّت سے نہ بڑھے۔

مطعم بن عدی کا پیغام ملنے کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے ہمراہ مکّہ تشریف لائے اور بیت اللہ شریف میں داخل ہو گئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اطمینان کے ساتھ پہلے حجرِ اَسود کو بوسہ دیا، پھر خانۂ کعبہ کا طواف فرمایا۔ اِس دوران مطعم بن عدی، اُس کے بیٹے، بھتیجے اور قبیلے کے لوگ، جو تلواروں سے مسلح تھے، بیت اللہ شریف کے چاروں طرف کھڑے رہے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہتھیار بند افراد کی حفاظت میں کاشانۂ اقدس کی جانب روانہ ہو گئے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، مطعم بن عدی کے اِس عمدہ اور نیک عمل کو ہمیشہ تحسین آمیز کلمات کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر میں ستّر کے قریب قیدیوں کو جب مدینہ لایا گیا تو اُن میں سے چند قیدیوں کی رہائی کے لیے مطعم کے بیٹے جبیر بن مطعم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور قریش کے اِن قیدیوں کے بارے میں مجھ سے کوئی سفارش کرتے تو میں اُن کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے اِن گندے لوگوں کو فوراً آزاد کر دیتا۔(1)

جزاکم اللہ

طائف کا حال سن کے جگر ہوتا ہے لہو
پائے مبارکہ نے کیا خون سے وضو
ظلم و ستم میں آخری حد سے گزر گئے
ظالم تھے سنگ دل تھے ستم گار تھے عدو

پھر بھی انہیں نہ غیر سمجھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
اُن کو دعائے خیر ہی دینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

یاد کر کے وہ طائف کے صدمے
رنج سہنا ہمیں آ گیا ہے

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:154/2۔الطبقات الکبری لابن سعد:165/1

جُہدِ مسلسل

تبلیغِ اسلام کی مساعی کے ابتدائی دس سال کے دوران اللہ کے برگزیدہ نبی سیّدالمرسلین خاتم النّبیین پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے مکّہ اور پھر طائف کے تبلیغی سفر کے دوران غرور اور تکبر کے علم بردار، شرافت سے عاری اور تہذیب سے ناآشنا لوگوں کی طرف سے شدید مصائب و آلام اور انسانیت سوز سلوک کا سامنا کرنا پڑا لیکن انتہائی سخت ردّعمل کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم و استقلال اور جدوجہد میں کبھی کسی قسم کا کوئی فرق اور کمی نہیں آئی۔

ہر قسم کے مصائب اور کٹھن ترین مشکلات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی کمزوری یا اُکتاہٹ کے پوری تن دہی اور جاں فشانی کے ساتھ منصبِ رسالت اور اشاعتِ اسلام کی ذمے داریاں نبھانے کے لیے پُرعزم رہے اور پورے حوصلے اور جذبے کے ساتھ ایامِ حج میں ملک کے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے زائرینِ حرم اور خاص طور پر عرب کے ممتاز صحرانشین قبائل سے ملاقات کے لیے اُن کی خیمہ گاہوں پر بہ نفسِ نفیس تشریف لے جاتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلامِ پاک کی تلاوت کے بعد نہایت دل پزیر انداز میں اُن کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش فرماتے اور انھیں بتوں کی پرستش ترک کر کے اس کائنات کے خالق و مالک، پروردگارِ عالم، خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے اور ساتھ ساتھ اپنی رسالت سے بھی آگاہ فرماتے۔

ان ملاقاتوں کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے بڑے سرداروں اور طاقت ور قبائل کے ساتھ اس امکان پر بھی تبادلۂ خیال فرماتے کہ:

> اگر آپ اسلام قبول کر کے حق و صداقت کا یہ عظیم الشّان اور آفاقی پیغام اللہ کے بندوں تک بِلا روک ٹوک پہنچانے اور اشاعتِ اسلام کے مقصد کے حصول میں میرے ساتھ تعاون کریں تو آپ لوگ عدل و انصاف اور انسانیت کی بھلائی کے اس روح پرور پیغام کے معاون و مددگار بن کر جنّت کے حق دار بن جائیں گے۔(1)

تبلیغی جدوجہد کے اس مشکل ترین دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں بھی تشریف لے جاتے، مکّہ کے بدبخت، کینہ پرور اور اسلام کی مخالفت میں اندھے دو شخص ابوجہل اور ابولہب سائے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لگے رہتے۔ کفر و جہالت اور حماقت کے یہ نمائندے اپنی ناپاک زبان سے اس پاکیزہ پیغامِ مبارک کی نفی کرتے ہوئے لوگوں سے کہتے جاتے کہ

1۔ دلائل النبوۃ ابی نعیم: 292/1

ہمارے یہ بھائی آج کل ایک نئے دین کی تبلیغ کر رہے ہیں، اس لیے اِن کی باتوں پر توجہ نہ دی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن کے نئے مذہب اسلام کی تعلیمات ہمارے آباء و اجداد کے طریقۂ عبادت اور عقائد کے نہ صرف یک سر خلاف ہیں بلکہ یہ ہمارے قابلِ احترام لات ومنات، اساف اور نائلہ کی پرستش کو نادانی قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی کرتے ہیں کہ آپ لوگ اپنے باپ دادا کے دین سے ہمیشہ کے لیے پیچھے ہٹ جائیں۔(1)

لہٰذا قریش کے گمراہ لوگوں کی اس مکروہ اور مذموم مہم کے سبب اب تک حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت اور اعانت میں کسی بھی قبیلہ کی طرف سے آواز بلند نہ ہو سکی تھی۔ دوسری طرف یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ اتنے نامساعد اور دشوار گزار حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مایوس نہیں ہوئے تھے، بلکہ ہر مشکل کے بعد حیرت انگیز طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم و ارادے اور ثابت قدمی میں اضافہ ہوتا تھا۔

قریش کی تمام تر مخالفانہ مہم جوئی اور شدید رکاوٹوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اور جہاں بھی موقع ملا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغامِ حق پہنچانے میں کوئی تامل نہ فرمایا۔ اس عرصۂ آزمائش کے دوران حج کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف قبائل سے ملاقات کرنے منیٰ تشریف لے جاتے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔

کندہ قبیلے کو دعوتِ اسلام

حج کا موسم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسبِ معمول ایک دن اپنے چچا جناب عباس کے ساتھ منیٰ تشریف لے گئے جہاں حج پر آئے ہوئے مختلف قبائل خیمہ زن تھے۔ ایک جگہ پہنچے تو جناب عباس نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یہ کندہ قبیلے کے لوگ ہیں جو اپنے علاقے میں بڑے اختیار و اقتدار اور شان وشوکت کے مالک ہیں۔ اپنے سردار ملیح کے ہمراہ یمن سے آنے والے کندہ قبیلے کے یہ تمام لوگ بہترین حاجی ہیں۔

اس ابتدائی تعارف کے بعد جب اُن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات چیت شروع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

کیا آپ لوگ نیکی اور بھلائی کی خواہش رکھتے ہیں؟

اہلِ قبیلہ نے کہا:

نیکی اور بھلائی سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مفہوم ومقصود کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یہ کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو!

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 423/1

جواس کائنات کا خالق اور قیامت کے دن کا مالک ہے
اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ!
اور یہ کہ میری رسالت کی تصدیق کرو!
اور اشاعت اسلام کی کوششوں میں میری معاونت کرو!

کندہ قبیلے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ سننے کے بعد ایک مشروط معاہدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ وہ کہنے لگے:

اگر ہمارا قبیلہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام احکامات اور تعلیمات پر عمل کرے
اور ہر جگہ اور ہر قسم کے حالات میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دے
تو فتح مندی اور ظفر مندی حاصل ہونے کے بعد جب
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پورے عرب کے فرماں روا بن جائیں گے
تو کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اقتدار ہمیں منتقل ہو جائے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ایسا وعدہ کرنا ممکن نہیں، کیوں کہ
ہر ریاست کی بادشاہی کا مالک صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام ہے۔
وہ جسے چاہے حکمرانی کا حق عطا فرما دے۔

اِس پر وہ لوگ بولے:

اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد بھی منصبِ حکمرانی ہمیں نہیں ملنا تو پھر ہمارے لیے
یہ مشکل امر ہے کہ ہم عرب کے تمام جنگ جُو قبائل کے ساتھ محاذ آرائی شروع کر دیں۔(1)

اس طرح کندہ قبیلے کے ساتھ قبولِ اسلام اور دیگر معاملات آگے نہ بڑھ سکے اور وہ لوگ اس عظیم سعادت سے محروم رہ گئے۔

بنوعبداللہ کو اسلام کی دعوت

اس دورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنوعبداللہ کی خیمہ گاہ میں بھی تشریف لے گئے، انھیں اسلام اور توحید کی طرف آنے کی دعوت دی اور اپنی رسالت کی تصدیق کے لیے اُن پر اپنے آپ کو پیش کیا اور فرمایا:

ان اللہ عزو جل قد احسن اسم ابیکم
اے بنی عبداللہ!

1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 159/2

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھارے جدِّ امجد کو بڑا خوب صورت نام عطا فرمایا ہے۔
آپ لوگ اس بابرکت نام کی لاج رکھیں اور اسلام قبول کرلیں۔(1)

مگر ان بدنصیب لوگوں نے بھی اس مبارک دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اس طرح اس قبیلۂ بنو عبداللہ کے لوگ بھی اس عزت، احترام اور اعزاز و اکرام سے محروم رہ گئے جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے یثرب والوں کے مقدر میں لکھا ہوا تھا۔

بنوبکر بن وائل کو دعوتِ اسلام

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ میں خیمہ زن بنوبکر بن وائل کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ایرانی سرحدوں کے قریب آباد اور ممتاز حیثیت کا حامل عرب کا یہ جنگ جو قبیلہ سنہ 330 ء میں ایرانی حکومت کے ساتھ ایک زبردست جنگ لڑ چکا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ قبیلہ سے دریافت فرمایا:

تمھاری جنگ لڑنے کی صلاحیت آج کل کس درجے کی ہے؟

اُنھوں نے کہا:

پڑوسی ملک ایران کے مقابلے میں ہمارے قبیلے کی دفاعی طاقت
اب بہت کمزور ہو چکی ہے اور ہم اس قابل نہیں ہیں کہ
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس تشریف لائیں
تو ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کا حق ادا کر سکیں۔

اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہ وقت جلد آئے گا جب تم اُن کے محلّات میں رہائش اختیار کرو گے
اور اُن کی عورتوں سے نکاح کرو گے۔

یہ پیشین گوئی فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لے گئے۔(2)

بنوحنیفہ کو دعوتِ اسلام

بنوحنیفہ کا شمار عرب کے زبردست لڑاکا قبائل میں ہوتا تھا۔تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں مختلف قبائل سے ملاقاتیں فرماتے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنوحنیفہ کی فرودگاہ پر تشریف لے گئے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:424/1 2۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:160/2

صرف ایک اللہ کی عبادت کرو!
اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ!
میری رسالت کی تصدیق کرو!
اور اشاعتِ اسلام میں میری اعانت کرو!

لیکن افسوس کہ اُن کمینہ خصلت اور شرافت سے نا آشنا بدبختوں نے جیسا درشت لب ولہجہ اور گستاخانہ طرزِ عمل اختیار کیا، ویسا عرب قبائل میں سے کسی نے بھی اب تک اختیار نہ کیا تھا۔ اُن لوگوں نے نرم دل اور نرم گفتار آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو انتہائی غرور اور تکبر کے ساتھ مسترد کر دیا۔ بے مروّت اور بدمزاج بنوحنیفہ کے اس برے رویّے اور قبیح برتاؤ کی وجہ سے مسلمانوں نے اُن کو طائف کے بنوثقیف جیسا کہنا شروع کر دیا تھا۔(1)

بنوشیبان بن ثعلبہ کو اسلام کی دعوت

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے موسم میں اسلام کی دعوت دینے کے لیے مختلف قبائل سے رابطہ فرماتے تھے۔ ایک روز میں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مختلف قبائل کے ساتھ ملاقات کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اُن لوگوں کے خیموں کی طرف جا رہے تھے کہ چلتے چلتے ہم ایک بڑی پُرشکوہ، صاحبِ وجاہت اور باوقار عمائد کی مجلس میں جا پہنچے۔ اس مہتم بالشان مجلس کے تمام شرکاء بڑے خوش وضع، شان دار اور پُرکشش شخصیتوں کے مالک تھے۔ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں سب سے مقدّم رہنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور پھر ان الفاظ کے ساتھ اپنی بات کا آغاز فرمایا:

اے بیت اللہ شریف کے مہمانو!
آپ لوگ کس قبیلے سے تعلّق رکھتے ہیں؟

اُنھوں نے جواب دیا کہ:

ہمارا تعلق قبیلۂ بنوشیبان بن ثعلبہ سے ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان مہمانوں کا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
میرے والدین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں!
دل آویز اور روشن جبیں چہروں والے یہ لوگ
اپنی قوم کے نیک نام اور معزز ترین راہنما ہیں۔

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 424/1

مجھے یقین ہے کہ اِن لوگوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تبلیغی نشست
انتہائی مناسب رہے گی۔

اس مجلس میں مفروق بن عمرو، نعمان بن شریک، ہانی بن قبیصہ، مُثنیٰ بن حارثہ جیسے باعظمت سردار موجود تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کی مجلس میں تشریف فرما ہوگئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سردار مفروق کے نزدیک بیٹھ گئے۔

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اپنی قوم کا یہ سردار مردانہ حُسن و جمال اور فصاحت و بلاغت میں سب سے فائق تھا
اور اُس کے بالوں کی بڑی بڑی لِٹیں اُس کے سینے کے دونوں طرف لٹک رہی تھیں۔

سردار مفروق نے پوچھا:

کیا آپ لوگ قریش میں سے ہیں؟

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا، پھر وہ مفروق سے مخاطب ہوئے اور دریافت کیا کہ:

تمھارے قبیلے میں جنگ کے قابل نوجوانوں کی تعداد کتنی ہے؟
اور اگر آپ لوگوں کو کسی قوم یا گروہ کے ساتھ جنگ کا مرحلہ پیش آجائے
تو میدانِ کارزار میں اپنی دفاعی صلاحیت کو کیسے استعمال کرتے ہو؟

سردار مفروق نے جواب دیا:

قریشی بھائی!
ہم لوگ اپنی پوری فوجی قوت اور سچے جذبۂ جاں نثاری و سرفروشی کے تحت
جنگ میں حصہ لیتے ہیں اور جدال و قتال میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے
لیکن ہر قوم کا مقدر بہرحال اس کے ساتھ ہوتا ہے،
کبھی ہم جیت جاتے ہیں
اور کبھی جنگ کا فیصلہ دشمنوں کے حق میں ہوجاتا ہے۔

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سردارنِ بنوشیبان سے مخاطب ہوکر کہا:

محترم مہمانو!
اللہ ذُوالجلال والاکرام نے قومِ قریش میں اپنے آخری رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
مبعوث فرمائے ہیں
اور وہ اللہ کے رسُول آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

مفروق نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف متوجہ ہوکر کہا:

اے ہمارے برادرِ محترم!

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دین کا پیغام کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اللہ ذُوالجلال والاکرام اس کائنات کا خالق و مالک ہے،
اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،
وہ اکیلا ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں
اور یہ کہ میں اللہ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں۔
میری رسالت کی تصدیق کرو اور اشاعتِ دین کے سلسلے میں
میرے ساتھ تعاون کرو اور میرے مددگار بنو!
تاکہ میں اللہ ذُوالجلال والاکرام کے عظیم الشان پیغام کو
لوگوں تک پہنچانے کی ذمّے داری کو احسن انداز میں نبھا سکوں،
کیوں کہ میری قوم قریش کے لوگ کلمۂ حق کو قبول کرنے کی بجائے
باطل پر اَڑے ہوئے ہیں۔
وہ سچائی کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے جھوٹ کو پسند کرتے ہیں
اور اشاعتِ اسلام کو روکنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر رہے ہیں۔
بے شک تمام تعریفوں کے لائق اللہ ذُوالجلال والاکرام کی ذاتِ مبارک ہے
اور وہ اِن لوگوں سے بے نیاز ہے۔

مفروق نے کہا:

اے برادرِ قریش!

اِس کے علاوہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورۃ الانعام کی آیات نمبر 151 تا 153 تلاوت فرمائیں:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ
اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ

كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ (1)

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

(اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ فرما دیجیے کہ آؤ میں تمھیں بتاؤں کہ تمھارے ربّ نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں! یہ کہ اللہ ذُوالجلال والاکرام کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ! اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو! اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے ہلاک مت کرو! ہم تمھیں بھی رِزق دیتے ہیں اور انھیں بھی رِزق عطا فرمائیں گے اور بے حیائی کے جتنے بھی طریقے ہیں، خواہ وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ، اُن کے قریب مت جاؤ! انسان کی جان، جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے، ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ! اللہ نے تمھیں ان باتوں کا تاکیدی حکم دیا ہے، تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو مستحسن ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ بلوغت کو پہنچ جائے اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو! ہم کسی شخص کو اِس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کرو تو انصاف کی بات کرو، خواہ معاملہ اپنے قرابت دار کا ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے، اُسے پورا کرو! اُن چیزوں کا، جن کا اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم دیا ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو اور انھیں یہ بھی کہہ دیجیے کہ یہی سیدھا راستہ ہے، سو اِسی پر چلو اور اُن راہوں پر نہ چلو جو تمھیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں۔ اِن سب باتوں کا اللہ تعالیٰ نے تمھیں سختی سے حکم دیا ہے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

مفروق نے پھر گزارش کی:

اے برادرِ قریش!

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ النحل کی آیت نمبر 90 تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ (2)

بے شک اللہ عدل و احسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ خود تمھیں نصیحت کر رہا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

یہ کلام پاک سن کر فصیح البیان مفروق بن عمرو، جسے اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا، حیران و ششدر ہو کر بے اختیار کہہ اُٹھا:

1۔ الانعام 151-153:6 2۔ النحل 90:16

جو رُوح پرور کلام آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے پڑھ کر سنایا ہے،
یہ کلام کسی انسان کا نہیں۔
اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو ہم فوراً سمجھ جاتے۔

اس نے مزید کہا:

اے ہمارے برادرِ محترم!
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی یہ دعوت تو سراسر خیر اور بھلائی کا پیغام ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اخلاقِ حسنہ، نیک اور لائقِ ستائش اعمال کی طرف بلاتے ہیں
اور یقیناً وہ قوم خود جھوٹی ہے
جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جیسی صادق اور امین شخصیت کو جھٹلایا ہے۔

اِس کے بعد مفروق نے ہانی بن قبیصہ کا تعارف کرایا:

ہمارے یہ بزرگ ہمارے قبیلے کے پیشوا ہیں۔

مذہبی راہنما ہانی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام کی تحسین کرتے ہوئے عرض کیا:

اے برادرِ قریش!
میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا جاں فزا اور حیات بخش خطاب سنا ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے تمام احکامات اور تعلیمات میرے نزدیک نہایت قابلِ احترام ہیں
لیکن یک لخت اپنا مدّتوں کا خاندانی مذہب چھوڑ کر فوراً دوسرے دین کا اتباع شروع کر دینا
میرے خیال میں یہ جلد بازی کا قدم ہوگا۔
چوں کہ شیبان قبیلہ کے بہت سے صاحبِ فہم و فراست، عالی وقار، معزز و محترم
اور خدا رسیدہ بزرگ ہمارے ساتھ یہاں نہیں آئے ہیں،
چناں چہ اپنے گھروں میں واپس جا کر ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے منصبِ نبوّت، تبلیغی دعوت
اور تعلیمات کے متعلّق اپنے قبیلے کے لوگوں کو آگاہ کریں گے۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے ایک اور رفیق مثنیٰ بن حارثہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا:

یہ ہمارے عالی وقار بھائی قبیلے کی فوج کے سپہ سالار ہیں۔

مثنیٰ نے عرض کیا:

اے ہمارے برادرِ عزیز!
میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دانائی اور دانش مندی سے بھرپور کلام سنا ہے،

مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عمدہ اوصاف اور اچھے خصائل کی طرف دعوت بہت پسند آئی ہے
اور خاص طور پر میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خوش کلامی اور دل نشیں اندازِ گفت گو سے بھی بہت
متاثر ہوا ہوں۔

البتہ میری گزارش ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں اپنے آبائی دین کے اعتقادات اور روایات
کو چھوڑنے اور دینِ اسلام کو قبول کرنے سے پہلے باہمی مشاورت کے لیے تھوڑا وقت
عنایت فرمائیں۔

گو سردارنِ بنو شیبان بن ثعلبہ کے ساتھ یہ تبلیغی نشست بار آور ثابت نہ ہوسکی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کی راست گوئی اور بات کرنے کے انداز کو پسند فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے:

اے ابو بکر رضی اللہ عنہ!
اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دین کا مدد ومعاون اور محافظ ونگہبان ہے
اور وہی اپنے دین کی سرفرازی کا بندوبست بھی فرمائے گا۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اُٹھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے دُوسرے قبیلے کی منزل گاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

بنو عبس کو دعوتِ اسلام:

نجد میں آباد اس قبیلے کا شمار عرب کے بڑے تُند خو اور جنگ جُو قبائل میں ہوتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ لوگ ہر قبیلے کے خلاف آمادہ پیکار ہو جاتے تھے۔

بنو عبس کے حضرت عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

ہمارا قبیلہ منیٰ کے میدان میں خیمہ زن تھا۔
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پڑاؤ کی جانب تشریف لائے۔
حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔
اس سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی
لیکن ہماری بدنصیبی کہ اُس وقت ہم اللہ کے اُس بابرکت انعام سے محروم رہ گئے تھے۔

حضرت عبد اللہ کہتے ہیں:

اس بار ہمارے قبیلے کے حج وفد میں میسرہ بن مسروق بھی شامل تھا جو ایک تجربہ کار، جہاں دیدہ اور دانا شخص تھا۔

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:167/2

اُس نے اسلام قبول کرنے کی دعوت کے جواب میں اپنے قبیلے والوں سے کہا:

میں اللہ تبارک وتعالی کی قسم کھا کر کہتا ہوں،
اگر تم لوگ توحید کا اقرار کرو،
آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرو
اور آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے جا کر اپنے علاقے میں ایک باوقار مقام پر ٹھہراؤ
تو یہ ہم لوگوں کے لیے بڑی ہی خوش بختی کی بات ہوگی۔
واللہ! یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ
اللہ کا یہ عالی شان پیغام وہ امرِ عظیم ہے جو دنیا میں ہر جگہ پہنچے گا
اور بالآخر کامیاب وکامران رہے گا۔

میسرہ کی قوم نے اُس کی تائید نہ کی اور کہنے لگے:

میسرہ، دیکھو!
آپ (ﷺ) کے دین کو قبول کرنا
اور آپ (ﷺ) کو اپنے ساتھ لے جا کر مرکزی مقام پر ٹھہرانا،
یہ ایسی ذمّے داری ہے جس کا بوجھ اُٹھانا ہماری طاقت سے باہر ہے۔(1)

اس طرح اس قبیلے کے ساتھ بھی اشاعتِ اسلام میں معاونت کے معاملات آگے نہ بڑھ سکے۔

جو جمالِ روئے حیات تھا
جو دلیلِ راہِ نجات تھا
اُسی راہبر کے نقوشِ پا کو
ناسمجھ مسافروں نے مٹا دیا

1۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم: 293/1

ہجرت

اللہ ربُّ العزت کے پسندیدہ دین اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچانے اور پھر اگلے مرحلے میں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدّ و جُہد میں ہجرتِ مدینہ کو ایک اہم ترین موڑ کی حیثیت حاصل ہے۔ اعلانِ نبوت کے بعد رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فرض کی تکمیل کی راہ میں پیش آنے والی تمام رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود پوری استقامت اور استقلال کے ساتھ اپنی کوششیں اور کاوشیں جاری رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرمت کے مہینوں میں حج اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے عرب کے گوشے گوشے سے آنے والے مختلف قبیلوں کے زائرین حرم کی جائے قیام پر تشریف لے جاتے اور نہایت دل نشیں انداز میں ان سے خطاب فرماتے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے:

اے لوگو!

ایک اللہ کی عبادت کرو!

اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ!

فلاح پاؤ گے۔ (1)

اسلام کے اس عظیم الشّان پیغام کے اثرات کو کم کرنے کے لیے دشمنِ خدا ابولہب اور وقت کا فرعون ابوجہل بھی مداخلت کی نیّت اور ارادے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے اُن مقامات پر پہنچ جاتے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید کا درس دے رہے ہوتے یا قبائل سے ملاقات فرما رہے ہوتے۔

یہ دشمنانِ خدا لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف خبردار کرتے اور اشتعال دلاتے کہ:

جنابِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے باپ دادا کے دین سے منحرف ہو چکے ہیں۔

ہم آپ لوگوں کو خبردار کر رہے ہیں

کہ اسلام کے متعلّق نہ تو کوئی بات سنیں اور نہ ہی اس پر عمل کریں،

وگرنہ آپ لوگ بھی جماعت قریش کی طرح ایک نئے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے

اور ہماری طرح آپ کے قبیلے کے افراد کے درمیان بھی اتفاق ختم ہو جائے گا۔ (2)

اِس قسم کی متعصّبانہ باتیں سن کر حج اور عمرہ پر آئے ہوئے زائرین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کے جواب میں ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے:

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 425/1

2۔ ایضاً: 423/1

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی قوم اور گھرانے کے لوگ تو
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پیروی میں مسلمان نہیں ہو رہے
تو ہم کیسے اسلام قبول کرلیں؟(1)

اِس طرح وہ بدنصیب قبائلِ عرب اور بدبخت قریشِ مکّہ اُس وقت اِس عظیم نعمت سے محروم رہ گئے حالانکہ اللہ کے حبیب رؤف ورحیم رسُولِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حق کی دعوت کے ساتھ اُن لوگوں کے پاس خود تشریف لے گئے تھے، جب کہ اہلِ یثرب وہ صاحبِ نصیب اور بلند اقبال لوگ ثابت ہوئے جو سب سے پہلے شرفِ اسلام سے فیض یاب ہونے میں کامیاب رہے۔

یثرب کے چھے تابندہ ستارے

سنہ ۱۱ نبوی میں، جب کہ عمرہ اور حج کے محترم مہینوں کا موسم شروع ہو چکا تھا، اللہ کے حبیب رسُولِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک نیا لائحۂ عمل اختیار کیا اس کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام کے عظیم الشّان پیغام کو زائرین تک پہنچانے کے لیے شام کے بعد کے وقت کو زیادہ مناسب سمجھتے ہوئے منتخب فرمایا تاکہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے تبلیغ کے اِس مقدس عمل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی مخالفت یا رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اِس دانش مندانہ منصوبہ بندی کے تحت ایک رات سرکارِ دوعالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مختلف قبائل اور گروہوں سے ملاقات کے لیے مکّہ سے کچھ فاصلے پر منیٰ کی طرف تشریف لے گئے جہاں تاحدِّ نگاہ خیموں کا ایک شہر آباد تھا۔ وہاں ہر قابلِ ذکر قبیلے سے رابطے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنوذہل اور بنوشیبان بن ثعلبہ سے ملاقات کے لیے اُن کے ڈیروں پر بھی تشریف لے گئے۔ تعارفی کلمات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن کی تعلیمات اُن کے سامنے پیش فرمائیں۔ وہ لوگ بڑے اخلاق اور مروّت سے پیش آئے۔ ان کا بات چیت کا انداز بھی شائستہ تھا لیکن شاید اسلام کی بابرکت نعمت سے سرفراز ہونا ابھی اُن کے نصیب میں نہ تھا، اس لیے بات آگے نہ بڑھ سکی۔

وہاں سے واپس آتے ہوئے سرکارِ دوعالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھی جب منیٰ کی گھاٹی سے گزر رہے تھے تو اُنھوں نے چند خوش شکل اور سنجیدہ لوگوں کو، کہ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھلائی اور خیر کو مقدر فرما دیا تھا، آپس میں بڑے اچھے لہجے میں ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے سنا۔

پاکیزہ صفت زائرین کی یہ چھوٹی سی جماعت کل چھے افراد پر مشتمل تھی۔ اُن قابلِ احترام زائرین کے نام یہ تھے:

ابو امامہ عامر	عوف بن حارث	رافع بن مالک
قطبہ بن عامر	عقبہ بن عامر	جابر بن عبداللہ (2)

1۔ الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسُول اللہ: 254/1
2۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 434/2

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ سلامتی کی دُعا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے ساتھ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے نہایت مشفقانہ انداز میں دریافت فرمایا:

آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟

اُنھوں نے کہا:

ہم یثرب سے آئے ہیں اور ہمارا تعلّق قبیلۂ خزرج سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

وہ خزرج جنھوں نے یہود کے ساتھ حلیفانہ معاہدے کر رکھے ہیں۔

اُنھوں نے کہا:

جی ہاں!

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

آپ لوگ بیٹھ جائیں، تا کہ کچھ بات چیت کی جا سکے۔

جب وہ لوگ ادب واحترام کے ساتھ بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا حال بیان فرمایا، انھیں صنم پرستی ترک کرنے اور اللہ ذُوالجلال والاکرام کے پسندیدہ دینِ اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ:

صرف ایک اللہ کی ذات عبادت کے لائق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نیکی و پاکیزگی اور اسلام کی تعلیمات اُن کے سامنے پیش فرمائیں۔ برائیوں اور گناہوں سے منع فرمانے کے بعد اُن کے سامنے قرآنِ حکیم سے کچھ آیات تلاوت فرمائیں۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات اور اللہ کا کلام نہایت ذوق وشوق اور انہماک کے ساتھ سنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

میری قوم قریش دینِ حق کی تبلیغ کے کام میں مانع ہے۔
اگر تم لوگ میری دعوت قبول کر کے اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کی
تائید وحمایت اور اِس کی تبلیغ میں میری مدد کرو
تو دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہو جاؤ گے۔

اُن خوش قسمت اور خوش بخت لوگوں کے بے نور دل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسنِ بیاں اور حق کی تاثیر سے روشن ہو گئے۔

اُنھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا:

واللہ انه النبی الذی توعدکم به یہود فلا یسبقنکم الیه

میرے بھائیو!

یہ تو وہی پیغمبر آخر الزّمان اور مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن کی آمد کا ذکر اذکار یہود ہمارے سامنے اپنی مجالس میں کرتے اور ہمیں خبریں دیا کرتے تھے کہ جلد ہی اللہ کے ایک نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لانے والے ہیں۔ جو کوئی اُن کا ساتھ دے گا، وہی کامیاب ہوگا۔

چناں چہ جب یثرب سے آئے ہوئے مہمانوں کے دل کی دنیا اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گئی تو اُن سلیم الفطرت لوگوں نے آپس میں مشورے کے بعد پورے جوش وجذبے اور قلبِ صمیم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ حق پر لبیک کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کر کے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں دے دیا۔ اِس طرح یہ چھے خوش قسمت لوگ پورے خلوصِ قلب اور یقینِ محکم کے ساتھ اس بات پر ایمان لے آئے کہ:

اللہ ایک ہے،
یہ کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ نے تخلیق کی ہے اور اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،
سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیغمبرِ آخر الزّماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں
اور یہ کہ ہم اللہ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کرتے ہیں۔(1)

اِن چھے سعید روحوں کے اسلام قبول کرنے سے مدینہ میں دینِ اسلام کی باقاعدہ ابتدا ہوگئی۔ گفتگو کے دوران سرورِ عالم رسُولِ اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے ان کی قوم کے مزاج اور شہر کے معاشی، سماجی اور معاشرتی حالات کے بارے میں تفصیلات دریافت فرمائیں اور وہاں جانے کے امکانات کے متعلّق پوچھا تو اُنھوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یہ ہماری خوش بختی ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائیں لیکن ہماری قوم میں اِس وقت اِتّحاد اور اِتّفاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ ہمیں نسل در نسل سے جاری باہمی عداوت، پھوٹ اور جنگ وجدل سے اکثر سامنا رہتا ہے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ پہلے ہمارے درمیان ایک طویل اور خوف ناک جنگ ہو چکی ہے (جو ''جنگ بعاث'' کے نام سے مشہور ہے) اِس جنگ کی تلخ

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:177/2

یادوں کی وجہ سے ہماری قوم کے قبائل میں ابھی تک باہمی ناچاقی پائی جاتی ہے اسی وجہ سے دونوں متحارب قبیلوں میں ابھی تک حقیقی صلح بھی نہیں ہوسکی ہے۔ ان وجوہ سے وہاں کی فضا میں ابھی تک سخت کشیدگی پائی جاتی ہے۔

اِن حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہاں جانے کے متعلّق ہمارا کسی رائے کا اظہار کرنا قبل از وقت ہوگا۔ فی الوقت تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنے گھروں کو واپسی کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ یثرب پہنچ کر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام اہلِ یثرب کے سامنے پیش کریں گے، اپنے گھر والوں، دوستوں اور ساتھیوں کو اِس نور کی طرف آنے کی دعوت دیں گے جس ''دل نواز اور مہربان پیغام'' کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دعوت دی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اہلِ یثرب کے دلوں میں توحید کی شمع روشن ہوجائے گی۔

اُنھوں نے اپنے خیالات اور جذبات کا مزید اظہار کرتے ہوئے کہا:

بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت اور اِس مبارک کلمے کے صدقے سے اللہ تعالیٰ ہمیں اِتّحاد اور اِتّفاق کی دولت سے بھی نواز دے گا۔ سب لوگ جب اِس دینِ مبین اور ایک کلمۂ پاک پر جمع ہوجائیں گے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں گے تو پھر ہمارے شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ طاقت ور، محترم اور معزز اور کوئی نہ ہوگا۔

اِن شاء اللہ! ہم یثرب پہنچ کر اسلام کے پیغام ''امن، سلامتی اور اُخوت'' کی تبلیغ واشاعت کے لیے ہراوّل دستہ کا کردار ادا کریں گے اور آئندہ سال ایامِ حج ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں دوبارہ حاضر ہوکر اِس کے نتائج سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کریں گے۔

آنے والے وقت نے ثابت کردیا کہ اُن صادق العہد ہستیوں نے اپنا وعدہ وفا کرنے کی خاطر اپنی زندگیاں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف کردیں۔ اسلامی تاریخ کے یہ چھے روشن ستارے دولتِ ایمان سے مالا مال ہوکر جب یثرب واپس پہنچے تو لوگوں کو یہ خوش خبری سنائی کہ جن مبارک اور مقدس رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار تھا، وہ تشریف لا چکے ہیں۔ ہماری اِن آنکھوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت دیدار کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور ہمارے کانوں کو اسلام کے پیغام اور تعلیمات کے متعلّق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیریں کلام سننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس طرح چند دنوں میں ہی شہر کی ہر محفل اور ہر گھر میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ جمیل کثرت سے ہونے لگا، یوں جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک دعوت پر لبیک کہنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور مقبولیت سے یثرب کی سرزمین خوشبوؤں سے معطر ہوگئی۔ (1)

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 430/1

مدینے سے دوسرے وفد کی حاضری اور بیعتِ عقبہ اولیٰ

چھے اوّلین مبلغینِ اسلام کی پیہم جدّ و جہد سے اگلے سال حج کے موسم میں بارہ افراد حسبِ وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ اُن کا تعلّق یثرب میں شان دار شہرت رکھنے والے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج سے تھا۔ اِن پاک صفت لوگوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منیٰ میں اُسی عقبہ کے مقام پر ملاقات کی جہاں گزشتہ سال خزرج کے چھے نیک بخت افراد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ہوئی تھی۔

اِس بیعت کے متعلّق عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت فرماتے ہیں کہ:

نورِ اسلام سے منوّر ہونے کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ہم سے اِس بات کا عہد لیا کہ ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے۔
اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ بدکاری کا ارتکاب نہیں کریں گے۔
چوری جیسے غلط فعل سے بالکل دور رہیں گے۔ افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے
اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گے،
یعنی نہ کسی پر جھوٹا الزام یا تہمت لگائیں گے اور نہ چغل خوری کریں گے۔
کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کریں گے جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔
امر بالمعروف، یعنی نیکی کے کاموں میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
ہر حکم سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے!
خوش حالی ہو یا تنگ دستی، ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر
اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں گے،
خواہ وہ حکم ہمیں پسند ہو یا ناپسند ہو!
حصولِ اقتدار کے لیے اہلِ اقتدار سے جھگڑا نہیں کریں گے،
خواہ ہم پر کسی دوسرے فریق کو ترجیح دی جائے!
اللہ کے معاملے میں حق بات کہیں گے
اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہ ہوں گے!

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم لوگوں نے اپنے اِس عہد سے وفا کی اور میری اِن باتوں پر پورا عمل کیا تو اِس کا صلہ اور اجر اللہ پر ہے۔ وہ تمھیں اپنے فضل و کرم سے آخرت میں کامیابی اور جنت عطا فرمائے گا۔ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی حکم پر منع کرنے کے باوجود غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کی

غلطی پر پردہ قائم رکھیں تو اُس شخص کا معاملہ اللہ ربّ العزت کے ساتھ ہے وہی جزا اور سزا کا حقیقی مالک ہے اور یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔(1)

بیعتِ عقبہ ثانیہ

گزشتہ سال بارہ افراد بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تھے۔ بیعت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وقتِ رخصت اِس مسلم جماعت نے رسُول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کی کہ اسلامی احکامات اور قرآن کی تعلیمات کے لیے ایک معلّم ہمارے ساتھ بھیج دیئے جائیں۔ اہلِ یثرب کی درخواست پر آپ ﷺ نے نہایت تحمل مزاج اور دین کے مسائل کا علم رکھنے والے ایک حسین وجمیل نوجوان مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قرآن کی تعلیم دینے، دین کا فہم پیدا کرنے اور اسلامی احکامات سکھانے کے لیے اُن کے ہمراہ روانہ فرمایا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر نے یثرب پہنچ کر حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ کے گھر پر قیام فرمایا اور اُسی گھر کو مرکز بنا کر تبلیغ اسلام کے کام میں مصروف ہوگئے۔(2)

وہ ایک خوش بیان مقرر اور تلاوتِ قرآنِ پاک میں نہایت خوش الحان تھے۔ بیعت کے بعد جب یہ نیک لوگ واپس پہنچے تو اُنھوں نے پورے اخلاص، جذبے اور شوق کے ساتھ گھر گھر جا کر اسلام کا پیغام پہنچانے کا کام شروع کر دیا۔ اہلِ یثرب کو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کی شخصیت نے بہت متاثر کیا۔ اپنی چاہت اور محبت کا اظہار کرنے کے لیے یثرب کے مسلمان انھیں ’’قاری صاحب‘‘ کے نام سے بلانے لگے۔ ان کے دل نشین طریقۂ تبلیغ، پاک نفسی اور صاف ستھرے کردار کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں رفتہ رفتہ اسلام کی شمع روشن ہونے لگی۔

اُنھوں نے اپنی ذمّے داری کو نہایت احسن طریقے سے انجام دیا جس سے اہلِ یثرب پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہوا کہ صرف ایک سال میں ہی سیکڑوں افراد اسلام قبول کرنے کی سعادت سے سرفراز ہوئے جن میں یثرب کے جلیل القدر اور بااثر سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور اُن کا پورا قبیلہ بھی شامل تھا۔(3)

۶۲۲ء اور نبوت کے تیرھویں سال میں جب عمرہ اور حج کے محترم مہینے آئے تو ستّر سے زیادہ مسلمان ایک بڑے کاروان میں شامل ہوکر یثرب سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکّہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ اِس بڑے قافلے میں چار سو کے قریب وہ حاجی بھی شامل تھے جو ابھی تک بت پرستی پر قائم تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدھے راستے کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی اور ہم یثرب سے بارگاہِ

1۔ ایضاً: 434/1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 3892
2۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔ رقم الحدیث: 849
3۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 436/1

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کے لیے مکّہ پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ حق پر لبیک کہنے کے بعد جب ہم لوگ یثرب واپس پہنچے تو اس کے بعد اسلام ہمارے شہر میں اتنی تیزی سے پھیلا کہ جو آدمی بھی ہماری تبلیغی مجلس میں بیٹھ کر قرآن اور اسلام کی تعلیمات کا بیان سنتا، تو وہ اُسی وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرتا اور اللہ کے پسندیدہ دین کو قبول کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہوجاتا اور جب وہ پلٹ کر اپنے گھر واپس پہنچتا تو اُس کی تبلیغ سے اُس کے اہلِ خانہ بھی مسلمان ہوجاتے تھے۔

اِس طرح یثرب کی ہر گلی اور ہر محلے میں کوئی خاندان ایسا باقی نہ رہا کہ جس میں بڑے فخر کے ساتھ اسلام کا نام لینے والے موجود نہ ہوں۔ اب حالت یہ تھی کہ ہمارے شہر کے در و دیوار سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ وہ لوگ جو تیغ وسنان سے مفتوح نہ ہوسکے، وہ نیک دل لوگوں کی تبلیغ اور کلامِ پاک کی شیرینی سے مسخر ہوگئے، کیوں کہ وہ اِس راز کو پا گئے تھے کہ اللہ کا پسندیدہ دین صرف اسلام ہے اور اُس کو قبول کرنے سے دنیا اور آخرت کے تمام معاملات سنور جاتے ہیں۔

ایک روز یثرب کے اہلِ ایمان نے اپنے اجتماع میں باہم اِس بات پر تبادلہ خیال کیا کہ آقائے دو جہاں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ ذوالجلال کا پیغام پہنچانے اور اسلام کو پھیلانے میں مکّہ کے ستم گر ماحول اور بت پرستوں کے ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے انتہائی کٹھن حالات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، چناں چہ پریشانی اور اضطراب کے ان حالات کو ختم کرنے اور ظلم کے حصار کو توڑنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ آگے بڑھ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پوری عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنی خدمات اور اپنی وفائیں پیش کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں۔ اِس کے ساتھ مکّہ میں مقیم اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی اپنے شہر میں آباد ہونے کی ترغیب دیں۔

چناں چہ حج کے ایام میں 75 افراد پر مشتمل مسلمانوں کا ایک وفد جن میں 73 مرد اور 2 خواتین شامل تھیں، بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دینے کے لیے یثرب سے چلنے والے زائرینِ حرم کے کاروان میں شامل ہوکر مکّہ مکرمہ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی فرزندانِ توحید رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُخِ انور کے مبارک دیدار کے لیے بہت بے چین ہونے لگے، چناں چہ اُن میں سے کچھ ساتھیوں نے رازداری کے ساتھ سرورِ عالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لیے رابطہ کرنا شروع کیا۔

بالآخر انھیں کامیابی حاصل ہوئی اور اُن جاں نثاروں کو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کا موقع مل گیا۔ دورانِ گفتگو اگلی ملاقات کے معاملات طے پا گئے کہ یثرب سے آئے ہوئے تمام اہلِ ایمان منیٰ میں قیام کے دوران وسط ایامِ تشریق کی رات مقام عقبہ کے پاس جو گھاٹی ہے وہاں ملاقات کے لیے پہنچ جائیں، تاکہ مستقبل میں پیش

آنے والے امور پر غور وفکر کر کے کچھ فیصلے کیے جا سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالات کی نزاکت کا ادراک کرتے ہوئے یہ تاکید فرمائی کہ جو شخص نیند کے غلبے سے سو جائے، اُس کو اجلاس میں شرکت کے لیے نہ جگایا جائے اور جو کسی کام سے باہر گیا ہوا ہو اُس کا انتظار نہ کیا جائے، تاکہ اجلاس کے منعقد ہونے کی خبر کسی طور بھی مشرکینِ مکّہ تک نہ پہنچ سکے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں:

حج اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے جو بت پرست لوگ ہمارے ساتھ مدینہ سے مکّہ آئے تھے، اُن میں بنوسلمہ سے تعلّق رکھنے والے ایک نیک نام اور قابلِ احترام سردار عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی تھے۔ ہم نے اُن کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا:

اے عبداللہ!

آپ ہمارے شہر کے انتہائی محترم، باعزت اور سربرآوردہ سرداروں میں سے ہیں۔ آپ کا شمار یثرب کے بہت زیادہ اثر و رسُوخ رکھنے والے شرفا میں ہوتا ہے لیکن ہمیں آپ کی یہ موجودہ حالت بالکل پسند نہیں کہ آپ شرک پر قائم رہنے کی حالت میں اِس دنیا سے چلے جائیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ روزِ حشر جہنم کی آگ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔ ہم نے انھیں بت پرستی ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اپنی نیّت اُن پر ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم آج رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری کے لیے جارہے ہیں، چناں چہ اُنھوں نے اُسی وقت ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ رات کو وہ ہمارے ساتھ عقبہ کے اہم ترین اجلاس میں بھی شریک ہوئے جہاں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ نقیبوں میں سے ایک نقیب انھیں بھی مقرر فرمایا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک اُس ملاقات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس ملاقات نے کفر و اسلام کے درمیان کشمکش کا رُخ ایک نئی سمت کی جانب بدل دیا تھا، بالآخر وہ رات آگئی جس رات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات طے تھی۔ اُس رات ہم لوگ منیٰ کے میدان میں حسبِ معمول اپنی قوم کے غیر مسلم ساتھیوں کے ہمراہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ اِس معاملے کو پوشیدہ رکھنے کے لیے ہم نے یہ تاثر بھی دیا کہ ہم تو بہت تھکے ہوئے ہیں اور جلدی سونا چاہتے ہیں لیکن جب ایک تہائی رات گزر گئی اور ہر طرف سناٹا چھا گیا تو ہم پڑاؤ میں سوئے ہوئے اپنے مشرک ساتھیوں کے درمیان میں سے پوری رازداری اور مکمل نظم و احتیاط کے ساتھ دبے پاؤں ایک ایک دو دو کر کے اپنے بستروں سے نکلے تاکہ ہمارے قدموں کی ہلکی سی آہٹ بھی اِن بت پرستوں کو سنائی نہ دے۔

اس طرح ہم لوگ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرفِ ملاقات حاصل کرنے کے لیے جلد ہی مقامِ مقرر پر جا

پہنچے۔ اُس رات وہاں پہنچنے والے اِن معزز اور محترم راست باز اکابرین کی کل تعداد 75 تھی جن میں 73 مرد اور 2 عورتیں نسیبہ رضی اللہ عنہا بنت کعب اور اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمرو تھیں۔ اب ہم سب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آمد کے منتظر تھے۔ آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، وہ ساعت سعید اور خوش بخت لمحہ آن پہنچا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جان حضرت عباس بن عبد المطلب بھی تھے جو ابھی تک اپنی قوم ہی کے اعتقاد پر قائم تھے۔

انھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگاہ فرما چکے تھے کہ مسلمانانِ یثرب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہمراہ مدینہ لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اِس صورتِ حال میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدان اور مشورے میں شریک کار رہے تھے۔ دانا اور عقل مند حضرت عباس، اہلِ یثرب کے ساتھ بات چیت کر کے اُن کے عزائم اور حوصلے دیکھنا چاہتے تھے۔ اِس کے علاوہ بھی انھیں کئی معاملات اور سوالات کا اطمینان بخش جواب درکار تھا، تاکہ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل حفاظت اور سلامتی کا یقین ہو سکے۔ (1)

ہجرت ایک عظیم قربانی اور انتہائی مشکل جدّ و جُہد کا نام ہے جس میں ہجرت کرنے والا اللہ کی راہ میں اپنی قوم، اپنے اہل و عیال، دوست احباب، مال و دولت، گھر بار، روزگار اور اپنا وطن، سب کچھ ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

راستے کی مشکلات اور پھر مقامِ ہجرت پر معمولاتِ زندگی کا دوبارہ آغاز کرنا، یہ سب مشکل ترین اور صبر آزما مراحل ہوتے ہیں۔ مکّہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں کی تعداد بھی کم نہ تھی۔ کچھ لوگ رشتے داری کے تعلق سے اور کچھ لوگ بنو ہاشم کا ایک معزز فرد ہونے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش کے لوگ بے پناہ بغض و عداوت رکھنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی بڑی انتقامی کارروائی نہیں کر سکے تھے۔

ادھر یثرب کے فرزندانِ توحید اِس یقین کے ساتھ مکّہ آئے تھے کہ عقیدت و محبت کا رشتہ خون کے رشتے کی طرح مستحکم ہے لیکن یثرب والوں کی سرفروشی، بہادری اور جاں نثاری کے دعوؤں کا امتحان ہونا ابھی باقی تھا۔ کیا کسی مشکل مرحلے میں وہ اپنے اِس وعدے کو نبھا پائیں گے اور اپنے مال و دولت، اپنی جانوں اور تمام رشتوں کی پروا کیے بغیر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبردست طریقے سے حفاظت، پاسبانی اور دفاع کا حق ادا کر سکیں گے؟

حقیقت یہ تھی کہ یثرب میں ابھی سب لوگ تو مسلمان نہیں ہوئے تھے، اِس لیے خدشہ تھا کہ اسلام کی اشاعت میں روڑے اٹکانے کے لیے سردارانِ قریش مشکلات پیدا کرنے کے لیے کہیں یثرب کے یہودیوں یا مشرکین کے ساتھ کسی قسم کے معاہدے پر اتفاق نہ کر لیں۔ گویا آنے والے وقت میں اِس طرح کے مسائل پیدا ہونے کا

1۔ جوامع السیرۃ لابن حزم: 58/1

امکان تھا، یہ تھے وہ مشکل حالات اور نازک معاملات جن کے متعلّق آج منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکاء باہمی مشاورت کرنا اور ایک دوسرے کے خیالات سننا چاہتے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں:

جب فریقین مقررہ مقام پر پہنچ گئے اور ایک نئی ممکنہ ریاست کی بنیاد رکھنے کے لیے معاشی، معاشرتی اور سماجی امور طے کرنے اور کسی جنگ کی صورت میں حملہ آور کے خلاف مکمل ساتھ دینے جیسے معاملات پر بات چیت کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا جان جناب عباس بن عبدالمطلب نے اپنے خطاب میں اہلِ یثرب کے سامنے اِن خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اے اہلِ یثرب!

ہم لوگ ایک پیچیدہ اور دشوار کام پر مشاورت کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں نے پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ہے تو کیا آپ لوگ اِس سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ بنوہاشم کا گھرانہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا کس قدر احترام کرتا ہے، حالانکہ ہمارے قبیلے میں کچھ ہی لوگ مسلمان ہیں اور باقی لوگ مذہبی اعتبار سے اسلام قبول کرنے کی بجائے ابھی تک اپنے آبائی عقیدے پر قائم ہیں۔

اپنی شرافت اور عظمتِ کردار کی وجہ سے پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اِس سرزمین اور اپنے قبیلے میں انتہائی بلند مقام و مرتبہ رکھتے ہیں لیکن اب اُنھوں نے آپ لوگوں کی دعوت پر اپنے شہر سے ہجرت کر کے یثرب میں مستقل رہائش اختیار کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا ہے اور زندگی کے آئندہ سالوں میں وہ آپ لوگوں کے درمیان یثرب میں ہی رہنا چاہتے ہیں۔

اب اگر تم لوگوں کو یہ پختہ یقین ہے کہ تم جس امر کی جانب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو دعوت دے رہے ہو، اُسے پوری ذمّے داری اور وفاداری کے ساتھ نبھا سکو گے؟ اس لیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے جو دشمن ہیں، وہ بہادر بھی ہیں اور جنگ کرنے کے وسائل بھی رکھتے ہیں۔ کیا اِن مشکل حالات میں بھی آپ لوگ اُسی ہمت، جرات اور جنگی مہارت کے ساتھ حملہ آوروں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی عزت، وقار اور احترام کی حفاظت کر سکو گے؟

اگر ایسا کرنے کی اہلیت رکھتے ہو تو پھر ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ جو ذمّے داری تم قبول کرنا چاہتے ہو کر لو لیکن پہلے اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ وعدہ کی تکمیل اور وفا نبھانا ایک نازک اور مشکل امر ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مکّہ چھوڑنے اور یثرب میں تم لوگوں کے ساتھ

مستقل رہائش اختیار کرنے کے بعد کی صورتِ حال میں کسی وقت کوئی ایسا لمحہ آجائے جب تم اپنے دل میں کوئی خوف یا خطرہ محسوس کرنے لگو یا کسی ڈر یا دباؤ کی وجہ سے تم لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاؤ تو پھر اُس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) دشمنوں کے مقابلے پر اکیلے رہ جائیں گے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ابھی آپ لوگ کوئی جذباتی فیصلہ نہ کریں اور اِس ذمّے داری کو اُٹھانے سے پہلے ہی معذرت کر لیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مکّہ معظّمہ میں ہی رہنے دیں، اِس لیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ذاتِ مبارک سے متعلّق اِس طرح کی دل گداز صورتِ حال ہم سے برداشت نہ ہو سکے گی۔ اب اگر تم لوگ ہر حالت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو پھر تمھیں اپنے خون کے آخری قطرے تک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حفاظت کرنے کا پختہ عہد کرنا ہوگا۔

بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ آپس میں دوبارہ مشورہ کرلیں اور جلد بازی میں کوئی قدم اُٹھانے کی بجائے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں، کیوں کہ وہی بات سب سے موثّر اور خوب صورت ہوتی ہے جو حقیقت کو سامنے رکھ کر پوری سچائی کے ساتھ کہی جائے۔

یثرب کے زائرین نے جناب عباس کے خطاب کے جواب میں مضبوط لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا:

آپ نے مستقبل میں پیش آنے والے خطرات اور اندیشوں کے متعلّق جن خدشات کا اظہار کیا ہے، اُن کو ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں لیکن ہماری اِس بات کو آپ بھی اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیں کہ ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اپنی جان، مال اور اولاد نثار کرنے کے مستحکم ارادے کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔

پھر وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخاطب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض گزار ہوئے:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے لیے اور اپنے پروردگار کے لیے جو عہد و پیمان ہم سے لینا چاہتے ہیں، لے لیجیے، ہم ہر طرح سے تیار ہیں۔

ان کا عزم دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسبِ معمول اپنی گفت گو کا آغاز قرآنِ پاک کی چند آیات کی تلاوت سے فرمایا اور لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی رغبت دلائی، پھر اُس کی بندگی اور اطاعت کی طرف آنے کی دعوت دی۔ پاک کلام سننے کے بعد تشنہ لب روحوں کے سینے ایمان کے نور سے جگمگا اٹھے۔

اُنھوں نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ہم دل وجان سے اِس بابرکت بیعت کے لیے حاضر ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

آپ لوگ اِس بات کا عہد کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے
اور ہمیشہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والے کام کریں گے۔
امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں اللہ اور اُس کے رسُولِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کریں گے۔
تنگ دستی ہو یا خوش حالی، خوشی ہو یا غمی، ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے۔
اور یہ کہ دشمنوں کی طرف سے ایذا رسانی کی کسی بھی کوشش پر تم لوگ
میری اور میرے ساتھیوں کی پاسبانی اور حفاظت انھی وسائل کے ساتھ کرو گے
جن کے ساتھ اپنی جانوں، اپنے بچوں اور عورتوں کا دفاع اور حفاظت کرتے ہو۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِس مختصر اور جامع ترین خطاب کے فوراً بعد اِس اجتماع میں شامل ایک سردار حضرت براء رضی اللہ عنہ بن معرور نے آگے بڑھ کر سرکارِ دوعالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دستِ مبارک اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور نہایت خودسپردگی کے انداز میں عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
ہم اُن تمام ذمہ داریوں سے خوب اچھی طرح آگاہ ہو گئے ہیں،
جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یثرب تشریف لانے کے بعد ہم پر عائد ہوں گی۔
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوت کا اعلیٰ ترین منصب عطا فرمایا ہے،
ہم یقیناً پوری تن دہی، وفاداری اور جاں نثاری کے ساتھ
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محافظت کا حق ادا کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تحفظ اور سلامتی کے لیے
ہر اُس ذریعے اور وسیلے کو بروئے کار لائیں گے جس سے ہم خود اپنی جان، مال اور اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
ہماری درخواست ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری بیعت قبول فرمائیں!
واللہ!
ہم نسل در نسل ایک بہادر اور جنگ جُو قوم کے فرزند ہیں
اور ہمارے جوان ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلّح ہیں

ہم میدانِ جنگ کے شہسوار ہیں اور معرکہ آرائی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔
ہم نے چمکتی تلواروں کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔
جنگوں کے دوران بہادری اور اپنے سردار کے ساتھ وفاداری نبھانے کی تمام روایات
ہمیں اپنے باپ دادا سے وراثت میں ملی ہیں۔
بت پرستی جیسے باطل اعتقادات کے باوجود بزدلی، بدعہدی اور بے وفائی ہمارا شعار نہیں تھا۔
اب تو الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔
ایمان کی اس حالت میں تو ہم ان شاء اللہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے،
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف غلط نیت سے بڑھنے والے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بُری نگاہ ڈالنے والے
بدبختوں کو اُن کے انجام تک پہنچا کر دم لیں گے۔
براء رضی اللہ عنہ بن معرور ابھی اپنے دلی جذبات کا اظہار کر رہے تھے کہ اس اجتماع میں شریک ایک اور معزز رکن
ابوالہیثم بن التّیعان نے اثنائے گفت گو عرض کیا:
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
میری بھی ایک گزارش سماعت فرمائیں!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں کہ مشترکہ مفاد پر مبنی ہمارے کچھ معاہدے
یثرب میں رہنے والے یہودیوں کے ساتھ پہلے سے طے ہیں
اور اِس بیعت کے بعد ہم اُن کے ساتھ اپنے کسی معاہدہ کی تجدید نہیں کریں گے
جس کے نتیجے میں اُن کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات ختم ہو جائیں گے،
ایسی صورت میں کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم یہ سب کچھ کر گزریں
اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں کے مقابلے میں فتح وکامرانی
اور اقتدار سے سرفراز فرما دے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بے سہارا اور بے یار ومددگار چھوڑ کر اپنے
وطن واپس تشریف لے جائیں۔
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی ہم سے برداشت نہ ہو سکے گی۔
اپنے سچے عاشقِ صادق جناب ابوالہیثم کی یہ بات سن کر سراپا وفا، نورِ مجسم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے اختیار مسکرا دیئے،
پھر اپنے جاں نثاروں کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا:
ایسا ہر گز نہیں ہوگا،

بلکہ آپ کا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی تکلیف میری تکلیف ہوگی۔
میرا مرنا اور جینا آپ لوگوں کے ساتھ ہے۔
میں آپ کا ہوں اور آپ لوگ میرے ہیں۔
جس سے آپ کی جنگ ہوگی، اُس سے میری بھی جنگ ہوگی
اور جن کے ساتھ آپ کی صلح ہوگی، اُن لوگوں کے ساتھ میری بھی صلح ہوگی۔(1)

چناں چہ آگے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اِس وعدے کو اِس خوب صورتی کے ساتھ نبھایا کہ مدینہ منورہ کو ہمیشہ کے لیے مقدس بنا دیا، یعنی پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے ہی آج یہ شہر زندہ و تابندہ اور مرجعِ خلائق ہے۔

ہیں انوارِ رحمت مدینے کی گلیاں
دل و جان کی راحت مدینے کی گلیاں
فرشتوں میں کل رات یہ گفتگو تھی
ہیں جنت میں جنت مدینے کی گلیاں

بیعت کا آغاز

جب تمام لوگ بیعت کے لیے مکمل رضا اور رغبت کے ساتھ تیار ہو گئے تو یثرب کے دو ممتاز راہنما جو بیعتِ عقبہ اولیٰ میں بھی شامل تھے، یکے بعد دیگرے اُٹھے اور لوگوں کو آنے والے حالات کی پیچیدگی اور اِس کے سنگین نتائج کو اچھی طرح سمجھنے کی تاکید کی، تاکہ سب لوگ کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے آئندہ پیش آنے والے مشکل حالات کا گہری نظر کے ساتھ ہر رُخ سے جائزہ لے سکیں اور جلد بازی یا وقتی جوش سے مغلوب ہو کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔

چناں چہ اِس مقدس اجتماع کے سب سے کم سن رکن اور مدینہ منورہ میں اسلام کے اوّلین مبلغین میں سے ایک، اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ سب سے پہلے اُٹھے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ مبارک اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور بیعت کے بعد کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

اے یثرب کے ساتھیو!
آپ لوگ بیعت میں عجلت سے کام نہ لیں، پہلے ذرا میری گزارشات سن لیں۔
ہم لوگ جو اتنا طویل، دشوار گزار اور پُرمشقت سفر طے کرکے اور اپنی سواریوں کو تھکا کر
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اِس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ
پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے اور برحق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:442/1

تو آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وطن سے دور اپنے شہر میں
مستقل رہائش اختیار کرنے کی دعوت دینے کا مطلب یہ ہوگا
کہ ہم سارے عرب کو خود پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔
جنگ وجدل کی تلوار ہر وقت تمھارے سروں پر لٹکتی رہے گی
جس کے نتیجے میں تمھارے معصوم بچے، باعفّت خواتین اور بے گناہ عزیز و اقارب
قتل ہو سکتے ہیں،
لہٰذا اگر تم اپنی قیمتی جانوں اور جائیدادوں کے نقصان اور ہلاکتوں کو پورے صبر کے
ساتھ برداشت کرنے کا اپنے اندر حوصلہ پاتے ہو
تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے دو
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہمراہ لے چلو!
میں اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ
اس سے دنیا اور آخرت، ہر دو جہاں میں بھلائی اور کامیابی تمھارا مقدر بنے گی
اور تم عظیم الشان نعمتوں اور سعادتوں کے حق دار بن جاؤ گے۔
لیکن اگر تم لوگوں کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جانیں زیادہ عزیز ہیں
یا تم اپنے دلوں میں اپنے بہترین سرداروں کے مارے جانے کا کوئی اندیشہ محسوس
کرتے ہو یا اپنے مال ودولت کی تباہی اور بربادی کا تمھیں ڈر ہے
تو پھر ہمیں چاہیے کہ نہ تو ابھی بیعت کے لیے اپنے ہاتھ بڑھائیں
اور نہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یثرب آنے کی دعوت دیں،
بلکہ اگر پہلے ہی یہ ذمّہ داری اُٹھانے سے معذرت کرلو
تو شاید اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے اِس عذر کو قبول فرمالے۔
جواب میں مجلس میں شریک سب لوگ بلند آواز میں کہنے لگے:
اے اسعد!
ہمارا راستہ نہ روکو!
واللہ!
ہم کسی بھی صورت میں اِس بیعت سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔
ہم ہر قیمت پر اِس بابرکت بیعت کی تقدیس کو قائم رکھیں گے

اور اپنی جانوں سے بڑھ کر اپنے اِس عہد اور وعدے کی پابندی کریں گے۔(1)

اہلِ یثرب کے رگ و پے میں تو اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رچ بس چکی تھی، وہ لوگ بڑے ہی پُر جوش انداز میں اپنی بے پایاں عقیدت، چاہت اور خلوص کا اظہار کرتے ہوئے عرض گزار ہوئے:

اے اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری اُمید، ہمارا نصیب اور ہماری سب سے قیمتی متاع ہیں۔

ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت اور اعانت کرنے میں پوری طرح سنجیدہ ہیں۔

ہمیں اس کی خاطر اپنا جانی نقصان، مالی مصائب اور اشراف کی ہلاکت
کے ساتھ ہر طرح کی تباہی اور بربادی منظور اور قبول ہے۔

ہم پوری وفاداری اور جاں نثاری کے ساتھ اپنے وعدے اور عہد پر قائم
رہیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے،
نہ کبھی حق، سچ اور صداقت کے راستے سے پیچھے ہٹیں گے
اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ ہوں گے،
چاہے ہمیں قتل کر دیا جائے یا ہم کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جائیں۔(2)

بیعت کی تکمیل

رات کے آخری حصے میں فرزندانِ توحید نے پوری عقیدت، محبت، مکمل تعاون اور جاں نثاری کے جذبے سے والہانہ انداز میں بیعت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دے کر عرض کیا:

اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری بیعت قبول فرمائیں!

اِس طرح کسی جاہ و منصب اور سرداری کی خواہش کے بغیر یثرب کے سلیم الطبع زائرین نے پورے عجز و انکسار کے ساتھ اطاعت، اعانت اور حرب کے حلف پر بیعت کرنے کی عظیم سعادت کا شرف حاصل کر لیا۔ اِس مقدس بیعت کے فوراً بعد خوش قسمت اور خوش بخت اہلِ یثرب نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں باقاعدہ درخواست پیش کر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام مستقل رہائش کے لیے یثرب تشریف لے آئیں اور اپنے جاں نثاروں کو میزبانی کا شرف عطا فرمائیں۔

یہ وہ عظیم بیعت ہے جس سے اسلام اور اہلِ اسلام کی بے بسی کا پریشان کن دور اختتام پذیر ہونے کے ساتھ

1۔مسند احمد۔رقم الحدیث:14456

2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:446/1

ایک روشن صبح کا بھی آغاز ہو گیا، یعنی ایک بابرکت انقلاب کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے مسلمانوں کو ایک ایسا پُر سکون ماحول اور سرزمین میسر آ گئی جس کو بنیاد بنا کر تبلیغ کے راستے میں پیش آنے والی کسی بھی مشکل کے متعلق بہتر منصوبہ بندی کی جاسکتی تھی۔ مبارک بیعت کے اِس عمل نے خوش قسمت اہلِ یثرب کے مقدّر اور مستقبل کو تاب ناک کر دیا۔

یثرب کے یہ جلیل القدر فرزند صرف دینِ الٰہی کے نفاذ اور اللہ کی رضا کے لیے ہر طرف سے آنے والے حملہ آور دشمنوں کے مقابلے میں اپنے جانی و مالی نقصان کی پروا کیے بغیر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے۔ اِس شان دار کارکردگی کے انعام میں اللہ نے انھیں لازوال ابدی نعمتوں اور رفعتوں سے نواز دیا۔

مدینہ کے اُن اوّلین جاں نثاروں پر لاکھوں رحمتیں ہوں
جنھوں نے عقبہ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام پر مر مٹنے کا عہد کیا تھا۔
تاریخ گواہ ہے کہ ہر معرکۂ حق و باطل میں
مدینہ کے اُن پیکرانِ صدق وصفا نے حرف بہ حرف اپنے عہد کو پورا کیا
اور اپنے وعدے کی پاس داری میں اپنی جان، مال اور اولاد،
سب کچھ نچھاور کرتے رہے اور اسلام کے پرچم کو کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیا۔
کروڑوں درود و سلام ہادیِ برحق، محسنِ انسانیت ورحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
جنھوں نے اپنی دل آویزیوں، جمال آرائیوں اور غریب نوازیوں سے
جس مبارک انقلاب کا آغاز فرمایا تھا،
بالآخر اُسے معراجِ کمال تک پہنچانے میں کامیاب وکامران رہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ہجرت کا آغاز

بیعت کے تمام مراحل بہ سلامت طے ہو گئے تو یثرب کے اہلِ ایمان بڑی بے چینی کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنی جانب آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اُدھر مکّہ میں تکمیل بیعت کے بعد جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یثرب کے حالات ہر طرح سے اطمینان بخش اور سازگار نظر آئے، کہ وہ ایک ایسا شہر ہے جہاں سے اسلام کی روشنی آفاقِ عالم میں پھیلنے والی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ:

یثرب میں کسی قدر طاقت وقوت حاصل ہونے کے بعد یہ شاہراہ
ہمارے اور ہمارے دین کے لیے امن اور سلامتی کا راستہ بن گئی ہے۔
اب تم لوگ اپنے اُس نئے وطن یثرب کی طرف ہجرت کر جاؤ،

کیوں کہ تمھارے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی شانِ کریمی سے
وہاں کچھ ایسے بھائی بنادیئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار، توحید کے علم بردار
اور اللہ کے رسول ﷺ کے سچے جاں نثار ہیں۔
تمھارے وہ بھائی تم لوگوں کو اپنے ہاں خوش آمدید کہنے، تمھاری نصرت
اور اعانت کرنے اور گھر بار مہیا کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔(1)

ہجرت کے متعلّق فرمانِ نبوی ﷺ جاری ہوتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اُنھوں نے اپنے آپ کو ہجرت کے لیے تیار کرنا شروع کردیا، چناں چہ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم اکیلے، کئی دو دو تین تین کی ٹولیوں میں اور کئی اہلِ ایمان بال بچوں سمیت مکّہ معظّمہ سے نکلنا شروع ہوگئے۔ سب سے پہلے حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن ربیع اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ کے ساتھ نکلے، پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی، اِس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اپنی اہلیہ بی بی جی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یثرب پہنچ گئے۔(2)

مسلمانوں نے مکّہ سے یثرب کی طرف اتنی تیزی کے ساتھ ہجرت کی کہ چند ہی دنوں میں مکّہ کے کئی بھرے پُرے گھر اور محلّے سنسان نظر آنے لگے۔ جاں نثارانِ اسلام دولتِ ایمان کے ساتھ جب اس نئے شہر پہنچ گئے تو انھیں اپنے مادرِ وطن، عزیز و اقارب یا مال و دولت چھوڑنے کا کوئی غم نہ تھا، بلکہ وہ اِس بات سے بہت خوش تھے کہ اُن کی اُمیدوں کا مرکز بن جانے والے شہر یثرب میں، جہاں اُن کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا تھا، اب وہاں وہ بڑی آزادی کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرسکیں گے۔

مکّہ میں اب گنتی کے مسلمان رہ گئے تھے جن میں کچھ بیمار اور ضعیف مرد، عورتیں اور بچے تھے جو اتنے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ نمایاں اور قد آور شخصیات میں صرف دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایسے رفیق تھے جو اب تک رسُول اکرم ﷺ کے پاس مکّہ میں موجود تھے، کیوں کہ حکم کے پابند اِن معزز حضرات کو حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے ابھی ہجرت کی اجازت نہیں ملی تھی۔(3)

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم نے رسالت مآب ﷺ کی خدمتِ اقدس میں یہ درخواست پیش کی کہ مجھے ہجرت کی اجازت عطا فرمائی جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ!

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 215/2
2۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔رقم الحدیث: 3924
3۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 175/1

اِس معاملے میں جلدی نہ کرو اور ابھی انتظار کرو!

شاید اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے لیے کوئی رفیقِ سفر بنا دے۔

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! میں ہجرت کے معاملے میں حکمِ الٰہی کا منتظر ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں!

کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس کی اُمید ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہاں! مجھے اِس کی توقع ہے۔(1)

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اِس انتظار میں رہنے لگے کہ شاید رفیقِ مقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی مصاحبت میں ہجرت کے سفر کا شرف حاصل ہو جائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس لیے روک لیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مکّہ میں ٹھہر کر لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت و امانت پر دوست دشمن سب کو اعتماد اور بھروسا تھا۔

اب، جب کہ مکّہ مسلمانوں سے تقریباً خالی ہو چکا تھا اور اِن حالات میں دشمنوں کی طرف سے کوئی بھی قدم اُٹھایا جا سکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں رفیق پہاڑوں کی طرح مضبوط ارادوں اور بے خوف وخطر ہو کر دشمنوں کے درمیان پوری ثابت قدمی کے ساتھ ابھی تک یہیں مقیم تھے۔ دراصل یہ نبوت کے فرائض میں شامل تھا کہ اس قدر خطرناک حالات کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہجرت کرنے کی اجازت آنے تک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارُالہجرت کی طرف اپنے سفر کا آغاز نہیں فرمائیں گے اور ہجرت کرنے کی اجازت کا وقت بھی اللہ ذُوالجلال والاکرام نے ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہر نہیں فرمایا تھا۔

قریش کی پریشانی

مکّہ کے تقریباً ہر گھرانے سے تعلّق رکھنے والے کتنے ہی افراد اپنے گھر بار، جائیداد اور رشتے ناتے توڑ کر مسلسل ہجرت کرتے جا رہے تھے۔ شہر میں کئی مکان، گلیاں اور محلے ویرانی کا منظر پیش کرنے لگے تھے۔ اکابرینِ قریش، ہجرت کرنے والوں کے جذبے کو دیکھ کر حیران تھے۔ اب اُن کو یہ پریشانی بھی لاحق ہو چلی تھی کہ تیرہ سال تک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ہر طرح کے پُرتشدد اور منفی حربے آزمانے کے باوجود انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اِس تمام عرصے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے

1۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔رقم الحدیث:3905

ہر قسم کی ایذا رسانی، مشکلات اور دباؤ کے باوجود بڑے صبر و تحمل اور استقلال کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا تھا۔

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم قیادت میں تبلیغ اسلام کے پہلے تیرہ سال میں پُرعزم اور جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک ایسی جماعت تیار ہو کر منظم ہوگئی تھی جو اپنے جلیل القدر قائد اور عظیم المرتبت راہنما کے ایک حکم پر اپنے خوب صورت گھر، منظم کاروبار، قیمتی جائیداد اور بے پناہ محبت کرنے والے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے تھے اور اب تو مکّہ سے باہر کے دو باہمت اور جنگ میں آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے قبیلوں اوس اور خزرج نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی حمایت میں کمر کس لی تھی اور وہ مخالفینِ اسلام کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ پورے جذبۂ جاں نثاری اور سرفروشی کے ساتھ وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاون و مددگار اور طرف دار بن کر رہیں گے اور حالات چاہے کچھ بھی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔

اکابرینِ قریش اِس خطرناک اور انتہائی پیچیدہ صورتِ حال سے بڑے پریشان تھے، کیوں کہ یثرب کا جغرافیائی محلِ وقوع تجارتی لحاظ سے نہایت اہم مقام پر واقع تھا جہاں سے مسلمان فوجی کارروائی کر کے قریش کی مکّہ اور شام کے درمیان سالانہ لاکھوں دینار کی تجارت میں کسی وقت بھی رکاوٹ ڈال سکتے تھے۔ دانش ورانِ قریش اِس بات سے بھی پریشان تھے کہ کمال درجے کی قائدانہ صلاحیتوں کے مالک پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی یثرب کی طرف ہجرت فرما جائیں گے جہاں وہ ہر طرح کی قوت جمع کر کے ہمارے خلاف ایک طاقت ور فوج بنا سکتے ہیں۔

مسلمانوں کو یثرب جیسے خصوصی اہمیت کے حامل مرکز کا مِل جانا اور اِس مضبوط مرکز سے اسلامی تحریک کو آگے بڑھانا اب آسان ہوگا۔ وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ اگر کبھی مسلمان یثرب کے دونوں قبیلوں سے مل کر مکّہ پر حملہ آور ہو گئے تو وہ ہم سے اُس ظلم و ستم کا گن گن کر بدلہ لیں گے جو ہم نے اُن لوگوں پر روا رکھے تھے۔

قریش اِس بات سے بھی خوف زدہ تھے کہ اُن کا صدیوں سے چلا آنے والا اپنے آباؤ اجداد کا مذہب، سارے عرب میں قریش کا وقار، عظمت اور قائدانہ سیاسی حیثیت اور بین الاقوامی تجارت، یہ سب کچھ ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اِس طرح کے اندیشوں کے متعلّق سوچ سوچ کر اُن کی روحیں تک لرزنے لگی تھیں۔

دارالندوہ میں اہم اجلاس

تمام تر رکاوٹوں کے باوجود فرزندانِ اسلام کا اپنے آبائی وطن مکّہ سے ہجرت کرنے کا عمل مسلسل جاری تھا۔ شہر کے ان بدلتے حالات کو دیکھ کر سردارانِ قریش بڑے فکر مند تھے، چناں چہ اُنھوں نے مستقبل میں پیش آنے والے خطروں سے نمٹنے کے لیے دارالندوہ کی پختہ عمارت میں اپنی مجلس مشاورت کا اہم ترین اجلاس ایک خوف ناک فیصلہ کرنے کے لیے طلب کر لیا۔ اِس نمائندہ اجتماع میں اکابرینِ قریش کے علاوہ دیگر قبائل کے بزرگ اور تجربہ کار افراد کو بھی بلایا گیا تھا۔ اجلاس میں اِس بات پر غور شروع ہوا کہ اگلا قدم کیا اُٹھایا جائے کہ یثرب مسلمانوں

کی طاقت کا مرکز نہ بن سکے۔

ایک سردار نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ کے دو طاقت ور قبائل کے ساتھ تا زیست ساتھ نبھانے کا جو معاہدہ کیا ہے اُس کی تفصیل آپ لوگوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ خدا کی قسم! ان کا حلقۂ اثر روز بہ روز وسیع ہوتا جارہا ہے اور آئندہ آنے والے وقت میں وہ اہلِ یثرب کی تائید واعانت سے ایک زبردست قوت بن سکتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے تمام جاں فشاں ساتھیوں، فدا کاروں اور عقیدت مندوں کے ساتھ مل کر مکّہ پر حملہ کا منصوبہ بھی ضرور بنائیں گے۔

یہ معاملہ روز بہ روز انتہائی خطرناک اور سنگین صورتِ حال اختیار کرتا جارہا ہے۔ یقینی طور پر اب اِس شہر کے تحفظ، اپنے آباؤ اجداد کے مذہب، اپنے معبودوں کے وقار اور اپنے بچوں کا مستقبل محفوظ بنانے اور اس پیش آئندہ خطرے کا حتمی سدِّ باب اور تدارک کرنے کے لیے ایک فیصلہ کن وار کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ اجلاس ہم نے اِس لیے بلایا ہے کہ یہ ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا اَب اِسے ہر قیمت پر حل ہونا چاہیے۔ آپ لوگ اپنی اپنی تجاویز اور رائے سے اِس اجلاس کو آگاہ کریں۔

سب سے پہلے ابوالاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ:

ہم جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گھر سے نکال کر زبردستی شہر بدر کر دیں۔
جب وہ مکّہ چھوڑ جائیں گے تو پھر ہمیں ان کے اس نئے دین سے نجات مل جائے گی اور شہر کا سکون بحال ہو جائے گا۔

اجلاس میں موجود سب لوگوں نے اس تجویز کو نامنظور کرتے ہوئے کہا کہ:

یہ مسئلے کا صحیح حل نہیں ہے۔ ان کو جلا وطن کرنے سے ہمارے شہر میں امن نہیں آئے گا، بلکہ ہماری مشکلات مزید بڑھ جائیں گی۔ تم لوگ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دل کش اور جاذبِ نظر شخصیت، ان کے لہجے کی حلاوت اور پُر تاثیر کلام سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان کا اندازِ بیان سحر انگیز ہے اور وہ اپنی دل آویز باتوں کی مٹھاس سے لوگوں کے دل جیت لیتے ہیں۔ وہ اگر کسی سے ایک بار بھی بات کر لیں تو اپنے عمدہ دلائل اور منطق کے ساتھ لوگوں کی عقلوں پر چھا جاتے ہیں اور انھیں اپنا بنا لیتے ہیں۔

اس طرح جب وہ بہت سے لوگوں اور قبائل کو اپنا تابع فرمان بنا کر ایک عظیم اور طاقت ور قائد کی حیثیت سے وطن واپس آئیں گے تو سب سے پہلے اس مقدس شہر کے اقتدارِ اعلیٰ پر قبضہ کر کے ہماری سرداریوں کو ختم کریں گے، پھر وہ ہم سے جو چاہے سلوک کریں گے اِس لیے آپ لوگ اِس تجویز کو بھول جائیں اور کوئی ایسی رائے پیش کریں جو لائقِ عمل ہو۔

ابوالبختری نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:

کسی تاریک مکان میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو محبوس کر دیں اور مکان کا دروازہ بند کر کے باہر سخت پہرہ لگا دیں اور پھر ہم سب صبر کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آخری وقت کا انتظار کریں۔ جس طرح اس سے پہلے عرب کے دو ممتاز اور مشہور و معروف شاعروں ظہیر اور نابغہ کے ساتھ اُن کی قوم نے کیا تھا کہ وہ دونوں قید میں سسک سسک کر مر گئے تھے۔

ابوالبختری کی اِس تجویز کو سب نے بڑی شدّت سے رد کر دیا اور کہنے لگے کہ:

اگر اِس منصوبے پر عمل کیا گیا تو یاد رکھنا جو لوگ پہرہ دینے پر متعین کیے جائیں گے، وہ جلد ہی جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جادو بیان شخصیت کے زیرِ اثر آ جائیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ خوشبو کو کمرے میں بند کر کے پھیلنے سے روک دیا جائے، وہ ضرور پھیلے گی اور پھر اطراف و اکناف میں موجود ان کے ساتھی اور جاں نثار، ان کی حمایت میں جوابی یلغار کی منصوبہ بندی کریں گے اور جیسے ہی اُن لوگوں کو موقع ملا، وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آزادی کے لیے چمکتی تلواروں اور درازانّی والے نیزوں کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوں گے۔

چناں چہ اِس رائے کو بھی پہلی تجویز کی طرح نامنظور کرتے ہوئے حاضرینِ مجلس سے کہا گیا کہ آپ لوگ کوئی اور حل پیش کریں۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد جب حاضرینِ مجلس پہلے پیش کی گئیں دونوں تجاویز کو مسترد کر چکے تو اسلام کے ازلی دشمن اور وقت کے فرعون ابوجہل کی طرف سے ایک خونی تجویز پیش کی گئی جس کو اجتماع میں شریک تمام لوگوں نے بالاتّفاق منظور کر لیا۔

ابوجہل نے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

اِس وقت صورتِ حال ہمارے حق میں بہترین ہے۔ مسلمانوں کے بہادر، حمزہ رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سمیت کئی جاں نثار ساتھی یہاں سے جا چکے ہیں۔ مکّہ میں صرف (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ اور (حضرت) علی رضی اللہ عنہ رہ گئے ہیں۔ اگر ہم اس وقت ان لوگوں پر حملہ آور ہو جائیں تو ہماری عددی اکثریت کی وجہ سے یہ دو افراد موثر انداز میں محافظت کا فریضہ سرانجام نہ دے سکیں گے۔ ابوجہل نے اپنی رائے کے حق میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے مزید کہا:

میرے پاس ایک بہترین تجویز ہے اور موقع محل کی مناسبت سے اس مسئلے کا یہ سب سے بہتر حل ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ لوگ مکّہ کے ہر سرکردہ خاندان اور قبیلے سے ایک ایک بہادر، باہمت اور مضبوط نوجوان کا انتخاب کریں۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک تیز دھار تلوار ہو اور یہ سب بہادر رات کی تاریکی میں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ کے گھر کو گھیرے میں لے لیں۔ چاق و چوبند نوجوانوں پر مشتمل یہ مسلح دستہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انتظار میں دروازے کے قریب تیار کھڑا رہے۔ صبح سویرے (جناب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسے ہی بیت اللہ شریف میں نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے گھر سے نکلیں تو گھات میں بیٹھے ہوئے نوجوان اچانک اور ایک ساتھ حملہ آور ہو کر ان کو شہید کر دیں (نعوذ باللہ)۔

چوں کہ جب اتنی زیادہ تعداد میں ہمارے بہادر اکٹھے دھاوا بولیں گے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ وہ کس جواں مرد کی تلوار کے وار سے شہید ہوئے ہیں۔ اِس طریقے سے قتل کا الزام کسی فردِ واحد پر نہ لگایا جا سکے گا، بلکہ اِس جرم کی ذمے داری ایک سے زیادہ خاندانوں اور قبیلوں پر عائد ہوگی۔ ایسی صورت میں بنو ہاشم میں اتنی سکت نہیں ہوگی کہ وہ مکّہ کے طاقت ور گھرانوں کے خلاف اکیلے جنگ کر کے اِس قتل کا انتقام لے سکیں، اِس لیے مجبوراً وہ قصاص کی بجائے خون بہا قبول کرلیں گے جسے ہم سب مل کر بڑی آسانی کے ساتھ ادا کر دیں گے۔(1)

شر پسند اور فتنہ پرور ذہن کے مالک ابوجہل کی اِس ظالمانہ، سفاکانہ اور مکروہ تجویز پر جماعتِ قریش نے اس کی فہم وفراست کی تعریف کی اور اِس یقین کا اظہار کیا کہ اِس شیطانی منصوبے پر عمل کر کے ہمیں اِن پریشانیوں سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی، چناں چہ شمعِ رسالت کو بجھانے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس خون سے ہاتھ رنگنے (نعوذ باللہ) کا مصمم ارادہ کر لینے کے بعد جماعتِ قریش نے فوری طور پر اُن نوجوانوں کا انتخاب بھی کرلیا جنھوں نے اِس خوف ناک عمل کو رات کے وقت پایۂ تکمیل کو پہنچانا تھا۔

اِس ساری کارروائی کے لیے رازداری کا بہت زیادہ اہتمام کیا گیا تا کہ یہ اہم ترین خبر اِس مجلس سے باہر کسی غیر متعلّقہ شخص تک نہ پہنچ سکے۔ مشرکینِ مکّہ ابوجہل کی اِس تجویز پر بڑے مطمئن تھے کہ ہماری اس ہنگامہ خیز کارروائی کے بعد اُبھرتی ہوئی اسلامی تحریک ختم ہوجائے گی، مکّہ سے یثرب چلے جانے والے مسلمانوں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور مزید مزاحمت کرنے کی بجائے وہ لوگ مایوس ہو کر جلد واپس آجائیں گے جس سے مکّہ کی رونقیں بحال ہوجائیں گی اور ہمارا یہ مقدس شہر دوبارہ امن کا گہوارہ بن جائے گا۔

سرکارِ دو عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت

ادھر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اِس مجرمانہ تجویز کو نہایت مناسب قرار دے کر دارالندوہ میں باہم مشورہ کرنے کے بعد اتفاق رائے سے پاس کرلیا گیا تو عین اُس وقت جبرئیل علیہ السلام بھی اللہ ذُوالجلال والاکرام کے پیغام کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکینِ مکّہ کے خون ریز ارادوں سے باخبر فرمادیا اور ساتھ ہی یہ فرمان بھی پہنچا دیا گیا کہ:

اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آبائی وطن مکّہ سے ہجرت کرنے کی اجازت ہے،
بلکہ ہجرت کا وقت بھی مقرر فرما دیا اور وہ یہ کہ آج رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں
اُس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ استراحت فرماتے ہیں۔(2)

اِس واقعے کا سورۃ انفال میں یوں ذکر فرمایا گیا ہے:

(اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !) وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب کافر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ دلائل النبوۃ ابی نعیم الاصبہانی:1/200۔ الروض الانف:4/125

2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام:1/482

کے بارے بڑی بڑی تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قید کردیں یا شہید کردیں یا شہر بدر کردیں۔ کافرلوگ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر فرمارہا تھا اور اللہ ہی سب سے بہتر اور مضبوط منصوبہ بندی کرنے والا ہے۔(1)

اس وقت، جب کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کرکے یثرب جاچکے تھے، کفارِ مکّہ کے لیے یہ مسئلہ پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا کہ کیا پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ہجرت کریں گے یا مکّہ ہی میں قیام پذیر رہیں گے، کیوں کہ اِس سے پہلے حبشہ کی طرف بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت نہیں فرمائی تھی لیکن اب صورتِ حال مختلف تھی، کیوں کہ جبرئیل امین علیہ السلام اللہ ذُوالجلال والاکرام کی طرف سے ہجرت کا فرمان لے آئے تھے، لہٰذا اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ چھوڑنے کا عزم فرمالیا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بیان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

ایک دن ابّا جان (ابوبکر رضی اللہ عنہ)، میں اور میری بڑی بہن اسماء گھر پر ایک ساتھ موجود تھے کہ عین دوپہر کے وقت، جب باہر سخت گرمی تھی، ایک شخص نے آکر ابا جان کو اطلاع دی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر مبارک ڈھانپے اور چہرۂ مبارک پر کپڑا لپیٹے تشریف لارہے ہیں۔ سرورِعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر ہمارے ہاں صبح یا شام کے وقت تشریف لایا کرتے تھے مگر اُس دن خلافِ توقع تپتی دوپہر اور چلچلاتی دھوپ میں تشریف لائے جو عموماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا معمول نہیں تھا۔

یہ سن کر بابا جان کہنے لگے:

آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دوپہر کے وقت تشریف لائے ہیں،

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان!

ضرور کوئی اہم بات یا کوئی کٹھن معاملہ پیش آگیا ہے۔

سرورِعالم رسُولِ اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے دستور کے مطابق دروازے پر دستک دی اور اجازت کے ساتھ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے اندر تشریف لے آئے تو بابا جان سے رازدارانہ لہجے کے ساتھ فرمایا کہ:

آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے۔

یہاں پر اگر کوئی غیر متعلقہ شخص ہے

تو تھوڑی دیر کے لیے اُسے یہاں سے ہٹادیں۔

بابا جان نے عرض کیا:

1۔ الانفال 30:8

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے افراد کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بابا جان کو اپنے ہجرت کے ارادے سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابو بکر رضی اللہ عنہ!

اللہ ذُوالجلال والاکرام نے مجھے اپنے آبائی وطن مکّہ کو الوداع کہنے

اور یثرب کی جانب ہجرت کی اجازت عطا فرمادی ہے۔

بابا جان نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان!

کیا اِس جاں نثار کو بھی رفاقتِ سفر کا شرف حاصل ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بابا جان کو اپنا رفیقِ سفر ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ہاں ابو بکر رضی اللہ عنہ! ہجرت کے اِس سفر میں آپ میرے ساتھ ہوں گے۔(1)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بابا جان کو ہجرت کے اِس مبارک سفر میں اپنی رفاقت کی خوش خبری سے نوازا تو یہ لازوال سعادت نصیب ہونے پر بابا جان فرطِ انبساط سے رو پڑے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اُس دن سے قبل مجھے یہ شعور نہیں تھا کہ کوئی شخص مسرت انگیز لمحات میں خوشی سے رو بھی سکتا ہے۔

اُس دن جب میں نے یہ دیکھا کہ رفاقت کا قابلِ فخر اعزاز حاصل ہونے کی خبر پر والدِ گرامی قدر کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو آ گئے ہیں تو میرے لیے وہ منظر بڑی حیرانی کا باعث بنا تھا۔(2)

شاعرِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت کی نیک بختی مبارک ہو

اور اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو سعادت بخشے وہی سعید ہوتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اِس عظیم سفر کے لیے پہلے سے ہی دو سبک رفتار اونٹنیاں خرید چکے تھے جن کو چار مہینے سے ببول کے پتے کھلائے جا رہے تھے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم عامر بن فہیرہ کے ذریعہ صحرائی راستوں کے ماہر عبداللہ بن اریقط کو بلوایا۔ یہ تجربہ کار شخص معروف راستوں کے علاوہ دور دراز کے کٹھن

1۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔رقم الحدیث:3905

2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:485/1

اور ناواقف راستوں کی مشکلات اور اُن کے خطرات سے بھی بہت اچھی طرح آگاہ اور باخبر تھا۔

عبداللہ بن اریقط وہی شخص ہے جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفرِ طائف سے واپسی پر مکّہ کے سرداروں کے پاس حق جوار حاصل کرنے کا پیغام دے کر بھیجا تھا، حالانکہ عبداللہ بن اریقط ابھی تک اپنے آباءواجداد کے دین بت پرستی پر قائم تھا لیکن اِس کے باوجود وہ رازوں کی حفاظت کرنے والا ایک انتہائی دیانت دار اور بااعتماد شخص تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس سے غیر معروف راستوں سے ہجرت کا سفر طے کرنے میں راہنمائی حاصل کرنے کے لیے مالی معاملات طے کیے اور پھر دونوں اُونٹنیاں اُس کی سپرد داری میں دے دیں اور اُسے تاکید فرمائی کہ عامر جس وقت اور جس جگہ تمھیں کہے، تم اُونٹنیاں لے کر خاموشی سے وہاں پہنچ جانا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانۂ اقدس سے نکل کر پہلی منزل پر غارِ ثور میں قیام فرمائیں گے، لہٰذا آپ نے اپنے خادم عامر کے ذمّے یہ کام لگایا کہ وہ غارِ ثور میں دودھ پہنچایا کرے گا اور اس کے لیے یہ طریقہ اختیار کرے کہ علی الصباح اور شام کے وقت بکریوں کو چراتے ہوئے غار کے قریب لے آیا کرے۔ اپنے فرزندِ ارجمند عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ غار کے قیام کے دوران وہ مکّہ کے حالات سے باخبر رکھنے اور کھانا پہنچانے کی ذمّے داری کو پورا کرے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے اِس سفر میں جس طرح اس کے ایک ایک پہلو کو مدّنظر رکھ کر انتظامات فرمائے، یہ آپ رضی اللہ عنہ کی دوراندیشی، معاملہ فہمی، رازداری، جاں نثاری اور بہترین انتظامی صلاحیتوں کا شان دار ثبوت ہے۔

اپنے ہجرت کے ارادے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگاہ فرمانے کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاشانۂ مبارک پر واپس تشریف لے آئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

اے علی رضی اللہ عنہ!
ہمیں اللہ ذُوالجلال والاکرام کی طرف سے
مکّہ مکرمہ چھوڑنے اور یثرب کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی ہے
اور ہماری روانگی آج ہی رات ہے۔
کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں۔
وہ تمام امانتیں اُن کے مالکوں کے سپرد کر کے
تم خود بھی میرے پاس یثرب آ جانا۔(1)

یہ تھا طرزِ عمل اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، اپنے اُن خون کے پیاسے، سفاک اور سنگ

1، ایضاً: 86-485۔ المختصر الکبیر فی سیرۃ الرسول: 48/1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 229/2

دل دشمنوں کے متعلّق جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کرنے کے لیے خانۂ مبارک کا محاصرہ کر چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کی امانتیں اُن کو بہتر طریقے سے واپس کرنے کا انتظام فرما رہے تھے جو اُن مشرکین نے خود درخواست کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس رکھوائی تھیں۔

کاشانۂ نبوّت کا گھیراؤ

جب رات کا وقت آیا اور تاریکی ہر طرف پھیل گئی تو اُس وقت دارالندوہ میں طے کی گئی قرارداد کے مطابق مشرکین کے مسلح نوجوان اپنے ناپاک ارادے سے کاشانۂ نبوّت کا گھیراؤ کر کے ایک خون ریز کارروائی کے لیے بالکل تیار ہو چکے تھے۔ ہر کسی کا بھلا چاہنے والی وہ معزز شخصیت، جن کا سارے مکّہ میں اُن کے اعلیٰ کردار کی وجہ سے انتہائی احترام کیا جاتا تھا، جن کی صداقت اور دیانت پر دوست و دشمن سب کو بھروسا تھا، جن کی ثالثی کو یہ مخالفین بھی خوشی سے تسلیم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام فیصلوں کو دل و جان سے قبول کرتے تھے، آج اسی مجسّمِ اخلاق شخصیت کو اِن احسان فراموشوں نے شہید کرنے کی گھناؤنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان رکھی تھی۔

چمکتی تلواروں کے ساتھ قریش کے نوجوانوں نے دارالندوہ کی قرارداد کے مطابق اور طے شدہ حکمت عملی کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک گھر کو چاروں طرف سے محاصرے میں لیا ہوا تھا اور اُس لمحے کے انتظار میں تھے جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایک ساتھ حملہ آور ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شمعِ حیات بجھا دیں (خاکم بدہن)۔

اب رات کا آخری پہر شروع ہو چکا تھا۔ شہر کی گلیاں سنسان اور فضا میں گہری خاموشی تھی۔ کاشانۂ نبوّت کو گھیرنے والے بدبخت اپنی منحوس سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے زہر میں بجھی ہوئی تلواریں لیے انتظار میں کھڑے تھے۔ منصوبہ بندی کرنے والے بدبختوں کو یقین تھا کہ آج اِس روئے زمین پر اُس عظیم شخصیت کی آخری رات ہو گی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کے تمام ارادوں اور معاملات پر غالب اور قادر ہے۔

قریشِ مکّہ کے مقدر میں رُسوائی لکھی جا چکی تھی، چناں چہ انتہائی تیاری کے باوجود انھیں اپنے منصوبوں میں زبردست ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی حفاظت میں نصف شب کے قریب کافروں کا محاصرہ توڑتے ہوئے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے گھر مبارک سے باہر تشریف لائے اور گھات میں بیٹھے تشنگانِ خونِ نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے صحیح سلامت اُن کے درمیان سے گزرتے چلے گئے۔ محاصرہ کرنے والے کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بالکل نہ دیکھ سکے، کیوں کہ اللہ ربّ العزت نے اُن کی آنکھوں کے آگے پردہ ڈال دیا تھا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت فرما رہے تھے:

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴﴾ ...... اِنَّا

جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (1)

قسم ہے حکمت والے قرآن کی! (اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیغمبروں کی جماعت میں سے ہیں اور یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سیدھے راستے پر ہیں............ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار اُن کے پیچھے کھڑی کر دی۔ پس ہم نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔

جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچ گئے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیقِ سفر بننے کے لیے پہلے سے ہی سراپا انتظار تھے۔ پھر دونوں رفیق جلد ہی گھر کے عقب میں چھوٹے دروازے سے باہر نکل کر اپنی منزل غارِ ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات کا وقت، ہر طرف ہُو کا عالم اور گہرے اندھیرے کی وجہ سے مکّہ کی گلیوں میں خاموشی اور سکوت چھایا ہوا تھا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دشمنوں کی نگاہوں سے بچتے ہوئے تیز تیز چل رہے تھے اور اِس کوشش میں تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے، شہر سے باہر نکل جائیں۔ صبر و استقامت کے پیکر اور بلند ہمت کے مالک ہمارے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حزورہ کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے محبوب وطن، مقدس شہر اور اپنی یادوں کی امین سرزمین پر محبت بھری الوداعی نظر ڈالی، پھر بیت اللہ شریف کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور دل گیر حالت و افسردہ لہجے کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں یہ کلمات ادا فرمائے:

اے مکّہ شہر!
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم! اللہ تعالیٰ کی تمام زمین میں سے تُو سب سے افضل ہے
اور مجھے بھی سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔
تیری بے پایاں محبت میرے دل کی گہرائیوں میں موجود ہے۔
اے مکّہ شہر!
میں تیری شاداب فضاؤں کو چھوڑ کر کبھی نہ جاتا مگر تیرے یہ فرزند مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ (2)

مادرِ وطن سے دُوری کے غم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں دُکھ کی کیفیت پیدا کر دی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اپنے اِس محبوب شہر سے دُوری کے خیال سے اشک بار ہو گئیں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ترپن سال گزرے تھے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اور پرورش ہوئی، بچپن اور لڑکپن کا زمانہ گزرا، جوانی اور تجارت کی یادیں کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امانت، دیانت اور سچائی کی وجہ سے اپنوں اور بیگانوں میں صادق اور امین

1۔ سورۂ یٰسین 36:9-1 2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 485/1۔ جامع ترمذی۔ ابواب المناقب۔ رقم الحدیث: 3925

کے لقب سے یاد کیا جانا۔ یہی شہر ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ ظرفی، دردمندی اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دل عزیز ہوئے۔ اسی شہر سے باوقار اور وفا شعار بی بی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی اور اُن کے ساتھ رفاقت کی خوب صورت یادیں وابستہ تھیں۔ یہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے نبوّت کی بشارت کا ملنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف بلانے کی دعوت دینا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظالم سماج کے سامنے کلمۃ الحق کا بلند فرمانا۔

یہ ساری یادیں اِسی شہر مکّہ سے وابستہ تھیں۔ یہ مقدس شہر، جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِامجد ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے آباد کیا تھا، آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اِس مادرِوطن، محبوب اور مقدس شہر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہے تھے، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیاوی نعمتوں کو پسند فرمانے والے ہوتے تو سردارانِ قریش تو سب کچھ ماننے اور دینے کے لیے تیار تھے۔ مال و دولت، حسین عورتوں کے رشتے، سرداری اور بادشاہی کی پیش کش کے ساتھ وہ بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے پسندیدہ دین کے مقابلے میں کسی بھی پیش کش کو قبول نہ فرمایا۔

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سردارانِ قریش کو جواب یہ تھا کہ اب اِس مقدس فرض کی تکمیل کے لیے یا میری جان جائے گی یا میں اِس میں کامیاب ہوں گا۔ (1)

مشرکینِ مکّہ کی طرف سے کسی بھی تجویز کو قبول کرنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشن کے متعلّق جس واضح ترین موقف کا اظہار فرمایا تھا، اُس سے جماعتِ قریش، تجارتی، معاشرتی اور سماجی طبقے، حتیٰ کہ خاندان کے قریبی عزیز بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن بن گئے۔ اِس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے شمار مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا اور اِس تمام عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دن کا بھی آرام یا ایک لمحے کا بھی سکون میسر نہیں آیا تھا۔
اِس ساری اذیت رسانی، دُکھ اور تکلیف پہنچانے کا سبب صرف یہ ایک کلمہ تھا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

چناں چہ مکّہ کو الوداع کہنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبرانہ حسنِ تدبیر کے تحت اور قریش کی توقع کے بالکل خلاف ایک مختلف حکمتِ عملی پر عمل فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین تھا کہ لوگ ہماری تلاش میں سب سے پہلے اُس راستے پر جائیں گے جو یثرب کو جاتا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکینِ مکّہ کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے یثرب جانے والی معروف شاہراہ کے برعکس جنوب کی طرف یمن کو جانے والا راستہ اختیار فرمایا اور چند فرسنگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ ثور پہنچ گئے۔ اِس طرح غارِ حرا کے بعد غارِ ثور کی بھی قسمت جاگ اُٹھی کہ

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 266/1

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنے قدم مبارک سے سرفراز فرمایا۔

یہ غار ایک بلند اور مشکل چڑھائی والے پہاڑ میں واقع ہے۔ غار کے دہانے پر پہنچ کر سیّدنا صدیق اکبر پہلے خود غار کے اندر گئے اور اپنے ہاتھوں سے غار کی صفائی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آرام کی جگہ بنائی۔ جب ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو پھر اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار میں تشریف لائیں۔ اُس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق نے جمعہ، ہفتہ اور اتوار، تین راتیں اسی غار میں گزاریں۔(1)

قریش کی پریشانی

ادھر جب کافی وقت گزر گیا تو کاشانۂ نبوت پر پہرہ دینے والے دشمنانِ خدا کے پاس ایک شخص آیا جو اُن میں سے نہیں تھا۔

اُس نے جماعت قریش سے پوچھا:

تم لوگ یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟

اُنھوں نے بتایا کہ:

ہم یہاں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انتظار میں کھڑے ہیں۔

اُس نے کہا:

خدا کی قسم!

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ناکام و نامراد کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمھارے سامنے تمھارا حصار توڑ کر اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈال کر اپنی منزل کی طرف روانہ بھی ہو چکے ہیں۔

یہ سن کر وہاں موجود دشمن گروہ کے ہر فرد نے جب اپنے سر پر ہاتھ مارا تو مٹی کو پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکّہ سے بہ حفاظت چلے جانے پر سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ سردارانِ قریش کو اپنی تمام تر تدبیروں اور قتل کی منصوبہ بندی میں ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔(2)

اِس شکستِ فاش پر وہ سخت پیچ و تاب کھا رہے تھے اور پھر جب اُن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش و جستجو میں بھی ذلّت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تو وہ انتہائی اشتعال میں آ گئے۔ آخر سردارانِ قریش نے اپنی ناکامی کو کامیابی میں بدلنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس لانے کے لیے سو اُونٹوں کا شاہانہ انعام مقرر کر کے اُس کی منادی بھی کرا دی۔

اپنے اس اعلان پر انھیں یقین تھا کہ پورے عرب میں جس کسی کے پاس بھی اتنے بڑے انعام کی خبر پہنچے گی، وہ ضرور اپنی سب مصروفیات چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں دیوانوں کی طرح نکل پڑے گا، چناں چہ اُن کی

1۔ المواهب اللدنیہ: 174/1 2۔ السیرۃ النبویہ لابن ہشام: 483

توقع کے عین مطابق آناً فاناً انعام کی یہ خبر دور پاس ہر جگہ پھیل گئی جس کے نتیجے میں بہت سے مضبوط و توانا صحرا نشین گھڑسوار اور بھاری معاوضے پر بلائے گئے ماہر کھوجی نہایت سرگرمی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔(1)

ہجرت کے سفر کا یہ سب سے زیادہ نازک اور فیصلہ کن لمحہ تھا جب قریش کی ایک جماعت دو ماہر کھوجیوں کی قیادت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ قدم کا کھوج لگاتے ہوئے غار تک پہنچ گئی۔ معائنہ کرنے کے بعد مکہ کے ماہر ترین کھوجی کرز بن علقمہ خزاعی نے کہا:

میں خود یہاں نہیں آیا، کسی کے (مبارک) قدموں کے نشان مجھے یہاں تک لائے ہیں
لیکن یہاں سے آگے مجھے کوئی سراغ نہیں مل رہا کہ یہاں تک آنے والے
حضرات دائیں جانب گئے ہیں یا بائیں طرف گئے ہیں۔

اسی وقت ان میں سے ایک نے کہا کہ:

غار میں داخل ہو کر بھی دیکھ لیا جائے۔

اللہ رب العزت کی ذات والاصفات قادرِ مطلق ہے جس نے اُن کے دلوں کو پھیر دیا چنانچہ اُن میں سے کسی نے بھی اُس ویران غار کے اندر جانے کا ارادہ نہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلاش میں سرگرداں مشرکین مایوس اور افسردہ چہروں کے ساتھ واپس جانے لگے(2)۔ یہی وہ لمحات تھے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کے خیال سے بے حد پریشان ہو گئے۔ پہلے تو اُنھوں نے اِس نازک ترین صورتِ حال پر صبر و تحمل سے کام لینے کی پوری کوشش کی لیکن جب اپنے اضطراب پر قابو نہ پا سکے تو بے چین ہو کر حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا۔

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
قریش کی ایک جماعت ہمارے تعاقب میں ہمارے سر پر آ پہنچی ہے۔
اگر اُن میں سے کوئی شخص نیچے اپنے پاؤں کی جانب دیکھے تو ہم نظر آ جائیں گے۔

پیکرِ صبر و استقلال سرورِ عالم پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پورے وقار، اطمینان اور یقین کے ساتھ ارشاد فرمایا:

لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ غم نہ کریں! اللہ ہمارے ساتھ ہے اور آپ کا اُن
دو آدمیوں کے متعلّق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے اور وہی قادرِ مطلق ہے۔

1۔صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ رقم الحدیث:3906
2۔مسند احمد۔ رقم الحدیث:3251

یقیناً اُس کی مدد، اعانت اور رحمت ہمارے ساتھ ہے۔(1)

پُرخطر راستے اور منزل کی جانب سفر

اللہ ذُوالجلال والاکرام نے اپنا کرم فرمایا کہ مشرکینِ مکّہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلاش میں کی جانے والی اب تک کی اپنی تمام کوششوں اور مذموم ارادوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ بالآخر مسلسل اور بے فائدہ تگ ودو اور ناکام جست جُو کے بعد ان کے غیظ وغضب اور انتقام کے جذبات بھی اب ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔

یوں تین روز غار میں سلامتی اور حفاظت کے ساتھ گزارنے کے بعد جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باہر کے ماحول کا جائزہ لیا تو حالات تقریباً پُرسکون نظر آئے، چناں چہ مطمئن ہو کر اُنھوں نے اپنی منزل کی جانب سفر کرنے کا عزم فرمایا۔ رات کے آخری حصے میں، جب کہ ہر طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہاڑ سے نیچے اُتر کر وادی میں پہنچ گئے جہاں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ناشتے کا سامان اور زادِ سفر لے کر پہلے ہی اپنے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انتظار میں کھڑی تھیں۔ حسبِ ہدایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خادم عامر بھی معقول معاوضے پر مقرر کردہ صحرائی راستوں کے ماہر عبداللہ بن اریقط کو لے کر حاضرِ خدمت ہو گئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے ناشتہ دان اور سامانِ خورد ونوش اونٹ کے کجاوے کے ساتھ باندھنے لگیں تو یاد آیا کہ وہ تو رسی اپنے ساتھ لے کر نہیں آئیں۔ اِس مسئلے کو حل کرنے کے لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنا کمر کا پٹکا کھولا، اُسے لمبائی کی طرف سے دو حصوں میں چاک کیا۔ ایک حصے سے اُنھوں نے سارا سامان باندھ کر کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور دوسرے حصے کو اپنی کمر کے گرد دوبارہ لپیٹ لیا۔ اُس دن سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو "ذات النطاقین" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔(2)

جب تمام تیاری مکمل ہو گئی تو چار نفوس پر مشتمل اِس مختصر سے کارواں نے چشمِ کرم کی نگہبانی میں منزل کی جانب اپنے اُس بابرکت سفر کا آغاز کیا جس سے اب دنیا کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہونے جا رہی تھی۔ جب عبداللہ بن اریقط اِس مقدس قافلے کو لے کر روانہ ہوا تو اُس نے اہلِ مکّہ کو گمراہ کرنے کے لیے یثرب جانے والی مشہور ومعروف شاہراہ کی بجائے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا، تاکہ مشرکین اِس قافلے سے دور رہیں اور کسی پریشانی کا باعث نہ بن سکیں، حالانکہ اِس شاہراہ پر سفر کرنا انتہائی دشوار تھا۔

عبداللہ بن اُریقط اِن تمام راستوں کا بہت ماہر تھا۔ اُس نے سب سے پہلے جنوب کی جانب یمن کے راستے پر کافی دور تک سفر کیا۔ یہ سخت پتھریلا علاقہ تھا، پھر ایک نشیبی اور غیر معروف راستے کو اختیار کر کے شمال کی جانب سفر کرنے لگا۔ یہاں سے یثرب جانے کے لیے اُس نے سیدھے راستے کی بجائے ساحلی راستے کا انتخاب کیا۔ یہ

1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 478/2۔ صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ رقم الحدیث: 3653

2۔ صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ رقم الحدیث: 3905-3907

نسبتاً ایک الگ تھلگ اور سنسان راستہ تھا جس پر تجارتی قافلوں کی آمد و رفت بالکل نہیں ہوتی تھی۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے بھی اِن غیر معروف راستوں پر سفر فرمانے کا یہ پہلا موقع تھا لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کے لیے اکثر اِن علاقوں سے گزرتے رہتے تھے۔ان وادیوں کے اطراف و اکناف میں مقیم قبائل کے سرکردہ افراد کے ساتھ تجارتی تعلقات کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عام لوگوں سے بھی کافی جان پہچان تھی لیکن اِس سفر میں ان کے ساتھ ایک باوقار، خوب صورت اور روشن چہرہ شخصیت کو دیکھ کر وہ لوگ حیرت اور اشتیاق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت دریافت کرتے کہ:

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ!

آپ کے ساتھ یہ معزز اور محترم صاحب کون ہیں؟

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جواب میں ایسا فقرہ بولتے ،جس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقامِ رسالت کا اظہار بھی ہوتا اور مدینہ کی جانب سفر کے متعلّق رازداری کا اہتمام بھی نظر آتا:

هذا الرجل يهديني السبيل

یہ وہ محترم شخصیت ہیں جو ہمارے راہبر ہیں اور راستہ بتانے میں ہماری راہنمائی فرماتے ہیں۔(1)

سفر کی مشقّت

غارِ ثور سے سلامتی کے ساتھ نکلنے کے بعد اب تک کا سفر تو خیریت سے طے ہو گیا تھا لیکن خطرہ اب بھی ہر آن موجود تھا، کیوں کہ قریش کی طرف سے گرفتاری یا قتل پر ایک بڑے انعام کی خبر عرب کے دور دراز علاقوں تک پھیل چکی تھی۔قبائلی دور میں دیہاتی علاقوں میں بسنے والے لوگ اور اُن کے سردار اپنے اپنے علاقوں کے طاقت ور حکمران ہوتے تھے۔اگر کوئی سردار یا اُس کا کوئی کارندہ اپنے علاقے سے گزرنے والے کسی بھی مسافر یا تاجر کا سامان لوٹ لیتا یا پکڑ کر بٹھا لیتا تو اُس بے چارے مسافر یا تاجر کی کہیں شنوائی نہیں ہوتی تھی ،جب کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو انھی خطرناک قبائل کے علاقوں سے گزرنا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑی اچھی طرح اِس بات سے آگاہ تھے کہ اپنی منزل کی جانب اِس سفر میں غیر معمولی محنت ،مشقّت اور خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا، کیوں کہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے ہر قسم کی مزاحمت کا امکان ہر وقت موجود تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پُرخطر اور مشکلات سے بھرپور سفر کو اس لیے اختیار کیا تھا کہ ہجرت کرنا اللہ ذُوالجلال والاکرام کا حکم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نصرت و اعانت کا پورا یقین اور کامل بھروسا تھا۔

اِس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام ممکنہ احتیاطی تدابیر کو بھی ملحوظِ خاطر رکھے ہوئے تھے، اس لیے کہ اللہ ذُوالجلال والاکرام کا فرمان ہے۔

1۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔رقم الحدیث:3911۔مسند احمد۔رقم الحدیث:13205

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (1)

اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے احتیاط کے اِس پیغام پر عمل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلی پوری رات اور اگلے دن کے زیادہ تر حصے میں مسلسل سفر کرتے رہے اور یہ بابرکت اور مقدس قافلہ ویران ریگستانوں، دشوار گزار پہاڑی راستوں اور سنگلاخ وادیوں سے گزرتا ہوا منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ اگلے دن جب دھوپ کی شدّت بڑھ گئی، تپتے صحرا میں گرم لُو چلنے لگی اور سُورج جیسے آگ برسانے لگا تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ایسی چٹان نظر آئی جس کا سایہ ابھی کافی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ آرام کرنے کے لیے یہ مناسب جگہ تھی، اِس لیے تھوڑا آرام کرنے کے لیے اس مقدس کارواں میں شامل تمام افراد وہاں رک گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ساتھیوں نے اپنے ہاتھوں سے اِس سائے میں تھوڑی سی جگہ صاف اور ہموار کر کے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استراحت فرمانے کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور عرض کیا کہ

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھوڑی دیر کے لیے نیند پوری فرمالیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم استراحت فرمانے لگے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ساتھی جاگ کر پہرہ دیتے رہے۔ اِسی اثناء میں اُنھوں نے ایک گڈریے کو دیکھا جو اپنی بکریوں کے ریوڑ کو لے کر اِسی چٹان کے سائے کی جانب آرہا تھا۔

قریب آنے پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس سے پوچھا:

اے نوجوان!

تم کون ہو اور یہ ریوڑ کس کا ہے؟

اُس نے اپنے مالک کا نام بتایا جسے آپ پہلے سے جانتے تھے۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُس لڑکے سے پوچھا:

کیا تمھاری بکریوں میں کوئی دودھ دینے والی بکری بھی ہے

اور کیا تمھیں اپنے مالک کی طرف سے مسافروں کو دودھ پلانے کی اجازت ہے؟

اور اگر ایسا ہے تو اپنے ہاتھ دھو کر تھوڑا سا دودھ نکال دو۔

لڑکے نے اثبات میں جواب دیا۔

جب وہ دودھ لے کر آیا تو اُس وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابھی آرام فرما رہے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

1۔ البقرۃ 2:195

بیدار ہوئے تو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہ صد احترام تازہ دودھ میں تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پینے کے بعد دریافت فرمایا:

ابوبکر!

کیا روانگی کا وقت ہو گیا ہے؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

جی ہاں، یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب ہم اگلے سفر کے لیے تیار ہیں۔(1)

چناں چہ سورج ڈھلنے کے بعد دونوں رفیق اپنے ساتھیوں سمیت اللہ کی حفاظت میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

سراقہ بن مالک اور کسریٰ کے کنگن

سردارانِ قریش نے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفیقِ کار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قتل یا گرفتاری پر سو سرخ اونٹوں کے جس شاہانہ انعام کا اعلان کیا تھا، اُس کی خبر عرب کے دیہاتی قبائل تک بھی پہنچ چکی تھی۔ قبیلہ بنی مدلج سے تعلّق رکھنے والے ایک جفاکش اور بہادر سردار سراقہ بن مالک کو بھی اتنے بڑے انعام کے اعلان کا علم ہو چکا تھا۔ سراقہ ایک ماہر تیر انداز، بے حد طاقت ور، توانا اور عرب کا مانا ہوا شہسوار تھا۔ اُس نے اس واقعہ کو جس انداز سے بیان کیا ہے، اُسی کی زبانی سنتے ہیں:

> ایک دن میں اپنی قوم کے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ مجلس لگا کر بیٹھا ہوا تھا کہ میری ہی قوم کا ایک فرد میرے پاس آیا اور مجھے خبر دی کہ میں نے کچھ لوگ دیکھے ہیں جو ساحل کے ساتھ ساتھ محوِ سفر ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہ چھوٹا سا کارواں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے رفقاء پر مشتمل ہو۔

سراقہ کہتے ہیں:

> اتنی واضح نشانیاں سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ہی ہو سکتے ہیں جو قریش کو شدید مطلوب ہیں۔ میں نے اطلاع دینے والے آدمی سے ٹالنے والی باتیں کیں اور اُسے کہا کہ تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے، اُن لوگوں کو میں جانتا ہوں، یہ تو کوئی دوسرے لوگ ہیں۔ پھر میں اُس مجلس میں کچھ دیر تک بیٹھا رہا اور اہلِ محفل کی توجہ ہٹانے کے لیے اُن لوگوں کے ساتھ کسی اور موضوع پر بات کرنے لگا، پھر آہستہ سے اٹھ کر اپنے گھر پہنچا اور اپنی کنیز کو حکم دیا کہ میرا گھوڑا لے کر وادی میں پہنچ جائے اور وہیں ٹھہر کر میرا انتظار کرے۔
>
> اِس کے بعد میں نے اپنا نیزہ لیا، لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا اور پوری راز داری کے ساتھ گھر

1۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔رقم الحدیث: 3615-3652

کے پچھلے دروازے سے باہر نکل کر وادی کی طرف چلنے لگا جہاں پہنچنے کی میں نے کنیز کو ہدایت کی تھی۔ میں نے اپنے گھوڑے کے قریب پہنچ کر اُسے تھپکی دی اور اُس پر سوار ہو کر کارواں کے تعاقب میں اُسے سرپٹ دوڑانے لگا۔ جب قافلہ مجھ سے تھوڑی دور ہی رہ گیا تھا تو میرا تیز رفتار گھوڑا لڑکھڑایا اور میں نیچے گر پڑا لیکن میں اتنی آسانی سے شکست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس لیے جلدی سے اُٹھا اور دوبارہ کارواں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

اِس بار میں قافلے کے اتنا نزدیک پہنچ گیا تھا کہ رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تلاوت کی خوب صورت آواز میرے کانوں میں رس گھولنے لگی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بغیر کسی فکر اور پریشانی کے بڑے باوقار انداز میں انتہائی اطمینان اور کامل سکون کے ساتھ تلاوت میں اتنے منہمک تھے کہ اِدھر اُدھر بالکل نہیں دیکھ رہے تھے، جب کہ سیّدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نہایت چوکس تھے اور اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سب طرف دھیان رکھے ہوئے تھے۔

سراقہ کہتے ہیں:

میں مزید آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ میرا گھوڑا دوبارہ پھسلا اور میں پھر سے نیچے زمین پر گر گیا اور اب میں سوچنے لگا کہ میں جو اپنے تربیت یافتہ گھوڑے سے دو دفعہ نیچے گرا ہوں تو شاید اِس کا مطلب یہ ہے کہ میں اِس مہم میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مجھے میری فال نے بھی بتا دیا تھا کہ اِس مقدس قافلے کا تعاقب کرنے کا نتیجہ ٹھیک نہیں ہوگا لیکن میں تو ہر قیمت پر یہ انعام حاصل کرنا چاہتا تھا، چناں چہ میں اُٹھا اور اپنے گھوڑے کو ان کے تعاقب میں پھر سے دوڑانے لگا، یہاں تک کہ میں کارواں کے بالکل ہی قریب پہنچ گیا، اتنا نزدیک کہ مجھے دیکھ کر (حضرت) ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) فکر مند ہو گئے۔

میں نے سنا کہ اُنھوں نے رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

ہمارا تعاقب کرنے والا یہ بد بخت دشمن تو بہت ہی نزدیک آ گیا ہے۔

رسُولِ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کسی اضطراب یا پریشانی کا اظہار کرنے کی بجائے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا فرمائی:

یا پاک پروردگار! جس طرح آپ چاہیں ہمیں اس دشمن کے شر سے محفوظ فرمائیں۔

سراقہ کہتے ہیں:

جونہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات ادا ہوئے، میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں اُس سخت اور پتھریلی زمین میں گھٹنوں تک دھنس گئے اور دھوئیں کا ایک غبار آسمان کی طرف اُٹھا۔ یہ معجزہ دیکھ کر مجھ پر سخت رعب طاری ہو گیا۔ میں نے مایوس ہو کر ہمت ہار دی۔ میرے ساتھ اب تک جو محیّر العقول واقعات پیش آئے تھے، انھیں دیکھ کر مجھے پورا یقین ہو گیا کہ اِس کے پیچھے ضرور کوئی راز ہے اور مجھے اپنے مقصد میں کبھی کامیابی نہیں مل سکتی، کیوں کہ یہ لوگ تو میری ہمت و طاقت سے بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور یہ تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ اِن مسافروں کو منزل تک پہنچنے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

یقیناً یہ لوگ خدا کی نصرت اور حفاظت میں ہیں اور کسی غیبی طاقت نے میرے حرص اور لالچ جیسے برے ارادوں کو خاک میں ملا دیا ہے اور مجھے اِن مقدس ہستیوں کے پاس جانے سے روک دیا ہے، چناں چہ اب میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ پیغمبرِ اسلام جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبیِ برحق ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اَمر ضرور کامیاب ہو کر رہے گا، قریش کو جلد ہی ذِلّت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بالآخر قریش ہی نہیں، باقی عرب پر بھی غالب آ کر رہیں گے۔

میرے دل نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت وجلال کا ستارہ انتہائی بلندیوں پر پہنچنے والا ہے اور ایک نہ ایک دن نبوّت کے اِس نور سے ساری دنیا روشن ہو جائے گی۔ میں نے وہیں سے نہایت عاجزانہ اور مودبانہ الفاظ میں امان عطا کرنے کی فریاد کی اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی خدمتِ اقدس میں پیش کی کہ:

مجھے قریب آنے اور بات کرنے کا موقع عنایت فرمائیں، میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اجازت مرحمت ہونے کے بعد میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور یہ بتایا کہ:

سردارانِ قریش نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مکّہ واپس لوٹانے والے کے لیے سو سُرخ اُونٹوں کا انعام مقرر کر رکھا ہے اور اتنے بڑے انعام کے لالچ میں اِدھر اُدھر کے بہت سے لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں ناشتہ اور کچھ سامان زادِ راہ کے لیے پیش کرنا چاہا لیکن رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میری کسی بھی پیش کش کو قبول نہیں فرمایا۔ بس مجھے یہ حکم فرمایا کہ ہمارے بارے میں پوچھنے اور ہمیں تلاش کرنے والوں کو ہماری طرف نہ آنے دینا اور ہمارے قافلے کے متعلّق مکمل راز داری سے کام لینا۔

سراقہ کہتے ہیں۔

میں نے وعدہ کیا کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے حکم کے مطابق عمل کروں گا۔(1)

جب میں واپس جانے لگا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے میرے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

اے سراقہ! اُس وقت تمھاری کیا منزلت ہو گی جب شہنشاہِ ایران کے سنہری کنگن تمھارے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔

یہ کلماتِ مبارک سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور بڑا متعجب ہو کر عرض کیا:

کیا کسریٰ بن ہرمز کے کنگن میرے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے؟

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا: ہاں سراقہ! ایسا ہی ہو گا۔(2)

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پُرسکون انداز اور اطمینانِ قلب کی کیفیت کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ وقت قریب ہے جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پورے عرب اور عجم کے تاجدار ہوں گے۔ آنے والے وقت کا پہلے اندازہ لگاتے ہوئے میں جان کی امان پانے کی درخواست کے ساتھ آگے بڑھا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے عرض کیا کہ سو اُونٹوں کے لالچ میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے، اُسے معاف فرمائیں اور مجھے ایک تحریری امان نامہ عطا فرما دیا جائے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے حکم پر عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پروانۂ امن لکھ کر مجھے عنایت کر دیا۔ اس کے بعد رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے رفیق ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ عازمِ سفر ہو گئے۔

سراقہ مزید کہتے ہیں:

میں جب واپس آ رہا تھا تو راستے میں جو شخص بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے متعلّق دریافت کرتا تو میں اُسے کہتا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مجھے راستوں کی کتنی پہچان اور سراغ رسانی کی کتنی مہارت ہے میں تو بہت دور تک تلاش کر آیا ہوں وہ اس جانب نہیں گئے۔ آپ لوگ صبر سے کام لیں اور واپس چلے جائیں۔ اِس طرح میں لوگوں کو آگے بڑھنے سے روکتا رہا۔

یہی خوش نصیب سراقہ بن مالک کہتے ہیں:

آج کی صبح میں اِس عزم کے ساتھ گھر سے نکلا تھا کہ میں قافلے پر حملہ آور ہو کر اور اُس پر غلبہ پا کر سو اُونٹوں کا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن جو کچھ میرے گھوڑے کے ساتھ ہوا اور اِس کے بعد جب میں نے رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا روشن چہرہ دیکھا تو میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔

1۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔رقم الحدیث:3906

2۔شرف المصطفیٰ:347/3

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عظمت، صداقت اور شجاعت کا سکہ میرے دل پر بیٹھ چکا تھا اور میں اپنی بد نیتی ختم کر کے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جاں نثار، فرماں بردار، محافظ اور پاسبان بن کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دفاع میں سینہ سپر ہو چکا تھا۔

سراقہ اپنے بیان میں مزید کہتے ہیں:

میری درخواست پر جو پروانۂ امن تحریر کر کے مجھے دیا گیا تھا وہ میرے پاس اس وقت تک محفوظ تھا۔

جب آٹھ سال بعد رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنگِ حنین سے فاتح کی حیثیت سے واپس جعرانہ تشریف لائے تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے پاس موجود تحریر پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!

میں سراقہ بن مالک بن جعشم ہوں اور یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عطا کردہ پروانۂ امن کی وہ تحریر ہے جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے معاف فرما دیا تھا۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں سے فرمایا جو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جانے سے روک رہے تھے۔

لوگو! اسے میرے قریب آنے دو۔ آج کا دن وفا کو نبھانے، وعدوں کو پورا کرنے نیکی اور احسان فرمانے کا دن ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ کر میں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔(1)

سراقہ کہتے ہیں:

کئی سال بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں نے شہنشاہِ ایران کے تاج وتخت کو اپنے پاؤں تلے روند دیا تو اِس شان دار فتح کے موقعے پر مالِ غنیمت کے ساتھ کسریٰ کے کنگن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی یاد تھی۔ اُنھوں نے پیغام بھیج کر سراقہ کو بلایا اور اُس کے ہاتھوں میں جب کسریٰ کے سنہری کنگن پہنائے گئے تو مدینہ منورہ کی فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اُٹھی۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سب تعریفیں اللہ ذُوالجلال والاکرام کے لیے ہیں جس نے یہ چیزیں شہنشاہِ ایران کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں جو کہتا تھا کہ میں لوگوں کا پروردگار ہوں اور یہ بنی مدلج کے ایک عام دیہاتی سراقہ بن مالک کے ہاتھوں میں پہنا دِیں۔

1۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی: 332/1

پھر سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

صدقت یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم !

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سچ فرمایا تھا،

لوگو!

آج کتنا خوب صورت دن ہے کہ ہمارے پیارے آقا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوگئی۔(1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ذات النطاقین حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان

سفرِ ہجرت شروع ہونے کے کئی دنوں بعد تک ہمیں کوئی خبر نہ تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قافلہ کہاں پہنچا ہے۔ ایک روز مکّہ کے زیریں علاقے سے ایک پُرسوز اور سریلی آواز گونجتی ہوئی مکّہ کے بالائی علاقے کے اطراف میں پھیل گئی۔ اشعار پڑھتے ہوئے اُس اجنبی آواز کو شہر میں ہر کوئی سن رہا تھا مگر شعر پڑھنے والا کسی کو نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ اشعار اس طرح تھے۔ اللہ تعالیٰ، جو پروردگارِ عالم ہے، اُن رفیقانِ سفر کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے جو آرام فرمانے کے لیے اُمِّ معبد کی قیام گاہ پر جلوہ افروز ہوئے۔

بنو کعب کو مبارک ہو کہ اُن کی بہن عاتکہ بنتِ خالد کا گھر اہلِ ایمان کے لیے راحت کا سبب بنا۔

وہ دونوں رفیق نیکی، تقویٰ اور خیر کے ساتھ اُمِّ معبد کے گھر تشریف لائے

اور شام کے وقت عزت واحترام کے ساتھ اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگئے۔

وہ شخص، جو پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رفیقِ سفر بنا، وہ کامیاب وکامران ہوا

اور جس کو خدا خوش نصیب کرے، وہی خوش نصیب اور بامراد ہوتا ہے۔

اے آلِ قصیٰ! اے گروہ قریش!

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکّہ کو الوداع کہہ دینے سے اللہ تعالیٰ نے وہ عزت ووقار اور رعب ودبدبہ، جو پورے عرب کے مقابلے میں صرف تمھیں حاصل تھا،

واپس لے لیا ہے جس کا اب کوئی مداوا نہیں ہوسکتا۔

اے بنی کعب! تم اپنی بہن سے اُس کی لاغر اور کمزور بکری

1۔دلائل النبوۃ للبیہقی:325/6۔الاصابہ:35/3

اور برتن کے متعلّق دریافت کرو جو دودھ سے لبالب بھر گیا تھا۔
تم اگر بکری سے دریافت کروگے تو وہ بھی شہادت دے گی کہ
وہ دونوں رفیق، جو مہمان کی حیثیت سے تشریف لائے تھے،
انتہائی مہربان اور بابرکت لوگ تھے۔(1)

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

تین رات دن تک ہمیں علم نہ تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس سمت میں سفر فرما رہے ہیں
اور یہ کہ قافلۂ مبارک کہاں پہنچا ہے۔مکّہ میں گونجنے والی اس اجنبی آواز نے
ہمیں اُمّ معبد کے خیمے میں وقوع پزیر ہونے والے واقعے کی خبر دی اور ہمیں یہ معلوم ہوا کہ
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزل یثرب ہے۔(2)

آخری مشکل مرحلہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ساتھیوں کے اِس مقدس قافلہ نے بغیر کسی تھکاوٹ، شکوہ یا شکایت کے، پورے استقلال، استقامت اور جذبۂ ایمانی کے ساتھ یثرب کی طرف اپنے سفر کو جاری رکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادیِ تہامہ سے گزر رہے تھے تو اُس وقت موسم کی شدت اپنے عروج پر تھی۔آگ برساتا سورج، چلچلاتی دھوپ صحرا کی تپتی ہوئی ریت، آگ کی طرح گرم ہوائیں اور راستہ ایسا کہ دور دور تک دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے نہ کوئی سایہ اور نہ سایہ دار درخت نظر آتا تھا۔

اِس طرح مسلسل آٹھ دن یہ مبارک کارواں صرف اسلام کی سربلندی اور اللہ کی رضا کے لیے بھوک، پیاس اور مشکلات برداشت کرتا،صحراؤں، ریگستانوں، مشکل ترین پہاڑی راستوں اور دشوار گزار وادیوں کو عبور کرتا ہوا پورے اعتماد، یقین اور بھرپور قوتِ ارادی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔

بریدہ رضی اللہ عنہ، حصیب اسلمی

سردارانِ قریش کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکّہ واپس لانے یا شہید کرنے پر سو سُرخ اونٹوں کے شاہانہ انعام کی اِس خبر کا علم دوسرے قبائل کی طرح بنو اسلم قبیلے کو بھی ہو چکا تھا جس کا سردار بریدہ حصیب اسلمی اتنے بڑے انعام کے لالچ میں اپنی قوم بنی سہم کے ستّر شہسواروں کے ساتھ اِس مقدس قافلے کو پریشان کرنے کے لیے گھر سے نکلا اور تعاقب کرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب پہنچ گیا تو نورِ نبوّت کی پہلی جھلک، روشن جبیں اور پُرکشش چہرۂ مبارک کی خوب صورتی کو دیکھا تو اُس کے لیے یہ نہایت حیرت کے لمحات تھے۔سردار بریدہ نے

1۔دلائل النبوۃ الاصبہانی:337/1 2۔عیون الاثر:218/1

بڑے اشتیاق اور چاہت کے ساتھ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا محمد بن عبد اللہ و رسُول اللہ

میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ اور اللہ کا رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔

پیغمبرِ اعظم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین وجمیل اور باوقار شخصیت کو دیکھ کر تو وہ پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُسنِ گفتار، دل آویز انداز اور شیریں کلام سن کر اس کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ اُس کو یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ ہستی ہیں جن کے قدموں میں ان شاء اللہ ہر انسان اپنی جان، مال اور اولاد کو نثار کر کے فخر محسوس کرے گا، چناں چہ خوش قسمت، خوش نصیب سردار بریدہ اسلمی نے اُسی وقت اپنے ستّر (70) ساتھیوں سمیت مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

یثرب میں شوقِ انتظار

ہجرت کے سفر میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلّق سردارانِ قریش کے خطرناک منصوبے، یعنی سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں کاروانِ مقدس کا تعاقب وتلاش اور راستے میں دیہاتی قبائل کی طرف سے بار بار رکاوٹ اور مداخلت کی کوششیں، جیسے پریشان کن واقعات کی اطلاعات یثرب کے مسلمانوں تک مسلسل پہنچ رہی تھیں۔ اِس طرح کی خبریں پہنچنے کی وجہ سے عاشقانِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت مضطرب تھے لیکن اِس پیچیدہ اور کش مکش والی صورتِ حال کے باوجود اہلِ یثرب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمتوں کا پورا یقین تھا کہ ان شاء اللہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے یثرب تشریف لے آئیں گے، اِس لیے وہ قافلۂ مبارک کے انتظار میں بڑے ذوق و شوق اور بے تابی سے اپنی آنکھیں فرشِ راہ کیے ہوئے تھے۔

وہ اہلِ یثرب بھی، جنھیں ابھی تک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، مگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم وہمت، استقامت واستقلال، فصاحت وبلاغت اور شجاعت وبہادری کے عدیم النظیر کارنامے سن کر زیارت اور ملاقات کے لیے اور بھی زیادہ مشتاق وبے قرار ہو رہے تھے۔ ہر صبح سویرے اپنے گھروں سے نکل کر قافلۂ مبارک کے انتظار میں مکّہ سے آنے والے راستے پر جا کر کھڑے ہو جاتے، یہاں تک کہ آفتاب کی تمازت اور گرمی کی شدت کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو جاتا تو ناکامِ دید ہو کر اپنے گھروں کو پلٹ جاتے۔

آج بھی یہ لوگ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طویل انتظار کرنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی، جو اپنے کسی کام سے اپنے مکان کی چھت پر گیا تھا، اُس کی نظر قافلۂ مقدس پر پڑی۔ اُس نے دیکھا کہ سفید لباس پہنے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ اُس نے انتہائی بلند آواز میں بستی والوں کو

پکارتے ہوئے یہ خوش خبری سنائی:

یا بنی قیلہ ! ھذا صاحبکم قد جاء

اے بنی قیلہ!

تمھارے محترم صاحب تشریف لے آئے ہیں جن کا آپ لوگ بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے۔

اے دوپہر کو آرام کرنے والو!

تمھارا نصیب جگانے والے معزز مہمان تشریف لے آئے ہیں۔(1)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک آمد کی صدا سنتے ہی قبا کی بستی مسرت وشادمانی کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ بستی کے تمام مرد، خواتین اور بچے، مسلم اور غیر مسلم، سب اپنے ذی شان مہمان ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال اور زیارت کے لیے بڑی بے تابی اور جوش وجذبے کے ساتھ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے سخت دھوپ میں جوق در جوق اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔

آج یثرب کی اِس بستی میں خوشیوں بھری دوپہر تھی۔ ہر طرف رونق ہی رونق تھی، کیوں کہ جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں عقیدت ومحبت کے پھول پیش کرنے کا موقع نصیب ہو رہا تھا۔ ہر شخص رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جھلک دیکھنے کا متمنّی ومشتاق تھا، حتیٰ کہ بچے بھی بڑے والہانہ انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نعرے لگاتے ہوئے قبا کی اُونچی پہاڑی ثنیۃ الوداع کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اہلیانِ قبا کی مسرت وشادمانی کی کوئی حد نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے اب ہر قسم کی مرکزی سرگرمیوں اور خبروں کا اعزاز مکّہ مکرمہ کی بجائے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہو گیا۔ مشرکینِ مکّہ بدقسمت تھے کہ ایسی جلیل القدر، محترم اور بابرکت ہستی سے محروم ہو گئے۔

رسُولِ آخر واعظم نے کسی قسم کے محافظوں کے بغیر

صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر اور اُسی کی نگہبانی، نصرت اور اعانت کے سہارے

ہجرت کے جس دشوار گزار اور خطرناک سفر کا آغاز فرمایا تھا،

اس کو اللہ ذُوالجلال والاکرام نے نہایت عزت واحترام،

کامیابی وکامرانی اور سلامتی کے ساتھ مکمل فرما دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

1۔سبل الہدیٰ والرشاد:266/3

کیا عہد آفریں تھا رہِ نور کا سفر
کیا انقلاب خیز تھی ہجرت حضور کی

بجھ گئیں جس کے آگے سب ہی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
جن کے تلوں کا دھون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
خلق سے اولیا، اولیا سے رُسل
اور رسُولوں سے بالا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
قرنوں بدلی رسُولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

عزیز ترین اصحاب رضی اللہ عنہم کی وفات

سیّدنا اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ

سیّدنا اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ، جن کی کنیت ابوامامہ تھی، سرزمینِ یثرب کے اُن چھے درخشندہ ستاروں میں شامل تھے جنھیں بیعتِ عقبہ اولیٰ میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر سب سے پہلے بیعت لینے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

نوجوان اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ ایک اور اعزاز کے بھی مستحق ٹھہرے کہ جب بیعتِ عقبہ ثانی کے موقع پر اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تو اُس وقت بھی انھیں سب سے پہلے بیعت کی نعمت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔(1)

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے جاں نثار اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ نے بیعت کے اس عمل کے دوران اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا تھا:

> یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اس بات کا عہد کر کے آئے ہیں کہ ہم اپنی جان، مال اور اولاد سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کر دیں گے اور کبھی بے وفائی نہیں کریں گے۔(2)

بیعتِ عقبہ ثانی کے موقع پر مقرر کیے گئے بارہ نقیبوں میں سے ایک جناب سیّدنا اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ بھی تھے۔ بنونجار کے اس نوجوان نقیب کو مدینہ منورہ میں بھیجے گئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوّلین تبلیغی نمائندے حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا میزبان بننے، گھر گھر اسلام کا پیغام پہنچانے اور مدینہ منورہ میں نمازِ جمعہ کا آغاز اور اہتمام کرنے کا شرف اور اعزاز بھی حاصل ہوا تھا۔

افسوس کہ ''الخیر'' کے لقب سے سرفراز، بے باک اور باوقار شخصیت کے مالک سیّدنا اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ، اُس وقت وفات پا گئے جب مسجدِ نبوی کی تعمیر جاری تھی۔ اُن کی نمازِ جنازہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود پڑھائی۔

اُن کو یہ بلند مرتبہ بھی ملا کہ وہ مسلمانوں کے قبرستان جنت البقیع میں دفن ہونے والے سب سے پہلے مسلمان تھے۔(3)

سیّدنا کلثوم رضی اللہ عنہ بن ہدم

قبیلہ اوس کے نامور خاندان بنی عبید کے سن رسیدہ سربراہ جناب کلثوم رضی اللہ عنہ بن ہدم وہ مخلص اور باوفا شخصیت

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 447/1   2۔ ایضاً: 434/1

3۔ السیرۃ النبویہ واخبار الخلفاء لابن حبان: 144/1۔ ایضاً: 434/1-443/1

ہیں جنھیں قُبا میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوّلین میزبان اور خدمت گزار بننے کا فخر ومنزلت اور مقام ومرتبہ حاصل ہوا تھا۔

نیک طینت اور خوش نصیب سیّدنا کلثوم رضی اللہ عنہ بن ہدم کے گھر رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بابرکت قیام تقریباً چودہ دن تک رہا۔ اس دوران اُن کے سلیم الفطرت اور سعادت مند خاندان نے اپنے مقدس مہمانوں کی میزبانی، فرماں برداری اور خدمت گزاری میں دن رات ایک کردیئے تھے۔(1)

ہجرتِ نبوی کے بعد اصحابِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سب سے پہلے سفرِ آخرت اختیار کرنے والے جناب سیّدنا کلثوم رضی اللہ عنہ بن ہدم کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مدینہ منورہ میں سب سے پہلی مسجدِ قُبا کے لیے زمین بھی اُنھوں نے ہی وقف کی تھی۔(2)

وفات

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے دوران اور ہجرت کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کے لیے یہ خبر بڑے گہرے صدمے اور حزن وملال کا باعث بنی کہ اُن کے دو بڑے ممتاز، بلند حوصلہ اور اولوالعزم راہنما، جواں سال سیّدنا حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ اور انتہائی قابلِ احترام سیّدنا کلثوم رضی اللہ عنہ بن ہدم اس دنیائے فانی کو خیرباد کہہ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

تحریکِ اسلامی کے ان جلیل القدر اور عالی مرتبت راہنماؤں کی وفات پر یہودیوں، کافروں اور منافقوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اس قسم کی طنز آمیز باتیں بھی شروع کردیں کہ:

> اگر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے سچے رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور برحق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
> ہوتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے قریب ترین اور نہایت قیمتی ساتھیوں کی
> وفات کے صدمات اتنی جلدی نہ سہنے پڑتے۔(3)

جب کہ موت تو اللہ کا حکم ہے۔ چاہے کوئی کافر ہو یا مسلمان، ہر ذی روح کے لیے موت کا ایک وقت معین ہے۔ اس قانونِ قدرت اور حقیقت کے سامنے ہر ذی روح کو بغیر کسی گلے شکوے کے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے، کیوں کہ زندگی اور موت کے فیصلے صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام کے پاس ہیں جس میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔

بالکل انھی دنوں مکّہ میں بت پرستوں کے دو بڑے سردار اور اسلام کے پکے دشمن عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو کر جہنم میں جا داخل ہوئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جاں نثاروں اور مخلص ساتھیوں کے انتقال کی خبر سے سخت صدمہ ہوا تھا۔

کافروں اور منافقوں کی دل آزار باتوں کے جواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

1۔الروض الانف:152/4۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:3906
2۔ایضاً:153/4
3۔ایضاً:181/4

ابوامامہ کی موت یہودیوں اور منافقوں کے لیے مصیبت کا باعث بن گئی ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ عزیز ترین ساتھی کبھی نہ مرتے۔
یہودیوں کے اس اعتراض پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی کیوں انتقال کر گئے،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کی مشیت، رضا اور ارادے کے خلاف نہ اپنی ذات کے لیے اور نہ اپنے کسی ساتھی اور عزیز کے معاملات کے متعلّق، اللہ کی طرف سے آئے ہوئے حکم کے سامنے کوئی قدرت رکھتا ہوں۔(1)

سبحان اللہ العظیم

رسُولِ خدا کی غلامی میں کیا ہے
ذرا تم غلامی میں آکر تو دیکھو
یہ غلامی تو ہے بادشاہی سے بہتر
کبھی اپنی قسمت جگا کر تو دیکھو

قابل تھے ہم نار کے جنت ہوئی نصیب
اُس در کی حاضری سے ہماری قسمت بدل گئی

1۔الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:160/4

مدینہ کی مشکلات (وبائی بخار)

مکّہ سے آئے ہوئے مہاجرین صحرا کی گرم، خشک اور صاف ستھری آب و ہوا میں زندگی گزارنے کے عادی تھے لیکن ہجرت کے بعد اس نئے شہر میں انھیں ایک بالکل مختلف موسم کا سامنا کرنا پڑا۔ چوں کہ یثرب میں ناموافق موسمی حالات کی وجہ سے متعدی امراض اور وبائیں بھی اکثر پھیل جاتی تھیں، اس لیے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو یہاں کے سرد اور مرطوب موسم سے مطابقت پیدا کرنے میں مشکلات پیش آنے لگیں۔ مہاجرین کی زیادہ تر تعداد کو شدید بخار نے آ لیا، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طویل اور شدید بخار سے اتنے کمزور اور نڈھال ہو گئے کہ چلنا پھرنا تو درکنار، نماز میں قیام کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔ سخت بخار کی حالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ وطن کی یاد میں یہ شعر پڑھنے لگتے:

کیا کبھی وہ وقت آئے گا کہ مجھے وادیِ مکّہ میں ایک رات بسر کرنے کا موقع مل جائے!

کیا وہ دن دیکھنا مجھے نصیب ہوگا کہ میں مجنہ کے چشموں کا پانی پی سکوں!

کیا کوہِ شامہ اور کوہِ طفیل کو میری آنکھیں دوبارہ دیکھ سکیں گی!

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا جان کی مزاج پُرسی کے لیے اُن کے گھر تشریف لے گئیں تو اُنھوں نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شدید بخار کی حالت میں یہ شعر پڑھتے سنا:

تکلیف اتنی زیادہ ہے کہ میں موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔

ایسی حالت میں ہر بندے کا دل چاہتا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے درمیان صبح کرے۔(1)

ایسی اُداسی، آزردگی اور تکلیف کے دنوں میں انصار نے مہاجرین کی دل جوئی، تیمارداری اور خدمت گزاری کر کے اُن کے دل جیت لیے۔

ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر اپنی مشکلات اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے متعلّق دُعا کی درخواست پیش کی تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم پر شفقت فرماتے ہوئے اُن کی عافیت اور خیریت کے لیے یہ دُعا فرمائی:

اے ہمارے پروردگار!

اس شہر کی خراب آب و ہوا اور حالات کو ہمارے ساتھیوں کے لیے

صحت افزا اور آرام دہ بنا دے! اُن کے دِلوں میں جو مکّہ کی محبت ہے،

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 588/1

اس سے بھی زیادہ مدینہ کے لیے محبت عطا فرما دے!
مدینہ کے اناج، پانی اور کاروبار میں برکت عطا فرما دے!
اے اللہ ربُّ العزت!
اپنی رحمت سے یثرب کے اس مشہور بخار کی تکلیف اور پریشانی کو
میرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دور فرما کر جحفہ کی طرف منتقل فرما دے! (آمین) (1)

الحمد للہ! اللہ ذُوالجلال والاکرام نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُعا قبول فرمائی۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلد ہی صحت یاب ہو گئے اور اُن کے دلوں میں مدینہ منورہ کے لیے بے پناہ محبت پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد کسی بھی معزز صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی میں مکّہ لوٹ جانے کے متعلّق کبھی ذکر تک نہ کیا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُعا ایسی قبول ہوئی کہ اللہ ذُوالجلال والاکرام نے اپنے فضل وکرم سے مدینہ منورہ کی مرطوب آب و ہوا کو مکّہ سے آئے ہوئے مسلمانوں کے لیے نہایت سازگار اور فرحت بخش بنا دیا اور مدینہ منورہ سے وباؤں اور بیماریوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

دیکھا جس سمت ابرِ کرم چھا گیا
کتنی دلکش ہے اُس کی یہ پیاری ادا
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

1۔ صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ رقم الحدیث: 3926

اہلِ مکّہ کی طرف سے اہلِ مدینہ کے نام دھمکی آمیز خط

منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی پر اُن دنوں بڑی اُداسی، افسردگی اور مایوسی کی کیفیت طاری تھی، کیوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے اہلِ مدینہ اُسے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ بنانے کا اعلان کر چکے تھے اور کچھ ہی دنوں بعد ایک شان دار تقریب منعقد کر کے اُس کے سر پر شاہی تاج رکھا جانا تھا لیکن اب شہر کی آئینی فرماں روائی، انتظامی معاملات اور سیاسی حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ لوگ روز بہ روز پروانوں کی طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں اکٹھے ہو رہے تھے۔

قریشِ مکّہ تک اس طرح کی خبریں پہنچ رہی تھیں کہ مسلمان مدینہ میں بڑی آزادی اور حفاظت سے رہ رہے ہیں اور یہ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ میں ایک حکمران کی حیثیت سے شان دار استقبال ہوا ہے اور یہ خبر بھی کہ مدینہ میں رہنے والے ہر شخص نے ایک بے تاب پروانے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ درخواست پیش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی میزبانی کا شرف اور اعزاز ہمیں عطا فرمائیں۔

اس طرح کی دل کو دُکھانے والی خبریں قریشِ مکّہ کے لیے سخت پریشانی اور اضطراب کا باعث بن رہی تھیں، چناں چہ اُنھوں نے بڑی گھبراہٹ کے عالم میں مدینہ میں مقیم اپنے قابلِ اعتماد، آزمودہ کار اور پکے ساتھی عبداللہ بن ابی کی جانب ایک دھمکی آمیز خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ تم اہلِ مدینہ کو آگاہ کر دو! خط کا مضمون یہ تھا:

اے اہلِ یثرب!

> ہم قریشِ مکّہ اس بات کی سخت مذمت کرتے ہیں کہ آپ لوگوں نے مکّہ سے آئے ہوئے ہمارے خاندان کے ایک صاحب جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کو ہماری مرضی کے خلاف نہ صرف اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھا ہوا ہے، بلکہ بڑے جذبے اور شوق کے ساتھ اُن لوگوں کی خدمت گزاری بھی کر رہے ہو۔ تمھارے اس نا قابلِ قبول عمل کو، اہلِ مکّہ یہ سمجھتے ہیں کہ اہلِ یثرب ہمارے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔

اے یثرب کے لوگو! اب ہمارا آخری فیصلہ سن لو!

> ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ خود اُن سے جنگ کرو اور مکّہ سے آئے ہوئے اُن مہاجروں کو ہلاک کر دو جنھیں تم لوگوں نے مہمان بنا کر رکھا ہوا ہے یا پھر اُن کے ساتھ کیے گئے حفاظت اور پناہ کے تمام وعدوں کو کالعدم قرار دے کر انھیں اپنے وطن سے نکال باہر کرو!

اے اہلِ یثرب!

اگر تم نے ہمارے ان احکامات پر عمل نہ کیا اور مکّہ کے مہاجرین کا ساتھ دینے کے فیصلے اور ارادے سے پیچھے نہ ہٹے تو پھر تیار رہنا، ہم پوری طاقت کے ساتھ تمھارے شہر پر حملہ آور ہوں گے، تمھارے جنگ کے قابل نوجوانوں کو گردن زدنی قرار دے کر موت کے گھاٹ اُتار دیں گے اور تمھاری خوب صورت عورتوں کو کنیزیں قرار دے کر اپنے حرم کی زینت بنالیں گے۔

یہ فتنہ انگیز خط ملتے ہی مکار اور زمانہ ساز عبداللہ بن ابی سلول کہ جس کی بادشاہی کی تجویز کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد اکابرین شہر نے خود ہی ختم کر دیا تھا، اُس نے قریشِ مکّہ کی طرف سے ملنے والی اِس شر انگیز دھمکی کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے بت پرست ساتھیوں کو اپنے اردگرد جمع کیا اور مسلمانوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن معرکہ کے لیے تیار ہو گیا۔ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اہم ترین معاملے کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن آمادۂ جنگ افراد کے اجتماع میں خود تشریف لے گئے اور حکمت و دانائی سے بھرپور اپنے خطاب میں فرمایا:

اے اہلِ یثرب!
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ قریش کی اس فضول دھمکی سے ڈر گئے ہو۔
اے لوگو! صورتِ حال کا صحیح تجزیہ کرو!
قریش کی نام نہاد دوستی اور دھوکا دینے والی چال میں کیوں آتے ہو!
یاد رکھو!
اگر تم لوگ ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدل کرو گے
تو یہ دونوں طرف سے اہلِ یثرب ہی کا نقصان ہوگا۔
دراصل تم لوگوں کا یہ عمل اپنے ہی شہر کے باشندوں کو
تباہی کی طرف لے جانے کا سبب بنے گا۔
اس کے برعکس اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہوں گے
تو ہم سب مشترکہ دفاعی حکمتِ عملی سے مدینے کی حفاظت کریں گے
جس سے ہمارے نقصان کا احتمال اِن شاءاللہ بہت ہی کم ہوگا۔

اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے اہلِ یثرب!
یہ کہاں کی فراست اور دانائی ہے کہ تم لوگ اپنے ہی بیٹوں، بھائیوں اور عزیزوں سے برسرِ پیکار ہونے کے لیے اپنے گھروں سے نکل پڑے ہو۔

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مدّبرانہ خطاب کی وجہ سے لڑائی پر آمادہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ اور حسنِ بیان کی تعریف کی اور بغیر کسی سوال و جواب کے، بڑی خاموشی کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔(1)

سلام اُس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لیے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں
بڑے چھوٹوں میں جس نے اک اُخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی

مسلمانوں کے نام قریشِ مکّہ کا دھمکی آمیز خط

جب یہ خبر قریشِ مکّہ تک پہنچی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے حکیمانہ اور دانش مندانہ انداز میں خانہ جنگی کی اس گھناؤنی سازش کو ناکام بنا دیا ہے تو اُنھوں نے معاندانہ روش ترک کرنے کی بجائے مدینہ میں مقیم توحید کے پروانوں کو براہِ راست ایک دھمکی آمیز خط بھیج دیا۔ جس میں لکھا تھا:

اے اہلِ اسلام!

اگر چہ آپ لوگوں کو بے یارو مددگار کرنے اور یثرب سے شہر بدر کرانے میں ہم اپنی پہلی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس سے یقیناً آپ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو چکے ہوں گے کہ اب آپ یثرب میں ہمیشہ کے لیے عافیت، خیریت اور امن و سکون کے ساتھ رہ سکیں گے۔

اے اہلِ اسلام!

خدا کی قسم! آپ لوگ ایسے گمان آمیز سہانے خواب دیکھنا چھوڑ دیں!
ہم جلد ہی تم لوگوں کا کام تمام کرنے اور تمھارے گھروں کو نیست و نابود کرنے کے لیے ایک بہت بڑی اور طاقت ور فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔(2)

منجانب
سردارانِ قریشِ مکّہ

سَر دے کے غلامانِ نبی راہِ خدا میں
آرام سے سوتے ہیں تہِ دامانِ مدینہ
شاہانِ جہاں کانپتے ہیں نام سے تیرے
اللہ یہ صولت تیری سلطانِ مدینہ

1۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الخراج والامارۃ والفئی۔ رقم الحدیث: 3004
2۔ رحمۃ للعالمین: 109/1

یہودیوں کی سازشیں

یثرب میں قبیلۂ اوس اور خزرج کے علاوہ یہودیوں کے بھی کئی قبیلے آباد تھے جو زمانۂ قدیم سے ایک برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر تھے۔ یہودی چوں کہ فطرتاً بداندیش، شرپسند اور کینہ پرور لوگ تھے، اس لیے جب اُنھوں نے یہ دیکھا کہ ہمارے شہر میں اسلام اور اہلِ اسلام روز بہ روز مقبول اور مضبوط ہوتے جا رہے ہیں اور لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں تو اسلام کے اس بڑھتے ہوئے اثر ورُسوخ اور شان وشوکت سے ان عناد پرستوں کے دلوں میں حسد اور عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اُنھوں نے جوشِ مخالفت میں میثاقِ مدینہ کو بھی بُھلا دیا اور کھل کر مُسلم دشمنی پر اُتر آئے۔

اس کی ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ یثرب کے ان کینہ پرور اور چالاک مہاجنوں نے شہر میں موجود منافقوں کے سردار اور اُس کے بدکردار ساتھیوں سے ساز باز کر کے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر پورا زور لگا دیا اور مہاجرینِ مکّہ اور انصارِ مدینہ کو آپس میں لڑانے کے لیے ایک خطرناک منصوبہ اور منظم سازش تیار کر لی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حاسدینِ اسلام اور منافقینِ مدینہ کے اس شرارتی گروہ نے قبیلۂ اوس اور خزرج کے مابین منافرت پھیلانے کی غرض سے جنگِ بعاث کے عروج کے زمانے میں فریقین کی طرف سے پڑھے گئے جذباتی شعروں کا فتنہ انگیز انداز میں ذکر کر کے ایک بار پھر دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے، اُنھیں اشتعال دلانے اور اُن کی پرانی دشمنیوں کو تازہ کرنے کی کوشش کی، چناں چہ اس شرارت کا اثر قبول کرتے ہوئے دونوں جانب کے نوجوان غیظ وغضب کا شکار ہو کر شعلہ فشانی پر اُتر آئے۔ متحارب گروہوں نے آناً فاناً اپنی تیز دھار تلواروں کو میانوں سے باہر نکالا اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ قریب تھا کہ فریقین کے مابین ایک ہولناک جھڑپ کا آغاز ہو جاتا کہ کسی خیر خواہ نے یہ افسوس ناک خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچا دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین کی ایک جماعت کے ہمراہ اُن برانگیختہ اور جنگ وجدل پر کمربستہ نوجوانوں کے ساتھ ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن نوجوانوں کو ملت کے اتحاد اور اتفاق کی برکت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دنیا میں عزت ووقار اور عظمت وبلندی کے حصول کے لیے لازم ہے کہ نفرت اور ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور محبت بھرے رشتوں کو فروغ دیا جائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طیش میں آئے ہوئے اُن نوجوانوں کو دورِ جاہلیت کی طرف واپس نہ پلٹنے اور کفر کے اندھیروں سے محفوظ رہنے کی نصیحت فرمائی۔

یہ مبارک خطاب سن کر دونوں طرف کے مغلوب الغضب نوجوانوں کے دلوں میں محبت واُلفت کے جذبات

دوبارہ اُبھر آئے، ساتھ ہی وہ اس بات کی تہہ تک بھی پہنچ گئے کہ نفرت کی آگ بھڑکانے کا یہ فتنہ یہودی پھیلا رہے تھے، چناں چہ حقیقت کے اس انکشاف پر دونوں طرف کے نوجوان جھگڑے کے دوران کہی گئی تلخ و ترش باتوں پر شرم سار ہوئے اور اُنھوں نے ندامت اور پشیمانی کے آنسوؤں کے ساتھ ایک دوسرے کو گلے لگالیا۔

امام النّبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کی برکت سے یہودی فتنہ پردازوں کی مسلمانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنے کی کوشش اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بالکل ناکام ہوگئی۔(1)

شروع شروع میں یہودیوں نے اہلِ اسلام کو خوفزدہ کرنے کے لیے یہ افواہ بھی پھیلائی تھی کہ تمام مسلمان عورتیں بانجھ ہو جائیں گی اور وہ اولاد پیدا کرنے کی اہل نہیں رہیں گی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس افواہ کو سختی سے رد کرتے ہوئے فرمایا:

یہ اللہ کا حکم نہیں ہے۔ چناں چہ یہودیوں کی یہ بے ہودہ افواہ اُس وقت دم توڑ گئی جب اللہ کے فضل و کرم سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نانا بن گئے۔(2)

بھینی بھینی مہک پر مہکتی درود
پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام
میٹھی میٹھی عبارت پہ شریں درود
اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام

1۔ تفسیر الطبری: 54/6
2۔ السیرۃ النبویہ واخبار الخلفاء لابن حبان: 149/1

جنگِ بدر

یہ ہجرت کا دُوسرا سال اور رمضان المبارک کا نہایت اہمیت کا حامل مہینہ تھا جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے وعدے کے مطابق کفّارِ مکّہ کے دو گروہوں میں سے ایک پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے مدینہ سے نکلے۔ لشکرِ اسلام میں '۳۱۳' افراد شامل تھے۔ اُن کے پاس سواری کے لیے صرف ستّر اُونٹ اور دو گھوڑے تھے، جب کہ اسلحے کے معاملے میں تو بالکل بے سروسامانی کا عالم تھا۔ اس کے باوجود یہ مشیّتِ خداوندی تھی کہ اسلامی لشکر مشرکینِ مکّہ کے مقابلے میں آئے، تاکہ اللہ ظالموں سے اس طرح بدلہ لے کہ کفر کا غرور اور بُت پرستوں کا رُعب ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے اور وہ آئندہ کبھی سر اُٹھانے کے قابل نہ رہیں۔

قرآنِ کریم میں جنگِ بدر کے اس تاریخ ساز، عظیم اور افضل دن کو ''یوم الفرقان'' کا نام دیا گیا ہے، یعنی توحید و شرک، ہدایت و گمراہی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کرنے والی جنگ، اس میں ایک طرف تو ایک ہزار سے زیادہ لات اور ہبل کی پوجا کرنے والے مشرک تھے جو اُونٹوں، گھوڑوں کی بہتات کے ساتھ تلواروں، تیروں اور نیزوں سے پوری طرح مسلّح ہو کر، اپنے انجام سے بے خبر، فرزندانِ توحید کو تہ تیغ کرنے کے ارادے سے اپنے گھروں سے نکل پڑے تھے، جب کہ دوسری طرف بے خوف مسلمان تھے جو سامانِ حرب کی قِلّت اور تعداد میں کمی کے باوجود صرف اپنے عقیدۂ توحید اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولولہ انگیز قیادت کی بدولت مشرکینِ مکّہ کی اُمیدوں پر پانی پھیرنے بدر کے میدانِ کارزار میں پہنچ گئے تھے۔ یہی وہ انقلاب آفریں لمحات تھے جب تحریکِ اسلامی کی تیرہ سالہ تکلیف دِہ جدوجہد کے بعد آخر کار کفر کے علم برداروں کو حق کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔

سچ اور جھوٹ کے اس فیصلہ کن معرکے میں سچ کے علم برداروں نے اپنے سے تین گُنا بڑی بُت پرستوں کی فوج کو شکستِ فاش سے دوچار کیا، جس سے دنیائے عرب میں مسلمانوں کے رُعب و دبدبے، کامیابی و کامرانی اور ایک اُٹھتی ہوئی سیاسی قوت کی حیثیت سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

سفر کا آغاز

دو گروہوں میں سے ایک کے ساتھ نمٹنے کے لیے لشکرِ اسلام جب مدینہ سے ایک میل کی مسافت پر ابی عنبہ کنوئیں کے پاس پہنچا تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین کا معائنہ فرمایا اور اسلامی لشکر میں شامل کم سن اور نابالغ مجاہدوں کو مدینہ منورہ واپس بھیج دیا گیا۔(1)

1۔عیون الاثر:286/1

ابوسفیان کا پیغام اہلِ مکّہ کے نام

شام سے واپس آتے ہوئے پچاس ہزار دینار سے زیادہ سامان والے ایک بڑے تجارتی کارواں کے جہاں دیدہ، دُور اندیش اور ذہین قائد ابوسفیان نے اہلِ مدینہ کی طرف سے حملے کا خوف محسوس ہوتے ہی حفظِ ماتقدم کے طور پر ضمضم بن عمرو غفاری نامی شخص کو ایک تیز رفتار سواری دے کر اس پیغام کے ساتھ مکّہ کے سرداروں کے پاس بھیجا کہ کچھ عرصہ پہلے ہمارے لڑکے، جورات کے اندھیرے میں مدینہ کی چراہ گاہوں سے مسلمانوں کے بہت سے اُونٹ اور بکریاں لے کر بھاگ آئے تھے اور اس سے پہلے وہ لوگ ہمارے سخت روّیوں کی وجہ سے نہ صرف ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے، بلکہ ہم نے یہ ظلم بھی اُن پر کیا کہ اُن کی جائیدادوں اور مال و منال پر قبضہ کر لیا تھا اور پھر انھیں عبادت کے لیے بیت اللہ شریف میں داخل ہونے سے زبردستی روک دیا تھا، اُن زیادتیوں کے بدلے میں اب ہمارے تجارتی کارواں کو اسلامی لشکر کی جانب سے ایک تباہ کن حملے کا شدید خطرہ ہے۔

اب تک کی اطلاعات کے مطابق (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے تین سو اصحاب کے ساتھ مدینہ سے نکل آئے ہیں، جب کہ ہمارے پاس صرف چالیس محافظ ہیں جو اتنے بڑے قافلے کی حفاظت کے لیے بہت ہی کم ہیں۔ اس لیے اے قریش کے بہادرو! جتنی جلدی ہو سکے، اپنے تجارتی قافلے کی بہ حفاظت مکّہ واپسی کا اہتمام کرو ورنہ اپنے مال و متاع سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

تجارتی کارواں کو تحفظ فراہم کرنے کے اس ہنگامی پیغام نے مکّہ میں ہلچل مچادی۔ سردارانِ مکّہ نے فوری طور پر مدینے کی اُبھرتی ہوئی طاقت کے خلاف بڑے پیمانے پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مکّہ کے ایک سردار اور عرب کے نامور خطیب سہیل بن عمرو نے اپنی جذباتی تقریر میں لوگوں کو اشتعال دلاتے ہوئے کہا کہ:

اے اہلِ مکّہ! (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اہلِ اسلام یہ سمجھتے ہیں
کہ باوقار اور بہادر قریش مکّہ کا یہ تجارتی قافلہ ایک آسان شکار ہے اور وہ اُس سے
وہی سلوک کر سکتے ہیں جو اُنھوں نے عمرو حضرمی کے تجارتی قافلے کے ساتھ کیا تھا
تو اے سرفروشانِ مکّہ!
پوری تیاری کے ساتھ آگے بڑھو اور مسلمانوں کو بتا دو کہ یہ باہمت
دلاورانِ مکّہ کا قافلہ ہے، اسے غارت گری کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔
آج مسلمانوں کو اپنی تلواروں کے ذریعے یہ پیغام بھی پہنچا دو کہ وہ ایسا سوچنا ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں۔
وہ کبھی بھی ہمارے مال و متاع، تجارتی سامان اور اُونٹوں کو اپنے تسلّط اور تصرف میں نہیں لا سکتے۔
اے قبیلۂ قریش کے جاں بازو! اپنے آباء واجداد کے مذہب، تجارتی راستوں کے تحفظ اور
قومِ قریش کی عظمت و شہرت کی پاسبانی کے لیے اسلحہ سے لیس ہو کر گھروں سے نکلو!

اے میرے بہادرو!

اگر کسی کے پاس ہتھیاروں کی کمی ہے یا کوئی مالی پریشانی ہے تو اس کی بھی فکر نہ کریں۔

جتنی رقم یا اسلحے کی ضرورت ہوگی، اس کا بھی بندوبست ہوجائے گا۔

شہر میں جنگی ماحول بننے کے بعد نہایت سرعت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک ایسا لشکرِ جرار تیار ہوگیا جس میں مکّہ کے بڑے بڑے سردار، آزمودہ کار جنگ جُو، مانے ہوئے شہ سوار اور تجربہ کار لڑاکا سپاہی شامل تھے۔ایک ہزار فوجیوں پر مشتمل دشمنانِ دین کا یہ لشکر طاقت کے نشے میں مست، بڑے تکبّر، نخوت اور رعونت کا اظہار کرتے ہوئے، مسلمانوں سے اپنے روز روز کے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے بلکہ انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کا ارادہ لے کر بڑے زوردار انداز اور انتقامی جذبے کے ساتھ مکّہ سے روانہ ہوا۔

لشکر کے ساتھ گانے والی کنیزیں بھی تھیں جو لشکرِ کفار میں شامل فوجیوں کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلانے اور اُن کی آتشِ انتقام کو بھڑکانے کے لیے بلند آواز کے ساتھ ہجو یہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔ یہ لشکر جب جحفہ کے مقام پر پہنچا تو سردار ابوسفیان نے لشکر کے راہنماؤں کو قیس بن امری القیس کے ذریعے یہ اطلاع پہنچائی کہ تم اپنے قافلے اور مال کے تحفظ کے لیے نکلے تھے۔اب جب کہ ہمارا قافلۂ تجارت خطرے کے مقام سے گزر گیا ہے اور اس وقت ہم لوگ اپنی جان و مال کی سلامتی کے ساتھ مکّہ کے قریب پہنچ چکے ہیں، لہٰذا اب کسی مسلّح کارروائی کی ضرورت نہیں۔اس لیے تم لوگ اپنے گھروں کو واپس لوٹ آوَ۔(1)

مشرکینِ مکّہ کے لشکر میں شامل معززین اور مدّبرین کی اکثریت نے ابوسفیان کی طرف سے آئی اس خبر پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے واپسی کا پروگرام بنالیا لیکن مکّہ کے متکبر سردار ابوجہل، جسے اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا، اعلان کر دیا کہ ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ مسلمانوں کو سبق سکھانا اور اُن کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے توڑنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے اور ہم تو بڑے عرصے سے اس موقعے کی تلاش میں تھے۔اس بار ہم مسلمانوں کو بدر کے میدانِ جنگ میں خوف ناک انجام سے دوچار کردیں گے، تاکہ وہ آئندہ کبھی سر نہ اُٹھا سکیں۔ اگر اسلامی لشکر مقابلہ کیے بغیر واپس چلا گیا تو ہم اپنی شان وشوکت، فوجی طاقت اور برتری کے مظاہرے کے لیے تین دن تک بدر میں قیام کریں گے، اُونٹوں کا گوشت اپنے لشکر کے ساتھ مقامی لوگوں کو بھی خوب کھلائیں گے۔

شراب اور کباب کے ساتھ ناچ گانے کی رنگارنگ محفلیں سجائیں گے۔اس طرح بہادری کے ساتھ دشمن کی طرف قریش کی پیش قدمی سے ہمارے قبیلے کی عظمت وشوکت، عظیم حربی صلاحیت کا دبدبہ اور ہیبت سارے عرب پر قائم ہوجائے گی۔ ہمارے اس مظاہرے سے تمام عرب کے قبائل ہمیشہ خوف زدہ رہیں گے اور آئندہ کبھی کوئی ہمارے تجارتی قافلوں کو دھمکانے یا لُوٹنے کی ہمت نہیں کرے گا۔(2)

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 618/1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 101/3 　2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 619/1

ادھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چار دن کی مسافت کے بعد وادیِ روحہ کے کنوئیں پر پہنچے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز ادا کرنے کے بعد اللہ سے یہ دُعا فرمائی:

اے پاک پروردگار! اس وقت کے فرعون ابوجہل کو عبرت ناک انجام سے دوچار فرما
جس کے غرور، تکبر اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ جنگ برپا ہورہی ہے۔

وادیِ ذِفران میں جب ابوجہل کی قیادت میں مکّہ کے مسلّح لشکر کی آمد کی اطلاعات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بات کا ادراک کرلیا کہ صورتِ حال غیر معمولی ہوگئی ہے۔ شاید قریش کے ساتھ ایک خوف ناک جنگ اور خون ریز تصادم کا وقت قریب آ گیا ہے، اس لیے اب ہمیں اسلامی لشکر کی اگلی حکمتِ عملی کو بھی نئے سرے سے ترتیب دینا چاہیے۔

ان بدلتے ہوئے حالات پر باہمی مشورے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وادیِ ذِفران میں مہاجرین اور انصار پر مشتمل ایک مجلسِ مشاورت طلب فرمائی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے مشرکینِ مکّہ کا ایک زبردست لشکر
سردارانِ قریش کی قیادت میں بالکل ہمارے نزدیک پہنچ چکا ہے۔
آپ لوگ مشورہ دیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم لوگ مقابلے کے لیے آگے بڑھیں
یا یہیں سے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں؟ ابھی ہمارے پاس وقت ہے کہ ہم مدینہ واپس جاسکتے ہیں
لیکن یہ کوئی نجات کا راستہ نہیں ہوگا، کیوں کہ اس سے مدینہ کے یہودیوں، منافقوں اور مشرکینِ مکّہ
کی نظروں میں اسلام کی شان و شوکت متاثر ہوگی اور مسلمانوں کی ہوا اُکھڑ جائے گی۔

جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس مجلسِ مشاورت میں سب سے پہلے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑے تحمل اور بردباری کے ساتھ جنگ کی موافقت میں نہایت موثر دلائل بارگاہِ رسالت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
تبلیغ کے آغاز سے لے کر آج تک ہم قریش کے خیالات اور اُن کے ارادوں سے
بہت اچھی طرح آگاہ ہیں۔
اب جس جوش وخروش اور جنگی تیاریوں کے ساتھ وہ بدر کی جانب آرہے ہیں،
اُس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اب جنگ ناگزیر ہے،
کیوں کہ وہ لوگ اہلِ اسلام کے خلاف جنگ کی نیّت سے ہی اپنے گھروں سے نکلے ہیں۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم قیادت میں پورے عزم اور جذبے کے ساتھ ان بدبختوں کا مقابلہ کریں گے۔

اِس کے بعد سیّدنا حضرت عمرؓ فاروق مودبانہ انداز میں اظہارِ جاں نثاری کے لیے کھڑے ہوئے اور کفّار سے جنگ کی حمایت میں ایک پُرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

یہ مکّہ کے مشرکین عرصۂ دراز سے کفر کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔
ان کے سینے نورِ ایمان سے روشناس نہیں ہوئے۔
ان فریب خوردہ لوگوں نے ابھی تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی رسالت کی تصدیق نہیں کی اور اب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، کیوں کہ
ان کی خود پسندی، سرکشی اور انا پرستی ان کے ایمان لانے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

ہمارے لیے یہ ایک اچھا موقع ہے۔
مکّہ کے سردار اور معززینِ شہر کی ایک بڑی تعداد بھی اس لشکر میں شامل ہے۔
جب سے اللہ ربُّ العزت نے قریش کے ان سرداروں اور راہنماؤں کو
شان وشرف سے نوازا ہے، انھیں اب تک کسی بھی میدان میں شکست کی شرمندگی
یا پسپائی کی شرم ساری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس وجہ سے یہ ہمیشہ اپنے دل
میں غرور، تکبر اور جھوٹی شان وشوکت کا وہم اور گمان رکھتے ہیں،
لٰہذا ان آمادہ پیکار فتنہ پردازوں سے امن کی توقع رکھنا مناسب نہیں ہے۔
وہ مسلمانوں کو کمزور سمجھتے ہوئے یقیناً معرکہ آرائی کے لیے آگے بڑھیں گے،
اس لیے اب مقابلے سے پیچھے ہٹنا کسی طور بھی مناسب نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں،
ہمیں یقین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم اور دانش مندانہ قیادت کے ہوتے ہوئے
اسلامی لشکر کی شہرت اور عظمت میں کسی کمی کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

اللہ کے اِن نافرمانوں کو سبق سکھانے کے لیے جنگ کی تیاری فرمائیں،
کیوں کہ اب جدال وقتال کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس کارروائی سے اُن بدترین لوگوں کو اپنے اصل مقام اور مرتبے کا پتا چل جائے گا۔

ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولولہ انگیز قیادت میں کفّار کے ساتھ مقابلے اور ان پر کاری ضرب لگانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کے لیے بالکل تیار ہیں۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سے بہترین انداز میں کی گئی ایمان افروز تقریروں کو سُن کر خوشی کا اظہار فرمایا اور اُن کے لیے دُعائیہ کلمات ادا فرمائے۔

اس کے بعد مکّہ سے تعلّق رکھنے والے ایک اور قابلِ احترام صحابی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن عمرو کھڑے ہوئے اور بڑے پُرجوش لہجے میں اپنے دلی جذبات کو ان کلمات کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان! اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے جو حکم آیا ہے،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس حکم کو جاری فرمائیں!

اللہ کی قسم!

ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اس طرح کا کوئی عذر پیش نہیں کریں گے

جس طرح کا رویّہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ

اے پیغمبرِ خدا موسیٰ علیہ السلام!

آپ میدانِ جنگ میں جائیں اور اپنے ساتھ اپنے ربّ کو بھی لے جائیں

اور دونوں اللہ کے اِن نافرمانوں کے خلاف لڑیں، ہم تو یہیں رہیں گے،

حالانکہ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان سے کھانے بھیجے اور

ان کو اپنی ہر نعمت سے نوازا تھا لیکن یہ قوم ہی ناشکر گزار تھی۔

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

بنی اسرائیل کے برعکس ہم تو یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر جنگ کا مرحلہ بہت قریب آچکا ہے

تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری طرف سے بالکل مطمئن رہیں!

اپنے ربّ کے ساتھ میدانِ جنگ کی جانب تشریف لے چلیے اور لڑائی کا آغاز فرمائیے!

ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں اللہ کے دشمنوں کے خلاف

جدال وقتال میں بھرپور حصّہ لیں گے اور ڈٹ کر لڑیں گے،

جنگ کے دوران بے دریغ اپنے سر کٹائیں گے لیکن کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم!
جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق اور سچ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے،
اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دشمنوں کے خلاف لڑنے کے لیے انتہائی دور برک الغماد تک تشریف لے جائیں
تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ ہوں گے اور مقابلے پر آنے والے دشمنوں سے
ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے سے لڑیں گے، دائیں سے لڑیں گے،
بائیں سے لڑیں گے، حتّٰی کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نثار ہو جائیں گے
لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔(1)

توحید و رسالت کے فداکاروں کی جانب سے کی گئی تقریروں میں وفاداری، سرفروشی اور جاں نثاری کے اظہار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمکنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن عمرو کے سچے جذبوں کی تعریف کرتے ہوئے اُن کے حق میں دُعائے خیر فرمائی۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت مقداد بن عمرو، ان تینوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعلّق مکّہ مکرمہ سے تھا لیکن اسلامی لشکر میں مدینہ منورہ سے تعلّق رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد زیادہ تھی، چناں چہ جب حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اپنے جذبات کا اظہار کر چکے تو قدرے توقّف کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دوبارہ مخاطب ہوئے:
لوگو!
مجھے مشورہ دو کہ موجودہ صورتِ حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خصوصی طور پر انصار کا نقطۂ نظر دریافت فرمانا چاہتے تھے، کیوں کہ ہجرت سے پہلے بیعتِ عقبہ ثانی کے موقعے پر نمایاں انداز میں جو الفاظ معاہدے میں شامل تھے، وہ اس طرح تھے:
جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ تشریف لے آئیں گے تو ہم دُشمنانِ دین سے
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تحفظ اور مدافعت کی ذمّے داری اس طرح نبھائیں گے
جس طرح ہم اپنی جائیداد، دولت اور خاندان کی پاسبانی اور نگرانی کا فرض
ادا کرتے ہوئے اپنی جانیں نثار کر دیتے ہیں۔

البتہ اہلِ مدینہ کی طرف سے کی گئی عقبہ ثانی کی اُس بیعت میں شہر سے باہر کی جنگ میں حصّہ لینے کے متعلّق

1۔ ایضاً: 615/1۔ صحیح بخاری۔ کتاب تفسیر القران۔ رقم الحدیث: 4609

کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا تھا لیکن اب حالات کے اچانک تبدیل ہو جانے سے انصار کے لئے یہ پہلا امتحان تھا۔ اس لیے جیسے ہی اہلِ مدینہ کو اس بات کا احساس ہوا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس اہم موقعے پر یقیناً ہمارا موقف بھی سننے کے منتظر ہیں تو انصار کی طرف سے قبیلۂ اوس کے نہایت قابلِ احترام سردار سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ تیزی کے ساتھ اُٹھے اور بارگاہِ رسالت میں بصد ادب و احترام عرض کرنے لگے:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم !

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان ہوں !

شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم سے خطاب فرما رہے ہیں

اور موجودہ صورتِ حال کے متعلّق ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں؟

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا:

بالکل !

میں آپ لوگوں کے عزم اور ارادوں کو بھی جاننا چاہتا ہوں۔

قبیلۂ اوس کے باوقار سردار سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اپنی پُروجاہت شخصیت کے باعث پورے مدینہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور اُن کا مرتبہ انصار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا تھا۔ اُنھوں نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنی قوم کی طرف سے ایثار و قربانی کی پیش کش کی اور بڑے خوب صورت انداز اور الفاظ میں اپنے والہانہ جذبات کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم !

میں انصار کے نمائندے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ
بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت
اور رسالت کی توثیق کرنے میں فوقیت حاصل کی، ہم نے اس بات کی بھی شہادت دی کہ
جو تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لے کر آئے ہیں، وہ حق اور سچ ہیں۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم !

ہم نے بیعتِ عقبہ میں نہ صرف اپنے شہر، اپنی سرزمین بلکہ ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی
نصرت وحمایت کی ذمّے داری کو قبول کیا ہوا ہے۔ اس بیعت کے تحت ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کے ہر حکم کی کامل اطاعت اور دلِ وجان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمانبرداری کے جذبے کے
ساتھ اپنی جانیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فدا کرنے کا پختہ عہد و پیمان باندھ چکے ہیں۔

اس لیے اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم !

جس بات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عزم فرمائیں تو پھر پورے یقین کے ساتھ اُس منزل
کی جانب قدم بڑھائیں، انصار ہر حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رفیق رہیں گے
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر حکم کی دلِ وجان سے فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کریں گے۔
اُس ذاتِ پاک کی قسم!
جس نے اپنی رحمت وبرکت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوّت اور رسالت سے سرفراز فرمایاہے،
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر ہمیں سمندر میں کودجانے کاحکم جاری فرمائیں
توپھر انصار کا کوئی ایک فرد بھی پیچھے ساحل پرنہیں رہے گا۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس کے ساتھ تعلقات استوار کریں گے،ہم بھی اپنا تعلّق اُس کے ساتھ
جوڑلیں گے اور جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنگ کرنا چاہتے ہوں،انصار بھی پوری شدت
کے ساتھ اُس سے جنگ کریں گے اور میدانِ کارزار میں اپنی کامل ثابت قدمی اور
صبرواستقلال کا ثبوت دیں گے۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
ہماری جان،مال اور اولاد،سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پرقربان ہے۔
غرض یہ کہ ہم ہر حال میں تابع فرمان رہیں گے۔اُس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت
میں میری جان ہے۔ہم دشمن کے ساتھ ٹکرانے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ہمیں ان کافروں
کے ساتھ مقابلے کامطلق خوف نہیں ہے بلکہ یہ بات ہمیں زیادہ پسند ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
ہمارے لیےحکم جاری فرمائیں کہ دشمن کے ساتھ کل کی بجائے آج برسرِ پیکار ہوناہے۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
انّ شاءاللہ! ہم لوگ دوبدو جنگ کے ماہر،میدانِ کارزار کے شیر
اور نڈر ہوکر مقابلہ کرنے والے جاں باز ثابت ہوں گے۔
شاید اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت سے میدانِ جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو
ہمارے کردار اورعمل سے جراَت،شجاعت اور جاں نثاری کے متعلّق کوئی
ایسی کارکردگی دکھائی دے جائے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے متعلّق اپنے
دل میں خوشی اورآنکھوں میں ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے ہم سے راضی ہوجائیں۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ہمیں یقین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں جب ہمارا لشکر آگے بڑھے گا
تو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔اس لیے جتنی جلدی ہو سکے،
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے پیش قدمی فرمائیں۔

دلیری، جاں نثاری اور سرفروشی سے بھر پور مجاہدانہ تقریر سن کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور رُوئے انور خوشی اور مسرت سے کھل اُٹھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سعادت مند جاں نثاروں سے وہی کچھ سُنا تھا جس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دل میں تمنّا رکھتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے لیے دعائے خیر فرمائی۔(1)

جاں نثاروں کا جذبہ

اپنے ساتھیوں کی سرفروشانہ تقریریں سننے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ بشارت ملنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت کا وعدہ آ گیا ہے، تین سو تیرہ جوانوں پر مشتمل اسلامی لشکر کے ہر فرد کا دل جذبۂ جہاد سے سرشار ہو گیا، اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں گرفتار اور خدائے لاشریک کی رضا کا طلب گار بن گیا اور وہ اپنی جانوں کا نذرانہ آقائے نامدار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں پیش کرنے کے لیے بے تاب ہو گئے۔

اسلامی لشکر میں افرادی قوت کی کمی، محدود وسائل اور سنگین مشکلات کے باوجود اُن کے دلوں میں نہ کوئی گھبراہٹ تھی اور نہ دشمنوں کی کثرتِ تعداد کا کوئی خوف تھا۔اب جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح نظر آ رہی تھی یا شہادت اور ہر سپاہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں کا اُمیدوار تھا اور اس بات کا مکمل یقین رکھتا تھا کہ شہادت کے بعد اپنی ہمیشہ کی زندگی میں شاندار کامیابیاں اُس کا مقدر بنیں گی۔

لڑاکا دستوں کی تشکیل

لشکرِ کفّار کے ساتھ مقابلے کے لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دستے تشکیل فرمائے۔سفید پرچم سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو، مہاجرین کا پرچم بنی عبد الدار سے تعلّق رکھنے والے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کو اور انصار کا پرچم مدینہ کے معزز سردار حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کو عطا فرمایا گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدینِ اسلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

اللہ ذُوالجلال والاکرام کا نام لے کر کفّار کی جانب خوشی خوشی قدم بڑھاؤ۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے تجارتی قافلے یا لشکرِ کفّار میں سے ایک گروہ پر فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔
اللہ کی قسم!

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:615/1

میں اس وقت مکّہ کے مقتولین کے گرنے اور مرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں
اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ کون سا سردار کس کس جگہ پر کیفرِ کردار کو پہنچے گا۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کی طرف روانگی کے وقت زرّہ زیب تن فرمائی جس کا نام ''ذات الفضول'' تھا، اپنی تلوار ''عضب'' حمائل فرمائی اور اسلامی لشکر کو بدر کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم جاری فرمایا۔(2)

میدانِ جنگ کے قریب

جہاد کے اس سفر میں اُونٹوں پر باری باری سواری فرماتے ہوئے جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی لشکر کو مرکزی میدان کے قریب اور پانی کے سب سے پہلے کنوئیں کے نزدیک خیمہ زن ہونے کا حکم فرمایا۔ اس موقع پر حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن المنذر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
جو جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی لشکر کے قیام کے لیے منتخب فرمائی ہے، کیا اس مقام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے پسند فرمایا ہے؟ اگر یہ اللہ ربّ العزت کی طرف سے آئے ہوئے حکم کے مطابق ہے تو پھر ہمیں کسی تبدیلی کے بغیر اپنے خیمے یہیں لگا لینے چاہئیں لیکن اگر یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم نہیں ہے اور پانی کے اس کنوئیں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقام پر ٹھہر گئے ہیں تو یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
لڑائی کے نقطۂ نظر سے میں وادئ بدر اور اس کے بہترین مقامات سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔
میری تجویز یہ ہے کہ ہر لحاظ سے موزوں اور سازگار جگہ کے انتخاب کے لحاظ سے ہمیں کوہِ اسفل کے دامن میں پانی کے کنوؤں اور چشموں پر قبضہ کر کے اُس کے قریب اپنا کیمپ لگانا چاہیے۔
اس طرح پانی کے سب ذخیرے ہمارے لشکر کے پیچھے ہوں گے۔ اُن میں سے ایک سدابہار چشمہ ہے جس کا میٹھا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہم اس کے قریب ایک بڑا حوض بنا کر پانی ذخیرہ کر لیں گے۔ اور اگر یہ سب انتظام اچھے انداز میں ہو جاتا ہے تو دورانِ جنگ ہمیں پانی کی کمی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حضرت حَباب رضی اللہ عنہ بن المنذر کی رائے کی تائید کر دی، چناں چہ مشورے کی اہمیت اور آزادیِ رائے کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمانے والے ہمارے حضور نبیِ اکرم

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 615/1   2۔ کتاب المغازی للواقدی: 103/1

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جاں نثار کی رائے کو صائب سمجھتے ہوئے اسلامی لشکر کی خیمہ گاہ کو آدھی رات کے وقت میٹھے پانی کے بڑے چشمے کے نزدیک منتقل کرنے کا حکم جاری فرمایا۔لشکر گاہ کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا، وہ نرم ریتلی زمین تھی جس میں پاؤں دھنس جاتے تھے مگر بلند پہاڑوں میں گھری بدر کی اس ریگزار وادی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے رات کو بارش ہوگئی جس سے وہاں کا ماحول نیک نیّت اور پاک طینت مجاہدین کے حق میں نہایت فائدہ منداور سازگار ہوگیا۔

تمام کنوئیں پانی سے بھر گئے، گردوغبار بیٹھ گیا، زمین ہموار اور ریت سخت ہونے سے پاؤں جمنے لگے، اسلامی لشکر کو اپنے سامان کے ساتھ نقل وحرکت کرنے اور چلنے پھرنے میں آسانی ہوگئی۔ اللہ کے اس فضل وکرم اور انعام پر مسلمانوں کو راحت واطمینان حاصل ہوا جس سے اُن کے ارادے پختہ اور دل مضبوط ہوگئے۔اس کے برعکس یہ بارش مشرکینِ مکّہ پر مصیبت بن کر برسی، کیوں کہ قریش نے نرم اور ڈھلوان والے حصّے میں ڈیرے لگائے تھے اور وہاں کی زمین پر ریت کی نسبت مٹی زیادہ تھی جو بارش کی وجہ سے دلدل اور کیچڑ میں بدل گئی۔اس سے لشکرِ کفار میں شامل فوجیوں کو اپنی نقل وحرکت میں بہت زیادہ دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔(1)

حضرت حَباب رضی اللہ عنہ بن المنذر کی طرف سے اسلامی لشکر کو بڑے کنوئیں کے قریب منتقل کرنے کا مشورہ موقع محل کے مطابق اور دفاعی لحاظ سے ایک مستحکم اور پائیدار جنگی مشورہ تھا۔حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے اس مفید مشورے کی بہت تعریف فرمائی، چناں چہ اُس دن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تینتیس سالہ حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن منذر کو ''صاحب الرّائے'' کے لقب سے یاد کرنے لگے۔

اُونچی جگہ پر سایہ دار خیمہ

اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرنے کے لیے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہو کر تجویز پیش کی:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے یہاں ایک اُونچے مقام پر کھجور کے پتوں، شاخوں اور لکڑی سے ایک چھوٹا سا خیمہ تیار کر دیتے ہیں، جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنگ کے دوران اسلامی افواج کو ہدایات جاری فرما سکتے ہیں۔ اُس مرکزی کمان گاہ کے قریب ہی ہم سواریاں بھی تیار رکھیں گے۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم دشمن کی طرف بڑھیں گے اور پورے جوش وخروش کے ساتھ جنگ میں حصّہ لے سکیں گے۔اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں فتح ونصرت

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:620/1۔دلائل النبوۃ للبیھقی:35/3

سے ہمکنار فرمایا تو ''سبحان اللہ''! کیوں کہ یہی ہماری خواہش اور تمنا ہے اور خدا نہ کرے اگر نتیجہ اس کے برعکس نکلتا ہے تو

اے اللہ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ میں اُن لوگوں کے پاس بخیریت پہنچ جائیں جو ہم سے بھی زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے عقیدت ومحبت اور خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اُن کو تھوڑا سا بھی گمان ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمن کے ساتھ جنگ کا مرحلہ پیش آ سکتا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی اور قیادت میں یہاں میدانِ جنگ میں پہنچ جاتے اور زبردست شجاعت و بہادری اور خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے جاں نثاری اور غلامی کا حق ادا کر دیتے۔ ہماری اللہ ربّ العزت سے دُعا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کبھی کوئی پریشانی نہ پہنچے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و وقار کی حفاظت اور کامیابی و کامرانی کے خواہش مند ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ان پُرخلوص الفاظ پر مسکراتے ہوئے اپنے عاشقِ صادق کے خوب صورت جذبات کے لیے دعائے خیر اور تعریفی کلمات ادا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے سعد رضی اللہ عنہ!

تمھاری اس بات میں اللہ تبارک وتعالیٰ برکت عطا فرمائے گا۔(1)

سالارِ دیں کا بدر کے میداں میں مستقر
جس پر کہ جبرئیل نے پھیلا رکھے تھے پر
تھا سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میدانِ کارزار
رکھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اک بات پر نظر
امن و سلامتی کا تھا جھنڈا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
گویا جہاں نما تھا عریشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

خطبہ

لڑائی سے ایک روز پہلے والی رات میں سالارِ اعظم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ میدان جنگ کا معائنہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نشان

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 620/1

دہی فرماتے جاتے تھے کہ اِنَّ شاءاللہ! کل دشمنوں کے بڑے بڑے سرداروں میں سے فلاں اس جگہ اور فلاں فلاں اس جگہ قتل ہوں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اگلے دن وہ سب دشمنانِ خدا انتہائی ذلّت کے ساتھ ٹھیک انھیں مقامات پر قتل ہوئے۔(1)

میدانِ جنگ میں ہی پیکرِ رحم و کرم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جاں بازوں کے سامنے اُن کی روحوں کو پاکیزہ کرنے اور اُن کے جذبۂ جہاد کو اُبھارنے کے لیے ایک پُر جوش اور ولولہ انگیز خطبہ ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اے لوگو!

بے شک! میں تمھاری توجہ اُس چیز کی جانب دلانا چاہتا ہوں جس چیز کی طرف خود اللہ ذُوالجلال والاکرام تمھیں بلاتا ہے اور ہر اُس عمل سے منع کرتا ہوں جس سے اللہ رحمٰن و رحیم تمھیں روکتا ہے اللہ بزرگ و برتر کی شان بہت بلند ہے۔

اللہ ربّ العزت حق اور سچ بات کا حکم دیتا ہے، سچائی اور صداقت کو پسند فرماتا ہے۔

نیکی، بھلائی اور خیر کے کاموں میں حصّہ لینے والوں کو بارگاہِ الٰہی سے بہترین اجر و ثواب اور بلند درجات عطا کیے جاتے ہیں۔

بے شک! سچائی، راستی اور حق کی اہم ترین منزلوں میں سے ایک کٹھن منزل پر آج تم لوگ پہنچ چکے ہو۔

آزمائش کے اس نازک مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں وہی نیک عمل قبول کیا جائے گا جو صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہوگا۔

اس وقت جنگ کا مرحلہ بالکل قریب ہے۔

اب تم لوگ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے پورے صبر و استقلال کے ساتھ میدانِ کارزار کی طرف بڑھو!

اگر تم میں سے کسی شخص کو جنگ میں پیش آنے والی سختیاں اور پریشانیاں گھیر لیں اور وہ آزمائش کے اس مشکل مرحلے پر صبر اختیار کرے اور ثابت قدم رہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کو دلی اطمینان اور سکون عطا فرماتا ہے اور ہر قسم کا رنج و غم اور بے چینی اُس سے دور فرمادی جاتی ہے اور یہی صبر اُس شخص کے لیے آخرت میں بھی

1۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر۔ رقم الحدیث: 1779۔ 2873

نجات کا ذریعہ بنے گا۔ آج کی جنگ میں تم لوگوں میں سے جو بھی پوری ہمت، جرأت اور
استقامت کے ساتھ آگے بڑھ کر بُت پرستوں کے خلاف لڑے گا اور پیچھے نہیں ہٹے گا،
اس حال میں کہ وہ صبر کرنے والا تھا اور اپنے ربّ کی رضا کا طلب گار تھا
تو اللہ ذُوالجلال والاکرام اُس شخص کو جنّت میں اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمائیں گے۔
اے لوگو! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے درمیان موجود ہیں۔
وہ آپ لوگوں کو برے کاموں سے منع کرنے کے ساتھ خیر اور بھلائی کے
کاموں کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔
دیکھو! آج تم کسی ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کرنا جس سے اللہ ربّ العزت تم سے ناراض ہو جائیں۔
جہالت کے تاریک دور کے بعد تم لوگوں کو جس روشن کتاب کی وجہ سے عزت اور وقار ملا ہے،
اُس مقدس کتاب کو پورے عزم کے ساتھ تھام لو!
آج کی اس آزمائش میں اللہ تمھیں ثابت قدم دیکھنا چاہتا ہے۔
اگر تم اِس اہم ترین موقعے پر پورے صبر و ضبط کے ساتھ دلیری اور دلاوری کا مظاہرہ کرو گے
تو اللہ تمھیں اپنے فضل و کرم اور شفقت سے نواز دے گا اور تم غالب رہو گے
جس کا اُس رحیم و کریم ذات نے تم سے وعدہ فرمایا ہے۔
بے شک اللہ ذُوالجلال والاکرام کی تمام باتیں حق اور وعدے سچے ہوتے ہیں۔
اے لوگو! اس بات کو یاد رکھو کہ
ہم صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام سے مدد کے طلب گار ہیں
جو ازل سے جاوداں اور ابد تک قائم و دائم رہے گا۔
اس کائنات کا تمام نظم و ضبط اُسی قادرِ مطلق کے حکم سے برقرار ہے
اور اللہ پاک پروردگار کی ذاتِ بابرکات سے ہی ہماری ہر آس اور اُمّید وابستہ ہے
اور اُس کی طرف ہی ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔
اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری اور تمام مسلمانوں کی بخشش فرمائے! (آمین) (1)

یہ خطاب اتنا ولولہ انگیز تھا کہ فرزندانِ اسلام کی رگوں میں خون جوش مارنے لگا، اُن کے عزم میں استقلال اور فتح پر یقین محکم ہو گیا اور وہ ہر طوفان سے ٹکرانے کے لیے ذہنی، جسمانی اور رُوحانی طور پر تیار ہو گئے۔

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 59/1

دُعا

اس ایمان افروز اور روح پرور خطبے کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ واپس اپنے خیمے میں تشریف لے آئے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز ادا فرمائی، پھر تمام رات نہایت خضوع وخشوع، عجز و انکسار اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ اپنے پروردگار سے فتح ونصرت کی دُعائیں مانگتے گزار دی۔

بارگاہِ ایزدی میں دُعائیں مانگتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والہانہ انہماک اور محویت کا یہ عالم تھا کہ ردائے اقدس بار بار شانوں سے سرک کر نیچے گر جاتی اور اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوبارہ شانۂ مبارک پر ڈال دیتے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ربِّ کریم کے حضور دعا گو تھے:

اے اللہ کریم! یہ قریش کا لشکر ہے جنھیں اپنے طاقت ور ہونے کا زُعم ہے۔
یہ بُت پرست اور فریب خوردہ لوگ خود پسندی اور انانیت کے نشے میں
ڈوبے ہوئے، سرکش رویہّ رکھنے والے یہ ناسمجھ لوگ، حق اور سچ کے ساتھ جنگ کرنے آئے ہیں۔
اے پاک پروردگار! یہ آپ کے احکامات اور تعلیمات سے سخت عداوت رکھتے ہیں
اور آپ کے بندوں کو اطاعت سے روکتے ہیں۔
یہ آپ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق سے انکار کرتے ہیں۔
ہر وقت ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ
آپ کے مبعوث فرمائے گئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ناکام بنا دیا جائے۔
اے ربِّ کریم!
اسلامی لشکر میں شامل یہ جاں نثار اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اور شہادت کے
جذبے سے سرشار ہو کر میدانِ جنگ میں نکلے ہیں اور ہم آپ کی جانب سے
اُس نصرت اور امداد کے منتظر ہیں جس کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔
یقیناً آپ وعدہ پورا فرمانے والے ہیں۔
اے اللہ ربُّ العزت!
اِن مشرکوں کو اُن کے انجام تک پہنچایئے! اور انھیں ناکام و نامراد کر دیجیے!
آج اگر آپ کا نام لینے والوں اور سچے عبادت گزاروں کی اِس چھوٹی سی
جماعت کا وجود مٹ گیا تو حشر تک اس کرّۂ ارض پر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔
اے اللہ ذُوالجلال والاکرام!
ہماری مدد اور نصرت کا وعدہ پورا فرمایئے!

اور خیمے میں موجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر دُعا کے ساتھ ساتھ ''آمین''، ''ثم آمین'' کہتے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اللہ کے حضور پورے سوز وگداز کے ساتھ دعائیں جاری تھیں۔ دُعاؤں میں وارفتگی کی یہ کیفیت دیکھ کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انتہائی محبت وعقیدت اور احترام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک کو تھام کر نہایت ادب کے ساتھ درخواست کی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! بے شک اللہ ربُّ العالمین نے اپنے نبی علیہ السلام کی دعائیں سن لی ہیں۔ رحیم وکریم ذاتِ باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فتح و کامرانی کا جو وعدہ فرمایا ہے، اِن شاء اللہ وہ ضرور پورا ہوگا اور یقیناً کامیابی لشکرِ اسلام کے قدم چومے گی۔(1)

قریش کے جاسوس

سردارانِ مکّہ نے عمیر بن وہب کو اسلامی لشکر کا احوال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تاکہ مجاہدین کی تعداد اور اُن کے جوش وجذبے کا اندازہ لگایا جاسکے، چناں چہ واپس جا کر اس نے رپورٹ پیش کی کہ مسلمان سپاہیوں کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ اُن کے پاس ستّر اُونٹ اور صرف دو گھوڑے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اہلِ قریش کو خبردار کرتے ہوئے کہا:

اے معززینِ قریش!

میں نے اسلامی لشکر کا جائزہ لیتے ہوئے اس بات کو خاص طور پر محسوس کیا ہے کہ یہ لوگ نہ صرف لڑنے کا بلکہ مرنے کا عزم بھی رکھتے ہیں۔ اُن کی تلواروں کے تیور بتا رہے ہیں کہ یہ لوگ خاک وخون کی بازی کھیلنے آئے ہیں۔ اُن میں سے ہر شخص تب تک جان نہ دے گا جب تک وہ تم میں سے کسی ایک کو قتل نہ کر لے گا۔ تم ہی بتاؤ کہ اگر اُن لوگوں نے اتنی زیادہ تعداد میں تمھارے سرداروں اور سرکردہ لوگوں کو قتل کر دیا تو اس کے بعد جینے کا کیا مزا رہ جائے گا۔ تب تمھیں اس بات کی سمجھ آئے گی کہ لڑنے کا فیصلہ غلط تھا۔

عمیر بن وہب کے بعد ابوجہل کی سپاہ نے ایک اور شخص کو اسلامی لشکر کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ اُس نے بھی واپس آ کر بتایا کہ

مجاہدینِ اسلام کی تعداد تین سو کے قریب ہے اور اُن کے پاس جنگ کا ساز وسامان بھی بہت کم ہے لیکن اُن کی آنکھوں سے جاں نثاری اور سرفروشی کا عزم جھلکتا ہے۔ سر پر کفن باندھے ان سپاہیوں کے انداز سے لگتا ہے کہ انھیں زندہ گھر لوٹنے کی بجائے شہادت زیادہ عزیز ہے۔

اس کے بعد اُس نے بھی اہلِ مکّہ کو خبردار کرتے ہوئے کہا:

1۔صحیح مسلم۔کتاب الجہاد والسیر ۔رقم الحدیث:1763

اے قریش کے لوگو!

لڑائی کا فیصلہ جلدی میں نہ کرنا۔مناسب اور احسن طریقہ یہ ہے کہ آپس میں دوبارہ مشاورت کر کے اس جنگ کے نتائج اور انجام پر خوب غور کرلو اور اپنی اچھائی اور بھلائی کے متعلق خود سوچ لو۔(1)

ایک بے مقصد اور افسوس ناک لڑائی کو روکنے کے لیے دُور اندیش، صلح جُو اور نرم خُو حکیم بن حزام، قریش کے کچھ دوستوں کو ساتھ لے کر مکّہ کے ایک واجب الاطاعت اور برگزیدہ سردار عتبہ بن ربیعہ کے پاس پہنچ گئے اور کہا:

اے ہمارے قابلِ احترام سردار!

جب کہ سردار ابوسفیان اپنے تجارتی قافلے کو لے کر بہ خیر و عافیت مکّہ پہنچ گیا ہے تو اب مسلمانوں کے ساتھ ہماری لڑائی بالکل غیر ضروری ہے۔آپ مکّہ کے رئیسِ اعظم اور ایک جہاندیدہ سردار ہیں۔اہلِ مکّہ ہمیشہ سے آپ کے ہر حکم پر بڑی خوش دلی اور اَدب کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرتے آئے ہیں۔تو آپ ایک ایسا کام کریں کہ زمانہ دراز تک لوگ آپ کا ذکرِ خیر نیکی اور اچھائی کے ساتھ کرتے رہیں۔آپ کوشش کر کے اسلامی لشکر اور قریش کے درمیان برپا ہونے والی اس جنگ کو روک لیں، کیوں کہ یہ خون ریز جنگ ہمیں اپنے ہی خاندان، برادری اور دوستوں کے خلاف لڑنی پڑے گی۔پھر ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے باپ، بھائیوں اور بیٹوں کے قاتلوں کو تلاش کریں گے۔یقیناً اس جنگ کے بعد ہماری آپس کی نفرتیں، تلخیاں اور دشمنیاں نا قابلِ برداشت حد تک بڑھ جائیں گی۔اس لیے میرے نزدیک اس مسئلے کا بہترین حل یہ ہے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور ہم لوگ بہ خیریت مکّہ واپس چلے جائیں۔

میرے ساتھیو!

میرا مشورہ مانو اور جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور باقی اہلِ عرب کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔وہ جانیں اور عرب کے لوگ جانیں۔عتبہ بن ربیعہ کی طرف سے پیش کی گئی مکّہ واپس لوٹ جانے کی تجویز کو لے کر حکیم بن حزام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوجہل کے پاس پہنچ گئے جو بڑا تند مزاج، متکبر اور زبان آور شخص تھا۔وہ لڑے بغیر مکّہ واپس چلے جانے کی اس مصالحانہ تجویز پر سخت اشتعال میں آگیا۔

اُس نے عتبہ اور واپسی کی تجویز دینے والوں میں شامل اُس کے ساتھیوں کو بزدلی کا طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ واللہ! یہ کم ہمت لوگ کسی انجانے خوف میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

جب سے اسلامی لشکر مقابلے کے لیے سامنے آیا ہے، سردار ابوولید اور اُس کے ساتھیوں کی سانسیں پھول گئی ہیں اور اُن کے دلوں کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو چکی ہیں۔

1۔کتاب المغازی للواقدی: 62/1

ابوجہل نے، جس کے مقدر میں ذلّت وخواری لکھی جا چکی تھی، قسم کھا کر کہا:

ہم ہر قیمت پر مسلمانوں کے خلاف اُس وقت تک جنگ کریں گے جب تک کہ اللہ ہمارے اور جنابِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بن عبداللہ کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے کہ کون لوگ حق سے زیادہ قریب ہیں اور کون اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نامہربان اور قطع رحمی کرنے والے ہیں اور کن لوگوں کی نیکی اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی؟

یوں نیک دل لوگوں کی جانب سے پیش کی گئی امن کی اس تجویز کو فتنہ ساز ابوجہل نے کامیاب نہ ہونے دیا اور قومِ قریش کو اشتعال دلا کر انتقام کی آگ میں جھونکنے اور آمادۂ جنگ کرنے کی اُس کی دلی مراد پوری ہوگئی۔(1)

جنگ کا آغاز

تیرہ سال تک کفّار کا ہر ظلم برداشت کرنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اُن ظالموں کے سامنے باقاعدہ سینہ سپر نظر آرہے تھے جنھوں نے پہلے تو مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا، پھر اُن کے مکانوں، دکانوں اور حویلیوں پر قبضہ کرلیا تھا، یہاں تک کہ اُن سے نقد رقم اور سواریاں تک چھین لی تھیں۔ اس پر بھی قریشِ مکّہ کی تسلی نہ ہوئی تو اہلِ مدینہ کے نام ایک خط لکھا کہ: مسلمانوں کو اپنے شہر سے نکال دو، ورنہ ہم تم سب لوگوں کو تہ تیغ کرنے اور تمھارے شہر کی عورتوں کو اپنی کنیزیں بنانے کے لیے یثرب آرہے ہیں۔(2)

قریشِ مکّہ نے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ شریف کی زیارت، طواف اور ادائے حج پر بھی پابندی عائد کردی تھی۔ اسی دوران مدینہ منورہ کے ایک معزز اور باوقار سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکّہ تشریف لے گئے تو وہاں ابوجہل اُن کے ساتھ بڑی بدتمیزی کے ساتھ پیش آیا۔ انتہائی کشیدہ ماحول میں دونوں طرف سے سخت ترین جملوں کا تبادلہ ہوا۔

بالآخر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اعلان کردیا کہ:

اگر تم لوگوں نے ہمارے عمرہ اور حج پر پابندی لگائی تو ہم تمھارے تجارتی راستوں پر رکاوٹیں کھڑی کردیں گے اور یہ پابندی تم لوگوں سے برداشت نہ ہوسکے گی۔(3)

اس قسم کے دُکھ دینے اور زیادتی کے مرتکب ہونے والے ان کافروں پر آج کاری ضرب لگانے کا وقت آگیا تھا۔

ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مکّہ میں ایک اللہ کی عبادت کرنے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنے کے حق کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ اہلِ اسلام کے ساتھ شعبِ ابی طالب اور

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 1/23-622 2۔ سنن ابی داوٗد۔ کتاب الخراج والامارۃ والفئی۔ رقم الحدیث: 3004
3۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/35

طائف جیسے واقعات میں ظلم اور زیادتی کو روا رکھا تھا۔ آج کے معرکہٴ کارزار میں اسلامی لشکر کو ایک اور امتحان کا سامنا تھا، کیوں کہ یہ جنگ تاریخ کی ایک انوکھی اور نرالی جنگ تھی جو صرف نظریے کی بنیاد پر لڑی جا رہی تھی۔

مسلمان جن عزیزوں، رشتہ داروں اور برادری کے لوگوں سے تعلّق توڑ کر ہجرت کر کے آ گئے تھے، اب وہی قریبی رشتہ دار اور ہر وقت ساتھ رہنے والے عزیز ترین دوست مشرکینِ مکّہ کے لشکر میں شامل ہو کر توحید کی اُبھرتی ہوئی آواز کو ختم کرنے کے لیے میدانِ بدر میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں باپ کے مقابلے میں بیٹا اور بھائی کے مقابلے میں بھائی صف آرا تھا، ماموں کے مقابلے میں بھانجا اور چچا کے خلاف بھتیجا نبرد آزما ہونے کے لیے تیار نظر آ رہا تھا۔ جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید اور اسلام کے رشتے کے علاوہ ہر رشتے کو فراموش کر چکے تھے۔

بہ روز جمعۃ المبارک سنہ 624ء بہ مطابق سترہ رمضان المبارک سنہ 2 ہجری صبح کے وقت سرورِ عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے لشکر کی صفوں کو ترتیب دیتے ہوئے مجاہدینِ اسلام کو مختلف مقامات پر متعین فرمایا۔(1)

مقابلے میں قریش بھی اپنی صفوں کو ترتیب دینے میں مصروف تھے۔ جلد ہی دونوں لشکر برسرِ پیکار ہونے کے لیے ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے۔

17 رمضان المُبارک کی صبح لڑائی کا آغاز ہوا تو جنگوں کی پرانی عرب روایات کے مطابق مشرکینِ مکّہ کے لشکر میں سے تین بہادروں نے اسلامی لشکر میں شامل جاں بازوں کو دو بہ دو مقابلے کی دعوت دی۔ اہلِ مکّہ کی طرف سے رئیسِ اعظم سردار عتبہ بن ربیعہ، جو ایک رات پہلے ابوجہل کی جانب سے حجت تراشی اور بزدلی کے طعنوں کی وجہ سے سخت اشتعال میں تھا، اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹے ولید بن عتبہ کو لے کر بڑے جوش وخروش اور جوشیلے انداز میں میدانِ جنگ کے درمیان پہنچ گیا اور اسلامی لشکر میں سے تین بہادروں کو یہ کہہ کر مقابلہ کرنے کی دعوت دی کہ جسے موت کی تمنا ہو، وہ ہمارے مقابلے میں آ جائے۔

سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی اس للکار کے جواب میں انصار کے تین جنگ جُو نوجوانوں: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو ان کے مقابلہ کے لیے میدان میں اُتارا۔

سردار عتبہ نے اُن تینوں نوجوانوں سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟

اسلامی لشکر کے تینوں مجاہدین نے جواب دیا: ہم اہلِ مدینہ ہیں۔

عتبہ بڑے غرور اور تکبر سے انصاری نوجوانوں سے مخاطب ہوا:

ہم لوگ مکّہ کے سردار ہیں۔ تم شریف لوگ ہو اور تمھارے ساتھ ہمارا جھگڑا بھی کوئی نہیں ہے۔

تم لوگ واپس جاؤ! ہماری لڑائی تو اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ہے۔

1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 397/3

وہ لوگ ہمارے ہم مرتبہ ہیں۔ اُن لوگوں کو آگے آنے دو۔

قریش کی جانب سے اہلِ مدینہ کے ساتھ اس تحقیر آمیز رویّے کے جواب میں سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم ﷺ نے اپنے عزیز از جان انصار کے نوجوانوں کو واپس بلالیا اور خاندانِ نبوت کے تین جلیل القدر فرزندوں کو حکم دیا:

اے میرے محترم چچا جان حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب!

میرے بھائی علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب بن عبدالمطلب!

اور میرے بھائی عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن مطلب!

آپ لوگ میدان میں اُتریں! اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لے کر ان بُت پرستوں سے مقابلہ کریں!

اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے فرمایا:

یقیناً اللہ نے عتبہ، شیبہ اور ولید کو ہلاک کر دیا ہے۔

اللہ کے شیر سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث نعرۂ تکبیر کی گونج میں نہایت سُرعت کے ساتھ مبارزت دینے والے کافروں کی جانب بڑھے اور چشمِ فلک نے دیکھا کہ چشمِ زدن میں مکّہ کے ان تینوں مغرور اور انتہائی طاقت ور سرداروں کی لاشیں میدانِ جنگ میں خاک آلود پڑی تھیں۔(1)

انفرادی مقابلوں میں مکّہ کے ان سرکردہ سرداروں کے مارے جانے اور جنگ کے اس ذلت آمیز آغاز کے بعد کفارِ مکّہ اشتعال میں آ گئے اور اُنھوں نے انتہائی غیظ وغضب کی حالت میں مٹھی بھر اور بے سروسامان جماعت پر بڑا حملہ کر دیا۔ میدانِ کارزار گرم ہوا، دونوں فوجیں پوری طاقت کے ساتھ ایک دُوسرے سے ٹکرا گئیں اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ لشکرِ مشرکینِ مکّہ میں شامل ہر جنگ جُو کو اپنی کثرت تعداد اور اسلحے کی فراوانی کا غرور تھا۔ اسی سوچ کے ساتھ وہ بڑے غرور، تکبر اور تمکنت کے ساتھ مجاہدینِ اسلام پر حملہ آور ہوئے تھے کہ یہ تو چھوٹا سا لشکر ہے، ان کے پاس وسائل بھی کم ہیں اور سامانِ حرب کی بھی قلت ہے اس بے سروسامانی میں اسلامی لشکر کی کیا بساط ہے کہ وہ زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ کر سکے۔

جب کہ دوسری طرف جاں نثارانِ رسُول اللہ ﷺ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے والہانہ انداز اور مضبوط قوت ارادی کے ساتھ دلوں میں شہادت کا جذبہ لیے اللہ کے باغیوں سے نبرد آزما تھے۔

چند ہی لمحوں کے اندر جنگ خوف ناک مرحلے میں داخل ہوگئی۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین ﷺ نے اسلامی لشکر میں ولولہ اور جوش پیدا کرنے کے لیے فرمایا:

اللہ کے مجاہدو! مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھو!

1۔ سنن ابی داوٗد۔ کتاب الجہاد۔ رقم الحدیث: 2665۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 625/1

وہ جنت آپ کی منتظر ہے! جس کی کشادگی زمین و آسمان کے برابر ہے۔(1)

فرزندانِ توحید حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سُن کر کہ وہ اللہ کی جماعت کے سپاہی ہیں، جوشِ شہادت کے ساتھ آخری وار کرنے کے لیے بُت پرستوں کے لشکر پر اس نعرے کے ساتھ آگے بڑھے کہ اب اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہوگی یا ہم فتح مند ہوکر میدان سے نکلیں گے، چناں چہ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کے جاں بازوں نے دشمنوں کی صفوں کو مکمل طور پر درہم برہم کر دیا اور وہ اپنے مدِّمقابل ہر کافر کی گردن کاٹتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

ایک طرف یہ شوقِ شہادت اور جذبۂ ایمانی تھا اور دوسری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آنے والی خصوصی مدد اور حضور نبیِ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعائیں اُن کے ساتھ تھیں۔ اُسی وقت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں اپنے دستِ مبارک میں لے کر قریش کی جانب پھینکیں اور فرمایا:

اے اللہ کریم! ان کے چہرے بگڑ جائیں! (آمین)

ان کے دلوں پر رعب پڑ جائے اور ان کے قدم ڈگمگا جائیں!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دُعا کے بعد دشمنوں کی جماعت میں سے کوئی فرد ایسا نہ بچا جس کی آنکھ، ناک اور مُنہ مٹی سے نہ بھر گیا ہو(2)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزاتی عمل سے مشرکین کے لشکر میں اضطراب پھیل گیا۔ اب تک کی اپنی ہر تدبیر میں ناکامی کے بعد دشمنانِ خدا کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ انھیں سنبھلنے اور دوبارہ صف بندی کا موقع نہ مل سکا۔ دوپہر کے قریب بالآخر انھیں فرزندانِ توحید کے ہاتھوں شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

اس طرح کفّار کی مسلّط کردہ یہ جنگ جو صبح سویرے شروع ہوئی تھی، ظہر تک مشرکین کی فوج مسلمانوں کے عزمِ صمیم کی وجہ سے عبرت ناک شکست سے دوچار ہوچکی تھی۔ میدانِ جنگ دشمنانِ اسلام کی لاشوں سے بھر چکا تھا۔ مرنے والوں کی تعداد ستّر کے قریب تھی اور تعاقب کر کے گرفتار کیے جانے والے بُت پرستوں کی تعداد بھی تقریباً ستّر تھی۔ کئی مشرکینِ مکّہ تو میدانِ جنگ چھوڑ کر اس طرح سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہ اُنھوں نے اپنے مقتولین کی لاشوں اور گرفتار شدہ ساتھیوں کو پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔(3)

جہنم رسید ہونے والوں میں مسلمانوں کو بڑے بڑے دُکھ دینے والا مکّہ کا فرعون ابوجہل بھی شامل تھا۔ ان سب منکرینِ توحید و رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاشوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے والے مجاہدینِ اسلام نے گھسیٹ گھسیٹ کر اندھے کنوئیں میں پھینک دیا۔(4)

ہجرت سے پہلے مکّہ کے جو چودہ طاقت ور سردار دارالندوہ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل

1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی :3/69۔ صحیح مسلم۔ رقم الحدیث:1901

2۔ کتاب المغازی للواقدی:1/81۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔ رقم الحدیث:3128

3۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر ۔ رقم الحدیث:1763

4۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث:3976

(نعوذ باللہ) کے مشورہ میں شریک تھے، اُن میں سے گیارہ بدر میں گردشِ فلک کا شکار ہو کر دردناک انجام سے دوچار ہوئے۔ جو تین بچ گئے تھے، اُنھوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔

ربّ العالمین کا وعدہ

خاتمۂ جنگ کے بعد پیکرِ رحم و کرم سرورِ دو عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس اندھے کنوئیں کے قریب تشریف لے گئے جس میں اسلام کے دشمنوں اور مقتول سرداروں کو پھینکا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کنارے کھڑے ہو کر قتل ہونے والے ایک ایک سردار کا نام لیا اور دریافت فرمایا:

اے گڑھے والو!
تمھارے ربّ نے جو تمھاری بابت کہا تھا،
کیا تم نے اسے ٹھیک پایا؟
بے شک! ہم نے تو اپنے ربّ کے اُس وعدے کو سچا پایا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا تمھارے لیے یہ بات مناسب نہ تھی کہ تم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے؟
تم لوگ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے بُرے رشتہ دار ثابت ہوئے۔
تم لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی مگر تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا،
جب کہ دوسرے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور میری صداقت کی گواہی دی۔
تم لوگوں نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑا اور مشکلات پیدا کیں، یہاں تک کہ تم لوگوں نے ہمیں وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا، جب کہ دُوسرے لوگوں نے ہمیں اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہماری نصرت و حمایت کا اعلان کیا۔ تم لوگوں نے مجھ سے جنگ کی،
جب کہ دوسرے لوگوں نے میرے ساتھ تعاون کیا اور مجھے فتح و ظفر کی منزل تک پہنچایا۔(1)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رئیس الکافرین ابوجہل سے مخاطب ہو کر فرمایا:

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والے مکّہ کے مغرور اور متکبر سردار اور اِس اُمت کے فرعون کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا، جو اپنی موت کے وقت بھی اللہ ذُوالجلال والاکرام کو یاد کرنے کی بجائے لات اور عزیٰ کو پکار رہا تھا۔(2)

قیدیوں سے نیک سلوک

ہجرت سے پہلے مسلمان مسلسل تیرہ سال تک اہلِ مکّہ کی طرف سے دیئے جانے والے مصائب اور ایذاؤں

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 639/1
2۔مسند احمد۔رقم الحدیث: 4246

کو برداشت کرتے رہے تھے۔ مکّہ کے سیاہ دل اور کینہ پرور مشرکوں نے اسلام قبول کرنے والوں میں سے کسی کو بھوکا پیاسا رکھا، کسی کو نہایت بے رحمی اور بے دردی سے خون میں نہلا دیا اور کسی کو سخت اذیتوں کے بعد آگ کی طرح تپتی ریت پر گھسیٹا۔

اس طرح کے انسانیت سوز مظالم کرنے والے کئی مشرک بدر کی فتح کے بعد اب مسلمانوں کی قید میں تھے۔ اُس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق فاتح فوج کو یہ اختیار تھا کہ چاہے تو اپنے مفتوح قوم کے قیدیوں کو قتل کردے یا غلام بنا کر فروخت کردے لیکن مشرکینِ مکّہ کے بے رحمانہ اور ظالمانہ سلوک کے برعکس پیکرِ رحم و کرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے ساتھ مہربانی فرمائی اور منتقمانہ رویّہ اختیار کرنے کی بجائے بلند اخلاق، درگزر اور رحم و کرم کی عظیم الشان مثال قائم کرتے ہوئے اسیرانِ جنگ کو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا۔ انھیں قیدیوں کے آرام کا خیال رکھنے، اُن کے ساتھ رحم دلی سے پیش آنے، نیک سلوک اور اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت فرمائی۔

جاں نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور فرشتہ صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آقا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس حکم کی دل و جان سے تعمیل فرمائی اور تاریخِ انسانی نے یہ حیرت انگیز منظر پہلی بار دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسیرانِ بدر کو تو سواری کے لیے اپنے اُونٹ پیش کر دیئے اور خود پیدل چلنے لگے۔ جن جنگی قیدیوں کے پاس پہننے کے لیے اچھے کپڑے نہیں تھے، انھیں نئے کپڑے عطا کیے گئے۔ صحابہ کرام پہلے انھیں کھانا پیش کرتے، پھر خود کھاتے۔ اگر کھانا نہ بچتا تو خود کھجور پر گزارہ کر لیتے۔ مناسب رہائش اور سونے جاگنے میں بھی ذاتی مہمانوں کی طرح اُن کے آرام کا خیال رکھا جاتا۔(1)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسیرانِ جنگ کو یہ پیغام پہنچایا کہ:

وہ فدیہ کی رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر لیں اور ان میں جو غریب ہیں اور
معاوضہ ادا نہیں کر سکتے، وہ دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر آزاد ہو سکتے ہیں۔

لیکن کچھ قیدی ایسے بھی تھے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نہ اُن میں اتنی سکت تھی کہ وہ رقم ادا کر سکیں۔

پیکرِ رحم و کرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن لوگوں کو بھی مایوس نہ کیا اور اُن پر احسان فرماتے ہوئے صرف اس وعدے پر رہا فرما دیا کہ آئندہ وہ کبھی لشکرِ اسلام کے خلاف برسرِ پیکار نہیں ہوں گے۔(2)

قید کے دوران کسی بھی قیدی کے ساتھ رشتے داری یا دوستی کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا گیا تھا، نہ انھیں مکّے کی شکست خوردہ فوج یا بزدلی کا طعنہ دیا گیا، چناں چہ فاتح مسلمانوں کی طرف سے کیے گئے اس حُسنِ سلوک کا قیدیوں پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ اُنھوں نے محسوس کیا کہ جب اسلام کسی کے دل میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر اُس شخص کی زندگی میں ایک حیرت انگیز انقلاب رُونما ہو جاتا ہے جس کی واضح اور روشن مثال پیغمبرِ اسلام

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 119/1
2۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث: 2216۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 646/1

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت و رافت اور کریمانہ سلوک اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رفقا کا اُن کے ساتھ بے مثال برتاؤ ہے۔

کس قدر ہے حسیں بدر کا معرکہ اوّلیں باب تاریخِ اسلام کا
لب پہ نصرت کے نَصرُ مِنَ اللہ تھا وہ چقا چاق خنجر سے آتی صدا
مصطفےٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

بی بی جی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی جان بیضاء اُمّ الحکیم کے نواسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، اُن خوش قسمت افراد میں شامل تھے جنھیں اعلانِ نبوت کے فوراً بعد ہی اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ سخاوت و فیاضی میں بے مثال اور شکل وصورت میں یوسف جمال سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمدہ اخلاق و عادات کو دیکھتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دوسری صاحب زادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو اُن کے نکاح میں دے دیا۔

چوں کہ دونوں میاں بیوی خوب سیرتی کے ساتھ ساتھ بہت خوب صورت بھی تھے، اس لیے اس جوڑے کے متعلّق اہلِ مکّہ میں مشہور ہو گیا کہ جس نے سب سے زیادہ حسین وجمیل میاں بیوی دیکھنے ہوں، وہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے، چناں چہ لوگ اس وفا شعار اور بابرکت جوڑے کی خوب صورتی کو دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے تھے۔ (1)

نبوت کے پانچویں سال، جب قریش کا ظلم وستم اپنے عروج پر تھا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو ایک اجنبی ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا۔ رات کی تاریکی میں مکّہ چھوڑنے والے بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل اس چھوٹے سے کارواں میں سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اہلیۂ محترمہ بی بی جی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔

ہجرت کے کئی ماہ بعد تک اُن کی خیریت اور عافیت کی اطلاع رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک نہیں پہنچی تھی۔ بہت دنوں بعد حبشہ سے آئی ہوئی ایک خاتون نے دونوں میاں بیوی کی خیریت کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعائے خیر کے لیے اپنے مبارک ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا:

اے پروردگار!

آپ اُن دونوں معصوموں پر اپنی رحمتیں نازل فرما!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد خاندانِ نبوت کا یہ پہلا گھرانا ہے

جس نے اللہ کی راہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی۔

پہلی بار حبشہ اور پھر مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کی وجہ سے یہ دونوں قابلِ احترام میاں بیوی "صاحب

1۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: 178/8

الھجرتین''(دوہجرتوں والے) کے معزز لقب سے بھی سرفراز فرمائے گئے۔(1)

سنہ ۲ ہجری میں جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریش کے ساتھ معرکہ آرائی کے لیے میدانِ بدر کی جانب تشریف لے جارہے تھے، اُن دنوں بی بی جی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا شدید بخار کی وجہ سے نہایت کمزور ہوچکی تھیں ۔رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کو یہ حکم دیا کہ وہ دونوں بی بی جی کی دیکھ بھال اور تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی ٹھہر جائیں(2) لیکن افسوس! بی بی جی کی بیماری شدّت اختیار کرگئی، تمام تر تدابیراور کوششوں کے باوجود وہ صحت یاب نہ ہوسکیں۔صبرو تحمل اور برداشت وبردباری کی پیکر یہ عظیم خاتون صرف بیس سال کی عمر میں ایک مختصر لیکن قابلِ رشک ازدواجی زندگی کا سفر طے کرکے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

جس وقت سیّدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارث، جنگِ بدر میں مشرکینِ مکّہ کی بدترین شکست اور مسلمانوں کی شان دار فتح ونصرت کی خوش خبری لے کر نعرۂ تکبیر کی گونج میں مدینہ میں داخل ہورہے تھے،عین اُس وقت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے عزیز واقارب اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ اپنی اہلیۂ محترمہ کی تجہیز وتکفین میں مصروف تھے۔(3)

پھر جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بی بی جی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شدتِ غم سے نڈھال ہوگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دُہرا رنج تھا:

ایک جوان بیٹی کے بچھڑنے کا اور دوسرا آخری لمحات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنی پیاری بیٹی کے پاس موجود نہ ہوسکنے کا۔

مدینہ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دُعائے مغفرت کے لیے قبرستان جنت البقیع تشریف لے گئے۔اُس وقت شدید صدمے کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لحد پر سر کی جانب کھڑے ہوکر فرمایا:

اے میری پیاری بیٹی رقیہ!

اب تم بھی وہاں پہنچ گئی ہو جہاں ہمارے عثمان بن مظعون جاچکے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ کلماتِ غم سنتے ہی وہاں موجود عورتوں نے اُونچی آواز میں رونا شروع کردیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُن کو منع کرنے کے لیے آگے بڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے عمر رضی اللہ عنہ!

1۔دلائل النبوۃ للبیھقی:297/2۔فتح الباری:188/7
2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:208/2۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:3130
3۔اسد الغابہ:114/7

انھیں رونے دو!

کیوں کہ ایسے دُکھ کے موقعے پر اپنے الم کا اظہار کرنا، دل اور آنکھ

کا رونا بالکل قدرتی اَمر ہے۔ یہ تو رحمت کے آنسو ہیں۔

میں تو آہ و بکا، منہ نوچنے اور گریبان پھاڑنے سے منع کرتا ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنی بڑی بہن کی قبر پر بیٹھی رو رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا، اپنی چادر مبارک کے کنارے سے پیاری بیٹی کے آنسو پونچھے اور انھیں صبر کی تلقین فرمائی۔(1)

جس کا دامن نہ سہواً ہوا چھو سکے
آسمان کی نظر بھی نہ جس پر پڑے
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اُس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

1۔ الطبقات الکبری لابن سعد: 30/8

جنگِ اُحد

سنہ تین ہجری میں اور معرکۂ بدر کے تقریباً ایک سال، ایک ماہ بعد اُحد کے میدانِ کارزار میں فرزندانِ توحید اور مکّہ کے بُت پرستوں کے درمیان ایک خوں ریز جنگ ہوئی (1)، جس میں اسلامی لشکر میں شامل چند ساتھیوں کے ایک غلط اِجتہادی فیصلے کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ کا سارا نقشہ ہی بدل گیا، چناں چہ اُس روز کی آزمائش کے نتیجے میں اہلِ ایمان کو شدید صدمے اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔

ابتلا کے اس عرصے میں بہت سے جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ گویا یہ جنگ جاں نثارانِ اسلام کے لیے ایک ایسا امتحان تھا جس میں مومن اور منافق، کھوٹے اور کھرے، وفادار اور بے وفا، ایک واضح فرق اور پہچان کے ساتھ الگ الگ کر دیئے گئے۔ اُحد کی جنگ دراصل بغض اور عداوت رکھنے والے مشرکینِ قریش کی طرف سے جنگِ بدر میں ہزیمت اور شکستِ فاش کا بدلہ اور انتقام لینے کی جنگ تھی۔ عرب کے قبائلی معاشرے میں صدیوں سے اس روایت پر عمل ہوتا آ رہا تھا کہ اگر کوئی کسی کو قتل کر دیتا تو پھر انتقام در انتقام، لڑائیوں اور جنگوں کا ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جو اکثر برس ہا برس تک جاری رہتا تھا۔ عرب میں دستور تھا کہ ہر قبیلہ اپنے ایک عام فرد کے قتل کا بدلہ لینا بھی اپنا فرض سمجھتا تھا، جب کہ جنگِ بدر میں تو فرزندانِ اسلام کے ہاتھوں قریش کے عام آدمی کے علاوہ مکّہ کی بڑی بڑی صاحبِ عظمت شخصیات اور سربرآوردہ سردار مارے گئے تھے۔ اتنے بڑے جانی نقصان پر وہ کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ بدلے کے نظریے پر یقین رکھنے والی قومِ قریش کے دل انتقام کی آگ سے سلگ رہے تھے۔ ہزاروں لوگ جنگِ بدر کی ذلت آمیز شکست کا داغ دھونے اور اپنے مقتولوں کا انتقام لینے کی خاطر اپنا مال و دولت قربان کرنے اور میدانِ کارزار میں جان کی بازی لگانے کا اعلان کر چکے تھے۔

جنگِ بدر میں مکّہ کے بت پرستوں کو اُن کی توقّع کے خلاف جس توہین آمیز شکست اور عبرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑا تھا، اِس سے پورے عرب میں قبیلۂ قریش کی رُسوائی ہوئی اور اُن کی غیر متنازعہ قیادت اور ناقابلِ تسخیر ہونے کے تصور کو سخت دھچکا لگا تھا۔ میدانِ بدر میں لشکرِ قریش کے ستّر افراد کو تہ تیغ کیا گیا جس میں ابوجہل اور کئی نامی گرامی سردارانِ قریش اور رئیسانِ مکّہ شامل تھے۔ اُن سب مقتولین کو اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا جس سے قریش کا نام نہاد فخر اور غرور و تکبر مٹی میں مل گیا۔

یہ شکست قریشِ مکّہ کے لیے ایک عظیم سانحے سے کم نہ تھی۔ پورے شہر پر مکمل سوگ کی کیفیت طاری تھی۔

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 199/1

عورتوں کے کلیجے چھلنی ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے نوحہ اور ماتم کرنا، رو رو کر مردوں کو طعنے دینا اور عبرت ناک شکست کو یاد کرا کے اُنھیں شرم دلانا اپنا روز کا معمول بنالیا تھا کہ مسلمانوں نے ہمارے پیارے بچوں، بہادر جوانوں اور قابلِ احترام سرداروں کو چُن چُن کر موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ وہ اپنی قوم کی عزت اور وقار کا واسطہ دے کر لوگوں کے جذبات کو اُکساتیں اور اُنھیں جنگ پر آمادہ کرتیں۔

چناں چہ اہلِ مکّہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے سخت مضطرب اور بے چین نظر آتے تھے۔

وہ جب بھی اکٹھے بیٹھتے تو بدر کی جنگ میں اپنے سرداروں اور عزیزوں کے قتل، ذلّت آمیز شکست کے نتیجے میں پورے عرب میں قبیلۂ قریش کی رُسوائی، قیدیوں کی رہائی کے لیے معاوضہ ادا کرنا اور شام جانے والے راستے کی ناکہ بندی کی وجہ سے تجارتی سرگرمیوں میں کمی کا ذکر شروع کر دیتے اور پھر ان تحقیر آمیز حالات کے خاتمے کے لیے پورے غیظ و غضب کی کیفیت کے ساتھ جارحانہ منصوبے بنائے جاتے۔ یہ منتقم مزاج اور کینہ پرور لوگ جب بھی مشاورت کے لیے اکٹھے ہوتے تو ہر بار اِسی نتیجے پر پہنچتے کہ مسلمانوں سے رسوائی، اپنے پیاروں کے قتل اور توہین آمیز شکست کا انتقام لینے کے لیے جتنی جلدی ہو سکے، مدینہ پر چڑھائی کر دی جائے۔

مکّہ میں جنگِ اُحد کے لیے تیاری

مستقبل قریب میں برپا ہونے والی مجوزہ جنگ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے بعض افراد کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ جنگِ بدر کا معرکہ وقوع پزیر ہونے سے پہلے جو تجارتی قافلہ خیریت کے ساتھ مکّہ پہنچ گیا تھا، اُس کے تمام حصّہ داران سے رضا کارانہ طور پر عطیات دینے کی درخواست کی جائے۔ آتشِ انتقام میں جل رہے اہلِ مکّہ نے اِس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے ابوسفیان کو یہ اختیار دے دیا کہ مذکورہ تجارتی قافلے کا سارا منافع لشکر کی تیاری، جدید ہتھیاروں کی خریداری اور نقل و حمل کے مصارف کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔(1)

مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے بے تاب و بے قرار اکابرینِ قریش میں سے عبداللہ بن ربیعہ، عکرمہ بن ابوجہل، حارث بن ہشّام، صفوان بن اُمیّہ اور وہ لوگ بھی جن کے عزیز و اقارب جنگِ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے، ایک وفد کی شکل میں سردار ابوسفیان کے پاس گئے جسے قریش نے متفقہ طور پر اپنا نیا سربراہ منتخب کر کے اُس کے دیرینہ خواب کو پورا کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے اپنی بے تابی اور بے قراری کا اظہار کرتے ہوئے وفد کے ارکان نے اپنے نئے راہنما سردار ابوسفیان سے کہا:

> معرکۂ بدر میں ہم پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، ہم سب دُکھوں کے بوجھ تلے دب چکے ہیں۔ جنابِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں نے ہمارے بُتوں کو رُسوا اور قریش کے بہترین اور منتخب لوگوں کو تہ تیغ کر دیا جس سے پورے عرب میں ہماری قوم کے مقام و مرتبے،

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 200/1

اثر و رسُوخ اور قیادت وسیادت کے مسلّمہ تاثر کو سخت نقصان پہنچا ہے۔
اِس وقت مکّہ کے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔
ہم سب سخت رنجیدہ ہیں اور اپنے غموں کو دلوں میں دبا کر رکھنا اب ہمارے لیے بہت مشکل ہو چکا ہے۔
اے ہمارے سردار!
شکست کھا کر آرام سے گھر بیٹھ جانا بزدلوں اور پست ہمت لوگوں کا کام ہے۔
بدر میں ہونے والی ذلّت آمیز شکست کا بدلہ لینے کی آگ ہمارے دلوں میں سلگ رہی ہے،
اِس لیے جب تک ہم مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے بُتوں کی رُسوائی اور اپنے پیاروں کے قتل کا
انتقام نہ لے لیں اور قومِ قریش کی شجاعت، بہادری اور وقار پر لگا شکست کا داغ نہ دھولیں،
ہمارے غم زدہ دلوں کو قرار اور پریشان رُوحوں کو چین نہ آئے گا۔(1)

چناں چہ اُس دن کے اجلاس میں یہ بات طے پا گئی کہ قریش کی کھوئی ہوئی عزت اور وقار کی بحالی کے لیے، تجارتی اجارہ داری کو پہنچنے والے نقصان کو پورا کرنے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوا جائے۔

اخراجات کا مسئلہ

متفقہ فیصلے کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کی منصوبہ بندی شروع کر دی گئی۔ بدلہ لینے کا جوش روز بہ روز بڑھنے لگا۔ شہر میں جنگی جنون اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ مسلمانوں کے خلاف غم وغصہ اور انتقام کا جذبہ کفّارِ مکّہ کے دلوں میں شعلہ بن کر بھڑکنے لگا اور جلد ہی پورا شہر بدر میں قتل ہونے والے اپنے سرداروں اور پیاروں کا بدلہ لینے کے لیے، ہر قیمت پر انتقام کے نعروں سے گُونجنے لگا۔

عرب میں جنگی جنون کا جوش پھیلانے اور لوگوں کو لڑنے مرنے پر تیار کرنے کے لیے دو شہرہ آفاق شاعروں: نافع اور ابوعزّٰی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ قادر الکلام اور شعلہ بیان شاعر ابوعزّٰی جنگِ بدر میں گرفتار ہوا تھا۔ یہ ایک مفلوک الحال اور عیال دار شخص تھا۔ مدینہ میں قید کے دوران اِس نے اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں رحم کی درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کیا تھا:

اے محترم سردار! میں ایک انتہائی مفلس شخص ہوں۔ میری پانچ بیٹیاں ہیں جو
ابھی بہت چھوٹی ہیں۔ میرے علاوہ گھر میں کوئی ایسا فرد نہیں جو اُن کی دیکھ بھال کر سکے،
اِس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ پر کرم فرمائیں اور مجھے رہائی عنایت فرما دیں۔
یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا احسانِ عظیم ہوگا۔

1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 60/2

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی رحم کی اپیل کو منظور فرماتے ہوئے بغیر کوئی معاوضہ لیے اُسے اِس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آئندہ اپنے اشتعال انگیز شعروں کے ذریعے اللہ کے پسندیدہ دین کے خلاف کوئی مہم نہیں چلائے گا۔

جنگِ اُحد کی تیاری کے دوران جب اُسے لشکرِ قریش کا ساتھ دینے کے لیے کہا گیا تو ابوعزیٰ نے اپنی شاعری کو اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف استعمال کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا:

(پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ پر احسان فرمایا تھا۔(1)

لیکن پھر اکابرینِ قریش کی طرف سے دیئے گئے لالچ اور دوستوں کے زبردست اصرار پر وہ احسان فراموش نہ صرف اپنے عہد کو توڑنے پر تیار ہو گیا، بلکہ نافع کے ساتھ مل کر اپنے ہم وطنوں میں بدلے کی آگ بھڑکانے، لڑائی کا بخار چڑھانے اور جنگی جنون پیدا کرنے کے لیے مختلف قبائل کے سرداروں اور اُن کے سرکردہ افراد سے ملاقات کے لیے اُن کے علاقوں میں پہنچ گیا۔ اُن دونوں نامور اور جادو بیان عوامی شاعروں نے اپنی زوردار، اشتعال انگیز اور آگ لگانے والی شاعری سے ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے تک لوگوں میں انتقام لینے کا جوش اور جذبہ پیدا کر دیا جس کے نتیجے میں باطل قوتوں کا ساتھ دینے والے بنو کنانہ اور بنو تہامہ کے قبائل نے بھی اہلِ ایمان کی مخالفت میں قریش کے مسلم دشمن اتحاد میں شامل ہو کر اس بات کا حلف اُٹھا لیا کہ

ہم سب پوری ہمت، استقامت اور بہادری کے ساتھ لشکرِ اسلام کا مقابلہ کریں گے
اور فتح سے پہلے میدانِ جنگ نہیں چھوڑیں گے۔(2)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک خط

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جان جنابِ عباس رضی اللہ عنہ، ابھی تک مکّہ میں ہی قیام پزیر تھے۔ اُنھوں نے قریش کی جانب سے کی گئی غیر معمولی جنگی تیاریوں کو دیکھا تو ایک تیز رفتار گھڑسوار قاصد کے ذریعے ایک سربہ مُہر خط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں روانہ فرمایا جس میں مدینہ پر حملہ آور ہونے کے متعلق قریش کے خفیہ ارادوں، فوج کی تعداد، اسلحے کی فراوانی اور دُوسرے معاملات کی خبر دی گئی تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ بنو غفار کے اُس معاملہ فہم اور تیز رفتار پیغام رساں کو یہ تاکید کی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے، بغیر کسی وقفے کے مسلسل سفر کرے اور تین رات دن میں مدینہ پہنچ جائے۔

تیز رفتار قاصد کی مدینہ آمد

مکّہ سے آنے والے اُس سمجھ دار قاصد نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی ہدایات کے عین مطابق اُن کا خط نہایت رازداری کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 660/1　　2۔ ایضاً: 61/2

مدینہ کی نواحی بستی میں مسلمانوں کی تعمیر کردہ سب سے پہلی مسجد قبا میں موجود تھے۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر وہ خط حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب نے پڑھ کر سنایا۔خط کے مندرجات اور تفصیلات میں یہ بتایا گیا تھا کہ تین ہزار لڑاکا افراد پر مشتمل ایک لشکرِ جرار مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے مکّہ سے کوچ کرنے والا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خط سننے کے بعد فرمایا:

اے کعب رضی اللہ عنہ! فکر نہ کرو! اللہ ربّ العزت خیر فرمائے گا۔

چوں کہ وقت بہت کم تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوری طور پر مدینہ روانہ ہو گئے۔(1)

قریش کے لشکرِ جرار کی مدینہ آمد

ایک سال کی سرگرم تیاری اور بارہ دن کی مسافت طے کر کے قریش کے تین ہزار سوار ماؤں پر مشتمل لشکرِ جرار ابوسفیان کی قیادت میں بے پناہ جوش وخروش، شدید جذبۂ انتقام اور مدینہ منورہ کو تاراج کرنے کی نیّت کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا شہر سے تقریباً تین میل دور اُحد پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔اب اِس بات کا عام آدمی کو بھی علم ہو گیا کہ مکّہ کی طرف سے آنے والے قریش کا لشکر اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی نیت کے ساتھ شہر کے مضافات میں پہنچ چکا ہے۔اُدھر شہر کی غیر یقینی اور نازک صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہودیوں اور منافقوں نے لوگوں کو نفسیاتی طور پر مایوس کرنے اور پریشانیوں میں ڈالنے کے لیے طرح طرح کی افواہیں اور خوف وہراس پھیلانا شروع کر دیا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت مونس رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا کہ وہ قریش کے لشکر میں شامل سپاہیوں کی صحیح تعداد اور قیام کی جگہ کے متعلّق صحیح معلومات لے کر آئیں۔ اُنھوں نے آکر اطلاع دی کہ:

رمضان کے آخری دنوں میں مکّہ سے روانہ ہونے والا لشکر اب مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ''وادی قناۃ'' کے کنارے پر خیمہ زن ہو چکا ہے۔اُن کے اُونٹوں اور گھوڑوں نے سرکاری چراہ گاہ کے ساتھ متصل تمام کھیتوں کی فصلوں کا بھی نام ونشان تک مٹا دیا ہے۔(2)

اس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن منذر کو کافروں کے لشکر کی طاقت اور سامان حرب و ضرب کی نوعیت اور دیگر تفصیلات کے متعلّق صحیح تخمینہ اور ٹھیک اندازہ لگانے کے لیے کفار کے پڑاؤ میں بھیجا۔

حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن منذر نے واپس آکر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنی جائزہ رپورٹ ان الفاظ کے ساتھ پیش کی:

1۔انساب الاشراف للبلاذری:314/1۔کتاب المغازی للواقدی:203/1

2۔السیرۃ النبویہ ابی شھبہ:187/2

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

حملہ آور لڑاکا افراد کی تعداد تین ہزار کے قریب ہے۔ لشکر میں عورتیں اور غلام بھی شامل ہیں۔ مکّہ کے سرداروں نے اپنے سپاہیوں کو مسلح کرنے پر بے دریغ پیسا خرچ کیا ہے۔ لشکر میں دو سو گھوڑے اور سات سو زرّہ پوش فوجی شامل ہیں۔

اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ

۵ شوال کو مدینہ کے نواح میں پہنچنے والے اس لشکر میں شامل قبائل بنو کنانہ اور بنو تہامہ کے لوگ قریش کے ساتھ یہ عہد و پیمان کر کے آئے ہیں کہ جب تک راتوں میں اندھیرا اور دنوں میں روشنی باقی ہے اور جب تک ابوقبیس پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہے، ہم لوگ یک جان ہو کر قریش مکّہ کے ساتھ اپنے دیرینہ تعلقات کو نبھائیں گے اور پوری وفاداری کے ساتھ اسلامی لشکر کا مقابلہ کریں گے۔(1)

یہ معلومات ملنے کے بعد اِس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا کہ سردارانِ قریش ایک سال تک بڑے اہتمام کے ساتھ کی گئی تیاری کے بعد ایک انتقامی جذبے اور پوری طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آئے ہیں۔ امن وامان کی نازک صورتِ حال کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم جاری فرما دیا کہ اہلِ ایمان اسلحہ زیب تن کر کے ہر وقت تیاری کی حالت میں رہیں۔

اُدھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہرا دینے کے لیے تلواروں سے مسلح حفاظتی دستے شہر کے مختلف راستوں اور ناکوں پر بٹھا دیئے، تاکہ دشمن اچانک حملہ آور نہ ہو سکے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اہلِ مدینہ بہترین ہتھیاروں کے ساتھ مسلح ہو کر بڑی ہوشیاری اور بیداری کے ساتھ ساری رات شہر کے حساس مقامات پر پہرا دیتے رہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ، حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے اپنی نگرانی میں کاشانۂ نبوّت کی حفاظت کے لیے ہتھیاروں سے مسلح ایک طاقت ور دستے کو تعینات فرما دیا تاکہ قریش مکّہ کوئی غیر معمولی صورتِ حال پیدا نہ کر سکیں۔(2)

مشاورت کے لیے اجلاس کی طلبی

انصار اور مہاجرین میں سے ذمہ دار اکابرین اور صائب الرّائے حضرات کا ایک ہنگامی اجلاس مشاورت کے لیے طلب فرمایا گیا، تاکہ حملہ آور فوج کا احسن انداز میں مقابلہ کرنے کی منصوبہ بندی کی جا سکے۔ اس مشاورتی اجلاس میں اس بات پر رائے لی گی کہ جہالت کے علم بردار قریش کے اِس لشکر کو شکست دینے کے لیے یہ جنگ ہمیں حصارِ مدینہ کے اندر قلعہ بند ہو کر لڑنی چاہیے یا پھر کھلے میدان میں حملہ آوروں کا مقابلہ کیا جائے۔ کئی معزز

1۔ کتاب المغازی للواقدی:206/1 2۔ ایضاً:208/1

انصار اور مہاجرین کی جانب سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی دشمنوں سے نبرد آزما ہوا جائے۔

اِن واجب الاحترام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ دشمن کی فوج جہاں خیمہ زن ہوئی ہے، وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا اُن کے لیے ممکن نہیں ہوگا اور اگر قریش کا لشکر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ شہر میں داخل ہو کر ہم پر دھاوا بول دیا جائے تو ہمیں مکّہ سے آئے ہوئے اُن اجنبی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے اور اپنے مقدس شہر کا دفاع کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی کیوں کہ مدینہ ایک قلعہ نما ترتیب کی وجہ سے ایک محفوظ پناہ گاہ ہے اور ہم لوگ اپنے شہر کے گلی کوچوں کے پیچ و خم اور اُونچی نیچی جگہوں سے زیادہ اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اِس لیے ہمیں یقین ہے کہ تین سو میل دور سے آئے ہوئے ان غارت گروں کو ہم بڑی آسانی کے ساتھ گھیر لیں گے۔

سامنے کی جانب سے، ہم مرد دشمنوں کا مقابلہ تلواروں اور نیزوں کے ساتھ کریں گے، جب کہ بلند مکانوں کی چھتوں سے شہر کی عورتیں اور بچے اُن پر پتھروں اور تیروں کی بارش کر دیں گے۔ جنگ کی یہ حکمتِ عملی اپنانے سے ہم قریش کے لشکر کو بہ آسانی شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یوں ''ان شاء اللہ!'' وہ لوگ مایوس اور بے نیلِ و مرام ہو کر واپس چلے جائیں گے۔

منافقِ اعظم عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی اِس تجویز کی موافقت میں دلائل دیئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ اُس دھوکے باز کے دل میں جو مکر و فریب اور کذب چھپا ہوا ہے، وہ مسلمانوں پر ظاہر ہو جائے اور اہلِ اسلام کو معلوم ہو جائے کہ آزمائش میں جاں نثار ساتھی اور وفا نبھانے والے کون ہیں۔

دوسری جانب مشتاقانِ شہادت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی تعداد نے رسالت مآب ﷺ کی خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کی کہ ہمیں دشمنانِ اسلام کے خلاف فیصلہ کن جنگ کھلے میدان میں جا کر لڑنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ اُن جانباز اور سرفروش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ اور حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بن مالک پیش پیش تھے۔

اُن کے ساتھ ایک بہت بڑی تعداد شوقِ شہادت رکھنے والے اُن نوجوانوں کی تھی جو یہ شدید خواہش رکھتے تھے کہ مدینہ کی گلیوں میں شہید ہونے کی بجائے کُھلے میدان میں دشمن پر چڑھائی کی جائے۔ اپنے موقّف کے حق میں دلیل دیتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ جب ہم شہر کے اندر رہ کر مزاحمت کی جنگ لڑیں گے تو ہم اپنے گھروں اور گلیوں کے پابند ہو کر رہ جائیں گے جس سے لڑائی کے تقاضوں کے مطابق حکمتِ عملی کو تبدیل کرنے کی ہمارے پاس بالکل گنجائش نہیں رہے گی لیکن اگر ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ کھلے میدان میں نبرد آزما ہوتے ہیں تو ہمارے پاس جنگ کی حکمتِ عملی تبدیل کرنے کے تمام مواقع موجود ہوں گے۔

اِس آرزو کا اظہار کرنے والوں میں اکثریت اُن نوجوانوں کی تھی جو شوقِ شہادت میں بے چین اور بے تاب تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اُحد کے میدان میں دشمنوں کے ساتھ جہاد کر کے وہی عزت واحترام اور فضیلت و مرتبہ

حاصل کرلیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ بدر کو عطا فرمایا تھا۔

اُن پُرجوش نوجوانوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم سب شہر سے باہر نکل کر دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے اور اُن پر فتح حاصل کرنے یا شہادت کے متمنی اور مشتاق ہیں۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تو عرصے سے اِس دن کے انتظار میں تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! آج اللہ ربُّ العزت نے ہماری منزل کو قریب تر فرما دیا ہے۔(1)

اُن نوجوانوں نے اپنے موقف کے حق میں یہ دلیل بھی پیش کی کہ

عبداللہ بن ابی بن سلول نے جس طرح شہر میں رہ کر مقابلہ کرنے کی تجویز کے حق میں نہایت شدّ ومدّ کے ساتھ دلائل دیئے ہیں، اِس سے ہمیں اُس بدفطرت انسان کی نیت اور خلوص پر شک ہونے لگا ہے۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہماری درخواست ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُحد کی طرف پیش قدمی فرمائیں اور ہمیں اسلام کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں لے چلیں،
تاکہ جس اجر وثواب سے ہم جنگِ بدر میں محروم رہ گئے تھے، اب اُسے حاصل کرسکیں
اور جس شان دار اور حیرت انگیز فتح کا منظر اہلِ بدر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا،
ہماری بھی زبردست خواہش ہے کہ اُسی طرح کی عظیم الشان فتح کے بابرکت لمحات دیکھنا ہمارے نصیب میں ہو۔(2)

مشاورت کے دوران دونوں طرف کے افراد کا نقطۂ نظر معلوم ہوجانے اور اپنے اپنے موقف کے حق میں اُن کے دیئے گئے دلائل سامنے آجانے کے بعد اب یہ بات واضح ہوچکی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت میدانِ جنگ میں جاکر لڑنے کی آرزومند ہے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پُرجوش نوجوانوں پر شفقت فرماتے ہوئے اُن کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا کہ وہ شہر سے باہر نکل کر اُحد کے میدان میں دشمنوں کے ساتھ مقابلے کی خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں۔

نمازِ جمعہ کے بعد سرکارِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطاب میں اِس بات پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو!

راہِ حق میں سربہ کف ہوکر پوری ہمت، جرأت، بہادری، ثابت قدمی

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:63/2
2۔ایضاً

اور استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو! آپ لوگ متحد ہو کر آگے بڑھیں
اور انفرادی جنگ کی کسی بھی کوشش سے احتراز کریں!
میدانِ جنگ میں پورے نظم وضبط کے ساتھ اپنی جدوجہد کا آغاز کریں
اِس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آپ لوگوں کے ساتھ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو یہ نصیحت فرمائی:

اللہ کا نام لے کر اور شہادت کے جذبے سے سرشار ہو کر جہاد کے لیے نکلو!

اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی کہ:

اگر تم دشمن کے خلاف جنگ میں صبر کے ساتھ ثابت قدم رہے تو یقیناً
اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو اپنی اعانت سے کامیابی اور کامرانی عطا فرمائیں گے۔

یہ ولولہ انگیز خطاب سُن کر لشکرِ اسلام میں اطمینان اور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

نمازِ عصر کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ دونوں رفقائے خاص، یعنی سیّدنا صدیق اکبر اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ محترم مصاحبین نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلّح ہونے میں مدد دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُوپر نیچے دو زرہیں زیب تن فرمائیں، سر مبارک پر خود پہنا، تلوار حمائل کی اور نیزہ ہاتھ میں لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاشانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر دو رویہ صفیں باندھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والہانہ استقبال کے لیے چشمِ براہ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدینِ اسلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! اللہ ربّ العزت کا نام لے کر میدانِ جنگ کی طرف چل پڑو!
اور میں جو حکم جاری کروں، اُس پر دل وجان سے عمل کرو!
اے مسلمانو! مصیبت پر صبر واجب ہے۔
اگر تم نے صبر کے دامن کو استقامت کے ساتھ پکڑے رکھا
تو اِن شاء اللہ! تم لوگ ہی فتح ونصرت سے ہمکنار ہو گے۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ابنِ مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں نماز کی امامت کے فرائض ادا کرنے کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا۔(2)

اس کے بعد ایک ہزار فرزندانِ توحید کا یہ لشکر دفاعِ اسلام کی جنگ لڑنے اور باطل سے ٹکرانے کے لیے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت باسعادت میں مدینہ منورہ سے ایک چھوٹے اور تنگ راستے کے ذریعے بنی حرّہ بن

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 214/1
2۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 64/2۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 3/5-204

حارث کی طرف پیدل روانہ ہوا، تاکہ لشکرِ قریش کی نظروں سے اوجھل رہ کر اور تھوڑا فاصلہ رکھ کر اُحد کے میدان میں اُس خالی جگہ تک پہنچ جائیں جو اُحد پہاڑ اور مشرکینِ مکّہ کے درمیان موجود تھی۔

اِس نئے راستے کی راہنمائی کے لیے اپنی خدمات، اُس علاقہ کی رکاوٹوں اور راستوں کی اُونچ نیچ سے ماہرانہ واقفیت رکھنے والے اور بڑے ہی تجربہ کار راہبر قبیلہ بنو حارث کے فرزند حضرت ابوخثیمہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے گھوڑے سکب پر سوار تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آگے آگے چل رہے تھے۔(1)

اسلامی لشکر میں شامل سپاہیوں کا معائنہ

جب اسلامی لشکر 'الشیخان' کے مقام پر پہنچا تو اُس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ 'الشیخان' جو دو پہاڑوں کا نام ہے اور یہ مقام: اُحد اور مدینہ منورہ کے درمیان تقریباً نصف مسافت پر ہے۔(2)

وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلامی لشکر میں شامل سپاہیوں کا معائنہ فرمایا تو اُن آٹھ کم سن لڑکوں کو، جن کی عمریں پندرہ سال سے کم تھیں لیکن وہ جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر اسلامی لشکر کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف جا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں مدینہ منورہ واپس بھیجنے کا حکم جاری فرمادیا۔

واپس بھیجے جانے والے بچوں میں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے جناب اسامہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے لیکن جب قطار میں کھڑے قبیلۂ حارس سے تعلق رکھنے والے رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج کی باری آئی تو وہ اپنے پنجوں کے بل تن کر سیدھے کھڑے ہو گئے، تاکہ دراز قامت نظر آئیں اور آسانی سے منتخب ہو جائیں۔ سرکارِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رافع رضی اللہ عنہ کی اسلامی لشکر میں شامل ہونے کی اِس معصومانہ کوشش کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اِسی دوران رافع رضی اللہ عنہ کے والدِ محترم نے بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ درخواست پیش کی کہ:

میرے بیٹے کو منتخب کر لیا جائے، کیوں کہ میرا یہ بیٹا تیر اندازی میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رافع رضی اللہ عنہ کے بہترین تیر انداز ہونے، اُس کی جاں نثاری و سرفروشی اور جذبۂ جہاد کو دیکھتے ہوئے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو اجازت ملنے پر ایک اَور نوجوان سیّدنا سمرہ رضی اللہ عنہ بن جندب، جو اُن کے ہم عمر تھے، فوراً بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اپنی درخواست کے ساتھ حاضر ہو گئے اور عرض کرنے لگے:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں جسمانی طور پر رافع رضی اللہ عنہ سے زیادہ طاقت ور اور مضبوط ہوں۔

بے شک ہم دونوں کی کشتی کرالیں۔ اگر میں رافع رضی اللہ عنہ سے جیت جاؤں تو پھر مجھ پر بھی شفقت فرمائیں

1۔ الطبقات الکبریٰ:2/29
2۔ فرہنگ سیرت:225

اور لشکر کے ساتھ جانے کا موقع عطا فرمائیں۔

رسُولِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، سمرہ رضی اللہ عنہ کے جذبۂ جہاد سے بے حد متاثر ہوئے اور جب دونوں نوجوانوں کی کشتی کرائی گئی تو جناب سمرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دعوے کے مطابق یہ مقابلہ جیت لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سمرہ رضی اللہ عنہ کو شاباش دی اور انھیں مشرکینِ مکّہ کے خلاف جنگ لڑنے والے مجاہدوں میں شامل فرمالیا۔

اب سُورج غروب ہو چکا تھا اور شام کا اندھیرا چھا رہا تھا۔ شب کو آرام فرمانے کے لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی منزل پر قیام کا فیصلہ فرمایا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے پہرے داری کے فرائض سرانجام دیئے۔ اگلے دن نمازِ فجر کے فوراً بعد لشکرِ اسلام الشیخان سے روانہ ہوا۔(1)

دھوکے بازوں کی لشکرِ اسلام سے علیحدگی

عبداللہ بن ابی بن سلول ایک منافق اور مکار شخص تھا۔ اب اللہ ربّ العزت کی طرف سے اُس کی عیاری کا پردہ چاک ہونے اور سارے شہر کے ساتھیوں کے سامنے رُسوا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لشکر کی قیادت فرماتے ہوئے اُحد کے قریب ''شوط'' کے مقام پر پہنچے جو جبلِ اُحد کے نزدیک ایک باغ کا نام ہے۔ دشمن کی فوج یہاں سے بالکل قریب ہی خیمہ زن تھی، بلکہ دونوں طرف کے لشکر بہ آسانی ایک دوسرے کی نقل وحرکت کو دیکھ سکتے تھے۔ یہاں پہنچ کر شہر کے سب سے بڑے دھوکے باز عبداللہ بن ابی بن سلول نے، جو بظاہر اسلامی لشکر کے ساتھ مل کر مشرکینِ مکّہ کے خلاف لڑنے کے لیے آیا تھا، اپنی اصلیت ظاہر کر دی اور اس نازک موقعے پر اسلام کے ساتھ اپنے حلفِ وفاداری اور اسلامی فوج کے جذبوں کو توڑنے کے لیے اُس نے بے وفائی کی اور ایک طے شدہ سازش کے سب سے بڑے کردار کی حیثیت سے میدانِ جنگ کے بالکل قریب ایک فضول سا بہانہ بنایا اور میدانِ جنگ سے پہلے ہی اپنے زیرِ اثر تین سو ناقص الایمان ساتھیوں سمیت یہ کہتے ہوئے علحدگی اختیار کر لی کہ لڑائی کی حکمتِ عملی بناتے وقت ہمارے مشوروں کو مسترد کر دیا گیا تھا۔

اُس نے ایک اور اعتراض بھی کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ جیسے عقل منداور انتہائی تجربہ کار شخص کو کوئی اہمیت نہ دی، بلکہ ناسمجھ اور نادان لڑکوں کی بات کو مان لیا گیا اور میرے مقابلے میں شہر کے اُن غیر صائب الرّائے اور عقل سے عاری لوگوں کی رائے کو اہمیت دی گئی جو کوئی قوتِ فیصلہ نہیں رکھتے۔ اِن حالات میں ہم اپنی زندگیوں کو بلا مقصد کیوں ختم ہونے دیں؟

اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا:

> اے میرے ساتھیو! اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنے اور بیکار میں قتل ہونے کی بجائے آؤ اپنے گھروں کو خیریت کے ساتھ واپس لوٹ چلیں۔(2)

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 216/1

2۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 64/2

دراصل یہ غدار اور سیہ کار عبداللہ بن ابی بن سلول اور اُس کے بے وفا ساتھیوں کی ایک گھٹیا اور بے ہودہ حرکت تھی۔

ان منافقوں نے یہ خطرناک نفسیاتی حربہ اِس لیے استعمال کیا تھا کہ اسلامی فوج کے حوصلے کو توڑا جا سکے۔ ظالموں کی طرف سے یہ زیادتی بڑی پریشان کن اور ناقابلِ معافی تھی۔ اگر اُسے جنگ کی حکمتِ عملی پر کوئی اعتراض تھا تو بھی اُسے کوئی حق حاصل نہ تھا کہ وہ دُشمنوں کے لشکر کے سامنے آکر علیحدگی کے لیے اُسے بہانہ بنائے۔ اگر اُس حیلہ ساز کو انسانیت کی اعلیٰ اقدار سے تھوڑی سی بھی واقفیت ہوتی تو پھر اُسے چاہیے تھا کہ وہ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہی نہ ہوتا اور اپنے گھر پر ہی رہتا۔

بغاوت کے لیے وقت کا انتخاب بھی اُس بہانے باز نے سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس ذلیل حرکت کا مقصد یہ تھا کہ لشکرِ اسلام میں افراتفری اور گھبراہٹ کا منظر مکّہ سے آئے ہوئے حملہ آوروں کو اگر براہِ راست دکھا دیا جائے تو اُن کے حوصلے مزید بڑھ جائیں گے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ اُس کی طرف سے کیے گئے بے وفائی اور بد دیانتی کے اتنے کاری وار سے اسلامی لشکر کے جوان بدنظمی اور خلفشار کا شکار ہو کر ہمت ہار جائیں گے اور بالآخر جنگ لڑنے کا جوش وجذبہ اور طاقت کھو بیٹھیں گے، چناں چہ اسی دوران ایک ایسا وقت بھی آیا جب بنوسلمہ اور بنوحارثہ نے گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار ہو کر دبے لفظوں میں اپنے گھروں کو واپس لوٹ جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقار اور عزت منظور تھی، لہٰذا اس کی طرف سے عطا فرمائی گئی توفیق اور فضل سے اُن دونوں قبیلوں نے فوراً ہی اپنے دلوں میں موجود نورِ ایمان کی طاقت سے اپنے ڈگمگاتے ہوئے ارادوں اور کمزور خیالات پر قابو پالیا، ہمت ہارنے کی بجائے پوری جاں نثاری اور سرفروشی کے جذبے کے ساتھ اسلامی لشکر کے شانہ بشانہ جنگ میں حصّہ لیا اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔(1)

جنگ سے پہلے اسلامی لشکر کی صف بندی

دھوکے باز عبداللہ بن ابی بن سلول اور اُس کے ضعیف العقیدہ ساتھی جب اپنے مقصد میں ناکام ہو کر واپس چلے گئے تو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبرانہ آن اور شان کے ساتھ اپنے سات سو جاں نثار مجاہدین کو لے کر آگے بڑھے، الحمد للہ! جن کے حوصلے پہاڑوں سے بھی بلند، ارادے مضبوط، عزم راسخ، دلوں میں اللہ پر ایمان اور آخرت پر غیر متزلزل یقین تھا اور جو دشمن کے سامنے سینہ سپر ہونے اور راہِ حق میں شہید ہونے کے لیے بے تاب تھے۔

1۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث: 4051

صبح کا سورج طلوع ہونے کے قریب تھا کہ لشکرِ اسلام، سرکارِ دو عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں کفّار کی نظروں کے سامنے سے گزر کر ٹھیک اپنے مطلوب ومقصود مقام پر پہنچ گیا۔

اب جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑاؤ کیا وہاں لشکرِ اسلام کے سامنے مدینہ اور عقب میں بلند و بالا اُحد پہاڑ تھا۔ وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ جب تک میں حکم نہ دوں، کوئی مجاہد جنگ کی ابتدا نہ کرے!(1)

دفاعی لحاظ سے اسلامی لشکر بہترین مقام پر تھا، نہایت اہمیت کے حامل اُس درّے کے سوا جو اُحد پہاڑ اور جبل رماۃ کے درمیان واقع تھا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی لشکر کے لیے کسی بھی وقت خطرہ بن جانے والے اس حسّاس درّے کی حفاظت اور نگرانی کے لیے خصوصی توجہ فرماتے ہوئے تیر اندازی میں ماہر اور مکمل تربیت یافتہ پچاس مجاہدین کو منتخب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو تیر اندازوں کے اِس چاق و چوبند دستے کا امیر مقرر فرمایا تو ساتھ ہی نہایت واضح الفاظ میں انھیں پیش آنے والے خطرات سے بھی آگاہ فرمادیا کہ:

> جنگ کے دوران اسلامی لشکر کی جو بھی حالت ہو، ہم چاہے فتح حاصل کرلیں یا شکست سے دوچار ہوجائیں، تم لوگوں نے اِس مقام کو ہرگز نہیں چھوڑنا اور دشمن کو ہم پر عقب سے حملہ کرنے کی کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دینا۔
>
> چوں کہ یہ درّہ نہایت ہی اہم جگہ پر واقع ہے، اِس لیے پوری استقامت کے ساتھ اپنی جگہ پر جمے رہنا، بلکہ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن پر فتح حاصل کرلی ہے اور اسے شکست سے دوچار کرتے ہوئے اس کی صفوں کو بھی اُلٹادیا ہے اور اس کی لڑاکا فوج کے قدم اکھیڑ دیئے ہیں اور اُن کے بھگوڑے فوجیوں کو بے دریغ قتل کررہے ہیں، انھیں قیدی بنارہے ہیں اور مالِ غنیمت اکٹھا کررہے ہیں تو اُس وقت بھی مالِ غنیمت میں حصہ دار بننے کے شوق میں تم لوگوں نے اپنے اِس اہم ترین مورچے کو نہیں چھوڑنا ہے اور اگر تم یہ دیکھو کہ جنگ کا رُخ ہمارے مخالف ہوگیا ہے، ہمارے مجاہدین شہید ہورہے ہیں اور ہم شکست کے قریب ہیں، تب بھی اپنا مورچہ چھوڑ کر ہمیں بچانے کے لیے نہ آنا اور اگر تم لوگ دیکھو کہ دشمن کا کوئی گھڑسوار دستہ اِس حسّاس درّے کی طرف بڑھ رہا ہے تو اپنے مورچے ہی سے اُن کے گھوڑوں پر تیروں کی بارش کردینا، کیوں کہ گھوڑے تیروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔(2)

صحیح بخاری میں بیان کی گئی حدیث شریف کا مضمون کچھ اِس طرح ہے:

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:65/2

2۔صحیح بخاری، رقم الحدیث:4043۔دلائل النبوۃ للبیھقی:229/3۔کتاب المغازی للواقدی:224/1

یا اگر تم یہ دیکھو کہ پرندے ہم پر جھپٹ پڑے ہیں اور ہمیں اُٹھا کر لے جا رہے ہیں
تو بھی اپنے مورچوں سے ایک قدم آگے پیچھے نہ ہونا۔
اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے قریشِ مکّہ کو شکست سے دوچار کر دیا ہے
اور اب میدانِ جنگ سے مالِ غنیمت جمع کر رہے ہیں، تب بھی اِس اہم ترین مورچے کو
نہ چھوڑنا، جب تک کہ میں آپ لوگوں کو بلانے کے لیے خصوصی پیغام نہ بھیجوں۔
یہ بات بڑے غور سے سن لو!
جب تک تم لوگ اپنی جگہ پر چٹّان کی طرح قائم رہو گے، میدانِ جنگ میں ہمارا
لشکر طاقت ور اور مضبوط رہے گا۔ لیکن اگر تم لوگوں کی طرف سے کوئی کوتاہی ہو گئی اور
عقب سے دشمنوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو پھر اِس غلطی کے نتائج بڑے المناک ہوں گے۔(1)

اِن واضح ہدایات کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیر اندازوں کے اِس دستے کو جبلِ الرماۃ پر تعینات فرما دیا۔

میدانِ جنگ میں مجاہدین سے خطاب

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا جو قریش کے علم برداروں کے خاندان بنی عبد الدار ہی کے فرزند تھے۔ صفوں کی ترتیب درست کرنے کے بعد سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پُرجوش جاں نثاروں اور سربکف مجاہدین سے اپنے فصاحت و بلاغت سے بھرپور اور پُر اثر خطاب میں دشمن کے سامنے صبر کے ساتھ ڈٹ جانے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے مسلمانو! میں تمھیں اِس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ
اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں جو ہدایات اور تعلیمات بیان
فرمائی ہیں، اُن پر سختی سے عمل کرو، تاکہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہو
اور ہر اُس عمل سے رُک جاؤ! جو تمھیں آگ کی طرف لے جانے والا ہو۔
جب دشمن کے ساتھ مقابلے کا موقع آجائے تو پوری استقامت، جواں مردی اور صبر
کے ساتھ جہاد کی ابتدا کرو!
دشمن کے خلاف جہاد کرنا اور ثابت قدم رہنا یقیناً ایک صبر آزما اور مشکل مرحلہ ہوتا ہے
لیکن وہ لوگ، جو آج بہادری سے لڑیں گے، وہ ایسے لوگ ہیں جنھیں اللہ نے
صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ کیسے بھی حالات ہوں، اِس یقین اور صبر کے
ساتھ آگے بڑھیں کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اطاعت گزار اور

1۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث: 3039

فرماں بردار بندوں کا مددگار رہے اور شیطان اُس کا مددگار رہے جو اللہ ذُوالجلال والاکرام
کی نافرمانی کرتا ہے۔
آپس میں اختلافات وتنازعات، جھگڑا وفساد اور نفاق پیدا نہ ہونے دیں،
کیوں کہ اس طرح کے غلط عمل نہ صرف جماعت کے اتحاد اور طاقت کو کمزور کر
دیتے ہیں، بلکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد وحمایت سے بھی محروم کر دیئے جاتے ہیں۔
میرے دل میں جبرئیلِ امین نے یہ بات ڈال دی ہے کہ
کوئی آدمی اُس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا،
جب تک کہ وہ اپنے حصّے کے رزق کا آخری لقمہ بھی پورا پورا حاصل نہ کر لے۔
پس، اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو!
اور رزق کے حصول میں ہمیشہ صبر وتحمل کے ساتھ نیک اور حلال ذرائع اختیار کرو!
نماز باجماعت ادا کرو! خصوصاً جمعہ کی نماز کا بڑے اچھے طریقے سے اہتمام کیا کرو!
جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ اور اُس کے فرشتے اُس پر دس بار رحمت بھیجتے ہیں۔
میدانِ جنگ میں پوری شجاعت، صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا۔
تم سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو (آمین)! (1)

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار اور اُس کا حق

پیکرِ رحم وکرم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی لشکر میں ہمت، جذبہ اور ولولہ پیدا کرنے کے لیے اپنی چمکتی دمکتی تلوار کو میان سے نکالا اور اُسے ہوا میں لہراتے ہوئے فرمایا:

من یاخذ ھذا السیف بحقه

آپ میں سے وہ کون بہادر ہے جو اِس تلوار کو لے، اِس شرط کے ساتھ
کہ وہ اِس کا حق ادا کرے گا۔

رسُولِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ادا کیے گئے یہ پاک کلمات سن کر کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سعادت حاصل کرنے کی خواہش کے ساتھ بیک وقت اپنے ہاتھ آگے بڑھائے۔ ایسے لگ رہا تھا کہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ اِس بات کا شدّت سے آرزومند ہے کہ یہ سعادت اور اعزاز اُسے حاصل ہو لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک تلوار کسی کو عنایت فرمانے کی بجائے ہر بار اپنے دستِ مبارک کو روک لیتے تھے۔

اِس دوران بنی ساعدہ سے تعلّق رکھنے والے نامور شجاع اور باہمت صحابیِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/22-221

سماک بن خرشہ، جو کہ جنگِ بدر میں بھی اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے، آگے آئے اور عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اِس تلوار کا حق کیا ہے؟

حضورسرورِکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِس کا حق یہ ہے کہ اِس سے اللہ کے دشمنوں پر اُس وقت تک وار پر وار کرتے رہو جب تک کہ یہ ٹیڑھی نہ ہوجائے اور یہ کہ کسی کمزور اور ضعیف پر اِس تلوار سے وار نہ کیا جائے۔ اِس کا حق یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان اِس سے ہلاک نہ ہو۔

سیّدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور عنایت سے میں اِس مبارک تلوار کو لے کر اِس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔

میری التجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری اِس عاجزانہ درخواست کو قبول فرمایئے!(1)

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے اپنی مقدس تلوار انھیں عطا فرمادی۔ جواں مرد اور دلیرِ زمانہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ: فنونِ حرب کے ماہر، بڑے طاقت ور، بہادر اور جاں باز سپاہی تھے۔ اُنھوں نے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک تلوار کو ہاتھ میں لے کر چوما، اتنا بڑا اعزاز اور انعام ملنے پر اپنی قسمت پر فخر کیا۔ پھر اُس مردِ شجاع نے اپنے مشہورِ زمانہ سُرخ رومال کو پگڑی کی طرح اپنے سر پر باندھا، جسے وہ ''عصابہ الموت''، یعنی موت کی دستار کہتے تھے۔

اُس کی ایک طرف لکھا تھا:

اللہ کی مدد اور فتح قریب ہے۔

اور دُوسری طرف لکھا تھا:

جنگ میں بزدلی شرم کی بات ہے۔

اُن کے دوست کہا کرتے تھے:

جب ابودجانہ رضی اللہ عنہ سر پر سرخ پٹی باندھ لیں تو سمجھ لیں کہ وہ قتال شروع کرنے والے ہیں، لہٰذا اب دشمنوں کی خیر نہیں۔

شیر دل ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے مبارک تلوار لہرائی اور بڑے افتخار کے ساتھ بہادروں کی طرح دشمنوں کے سامنے سینہ تان کر اور ایک مجاہدانہ آن اور شان کے ساتھ تن کر چلنے لگے۔

سرکارِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلام کے اترا کر چلنے کی اِس ادا کو دیکھا تو فرمایا:

1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 66/2۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 215/3

اللہ تبارک وتعالیٰ کوکسی بندے کا اِس طرح اکڑ کر چلنا نہایت ناپسند ہے
مگر آج ابودجانہؓ دشمنوں کے سامنے فخر کے جس انداز کے ساتھ چل رہے ہیں،
یہ اللہ اوراُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پسندیدہ ہے۔
کافروں کو اسلام کی شان وشوکت دکھانا بھی ضروری ہے،
اِس لیے کہ اِس سے دشمن خوف میں مبتلا ہوتا ہے۔(1)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ وہ بڑے بہادر اور میدانِ جنگ میں شاندار صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے والے جنگ جُو تھے۔ اُنھوں نے بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ اپنی مبارک تلوار مجھے عنایت فرمائیں لیکن وہ اُس وقت بڑے دل گیر ہوئے جب اُن کو اِس اعزاز سے نہ نوازا گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ:

میں نے سوچا تھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ محترم کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہوں اور میں نے اُس بابرکت تلوار کو حاصل کرنے کے لیے جناب ابودجانہ رضی اللہ عنہ سے پہلے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کی تھی لیکن سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مقدس تلوار مجھے عنایت فرمانے کی بجائے جب اپنے دستِ مبارک کو مجھ سے روک لیا اور جناب ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو اِس سعادت کا زیادہ مستحق سمجھا تو اُس وقت میں نے سخت خفت محسوس کی اور دل ہی دل میں کہا:
آج دیکھتا ہوں کہ خرشہ کے بیٹے جناب ابودجانہ رضی اللہ عنہ اِس مبارک تلوار کے ساتھ کون سے کارنامے انجام دیتے ہیں۔ اسی اضطرار و اضطراب کی کیفیت میں، میں نے اُن کے قریب رہنے کا فیصلہ کیا، چناں چہ میں نے دیکھا کہ سیف الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل کرنے کے بعد اُنھوں نے ایک سرخ رومال کو پگڑی کی طرح اپنے سر پر باندھ لیا۔

یہ دیکھ کر اُن کے دوستوں نے کہا کہ اب جنگ کا بازار خوب گرم ہوگا، کیوں کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے دستارِ اجل باندھ لی ہے، پھر وہ یہ کہتے ہوئے میدانِ جنگ کی طرف بڑھے:
میں وہ شخص ہوں جس نے اُحد پہاڑ کے دامن میں
اور کھجور کے درختوں کے جھنڈ کے درمیان کھڑے ہو کر
اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے،
کہ جن کی محبت میرے دل کی گہرائیوں میں گھر کر چکی ہے،
یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ جب جنگ شروع ہوگی تو میں ایک لمحے

1۔السیرۃ النبوۃ واخبار الخلفاء لابن حبان: 222/1

کے لیے بھی لشکر کی آخری صف میں کھڑا نہیں ہوں گا، بلکہ پہلی صف سے
بھی آگے بڑھ کر اللہ اور اُس کے پیارے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوب چلنے والی
مبارک تلوار کے ساتھ اللہ کے دشمنوں کو ماروں گا، اس طرح میں اس مقدس تلوار کا
حق ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں!(1)

یہ کہہ کر اُنھوں نے اُس بابرکت تلوار کو ہوا میں لہرایا اور بڑے پختہ اور مضبوط ارادوں کے ساتھ میدانِ کارزار میں گھس گئے۔ پھر اپنی تلوار سے ہر اُس دشمنِ خدا کا کام تمام کر دیا جو اُن کے مقابل آیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

مشرکین کے لشکر میں سے ایک ظالم عبداللہ بن زہیر گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے آیا۔ وہ بدبخت اب تک بہت سے زخمی مسلمانوں کو شہید کر چکا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں ابنِ زہیر ہوں۔ آج میں خود مر جاؤں گا یا (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شہید کر دوں گا (نعوذُ باللہ)۔

جناب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اُس مردود کافر کے قریب پہنچ گئے۔ جب ٹکراؤ شروع ہوا تو شیر دل ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مبارک تلوار کے پہلے ہی وار سے اُس کے گھوڑے کو گرا دیا۔ بڑے مضبوط جسم اور بھاری تن و توش والا وہ پہلوان آناً فاناً بمع اپنے اسلحے کے، زمین پر آن گرا۔ جناب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اُسے للکار کر کہا کہ ہائے ابنِ زہیر! اب تم قتل کے لیے تیار ہو جاؤ!

پھر اُسے واصل جہنم کرنے کے لیے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کافر مردود کا سر تن سے جدا کر دیا۔ واقعی اُس دن محترم ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے بڑی مہارت، لیاقت اور عزت کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک تلوار کا شایانِ شان حق ادا کر کے اُس کی آن خوب رکھی۔ اُس دن کے مشاہدے کے بعد میرے دل میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام فیصلوں کی حکمت پر میرا یقین اور بھی زیادہ پختہ ہو گیا کہ اللہ اور اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔(2)

اُس دن کی معرکہ آرائی میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی شاندار کارکردگی اور جذبۂ شہادت کو دیکھ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ پاک! آپ ابنِ خرشہ سے راضی ہو جائیں، جس طرح میں اپنے اس
جاں نثار سے راضی ہوں کہ میرا یہ جانباز سپاہی آج خوب لڑا ہے۔(3)

جنگ کا آغاز

اپنے لشکر کی صفیں ترتیب دینے کے بعد سردار ابوسفیان نے جوڑ توڑ کی حکمتِ عملی پر عمل کرتے ہوئے مہاجرین اور انصار میں فاصلے پیدا کرنے کی کوشش کی، چناں چہ اس نئی منصوبہ بندی پر عمل درآمد کے لیے وہ اپنے لشکر سے

1۔ السیرۃ النبوۃ لابن کثیر: 32/3 2۔ ایضاً، 33/3 3۔ کتاب المغازی للواقدی: 246/1

آگے بڑھا اور انصار سے مخاطب ہوتے ہوئے اُس نے کہا:

اے یثرب کے لوگو! ہمارا آپ لوگوں کے ساتھ براہِ راست نہ کوئی جھگڑا ہے
اور نہ کوئی دشمنی کی بنیاد ہے۔ ہم بالکل نہیں چاہتے کہ آپ کے ساتھ ہمارے
تعلقات خراب ہوں اور بات جدال وقتال تک پہنچ جائے۔
اس لیے اے اہلِ یثرب!
اس مسئلے کا بہتر حل یہ ہے کہ آپ لوگ موجودہ جنگ سے دست بردار ہو کر
اپنے گھروں کو خیریت اور سلامتی کے ساتھ واپس چلے جائیں۔
اگر آپ لوگ میدانِ جنگ چھوڑ کر ایک طرف ہو جاتے ہیں
تو میں یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کے گھروں پر حملہ نہیں کریں گے۔
ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آج ہمیں اپنے چچازاد بھائی
(پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور اُن کے ساتھ
اپنا وطن چھوڑ کر آجانے والے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ
اپنے جھگڑوں کو براہِ راست نپٹا لینے کا موقع دیں!

یہ تقریر بے تاثیر سن کر، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار انصار کے نوجوانوں نے سردار ابوسفیان کو نہایت بلند آواز کے ساتھ اور سخت الفاظ میں کھری کھری سنا دیں۔ اس طرح میدانِ جنگ میں موجود مدینہ کے جاں نثاروں اور سرفروشوں نے سردار ابوسفیان کی اسلامی لشکر میں انتشار پیدا کرنے کی اس کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا۔(1)

جب حملہ آور افواج کا سپہ سالار سردار ابوسفیان لشکرِ اسلام میں نفاق پیدا کرنے کی حکمتِ عملی میں کامیابی حاصل نہ کر سکا تو اُس کے بعد زمانۂ قدیم سے چلے آ رہے علم بردار خاندان بنی عبدالدار سے تعلّق رکھنے والا طلحہ بن ابوطلحہ اُونٹ پر سوار قریش کا جھنڈا اُٹھائے اپنے قبیلے کا نام سربلند کرنے کے عزم کے ساتھ دو بہ دو مقابلے کی دعوت دیتا ہوا آگے بڑھا۔(2)

یہ شخص قریش کا ایک ممتاز اور بہادر شہسوار تھا۔ اس کے ساتھ قریش کے بڑے بڑے معزز اور منتخب گھرانوں کی خواتین کی ایک جماعت، ہند بنت عتبہ کی سرکردگی میں ایک خاص انداز سے ڈھول، طنبورے اور دف بجاتی ہوئی جوشیلے اور حرارت انگیز گیتوں کے ساتھ ساتھ مقتولینِ بدر کے پُردرد مرثیے پڑھ بھی رہی تھیں۔

کچھ خواتین اپنے لشکر کی صفوں کے آگے آگے چلتے ہوئے نوحے، ماتم داری اور اپنی حرمت وناموس کی پاس

1۔ سیرت انسائیکلوپیڈیا: 213/6۔ الرحیق المختوم، ص: 350
2۔ السیرۃ الحلبیہ: 303/2

داری کے اشعار پڑھ کر اپنی فوج کے بہادروں میں جوش و جذبہ پیدا کرنے، لڑائی پر بھڑکانے اور انھیں مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے اُکسا رہی تھیں۔(1)

دعوتِ مبارزت

طاقت اور بہادری کا نشان طلحہ بن ابو طلحہ جب اپنی قوم کا جھنڈا اُٹھائے مسلمانوں کو ایک خون ریز لڑائی کی دعوت دیتا ہوا میدانِ جنگ کے درمیان پہنچ گیا تو اُس نے اپنی دعوتِ مبارزت کو بلند آواز میں تین دفعہ دہرایا۔

اسلامی لشکر میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور چھلانگ لگا کر اُس کے اُونٹ پر چڑھ گئے۔ دونوں طرف سے بھرپور طاقت اور زور آزمائی کا مظاہرہ ہوا۔ بالآخر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حیرت انگیز حربی صلاحیت، طاقت اور مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے زمین پر گرا دیا اور اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اُٹھ سکے، تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جدا کر کے ہوا میں اُچھال دیا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بہادری اور دلیری کا یہ مسرّت انگیز منظر دیکھا تو اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بلند آواز میں ''اللہ اکبر'' کے الفاظ ادا فرمائے۔

میدانِ جنگ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پورے جذبے اور جوش کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا جس کی گونج نے دشمنوں کے دلوں پر لرزہ طاری کر دیا۔ فخرِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے سیّدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس بے مثال جرأت اور مہارت کی بڑی تعریف کی اور فرمایا:

ہر نبی کا ایک حواری اور خاص دوست ہوتا ہے اور زبیر رضی اللہ عنہ میرے خاص دوست اور مددگار ہیں۔(2)

خاندانِ بنی عبد الدار کے علم بردار طلحہ بن ابو طلحہ کے قتل کے بعد اس کا بیٹا مسافع بن طلحہ انتقام کے جذبے اور جوش کے عالم میں اپنی قوم کا جھنڈا لے کر آگے بڑھا اور للکارتے ہوئے دعوت دی کہ ہے کوئی جس میں مجھ سے لڑنے کی ہمت ہو۔

اسلامی لشکر کی طرف سے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ایک ہی وار سے اُسے جہنم رسید کر دیا اور ایک دفعہ پھر اُحد پہاڑ کے دامن میں اللہ اکبر کے نعرے گونجنے لگے۔

مسافع بن ابو طلحہ کے قتل کے بعد اس کے بھائی عثمان نے آگے بڑھ کر میدانِ جنگ میں گرے ہوئے اپنی قوم کے جھنڈے کو اُٹھا لیا اور یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ جھنڈا اُٹھانے والے علم بردار پر یہ واجب ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں اس طرح لڑے کہ اُس کا نیزہ دشمن کے خون سے رنگین ہو جائے یا پھر اُس کا نیزہ لڑتے لڑتے ٹوٹ جائے۔

عثمان بن طلحہ کا مقابلہ کرنے کے لیے سیّدنا حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب نے یہ کہتے ہوئے اُس پر حملہ کر دیا کہ میں ساقی الحجاج کا بیٹا ہوں، پھر اُنھوں نے اپنی تلوار کو ہوا میں لہرایا اور ایک ایسا وار کیا جو عثمان بن طلحہ کے

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:67/2   2۔دلائل النبوۃ للبیھقی:227/3

کندھے کو کاٹتا ہوا اُس کی کمر تک چلا گیا۔ جبلِ اُحد ایک بار پھر اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اُٹھا جس سے کافروں کے دل دہل گئے (1)۔ دشمنوں کے لشکر میں سے اگلا نوجوان ابوسعد بن طلحہ تھا جس نے اپنی قوم کا جھنڈا اُٹھایا اور للکارے مارتے ہوئے مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دینے لگا۔

اس کے ساتھ ہی اُس نے ایک طنزیہ تقریر شروع کر دی:

اے اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!
کیا تم لوگ اس وہم اور گمان کے ساتھ ہمارے مقابلے میں لڑنے کے لیے
آ گئے ہو کہ تم لوگوں کا وہ ساتھی، جو آج ہماری تلواروں سے قتل ہوگا،
وہ سیدھا بہشتِ بریں میں جائے گا اور ہمارے قتل ہونے والے لوگوں کو
اللہ ''دارُ العذاب'' میں پھینکیں گے۔ تو لات کی قسم! تم لوگ غلطی پر ہو۔
اے مسلمانو! تم میں سے جو شخص، اپنے دل میں جنت میں جانے کی آرزو رکھتا ہو،
وہ میرے ساتھ مقابلے کے لیے آگے آ جائے۔
آج میں اُسے اپنے ہاتھوں سے جنت کی جانب روانہ کروں گا
یا پھر وہ مجھے اپنی تلوار کے وار سے کافروں کی عذاب گاہ دوزخ میں پہنچا دے!

کافر ابوسعد کی اس غرور و تکبر سے بھری تقریر پر شیرِ خدا سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا:

اے ابوسعد! میں تمھاری یہ آرزو ابھی پوری کر دیتا ہوں۔

دونوں بہادر دو دو ہاتھ کرنے کے لیے پورے جوش کے ساتھ ایک دُوسرے کی جانب بڑھے۔ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تلوار تیزی کے ساتھ فضا میں لہرائی۔ ابوسعد کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا اور چند لمحوں کے اندر اندر عین میدانِ جنگ کے درمیان اُس مردود کی لاش خاک و خون میں تڑپنے لگی۔ جبلِ اُحد ایک بار پھر لشکرِ اسلام کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ ابوسعد کے قتل ہو جانے کے بعد خاندان عبدالدار کے کئی اور نوجوانوں نے بھی میدانِ جنگ میں اپنی قوم کا جھنڈا اُٹھاتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ (2)

جب بنی عبدالدار سے نسبت رکھنے والے سب نوجوان قتل ہو گئے تو اُن کے غلام صواب نے جھنڈا اُٹھا کر ہوا میں لہرا دیا۔ دوسری طرف سے مدینہ کا ایک نوجوان قزمان بڑی تیزی کے ساتھ اُس کے سر پر جا پہنچا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا وہ ہاتھ کاٹ دیا جس میں اُس نے جھنڈا اُٹھایا ہوا تھا۔ اُس نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھنڈا بائیں ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ قزمان بھی پورا جنگ جُو تھا، اُس نے صواب کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/226-227
2۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 2/74

دیا۔ آخر میں قزمان نے اپنا نیزہ اُس کے جسم کے آر پار کر کے اُسے زندگی سے ہی محروم کر دیا۔(1)

قریش کی شکست کا پہلا مرحلہ

علم بردار قبیلے بنو عبد الدار کے غلام صواب کے قتل کے بعد سردار ابوسفیان نے اپنے لشکر کو ایک بڑا اور بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دونوں طرف کے لشکر غیظ و غضب کی حالت میں آگے بڑھے اور پوری قوت کے ساتھ ایک دُوسرے سے ٹکرا گئے جس سے میدانِ جنگ جدال وقتال کے شعلوں سے بھڑک اُٹھا۔

ایک طرف کفّار تھے جو بڑے کرّ وفر اور شدید جذبۂ انتقام کے تحت لشکرِ اسلام پر حملہ آور ہوئے تھے جب کہ دوسری طرف جذبۂ شہادت سے سرشار اسلامی لشکر کے ہر سپاہی کے دل کی کیفیت یہ تھی کہ وہ رضائے الٰہی اور عشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دل میں بسا کر زندگی کی آخری سانس تک دشمنوں کے خلاف لڑنے کا عزم کیے ہوئے تھا۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اور لشکرِ اسلام میں شامل تمام مجاہدین اس بے جگری سے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور اتنا جم کر لڑے کہ اُنھوں نے شجاعت اور بہادری کی نئی داستانیں رقم کر دیں۔ اللہ کے شیروں نے جوش اور جذبے کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے دلیرانہ اور جاں بازانہ حملے کیے کہ کثرتِ تعداد اور اسلحے کی فراوانی پر ناز کرنے والی بُت پرستوں کی فوج کو تتّر بتّر کر دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کافروں پر مسلمانوں کی دہشت طاری ہوگئی، اُن کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ حواس باختہ اور شکست خوردہ ہو کر میدانِ جنگ سے پسپائی اختیار کرنے لگے۔ لشکرِ کفّار کے ساتھ آئی ہوئی عورتوں کی جماعت، جو کچھ دیر پہلے اپنی فوج میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کے لیے دف بجا بجا کر جوشیلے اور اشتعال انگیز اشعار اور گیت گا رہی تھیں اور انھیں مقتولینِ بدر کا واسطہ دے کر اہلِ ایمان کے خلاف لڑائی پر اُکسا رہی تھیں، میدانِ جنگ کی صورتِ حال تبدیل ہوتے ہی وہ بدحواسی کے عالم میں اپنی دفیں پھینک کر اور منہ چھپا کر پناہ کی تلاش میں اپنے خیموں کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوگئیں، جب کہ اسلامی لشکر کے ایک گروپ نے اپنی تلواروں کے ساتھ پسپا ہوتے ہوئے دشمنوں کا دور تک پیچھا کیا۔

یہ جنگِ اُحد کا پہلا مرحلہ تھا۔ مسلمان یہ سمجھے کہ جنگِ بدر کی طرح جنگ کا توازن مسلمانوں کے حق میں ہو گیا ہے اور یہ قریش کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اہلِ ایمان کا مقابلہ کر سکیں۔ اللہ کا سچا وعدہ پورا ہو گیا ہے اور انھیں فتح و کامیابی حاصل ہوگئی ہے، کیوں کہ دشمن کی لشکر گاہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس لیے مجاہدین اس بات سے بالکل بے فکر ہو گئے کہ قریش مکّہ دوبارہ بھی حملہ کر سکتے ہیں، چناں چہ دشمن کی طرف سے دوبارہ حملے کے خطرے کو یک سر نظر انداز کر کے اسلامی لشکر میں سے کچھ فوجی اپنی اوّلین ذمّے داری سے بے پروا ہو کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔

1۔ سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: 195/4

اسلامی لشکر کے لیے پریشانی کا آغاز

حسّاس درّے پر تعینات کیے گئے اسلامی فوج کے تیر انداز مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن جانبازوں کو پُرزور الفاظ میں یہ ہدایت فرمائی تھی کہ:

مشرکینِ مکّہ کے گھڑسوار فوجی اگر تم لوگوں کی طرف آنے کی کوشش کریں
تو اُن پر تیروں کی بارش کرکے اُن کا راستہ روک دینا، تاکہ وہ اسلامی فوج
پر عقب سے حملہ نہ کرسکیں۔ میری طرف سے بار بار تاکید ہے کہ فتح ہو
یا شکست، تم لوگوں کو اپنی جگہ ڈٹے رہنا ہے۔ اس بات کو یاد رکھنا کہ
تمھاری طرف سے دشمن کے گھڑسوار دستے ہم پر حملہ نہ کرنے پائیں۔(1)

جب مسلمانوں کی فاتحانہ یلغار سے کفّار کے سپاہی میدانِ کارزار کو چھوڑ کر بھاگنے لگے تو جبلِ رماۃ پر تعینات تیر اندازوں کو یقین ہوگیا کہ دشمن شکست و ہزیمت سے دوچار ہوچکا ہے۔ اس دوران اگلی صفحوں میں لڑنے والے مسلم سپاہیوں نے میدانِ جنگ سے بھاگنے والے مشرکینِ مکّہ کا تعاقب کرنے کی بجائے اُن کی اشیا پر قبضہ کرنا شروع کردیا تھا۔ جب حساس درّے پر تعینات تیر اندازوں نے مالِ غنیمت جمع کرنے کا یہ منظر دیکھا تو اُنھوں نے آپس میں کہا:

اب، جب کہ ہمارے ساتھی جیت گئے ہیں تو ہمارا یہاں کھڑا رہنا بے فائدہ ہے۔
دشمن کے اس سامان میں حصّہ دار بننے کے لیے ہمیں بھی آگے بڑھنا چاہیے۔

بالآخر تیر اندازوں کی اکثریت اپنے آپ کو نہ روک سکی اور وہ مالِ غنیمت جمع کرنے کے شوق میں اپنے مقامِ ذمّے داری کو چھوڑ کر میدانِ کارزار میں پہنچ گئے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اسلامی لشکر کے لیے پریشانیوں کا آغاز ہوا اور مسلمان اپنی جیت کے عمل کو برقرار نہ رکھ سکے۔

تیر اندازوں کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو روکنے کی بہت کوشش کی اور انھیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی یاددہانی کراتے ہوئے کہا کہ:

میدانِ جنگ کی صورتِ حال کیسی بھی ہو، چاہے اسلامی لشکر شکست کھا رہا ہو
یا فتح کی خبریں آنا شروع ہوجائیں تو بھی تاحکمِ ثانی یہاں سے ایک قدم بھی
آگے پیچھے نہیں ہونا ہے۔(2)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 227/3
2۔ کتاب المغازی للواقدی: 224/1

جب تک تم اپنی جگہ پر رہو گے، جہاں تمھیں تعینات کیا گیا ہے
تو دشمن کے مقابلے میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا۔
میرے ساتھیو!
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ بالکل واضح ہدایات تھیں کہ
ہمیں ہر قیمت پر اس حساس دفاعی مورچے کی حفاظت کرنی ہے
اور میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر یہ جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔

غلط تاویل

دُوسرا گروہ یہ دلیل دینے لگا کہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جتنا عرصہ جنگ ہوتی رہے گی تم لوگوں کو جنگی اہمیت کے پیشِ نظر اِس درّے کی حفاظت کے لیے یہاں پہرہ دینا ہے لیکن اب تو مکّہ سے آیا ہوا لشکر مغلوب ہو چکا ہے اور ان کے فوجی میدانِ جنگ چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اس لیے ہم اپنا یہ مورچہ چھوڑ کر اگر مالِ غنیمت میں حصّہ دار بن جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ جوش میں آئے ہوئے ساتھیوں نے اُن کی بات سُنی ان سُنی کر دی۔ اس طرح حسّاس درّے پر پہرہ دینے والے پچاس میں سے چالیس محافظ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے برعکس اپنے مرکز تاکید کو چھوڑ کر دشمنوں کا مال واسباب سمیٹنے کے لیے میدانِ جنگ کے درمیان میں پہنچ گئے، جب کہ پہاڑی درّے پر متعین امیر حضرت عبداللہؓ بن جبیر کے ساتھ صرف نو محافظ رہ گئے۔
ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کرنے والے ان پُرخلوص اور وفا شعار جانبازوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ مقدس کی خلاف ورزی کبھی نہیں کریں گے۔(1)

قرآنِ حکیم نے ان دس ثابت قدم مجاہدین کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔
فرمانِ الٰہی ہے:

مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ (آلِ عمران:152)
تم میں وہ بھی تھے جو آخرت کے خواہاں تھے۔

اسلامی لشکر پر جوابی حملہ

پھر وہی ہوا جس کا امکان تھا۔ عرب کے ممتاز، تجربہ کار اور موقع شناس سپہ سالار خالد بن ولید، جو اُس وقت

1۔ عیون الاثر: 19/2

تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انھیں اس بات کا بڑی اچھی طرح ادراک تھا کہ میدانِ جنگ میں فتح کے حصول میں عقب سے حملہ فیصلہ کن کردار ادا کرسکتا ہے، چناں چہ جب اُنھوں نے دیکھا کہ حساس مورچے پر پہرہ دینے والی جماعت میں سے اکثر فوجی درّے کو کھلا چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں تو اس قیمتی موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اُنھوں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ جبلِ اُحد کا ایک لمبا چکر کاٹ کر عقب سے جبلِ رماۃ پر تعینات باقی ماندہ مجاہدین پر پوری طاقت کے ساتھ چڑھائی کر دی۔

امیرِ دستہ حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پہاڑی مورچے پر موجود چند جانباز تیر اندازوں نے گھیرے میں آ جانے کے باوجود حملہ آوروں کے اس سیلاب کو بڑی ہمت اور شجاعت کے ساتھ روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے وہ اس طوفان کا مقابلہ نہ کر سکے اور بالآخر اپنا فرض ادا کرتے ہوئے ایک کے بعد ایک شہید ہوتے گئے۔(1)

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

حفاظتی مورچے کو تاراج کرنے کے بعد خالد بن ولید نے اُس تنگ درّے سے گزر کر آناً فاناً لشکرِ اسلام کے اُن فوجیوں پر عقب سے دھاوا بول دیا جو بڑی خوشی اور مسرّت کے ساتھ مالِ غنیمت جمع کرنے میں محو تھے۔ میدانِ جنگ کی دوسری طرف لشکر کے علم بردار اپنے جس جھنڈے کو زمین پر پھینک کر بھاگ گئے تھے اُسے قریش کی ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے اُٹھا کر ہوا میں بلند کر دیا۔ساتھ ہی میدانِ جنگ میں واپس آنے والے مشرکینِ مکّہ کے ایک دستے نے عکرمہ بن ابوجہل کی قیادت میں اسلامی لشکر پر زوردار حملہ کر کے اُن کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔آگے اور پیچھے دونوں طرف سے درازانی والے نیزوں اور برستی ہوئی تلواروں کے ساتھ یہ حملے اس قدر مہلک تھے کہ اسلامی فوج کے سپاہی اس اچانک پیدا ہونے والی غیر موافق صورتِ حال سے دہشت زدہ ہو کر وقتی طور پر مقابلہ کرنے کی طاقت کھو بیٹھے۔(2)

جب مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں محو مسلمان مجاہدین ہر طرف سے گھیرے میں آ کر تلواروں کا شکار ہونے لگے تو اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم تو بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔اُنھوں نے اس غیر متوقع پریشانی سے نکلنے اور اپنی صفیں درست کرنے کی کوشش کی۔جمع کیے گئے مالِ غنیمت کو چھوڑ کر تلواریں بھی اُٹھا لیں لیکن اب وقت اسلامی فوج کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

چنانچہ دشمنوں میں گھرے ہوئے اسلامی لشکر کے سپاہی اب بغیر کسی جذبے اور ولولے کے کفّار کا مقابلہ کر رہے تھے۔مرکزی قیادت سے رابطہ ختم ہو جانے سے اسلامی لشکر میں ایک انتشار کا عالم تھا۔گھبراہٹ اور پریشانی میں کسی کو اپنے پرائے کی کوئی پہچان نہ رہی، چناں چہ کچھ مسلمان خود اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں شہید ہو

1۔کتاب المغازی للواقدی:232/1
2۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:78/2

گئے۔(1)

جنگ کے خوفناک لمحات

جنگ کے دوسرے مرحلے میں مسلمانوں کے لیے یکے بعد دیگرے مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔اب تک کی لڑائی میں مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان ہو چکا تھا۔اسلامی لشکر میں سے بہت سے سپاہی تو میدانِ جنگ سے باہر جا چکے تھے،بعض مجاہدین شدید زخمی تھے اور کئی معصوم جامِ شہادت نوش کر کے جنت الفردوس میں اپنا مقام بنا چکے تھے۔ان نازک ترین لمحات میں مشرکینِ مکّہ کی طرف سے حملہ آور بار بار رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔یہ انتہائی پریشانی،آزمائش اور ابتلا کا وقت تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے وہاں اُس وقت صرف نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حلقہ بنائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد موجود تھے۔ایک وقت ایسا آیا کہ کفّارِ مکّہ کی طرف سے حملوں کے زبردست دباؤ کے بعد قریب تھا کہ وہ بدبخت لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جائیں۔یہ گھمبیر صورتِ حال دیکھ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پر موجود اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

تم میں سے وہ کون بہادر ہے جو ہمارے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے؟
بے شک وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔(2)

اُس نازک ترین وقت میں صرف نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے جن میں سے سات انصار اور دو مہاجر تھے۔شمعِ رسالت کے اُن پروانوں نے سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم حاضر ہیں۔
ہمارا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر نثار ہے،
ہماری جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانِ اقدس پر نثار ہے۔
ہمارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان اور یقین
اور ہماری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ محبت کو
دنیا کی کوئی طاقت کم نہیں کر سکتی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے فرزندانِ توحید لہراتی تلواروں اور برستے تیروں کے سامنے ناقابلِ تسخیر دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔جب دشمنانِ خدا ایک سیلاب کی طرح آگے بڑھتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب پہنچ گئے تو اُس وقت انصار کے وہ سات جوان،جن میں زیاد رضی اللہ عنہ بن سکن بھی شامل تھے،دشمنوں کے ساتھ ٹکرانے کے لیے آگے بڑھے اور پھر یہ عاشقانِ صادق اور پروانہ صفت لوگ اپنی جانیں

1۔صحیح بخاری۔کتاب المناقب۔رقم الحدیث:3824
2۔صحیح مسلم۔کتاب الجہاد والسیر۔رقم الحدیث:1789

ہتھیلی پر رکھ کر پوری جرأت وشجاعت اور ناقابلِ تسخیر جذبے کے ساتھ مشرکوں کے خلاف دوبہ دو جنگ کی آگ میں بے خطر کود پڑے، چناں چہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِردگرد ایک خوں ریز لڑائی شروع ہوگئی۔

سرفروشانِ شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خون خوار میدانِ کارزار میں اپنی زندگی کی پروانہ کرتے ہوئے زبردست دلیری وجواں مردی اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے ہوئے تاریخ رقم کر رہے تھے۔ اپنے دلوں میں شہادت کی تمنّا لیے ہوئے انصار کے ان نوجوانوں نے مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور وہ جاں بازایسی بہادری سے لڑے کہ حملہ آور اُن کی شدید انداز میں کی گئی اس دلیرانہ مزاحمت کا سامنا نہ کر سکے اور بالآخر اپنے ساتھیوں کی بہت سی ہلاکتوں کے بعد پیچھے ہٹ گئے لیکن اس خون ریز جھڑپ میں انصار کے چھے نوجوان بھی شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پروانہ وار قربان ہوکر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

گھمسان کی اس جنگ کے دوران ساتویں انصاری نوجوان زیاد رضی اللہ عنہ بن سکن بھی شدید زخمی ہو چکے تھے۔ کئی ساتھیوں نے اُن کو مشورہ دیا کہ وہ مرہم پٹی کے لیے میدانِ جنگ سے باہر آ جائیں لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا اور لڑائی جاری رکھی جب اُن کے زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ گیا تو وہ نڈھال ہوکر نیچے گر پڑے۔

یہ دیکھ کر پیکرِ رحم وکرم نورِ مجسم حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میرے اس جاں نثار کو میرے قریب لاؤ! جب انھیں قریب لایا گیا تو اُن کی زندگی کی چند سانسیں ہی باقی رہ گئی تھیں۔ اُنھوں نے فرطِ عقیدت ومحبت سے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک کو چوم لیا اور پھر یہ سعادت بھی ان کے نصیب میں تھی کہ اُنھوں نے اپنے رخسار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں پر رکھ دیئے اور کہا:

آج اللہ نے میری تمنا اور خواہش کو پورا فرما دیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اسی لمحے اُن کی روح اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔

اس طرح انصار کے یہ خوش نصیب نوجوان تاجِ شہادت پہن کر حیاتِ جاوداں پا گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

موت کے وقت جناب زیاد رضی اللہ عنہ بن سکن کی آنکھوں کی چمک کہہ رہی تھی:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ توصرف ایک جان تھی، اگر سو جانیں بھی ہوتیں تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر نثار کر دیتا۔(1)

اُحد کی جنگ کے نازک ترین لمحات وہ تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے وہاں صرف دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ اُن میں سے ایک سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ اور دوسرے سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 241/1

تھے۔ ان دونوں قابلِ احترام شخصیات نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے حملہ آور کفارِ مکّہ کے ساتھ شدید ترین جھڑپ میں جاں نثاری، شجاعت، ثابت قدمی اور استقامت کا شان دار مظاہرہ کیا اور اپنی جان کی بازی لگا کر کفّارِ مکّہ کی جانب سے کیے گئے ہر حملے کو بے اثر بنا دیا۔(1)

بار بار کی ناکامی کے باوجود مکّہ کے بُت پرستوں نے اپنے ناپاک ارادوں کو پورا کرنے کے لیے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دباؤ بہت زیادہ بڑھا دیا۔ کفارِ مکّہ کے پُرجوش حملہ آور اپنی خون سے بھری تلواریں ہوا میں لہراتے اور پوری طاقت کے ساتھ اُس مقدس ہستی کی طرف تیروں اور پتھروں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے اس نیّت اور ارادے کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے کہ آج شمعِ ہدایت و رسالت کو ہر قیمت پر بجھا دیا جائے گا۔

آزمائش کی اس گھڑی میں وہاں موجود عاشقانِ صادق پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے ایک کے بعد ایک پروانوں کی طرح اپنی جانیں نچھاور کر رہے تھے۔ صورتِ حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مدینہ کے مردِ شجاع حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے ڈھال کی طرح پورا جھکا دیا اور دشمنوں کی طرف سے آنے والے تیروں کو اپنی کمر پر روکنے لگ گئے، حتیٰ کہ اُن کی کمر تیروں سے چھلنی ہو گئی لیکن وہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بڑی مضبوطی کے ساتھ ڈھال بن کر جھکے رہے، یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو گئی۔(2)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دشمنوں کے سامنے پوری ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ جدوجہد کرنے پر اپنے جاں نثاروں کو بڑی شفقت آمیز نگاہوں سے دیکھا اور اُن کے لیے خیر و برکت کی دُعا فرمائی۔

سردار ابوسفیان کا شہیدانِ باوفا کو خراجِ تحسین

اُس دن مکّہ کے بُت پرستوں نے جاں بازی، سرفروشی اور جانیں نچھاور کرنے کے ایسے منظر دیکھے جو اُنھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے وہاں موجود ہر صاحبِ ایمان اپنی جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نچھاور کرنے کے لیے بے تاب و بے قرار تھا۔ جنگ کے بعد لشکرِ مکّہ کی فوج کے سپہ سالار سردار ابوسفیان نے ایک نجی محفل میں شان دار الفاظ میں مسلم مجاہدین کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

> میں نے اس سے پہلے اپنی پوری زندگی میں اتنا حیرت انگیز منظر کبھی نہیں دیکھا تھا کہ کس طرح وہاں موجود چند افراد (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر اپنی جانیں پروانہ وار نثار کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ اُس دن گنتی کے اُن چند سرفروشوں نے اپنی شجاعت، دلیری اور بہادری کے ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ جس کی وجہ سے پوری جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ دراصل یہی وہ بہادر تھے جو میدانِ جنگ میں ہماری مکمل جیت کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے اور جن کے خوف سے ہمیں جنگِ اُحد کو نامکمل چھوڑ کر واپس آنا پڑا تھا۔

1۔ صحیح بخاری۔ ایضاً: 242/1۔ رقم الحدیث: 4057 2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 82/2

استقامت

اُن خوف ناک اور نازک لمحات کے دوران، کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارک پر ہر طرف سے پے در پے جان لیوا حملے ہو رہے تھے اور اُس وقت بھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب تیروں کی بارش اور تلواروں سے یلغار ہو رہی تھی، سالارِ اعظم حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عزم و ہمت اور استقلال میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی کمی دیکھنے میں نہیں آئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پورے وقار، شجاعت، آن اور شان کے ساتھ حملہ آوروں کے سامنے کھڑے رہے، حالانکہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شدید زخم بھی آئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو دانت مبارک شہید ہوئے، چہرۂ انور پتھر لگنے سے گھائل ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خود (آہنی کیپ) کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں چبھ گئیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تمام تکالیف کو نہایت ہمت، صبر اور استقامت کے ساتھ برداشت فرماتے رہے۔(1)

مشکل ترین لمحات

جنگ کے دوران ایک مرحلے پر جب لشکرِ اسلام انتشار اور افراتفری کا شکار ہو کر بکھر چکا تھا، اُس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شقاوت اور جسارت میں پیش پیش قریش کے مشہور پہلوان عبداللہ بن قمیہ نے سرکارِ دو عالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تلوار سے حملہ کر دیا۔

اُس مردود کی تلوار کا وار اتنا زوردار تھا کہ اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو خود (آہنی کیپ) پہنا ہوا تھا، اُس کی دو کڑیاں آنکھ کے ذرا نیچے رخسار مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ منحوس روح کے مالک ابنِ قمیّہ نے تلوار سے دُوسرا وار کیا۔ کندھے پر لگنے والا یہ وار اتنا شدید تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ماہ سے زیادہ اُس کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔

عبداللہ بن شہاب کے حملے کے نتیجے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس و مبارک پیشانی پر زخم آ گیا جس سے خون بہہ کر تمام چہرۂ اقدس پر پھیل گیا(2)۔ یہ دُکھ بھری صورتِ حال دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غم واندوہ کی کیفیت میں یہ بات خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
کاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان خدا کے دشمنوں کے لیے کوئی بد دعا فرمائیں،
تا کہ یہ بدبخت کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چہرۂ انور سے خون صاف کرتے ہوئے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا:

1۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر۔ رقم الحدیث: 1791
2۔ فتح الباری لابن حجر: 366/7

اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون○

اے ربّ ذُوالجلال والاکرام! اے میرے پروردگار! میری قوم کو بخش دے،
کیوں کہ یہ (نادان اور ناواقف لوگ) تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے (مقام و مرتبے) کو نہیں جانتے۔
اے ربُّ القدیر! میری قوم کو (سیدھے راستے کی طرف راہنمائی اور)
ہدایت (کا نور) عطا فرما، کیوں کہ یہ مجھے نہیں جانتے۔(1)

شہادت کی افواہ

اس دوران، جب کہ لشکرِ اسلام کی صف بندی ٹوٹ چکی تھی اور ہر طرف افراتفری اور پریشانی کا عالم تھا، مکّہ کے کافروں کی طرف سے ایک رُوح فرسا اور جان لیوا افواہ بڑے زور شور سے پھیلا دی گئی کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے ہیں (نعوذ باللہ)۔ یہ وحشت اثر خبر سُن کر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اسلامی لشکر کے سپاہیوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے اور ان میں اضطراب اور سراسیمگی پھیل گئی۔ چوں کہ ان حوصلہ شکن حالات میں اسلامی لشکر میں شامل مجاہدین سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بالکل کھو بیٹھے تھے، چناں چہ بڑے بڑے بہادروں اور جنگ جوؤں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ مایوسی کے عالم میں ہمت ہار کر بیٹھ گئے کہ اب لڑ کر کیا کریں گے۔ اس افسوس ناک خبر کے پھیلنے کا سانحہ بالکل اچانک، چند لمحات کے اندر اور نہایت سُرعت سے پیش آ گیا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران و ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اُن کی نظروں میں تو دنیا تاریک ہو گئی۔

اس دوران ایک خوب صورت اور مبارک آواز فضاؤں میں بلند ہوئی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب تھے:

اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ!
اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ!
میں اللہ کا رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں، یہاں میرے پاس آؤ!(2)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کان حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اِس دل کش آواز کو سننے کے منتظر اور نگاہیں حُسنِ بے مثال کے دیدار کے لیے بے تاب و بے قرار تھیں۔ اسی اثنا میں خوش نصیب حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بابرکت آواز سب سے پہلے سننے کا موقع مل گیا، چناں چہ اُنھوں نے بے اختیار اس خوش خبری کا بلند آواز میں اعلان کرنا شروع کر دیا:

یا معشر المسلمین! ھذا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اے جماعت اہلِ اسلام! تم لوگوں کو مبارک ہو!

1۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر۔ رقم الحدیث: 1792
2۔ مختصر زاد المعاد: 147/1

اللہ کے رسُول ﷺ یہاں ہیں اور الحمدللہ! بالکل خیریت سے ہیں۔(1)

سلامتی اور خیریت کا اعلان سنتے ہی مایوس اور شکستہ دلوں میں تو جیسے جان پڑ گئی۔ شمعِ رسالت کے پروانوں میں مسرّت کی ایسی لہر دوڑ گئی کہ جیسے کوئی شکست یک بارگی فتح میں بدل جائے، چناں چہ فرزندانِ توحید دیدار کے شوق میں اپنے راستے کی ہر رکاوٹ کو عبور کر کے عاشقانِ صادق کی طرح اپنے مرکزِ عقیدت کی طرف اُڑتے ہوئے واپس آنے لگے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک افسوس ناک خبر یہ ملی کہ اُن کے واپس آنے سے پہلے ہی حضور نبی کریم ﷺ زخمی ہو چکے ہیں۔ اُن نازک ترین لمحات میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ خوب جم کر لڑے اور یہ بہادر لوگ آپ ﷺ کی حفاظت میں بڑی مضبوطی و پائیداری اور ثابت قدمی کے ساتھ دشمنوں کے سامنے دیوار بن کر کھڑے رہے۔

واپس آنے والے جاں نثارانِ اسلام اور سرفروشانِ شمعِ رسالت ﷺ نے فوراً رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین ﷺ کے چاروں طرف کھڑے ہو کر ایک مستحکم دفاعی حصار قائم کر لیا اور پھر بڑی بے جگری، انتہائی بہادری اور بے مثال جانبازی کے ساتھ دشمنوں کے تیروں، تلواروں اور نیزوں کا سامنا کرتے ہوئے اُن منحوس اور نابکار دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس دوران خالد بن ولید ایک اور حملے کے لیے دوبارہ آگے بڑھے تو اس نازک صورتِ حال کو دیکھ کر رسُول اللہ ﷺ نے دُعا کے لیے یہ کلمات ادا فرمائے:

اے اللہ پاک! یہ لوگ کسی صورت ہم تک نہ پہنچنے پائیں۔

رسُول اللہ ﷺ کے حکم پر سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر تجربہ کار سپہ سالار خالد بن ولید کی قیادت میں آنے والے حملہ آوروں کا راستہ روکنے کے لیے آگے بڑھے اور ایک زبردست مقابلے کے بعد دھاوا بولنے والی کافروں کی اُس جماعت کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔(2)

اس کامیاب مقابلے کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس رسُول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچے تو حضور سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

ابوبکر رضی اللہ عنہ! اپنے عم زاد بھائی طلحہ رضی اللہ عنہ کو سنبھالو!

تیرے بھائی کا سارا جسم تلواروں اور تیروں کے زخموں سے چھلنی ہو چکا ہے۔

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آج کے کارناموں کی وجہ سے تمھارے بھائی طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے جنّت واجب کر لی ہے۔(3)

جو شخص زمین پر چلتے پھرتے زندہ شہید کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔(4)

1۔السیرۃ النبویہ لابن اسحٰق: 330/1۔جوامع السیرۃ لابن حزم: 128/1 2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 86/2

3۔سنن ترمذی۔ابواب المناقب۔رقم الحدیث: 3738۔مسند احمد۔رقم الحدیث: 1417۔کتاب المغازی للواقدی: 247/1

4۔سنن ترمذی۔رقم الحدیث: 3739

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرۂ مبارک شدید زخمی ہو چکا تھا۔
مقدس و مبارک پیشانی سے خون نکل رہا تھا
اور حفاظتی خود (آہنی کیپ) کی دو کڑیاں آنکھ سے ذرا نیچے رخسار مبارک میں دھنس گئی تھیں
لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے صبر و تحمل اور ضبط کے ساتھ اُس تکلیف اور اذّیت کو
برداشت فرما رہے تھے۔
میں نے حفاظتی خود (آہنی کیپ) کی وہ کڑیاں نکالنا چاہیں
تو جناب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بڑی تیزی سے آگے بڑھے اور کہا:
اے میرے عزیز بھائی!
میں اللہ ذُوالجلال والاکرام کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ
اس خدمت کی سعادت حاصل کرنے کا موقع مجھے عنایت فرمایا جائے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دونوں کڑیاں نہایت احتیاط کے ساتھ نکالنے میں کامیاب تو ہو گئے لیکن اس کے ساتھ ہی اُن کے اپنے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔(1)

اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنا مرکز تھوڑا پیچھے اور اُونچائی کی طرف منتقل کر لیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیچھے کے کیمپ کی جانب بڑھے تو راستے میں ایک اُونچی چٹان پر چڑھتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تھوڑی دِقت محسوس ہوئی۔ خدمت کا یہ سنہری موقع ملتے ہی سعادت مند طلحہ رضی اللہ عنہ فوراً نیچے بیٹھ گئے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا، حالانکہ اُس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنا جسم بھی زخموں سے چور چور تھا۔ چٹان کے اُوپر سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دستِ مبارک تھام لیا۔

جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُوپر پہنچ گئے تو اپنے جاں نثار حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے فرمایا:

طلحہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کی ہے،
آج طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے جنت واجب ہو گئی ہے۔(2)

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مہراس کے کنوئیں سے اپنی ڈھال میں پانی لے کر آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لختِ جگر نورِ نظر بی بی سیّدہ فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ عنہا بھی وحشت ناک خبریں سن کر میدانِ جنگ میں تشریف لا چکی تھیں۔ اُنھوں نے اپنے ابا جان کے زخم دھوئے، تھوڑا پانی سر اور رُخِ انور پر ڈالا۔ زخموں سے خون ابھی تک

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 247/1
2۔ سنن ترمذی۔ رقم الحدیث: 3738

بند نہیں ہو رہا تھا۔

بی بی جی نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اُس کی نیم گرم راکھ زخموں پر باندھ دی۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور ''الحمدللہ'' خون بہنا بند ہو گیا۔(1)

جناب حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن سلمہ شیریں اور خوش ذائقہ پانی لے کر آ گئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پانی خوش ہو کر نوش فرمایا اور اُن کو دعائے خیر و برکت سے نوازا۔(2)

جنگ کا خاتمہ

مکّہ کے بت پرست، تمام دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب بڑھنے کی کوششیں کرتے رہے لیکن بار بار کی جانے والی یلغار کے باوجود سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانوں کی جانب سے قائم کیے گئے ناقابلِ تسخیر حصار کو عبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کافر سارے دن کی بلا خیز اور شدید جنگ لڑ کر اب تھکاوٹ سے بے حال ہو چکے تھے، چناں چہ اُنھوں نے مایوسی کے عالم میں اس جنگ کو مکمل فتح تک جاری رکھنے کی بجائے درمیان ہی میں چھوڑ دینا مناسب خیال کیا۔ اُن کے سپہ سالار سردار ابوسفیان اور اکابرینِ قریش نے شاید تھوڑی سی برتری کو ہی غنیمت جانا یا پھر کسی انجانے خوف کو محسوس کرتے ہوئے میدانِ کارزار سے پیچھے ہٹ گئے اور مکّہ واپس جانے کے لیے اپنے اونٹوں پر سوار ہونے کی تیاری کرنے لگے۔

سردار ابوسفیان کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مکالمہ

جب وہ لوگ واپس جانے کے لیے تیار ہو گئے تو سردار ابوسفیان اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اُس مقام کی طرف آیا جہاں فرزندانِ اسلام اپنے محبوب قائد سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت اور سیادت میں اکٹھے ہو چکے تھے۔

سردار ابوسفیان نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی تصدیق کے لیے ایک اُونچی چٹان پر کھڑے ہو کر بہ آوازِ بلند لشکرِ اسلام سے یہ بات دریافت کی کہ:

اے اہلِ اسلام!

کیا تم لوگوں میں (پیغمبرِ اسلام حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجود ہیں؟

مسلمان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر خاموش رہے،

پھر سردار ابوسفیان نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تصدیق کرنے کے لیے لشکرِ اسلام سے پوچھا:

اے مسلمانو! کیا تم لوگوں میں ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4075

2۔کتاب المغازی للواقدی:250/1

لشکرِ اسلام کی طرف سے اس بار بھی مصلحتاً خاموشی اختیار کی گئی۔

سردار ابوسفیان نے پھر فرزندانِ اسلام سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تصدیق کے لیے استفسار کیا:

اے مسلمانو! کیا تم لوگوں میں عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب موجود ہیں؟

فرزندانِ توحید نے طے کی گئی پالیسی کے تحت اس بار بھی سردار ابوسفیان کی کسی بات کا جواب نہ دیا تو سردار ابوسفیان نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بلند آواز میں یہ بات کہی:

اے ساتھیو! جب اتنے بڑے لوگ شہید ہو گئے ہیں تو سمجھو کہ
اہلِ اسلام کا معاملہ ختم ہو گیا ہے۔
اگر یہ تینوں زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سردار ابوسفیان کی طرف سے کہی گئی اس بات کو برداشت نہ کر سکے۔ اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جواب دینے کی اجازت حاصل کی اور بڑے جذباتی لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا:

اے ابوسفیان! تم اِس وقت جھوٹ بول رہے ہو۔
وہ تمام معزز اور محترم شخصیات، جن کا تم نے نام لیا ہے،
اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے سلامتی
اور خیریت کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔
اے ابوسفیان! سن لو!
اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم لوگوں کی ہزیمت اور رُسوائی کے مواقع،
تمھیں غمگین کرنے والی بہت سی دُکھ کی خبریں
اور رنج وغم کے بے شمار لمحات ابھی باقی رکھے ہیں۔

اس بات کے جواب میں سردار ابوسفیان نے ''ہبل سر بلند رہے'' کا نعرہ لگا دیا۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سردار ابوسفیان کے نعرہ کے جواب میں فرمایا:

اللہ اعلیٰ و اجل

اللہ تعالیٰ سب سے بزرگ و برتر اور سب سے زیادہ عظمت وجلال کا مالک ہے۔

سردار ابوسفیان نے اُونچی آواز میں ایک اور نعرہ لگا دیا:

لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم

ہمارے پاس ہماری مددگار عزّیٰ دیوی ہے
اور تمھارے پاس کوئی عزّیٰ نہیں۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

اس طرح جواب دو:

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم O

اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و مولا اور معین و مددگار ہیں اور

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں عزت ہے

اور عزیٰ کے ساتھ تعلق میں ذلّت ہی ذلّت ہے۔

اس کے بعد سردار ابوسفیان نے اسلامی لشکر کو مخاطب کر کے کہا:

اے مسلمانو!

آج ہمارے جوانوں نے شان دار جنگ لڑی ہے

جس کی وجہ سے ہمیں فتح حاصل ہوئی ہے۔

ہم یہاں جنگِ بدر کا بدلہ لینے آئے تھے،

کیوں کہ بدر میں ہمیں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا

لیکن آج ہم فتح یاب ہوئے ہیں، لہٰذا معاملہ برابر ہو گیا۔(1)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جواب دیں:

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُسے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے ابوسفیان! جنگِ بدر میں ہم نے تمھارے ستّر افراد کو جنگی قیدی بنایا تھا

اور بہت سارے مالِ غنیمت پر قبضہ کیا تھا لیکن اُحد کی جنگ میں ہمارا ایک

بھی فرد تمھاری قید میں نہیں ہے اور نہ کوئی مالِ غنیمت آپ لوگوں کے ہاتھ آیا ہے۔

جنگِ بدر میں فتح کے بعد ہم نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں وہاں تین

دن قیام کیا تھا، جب کہ جنگِ بدر میں شکست کے بعد تم لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

اے مشرکینِ مکّہ! تم لوگ کس طرح فتح کی بات کر سکتے ہو؟

کیوں کہ تمہارا لشکر تو میدانِ جنگ چھوڑ کر واپس جا رہا ہے،

جب کہ ہم لوگ تو یہیں موجود ہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ آج کی جنگ میں اسلامی لشکر میں سے

زیادہ لوگ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے ہیں۔

1۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث: 4043

تو یہ جنگوں کے واقعات میں سے ایک معمولی واقعہ ہے۔
شہادت کے معاملے میں بھی ہم اور تم برابر نہیں ہیں۔
ہمارے شہید جنت میں ہیں اور اُن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی
طرف سے رزق مہیا کیا جارہا ہے اور تمھارے مقتولین جہنم
میں ہیں اور اُن کو عذاب دیا جارہا ہے، پھر معاملہ کیسے برابر ہوا؟

سردار ابوسفیان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب آنے کو کہا:

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُس کے نزدیک چلے گئے۔

سردار ابوسفیان نے پوچھا:

اے عمر رضی اللہ عنہ! آپ کو اللہ کی قسم! مجھے سچ سچ بتائیں،
کیا ہم نے (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شہید کر دیا ہے؟

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُسے جواب میں فرمایا:

اے ابوسفیان! تم بالکل غلط بات کہہ رہے ہو
الحمد للہ! رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل خیریت سے ہیں
اور اس وقت تمھاری سب باتیں سن رہے ہیں۔

سردار ابوسفیان نے کہا:

اے عمر رضی اللہ عنہ! میرے نزدیک آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بالکل صحیح ہیں،
کیوں کہ ابنِ قمیہ کی نسبت آپ ایک سچے، راست گو اور قابلِ اعتبار شخص ہیں۔

سردار ابوسفیان نے جاتے جاتے اگلے سال بدر میں ایک اور جنگ لڑنے کا چیلنج دے دیا۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سردار ابوسفیان کا چیلنج قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔(1)

جنگِ اُحد کا ایک دکھ بھرا واقعہ

جنگِ اُحد کا ایک بڑا ہی افسوس ناک پہلو یہ تھا کہ لڑائی کے دوسرے مرحلے میں مشرک مرد اور عورتوں نے اپنی عداوت اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، اسلامی فوج کے علم بردار اور ستّر (70) کے قریب شہید ہونے والے مسلمانوں کا بڑی بے دردی کے ساتھ مثلہ کرنا شروع کر دیا۔ سنگ دل بُت پرستوں نے شہیدوں کے چہروں کو مسخ کیا، پیٹ چیر دیئے، ناک اور کان کاٹ کر ان کے ہار بنائے اور گلے میں پہن لیے۔(2)

1۔السیرۃ النبویہ لابن اسحٰق:334/1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:76/3
2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:91/2

اظہارِ تشکّر

جنگِ اُحد کے دن جب مشرکینِ مکّہ میدانِ کارزار سے واپس چلے گئے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

برابر ہو جاؤ اور صف بندی کرلو! میں اپنے ربِّ ذُوالجلال والاکرام کی حمد وثنا
اور شکرادا کرنا چاہتا ہوں جو سب سے بڑا اور تمام تر طاقت کا مالک ہے۔

رنج وغم کی کیفیت میں کھڑے مردوں اور عورتوں نے فوراً صفیں باندھ لیں۔

نماز کے دوران قنوتِ نازلہ میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے پروردگار سے اِن الفاظ میں دُعا فرمائی:

اے اللہ پاک! تمام تعریفوں کی مستحق خاص آپ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔
اے میرے پروردگار! جس کو آپ فراخی عطا فرمائیں، اُسے کوئی تہی دست نہیں کرسکتا
اور جس کے نصیب میں آپ پریشانی لکھ دیں، اُسے کوئی کشادگی عطا نہیں کرسکتا۔
جس کو آپ اپنے دائرۂ رحمت سے نکال دیں، اُسے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا
اور جن کی آپ راہنمائی فرمادیں، وہ کبھی راہِ حق سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔
جو نعمت آپ روک لیں یا نہ دینا چاہیں، اُسے کوئی دینے پر قدرت نہیں رکھتا
اور جو چیز آپ عطا فرمانا چاہیں، اُسے کوئی روکنے پر قادر نہیں ہے۔
جس کو آپ خود سے دُور کر دیں، اُسے آپ کے نزدیک لانے والا کوئی نہیں
اور جس کو آپ اپنی قربت عطا فرمائیں، اُسے کوئی آپ سے دور نہیں کرسکتا۔
اے اللہ پاک! ہم لوگوں کے لیے اپنے کشادہ رزق کے دروازے کھول دے
اور ہم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔
اے اللہ پاک! میری آپ سے دعا ہے کہ
ایسی مہربانیوں اور نعمتوں سے ہمیں نواز دے، جو سدا بہار ہوں
اور وہ رحمتیں اور برکتیں ہمیشہ ہمارے ساتھ برقرار رہیں
اور وہ نہ کبھی تبدیل ہوں اور نہ کبھی ختم ہوں۔
اے اللہ پاک!
ہم تنگی اور افلاس کے دنوں میں آپ کی ذاتِ بابرکت کی طرف سے
کشادگی اور نعمت کے طلب گار ہیں،

خطرے اور خوف کے ایام میں آپ ہی سے خیریت، عافیت اور امن
کی درخواست کرتے ہیں۔
اے اللہ پاک! جو کچھ ہمیں آپ نے عطا فرمایا ہے،
اس کے نقصان سے اور جس چیز سے آپ نے ہمیں محروم رکھا،
اس کے بھی نقصان سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔
اے اللہ پاک! ہمیں ایمان سے محبت عطا فرما!
اور ایمان کی اس سدا بہار نعمت کو ہمارے دلوں کی زینت بنا دے!
حق سے ہٹنے، نافرمانی اور ناشکری جیسے اعمال کے لیے
ہمارے دلوں میں نفرت ڈال دے
اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما دے
جنھیں آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرمائی ہے۔
اے اللہ پاک!
ہمیں نیک اور سعادت مند مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے
اور اپنے فرماں بردار اور اطاعت گزار بندوں کی حیثیت سے زندہ رکھ
ہمیں صالح، سچے اور اچھے لوگوں میں شامل فرما!
اور ہر قسم کی ذلّت، رسوائی اور فتنے سے محفوظ رکھ!
اے اللہ پاک! اُن کافروں کو نیست و نابود فرما دیں،
جو آپ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جنگ کرتے ہیں
اور لوگوں کو صراطِ مستقیم پر عمل پیرا ہونے سے روکتے ہیں۔
اے اللہ پاک! اے معبودِ برحق!
اپنے جاں نثار، اطاعت گزار اور فرماں بردار بندوں کی
اس دُعا کو شرفِ قبولیت عطا فرما! (آمین)۔(1)

مدینہ میں تشریف آوری

جنگِ اُحد کا دن اہلِ اسلام کے لیے سخت ابتلا، کڑا امتحان اور بہت بڑی آزمائش کا دن ثابت ہوا۔ مدینہ واپسی پر اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میدانِ جنگ کے حالات و واقعات اور نتائج پر بے حد افسردہ اور

1۔مسند احمد۔رقم الحدیث:15492۔المعجم الکبیر للطبرانی۔رقم الحدیث:4549

اُداس تھے۔ اُس دن کی آزمائش میں ستّر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے جن میں زیادہ تعداد انصار کی تھی۔ ڈیڑھ سو کے قریب اہلِ ایمان زخمی تھے۔ اُن زخمیوں میں خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل تھے۔

لڑائی کے دوران جبلِ رماۃ پر تعینات سپاہیوں نے قیاس کرتے ہوئے غلطی کی، جس کی وجہ سے اسلامی لشکر کو بہت زیادہ جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہیدوں کے گھروں میں تشریف لے گئے اور اہلِ خانہ کے رنج وغم میں شرکت فرمائی۔ خواتین کو تسلی دی اور ان کے حق میں صبر واستقامت کی دعا فرمائی۔

مدینہ کے انمول موتیوں کی شہادت پر پورا شہر سوگوار تھا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے ماتم کی آوازیں نہ سنائی دیتی ہوں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بنوعبد الاشہل کے محلے سے گزر رہے تھے تو انصار کی خواتین کو غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والے اپنے بہادروں پر روتے اور ماتم کرتے ہوئے سنا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقّت آمیز لہجے میں فرمایا:

میرے چچا جان حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والا کوئی نظر نہیں آ رہا۔

انصار نے اسی وقت اپنی عورتوں کو نوحہ وماتم کے لیے کاشانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھیج دیا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اُن عورتوں کو اُونچی آواز میں روتے اور ماتم کرتے دیکھا تو اُن کے پاس تشریف لائے اور اُن کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرکے انھیں واپس بھیج دیا۔

اس موقعے پر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ:

مرنے والوں پر نوحہ وماتم کرنا، منہ پر تھپڑ مارنا،
گریبانوں کو چاک کرنا، یہ مسلمانوں کی شان نہیں ہے۔(1)

عفوودرگزر

ایک چھوٹی سی غلطی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ بدل جانے اور بعض ساتھیوں کے میدانِ جنگ چھوڑ کر گھروں کو لوٹ جانے پر بھی پیکرِ رحم وکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی تلخی، ترشی یا سختی سے پیش آنے یا کسی شکوہ وشکایت کا اظہار کرنے کی بجائے اُن کے ساتھ نرم لہجے میں گفت گو فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہوئے اُن کی خطاؤں کو درگزر فرمایا۔

اللہ ذُوالجلال والاکرام نے قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف فرمائی ہے:

(اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!)
یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے نرم دل ہیں۔
اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت دل اور تند خو ہوتے

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام :99/2۔ دلائل النبوۃ للبیهقی :216/3

تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں معاف فرما دیجیے! ان کے لیے استغفار کیجیے
اور حسبِ معمول تمام معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔(1)

ریاستِ مدینہ

مکّہ کے بُت پرستوں نے جنگِ بدر کے مقابلے میں جنگِ اُحد کے لیے بھرپور تیاری کی تھی۔ اس بار جنگی سازوسامان کی خریداری کے لیے اہلِ مکّہ کے تمام وسائل کو استعمال کیا گیا تھا۔ وہ لوگ پورے جوش اور جذبۂ انتقام کے تحت مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکلے تھے لیکن لڑاکا فوجیوں کی بہت زیادہ تعداد اور شان دار منصوبہ بندی کے باوجود اس بار بھی قریش میدانِ جنگ سے مکمل فتح حاصل کیے بغیر مکّہ واپس چلے گئے، جب کہ الحمد للہ! رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے احترام و اکرام اور خیریت و عافیت کے ساتھ اپنے احباب رضی اللہ عنہم کے درمیان موجود تھے۔

دینِ اسلام کا آفتاب پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا،
اہلِ اسلام کے سینوں میں ایمان کی حرارت اور جذبۂ شہادت پہلے سے زیادہ موجزن تھا۔
مسلمانوں کے دلوں میں اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، عقیدت اور اطاعت قائم و دائم تھی۔

ایک اہم بات

جنگ کے ابتدائی لمحات میں مسلمان فتح کے تقریباً قریب پہنچ گئے تھے اور اُنھوں نے اپنے سے چار گنا بڑے بُت پرستوں کے لشکر پر غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن جب سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والے مورچے پر تعینات تیر اندازوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح احکامات کے باوجود قیاس اور تاویلات کی بنیاد پر اپنے مقررہ مقام کو چھوڑ دیا تو وہی لمحہ تھا جب لشکرِ اسلام کی مکمل فتح کے امکانات ختم ہو گئے اور نتیجتاً لشکرِ اسلام کو بہت زیادہ جانی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ جنگِ اُحد نے مسلمانوں کو یہ سبق بھی سکھایا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے برعکس کوئی عمل کرنے سے کیسے کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چناں چہ مستقبل میں تمام پریشانیوں اور نقصانات سے بچنے اور ہر قسم کی بھلائی اور برکت کے لیے ہمیں اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے اور کسی بھی قسم کے قیاس اور خود ساختہ تاویلات سے بھی ہمیں مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہیے۔

پیشین گوئی

جنگ کے خاتمے پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

1۔آل عمران 159:3

ان شاءاللہ! اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کرنے والوں کو
پھر کبھی ایسا موقع نہیں مل سکے گا کہ وہ ہمارا اتنا نقصان کر سکیں،
نہ وہ ہمیں ایسی تکلیف پہنچا سکیں گے اور نہ آئندہ کبھی وہ ہمارے مقابلے میں
اس طرح کی کامیابی حاصل کر سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نوازش سے
ہمیں ان پر فتحِ مبین عطا فرمائے گا۔
ان شاءاللہ! وہ دن ضرور آئے گا جب ہم امن کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوں گے
اور حجرِ اَسوَد کو بوسہ دیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔
آخر کار باطل شکست سے دوچار ہوا اور حق فتح سے ہم کنار ہوا۔(1)

صدقت یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

دل وہ دل ہے جو تیری یاد سے معمور رہا
سر وہ سر ہے جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

گُل شہیدانِ بدر و اُحد پر درود
سب فدایانِ بدر و اُحد پر درود
جیشِ مردانِ بدر و اُحد پر درود
جاں نثارانِ بدر و اُحد پر درود
حق گزارنِ بیعت پہ لاکھوں سلام

1۔ کتاب المغازی للواقدی:318/1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر:94/3

سیّد الشہدا سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا جان سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رضاعت کے رشتے کے علاوہ گہری دوستی کا تعلّق بھی تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت محبت کرنے والے، جرأت و بہادری کے پیکر اور اسلامی لشکر کی جان تھے۔

سارے مدینے کو سوگوار کر دینے والی اُحد کی جنگ میں اللہ کے شیر سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پیش آنے والا دردناک واقعہ اُس جنگ کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گہرے غم اور دُکھ کے اِس صدمۂ عظیم کو بڑے صبر وضبط اور تحمّل کے ساتھ برداشت فرمایا۔

جنگِ بدر میں سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے جبیر بن مطعم کے چچا سردار طعیمہ بن عدی اور ہند زوجۂ ابوسفیان کے باپ سردار عتبہ کو اپنے ہاتھوں سے جہنم رسید کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مقتولوں کے لواحقین سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے اپنے اپنے عزیزوں کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے تھے لیکن شیرِ خدا سے براہِ راست مقابلے کے متعلّق سوچ کر بھی اُن کے اوسان خطا ہو جاتے، ہاتھ لرزنے اور ٹانگیں کانپنے لگتی تھیں۔

انتقام کی آگ میں جلنے والے یہ دشمن اِس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ کسی دو بہ دو مقابلے میں سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ پر فتح حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے، لہٰذا بدلہ لینے کے خواہش مند جبیر نے اپنے حبشی غلام وحشی بن حرب، جس کی کنیت ابو دسمہ تھی، سے یہ معاہدہ کیا کہ:

اگر تم بدر میں مارے جانے والے میرے چچا کے قاتل (سیّدنا) امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
کا کام تمام کرنے کا عمل کر گزرو تو پھر میری طرف سے تم آزاد ہو۔

وحشی نے جواب میں کہا:

اے جبیر!
اگر تم اپنے وعدے پر قائم رہو تو مجھے اپنی آزادی کے لیے یہ شرط منظور ہے۔

سردار ابوسفیان کی بیوی ہند بنتِ عتبہ نے بھی چھوٹے نیزے سے وار کرنے میں ماہرانہ صلاحیت رکھنے والے اُس حبشی غلام سے رابطہ کیا اور کہا:

اے ابو دسمہ!
اگر تم (جنابِ) امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے
تو تجھے تمھاری توقع سے بھی زیادہ انعام دیا جائے گا۔

لشکرِ کفّار کی مکّہ سے روانگی کے بعد جب بھی ''ہند'' کو ''وحشی'' نظر آتا تو وہ اُس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ کہتی:

یاد رکھنا، اے ابو دسمہ! تم نے (جنابِ) امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا ہے۔(1)

رودادِ شہادت

میدانِ اُحد میں دونوں فوجیں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ جیسے ہی جنگ کا آغاز ہوا، شیر دل حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اُنھوں نے اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے لشکرِ کفّار کی طرف سے مقابلے پر آنے والے علَم بردار عثمان بن طلحہ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اِس کے بعد مکّہ کے مشہور جنگ جُو سباع بن عبدالعزیٰ کے بُرے مقدر کہ اُس نے آپ رضی اللہ عنہ کو مقابلے کی دعوت دے دی۔ سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اُسے للکارتے ہوئے کہا:

اے ابو نمار!

تمھاری یہ جرأت کہ تم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف

لڑنے کے لیے مکّہ سے مدینہ پہنچ گئے ہو۔

ابھی مقابلہ اچھی طرح شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ آن کی آن میں سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح اُس پر حملہ آور ہوئے اور اپنی تیز دھار تلوار کے ایک ہی وار سے اُس بدبخت کو بھی موت کی آغوش میں پہنچادیا۔

عبدالعزیٰ کو جہنم واصل کرنے کے بعد جیسے ہی سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو بالکل قریب ہی وحشی بھی اپنی کمان پر تیر چڑھائے اسی موقعے کے انتظار میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا تھا۔ جیسے ہی سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اُس کے نشانے کی زد میں آئے، تو اس نے اپنا تیر (حربہ) انتہائی مہارت، تیز رفتاری اور بھرپور قوت کے ساتھ سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی جانب پھینک دیا۔ تیر سیدھا اُن کی ناف کے ذرا نیچے جا کر لگا۔ یہ وار اتنا کاری تھا کہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے ''حربہ'' اُن کے جسم کے آر پار ہو گیا۔

بہت زیادہ خون بہہ جانے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے اِس دشمن کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن بڑھتی ہوئی تکلیف اور درد و کرب کی وجہ سے لڑکھڑا کر گر پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے اِس جہانِ بے ثبات کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر لشکرِ اسلام کے وہ زور آور اور بہادر جانثار موت کی وادی میں ابدی نیند جا سوئے۔ اِس طرح یہ شیر دل مجاہد شہادت کے رتبۂ عظیم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔(2)

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 71/2۔ السیرۃ النبویہ لابن اسحٰق: 323/1

2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 70-72/2

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

افسوس کہ لشکرِ کفّار میں شامل بعض حضرات نے جوشِ انتقام میں سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید بدن سے کان، ناک اور ہونٹ کاٹ کر اُن کا ہار بنایا اور جنگ میں اپنی فتح کی نشانی کے طور پر اپنے گلے میں ڈال لیا۔ دوسری طرف ہند زوجۂ سردار ابوسفیان نے اپنی فاتحانہ خوشی کا اظہار کرنے کے لیے ایک اُونچی چٹان پر چڑھ کر یہ شعر پڑھے:

آج ہم نے بدر کی شکست کا بدلہ لے لیا۔
آج میں پُرسکون اور مطمئن ہوں کہ میں نے اپنی مانی ہوئی منّت پوری کر لی ہے۔
اے ابو دسمہ!
میں تیری احسان مند ہوں کہ تو نے میرے غم اور غصّے کو دور کرنے کے لیے
ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ میں عمر بھر تیرا شکریہ ادا کرتی رہوں گی۔

ہند بنتِ عتبہ کے اِن نام نہاد اشعار کا جواب لشکرِ اسلام کی طرف سے قریش کی مشہور شاعرہ ہند بنتِ اثاثہ بن عباد نے اِن لفظوں میں دیا:

اے ہند!
جنگِ بدر میں بھی قریشِ مکّہ کو شرم ساری اور تضحیک کا سامنا کرنا پڑا تھا اور
اُحد کے بعد بھی ذلّت اور خواری تم ہی لوگوں کا مقدر بنے گی، کیوں کہ
ایسی فضول منّت کا ماننا باعزت اور باوقار لوگوں کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔(1)

چھپن سالہ سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا شمار مسلمانوں کی تاریخ کے دردناک اور اَلَم ناک واقعات میں سرِفہرست کیا جاتا ہے۔ میدانِ اُحد میں ایک طرف تو لشکرِ کفّار کی طرف سے شہیدوں کے ساتھ دراز دستی و ناانصافی، سفاکی اور جفا کاری کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف جنگ کی صورتِ حال سنگین ہونے کے باوجود جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کامل دل جمعی، غیر معمولی جواں مردی اور صبر و رضا کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے نظر آ رہے تھے۔ گو لشکرِ اسلام کا مشرکینِ مکہّ کے مقابلے میں بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہو چکا تھا، تاہم مسلمان مجاہدین منتشر ہونے کے باوجود میدان میں موجود تھے۔

حقیقت یہ تھی کہ اُحد میں صورتِ حال کے غیر معمولی اُتار چڑھاؤ کے باوجود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناقابلِ تسخیر جرأت و شجاعت، عزم و استقامت، صبر و تحمل اور پیغمبرانہ فراست و قیادت کا کردار فیصلہ کن ثابت ہوا اور سردارانِ قریش نے مسلمانوں کو کسی طرح کی فیصلہ کن شکست سے دوچار کرنے یا اُن پر مکمل فتح حاصل کیے بغیر میدانِ

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 91/2

کارزار سے راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی خیر منائی، پھر جب دونوں طرف کی فوجوں نے میدانِ جنگ خالی کر دیا اور اُس کے بعد بھی کافی دیر تک حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کسی کو نظر نہ آئے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

کوئی میدانِ جنگ کے وسط تک جائے تاکہ حقیقی صورتِ حال معلوم ہو۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن الصمہ نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

مجھے سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تک پہنچنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔

سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلنے والے جناب حارث رضی اللہ عنہ بھی جب بہت دیر تک واپس نہ آئے تو سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تشویش ہوئی اور وہ خود اُن کی تلاش میں میدانِ جنگ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اُس وقت بے قراری کے عالم میں وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

یا پاک پروردگار!

حارث رضی اللہ عنہ جو ہم سب کا رفیق ہے، مجھے نظر نہیں آ رہا۔ میں اُسے موت کی
اس وادی میں، جہاں ہر طرف رنج و غم کے سائے ہیں، تلاش کرنے کی کوشش
کر رہا ہوں۔ حارث رضی اللہ عنہ تو ہمارا بڑا پیارا اور جاں نثار ساتھی ہے۔

وہ قول کا پکا اور وعدے کا سچا انسان ہے۔

اچانک سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جناب حضرت حارث رضی اللہ عنہ حیرانی اور سراسیمگی کے عالم میں لشکرِ اسلام کی شان سیّدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید جسم کے پاس بیٹھے ہیں، جسے کئی جگہ سے کاٹ کر بگاڑ دیا گیا تھا۔ اس لرزہ خیز منظر کو دیکھ کر یہ دونوں حضرات رنج و غم کے عالم میں واپس لوٹے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حضرتِ حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مثلہ کیے گئے جسدِ خاکی کے متعلّق اندوہناک خبر دی۔

اِس روح فرسا اطلاع پر نبیٔ عالی مقام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے غم زدہ دل کے ساتھ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت کی جانب روانہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عزیز از جان عظیم چچا محترم کے شہید بدن کے مختلف اعضا کو میدانِ جنگ میں اِس طرح بکھرے ہوئے دیکھا کہ سینہ اور پیٹ چاک کیا ہوا تھا، جگر باہر نکلا پڑا تھا، جب کہ ناک، کان، ہونٹ اور جسم کے دوسرے حصوں کا انتہائی بے رحمانہ انداز میں مثلہ کیا گیا تھا۔

شہیدوں کے ساتھ بے رحمانہ انتقامی کارروائی اور انسانیت کی بے حرمتی کے اِس دل دوز منظر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مضطرب اور بے چین و بے قرار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معصوم دل بھر آیا اور بابرکت آنکھیں بے اختیار اَشک بار ہو گئیں، یہاں تک کہ روتے روتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہچکی بندھ گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میری آنکھوں نے اتنے بڑے دُکھ اور صدمے کا منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
میں آج اذّیت، صعوبت اور حزن وملال کی جس کیفیت سے دوچار ہوا ہوں،
اِس سے پہلے میں کبھی رَنج واَلَم کے اِس قدر تکلیف دہ مقام سے نہیں گزرا تھا۔
اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ آئندہ کبھی میرے کسی پیارے
کو ایسی دردناک مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے شہید چچا محترم کے جسم مبارک کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:
اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں آپ رضی اللہ عنہ پر نازل ہوں!
آپ رضی اللہ عنہ دلیری و دلاوری اور جرأت وشجاعت کے پیکر تھے۔
آپ رضی اللہ عنہ اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرنے والے تھے۔
میدانِ کارزار میں آپ رضی اللہ عنہ کے معصوم اور پاک جسم کے بکھرے ہوئے ٹکڑے
آپ رضی اللہ عنہ کی میرے ساتھ بے مثال عقیدت ومحبت اور جاں نثاری کی گواہی دے رہے ہیں۔
آپ رضی اللہ عنہ صلۂ رحمی کرنے والے، عزیز واقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ
حسنِ سلوک فرمانے والے تھے۔
آپ رضی اللہ عنہ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں آگے بڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔
یکا یک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لہجہ مبارک بدل گیا اور شہید جسم کی بے حرمتی
پر اپنے غم وغصّہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:
چچا جان!
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم! مجھ پر آپ کا انتقام لینا واجب ہے لہٰذا جب بھی کسی
جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش پر فتح عطا فرمائی تو میں اپنے جاں نثاروں کو حکم دوں
گا کہ میدانِ جنگ میں مارے جانے والے اُن بت پرستوں کے ستّر مقتولوں کا شدید ترین مثلہ کیا جائے۔
لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِس ارادے پر فوراً اللہ ذُوالجلال والاکرام کی جانب سے سخت انتقام کی ممانعت
اور صبرِ جمیل اختیار کرنے کا پیغام آ گیا کہ:
(اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!)
اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بدلہ لیں تو بس اتنا ہی بدلہ لیں جتنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صدمہ پہنچا ہے لیکن اگر
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس ظلم پر صبر کریں تو بے شک صبر کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔(1)

1۔ النحل:16۔126

قرآنِ حکیم کے اِس پیغامِ عظیم کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت پرستوں کے خلاف اپنے ارادے کو پورا کرنے اور اختیار کیے گئے عزم پر شدّت کے ساتھ عمل کرنے کی بجائے صبر کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنی قسم کا کفارہ ادا فرما دیا۔

اسد اللہ و اسد رسولہ

جلد ہی جبریلِ امین علیہ السلام فلک الافلاک سے خوش خبری لے کر آ گئے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مسرت انگیز خبر کی اطلاع دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
ابھی ابھی جبرئیلِ امین علیہ السلام آئے تھے۔
اُنھوں نے مجھے یہ خوش خبری دی ہے کہ
عالی مرتبت سردار عبدالمطلب کے حسین و جمیل فرزندِ ارجمند امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا
ساتوں آسمانوں پر شان دار انداز میں خیر مقدم کیا گیا ہے اور میرے عالی مقام
چچا جان کو ساتوں آسمانوں پر اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر کا باوقار خطاب
عطا فرمایا گیا ہے۔ جب یوم الحساب آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تمام
شہیدوں کے سردار ہوں گے اور اُس روز میں اُن کی شفاعت کروں گا۔(1)

صبر و ضبط اور استقامت کی حیرت انگیز مثال

میدانِ جنگ سے آنے والی پریشان کن خبریں سیّد الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی جان سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنتِ عبدالمطلب تک بھی پہنچ رہی تھیں لیکن جیسے ہی انھیں اپنے پیارے، خوب صورت اور بہادر بھائی کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہ بڑی بے قراری کے عالم میں مدینہ منورہ سے میدانِ اُحد کی جانب روانہ ہو گئیں۔

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھوپھی جان کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے ثابت قدم اور بہادر بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی امی جان کو میدانِ کارزار کے قریب نہ آنے دیں، بلکہ اُن کو یہ ہولناک منظر دیکھنے سے پہلے ہی تسلی و تشفی دے کر گھر واپس بھیج دیں۔ شاید وہ اپنے بھائی کے شہید بدن کے ساتھ کی گئی بے حرمتی کو برداشت نہ کر سکیں۔ وہ نوحہ کر کے دوسروں کو بھی خون کے آنسو رلائیں گی، چناں چہ فرماں بردار بیٹے نے اپنی امی جان کو گھر واپس چلے جانے کے متعلّق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش سے آگاہ فرمایا تو خاندانِ نبوت کی اِس باہمت، بہادر اور مضبوط ایمان والی خاتون نے کہا:
مجھے اِس بات کی اطلاّع مل گئی ہے کہ

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 290/1۔ شعب الایمان للبیھقی۔ رقم الحدیث: 9253

میرے شہید بھائی کے جسم کے ساتھ تکلیف دہ سلوک کیا گیا ہے،
اُن کا مثلہ کر کے اُن کے شہید بدن کی بے حرمتی کی گئی ہے،
میرے خوبرو بھائی کے شہید جسم کے کئی حصوں کو کاٹنے کے ساتھ ساتھ
اُن کی شکل کو بھی بگاڑ دیا گیا ہے
لیکن یہ تو اللہ کی راہ میں دی گئی ایک چھوٹی سی قربانی ہے۔
میں زمانۂ قبل از اسلام کے رسم و رواج سے بہت دور ہوں اور مجھے
نوحہ، بین اور گریباں چاک کرنے کے طور طریقوں سے بڑی نفرت ہے۔
دُکھ اور تکلیف کی اِس گھڑی میں ضبط اور صبر کو اختیار کر کے
میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہی اِس کے اجر کی طلب گار ہوں۔
اے میرے بیٹے زبیر رضی اللہ عنہ!
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام کے بعد میری طرف سے یہ عرض کرنا کہ
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
میں دُعائے مغفرت کے لیے آئی ہوں۔
جو کچھ ہوا ہے، ہم اُسے اللہ کی رضا سمجھتے ہوئے اُس پر راضی ہیں
اور اِن شاء اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے صابر پائیں گے۔

پھوپھی جان کی درخواست پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں جائے شہادت تک جانے کی اجازت عنایت فرما دی۔

جب اُنھوں نے اپنے عزیز از جان بھائی کے شہید جسم کے ٹکڑے زمین پر بکھرے ہوئے دیکھے تو صبر و استقامت کی پیکر اس خاتون نے اپنی آنکھوں سے بارش کی طرح برستے آنسوؤں کے درمیان اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے الفاظ ادا فرمائے۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعائیں مانگیں اور التجا کی:
اے اللہ پاک!
ہماری گزارش ہے کہ
راہِ حق میں ہمارے خاندان کی طرف سے دی گئی اِس قربانی کو قبول فرمائیے!

اِس التجا کے بعد خاندانِ بنو ہاشم کی اِس عالی حوصلہ اور بلند ہمت بیٹی سیّدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اِن صبر آزما حالات میں اپنے عظیم بھائی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

میرے دلیر، دلاور اور یوسف صفت بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ،
جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے جاں نثار، باشعور اور صاحبِ حکمت
مشیر تھے، آج اُحد کے میدانِ کارزار میں شہید ہو گئے ہیں،
آج انھیں اِس کائنات کے خالق و مالک نے اپنے پاس بلالیا ہے۔
آج سے کئی سال پہلے میرے اِس بہادر بھائی نے حق کی جو گواہی اپنی زبان
سے دی تھی، آج اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اپنے اُس عہد کو مکمل فرما دیا ہے۔
اللہ کی قسم! جب تک میری زندگی ہے،
میرے جان سے پیارے بھائی کی خوب صورت یادیں میرے ساتھ رہیں گی۔(1)

آخری رسُومات

سرفروشانِ اسلام اور دین کے غازیوں نے سیّد الشہدا سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید جسم کے بکھرے ہوئے اعضا کو جمع کیا اور پھر انتہائی عزت واحترام کے ساتھ عالمِ اسلام کے اس عظیم فرزند کو، قبر میں اُتارنے سے پہلے، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر غلامانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سیاہ دھاری دار چادر بطور کفن اُوپر ڈال دی لیکن دراز قد سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید بدن پر وہ چادر پوری نہیں آئی۔ سر ڈھانپتے تو پاؤں کھلے رہ جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر تک کپڑا نہیں پہنچ پاتا تھا، چناں چہ اپنی بے سروسامانی کا یہ رقت آمیز منظر دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو پڑے۔ بالآخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر محترم چچا جان کا چہرہ چادر سے ڈھانپ دیا گیا اور اُن کے پاؤں اذخر گھاس سے چھپا دیئے گئے۔(2)

سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے اور رضاعی بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو بھی اِسی قبر میں اپنے ماموں کے ساتھ سپردِ خاک کر دیا گیا۔(3)

سیّد الشہدا کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا

اُحد کے دن، جب کہ لشکرِ اسلام میدانِ کارزار سے واپس آ رہا تھا، سارے مدینہ پر اُس وقت ایک سوگوار سی فضا طاری تھی۔ پریشانی کے عالم میں لوگ راستوں کے دونوں طرف کھڑے اپنے پیاروں کا انتظار کر رہے تھے۔ وہیں سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاڈلی بیٹی کی معصوم نگاہیں بھی اپنے ابو جان کی منتظر تھیں، پھر جب اُنھوں نے دیکھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی سواری پر تشریف لا رہے ہیں تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ دوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب گئیں اور عرض کیا:

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:97/2۔الروض الانف:24/6
2۔المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔رقم الحدیث:2558
3۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:97/2

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
مجھے میرے ابو جان نظر نہیں آ رہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
میری بیٹی!
میں تمھارا باپ ہوں۔
سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو فرمایا ہے، اِس سے مجھے ایسے لگ رہا ہے کہ
میرے پیارے ابا جان شہید ہو گئے اور اب وہ اِس دنیا میں نہیں رہے۔
یہ کہہ کر بی بی جی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اور وہاں موجود تمام لوگوں کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

اُس شخص کی قسمت میں لکھی خلدِ بریں ہے
جس شخص کی ہر چیز اپنی نبیؐ پہ فدا ہے
سب کچھ بھی لُٹا کر ہیں وہ اللہ پہ راضی
کیا خوب یہ حمزہؓ کا اندازِ وفا ہے

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

حسین وجمیل سراپا، روشن پیشانی، دمکتا چہرہ اور شہزادوں جیسی زندگی بسر کرنے والے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہر کے امیر ترین اور با اثر خاندان کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آسائشوں اور نعمتوں میں پرورش پانے والے مکّہ کے یہ نیک طینت اور صاف باطن نوجوان ہر روز نہایت عمدہ لباس پہنتے اور قیمتی سے قیمتی خوشبو استعمال کرتے تھے۔ وہ جب خوشبوؤں سے معطر قیمتی لباس پہن کر اور بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کے لیے نکلتے تو نوکر اور خدّام اُن کی سواری کے آگے پیچھے چلا کرتے۔(1)

ان کی والدہ اپنے نورِ نظر سے بہت محبت کرتی تھیں۔ گھر میں انھیں دنیا کی ہر نفیس نعمت اور آسودگی حاصل تھی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے چہرے کے ظاہری حسن و جمال کے ساتھ اُن کے دل اور روح کو بھی خوب صورت بنایا تھا، اِسی لیے سلیم الفطرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے صرف سترہ سال کی عمر میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''السابقون الاوّلون'' میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کر لیا لیکن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر ان کے گھر والوں پر بجلی بن کر گری۔ سب لوگ ان سے ناراض ہو گئے، والدہ کی والہانہ محبت شدید نفرت میں بدل گئی، خاندان کے بڑوں نے انھیں نہ صرف بُری طرح زدوکوب کیا بلکہ رسیوں میں جکڑ کر گھر کے ایک ویران کونے میں ڈال دیا۔

جنابِ مصعب رضی اللہ عنہ ابتلا کے اس دور میں مشرف با اسلام ہوئے تھے جب مکّہ کی سرزمین پر مسلمانوں کے لیے جینے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کی تمام راہیں روز بہ روز تنگ ہوتی جا رہی تھیں لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جاں نثار نے عشق کی اس راہ میں سخت ترین مصائب، مشکلات اور ظلم وستم کا سامنا نہایت صبر و ہمت اور عزم و اِرادے کے ساتھ کیا۔ وہ آراستگی و زیبائش اور آسودگی و آسائش کی ان تمام نعمتوں سے دست بردار ہو گئے جو انھیں اپنے اہلِ خانہ کی طرف سے حاصل تھیں۔

مکّہ کی ہر محفل کی زینت اور ہر مجلس کی رونق بننے والے اس خوبرو، خوش ذوق اور خوشبو پسند نوجوان نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی ہر قسم کی شوقین مزاجی کو ترک کر دیا اور فقر وفاقہ اور صبر وقناعت کے ساتھ سادگی و جفاکشی کی زندگی اختیار کر لی۔ جلد ہی تر وتازہ چہرے کا حسن ماند پڑنے لگا اور نرم ونازک جلد کھردری ہوتی گئی لیکن جب ایک بار اُنھوں نے توحید کو اپنی منزل بنا لیا تو پھر اللہ کے اِسی پسندیدہ دین پر ہی اپنی جان نثار کر دی اور شہادت کے مہتم بالشان رتبے پر فائز ہوئے۔

1۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: 1475/4

اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ ہجرتِ مدینہ کے علاوہ ہجرتِ حبشہ میں بھی شامل تھے۔ اُن کا شمار رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتہائی قابلِ اعتماد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریبی عزیز بھی تھے۔ ان کے جدّ امجد عبدالدار اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پڑدادا، دونوں حقیقی بھائی تھے۔(1)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شادی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی زاد بہن حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی جو اُمّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی چھوٹی بہن تھیں۔ اس تعلّق سے ان کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اُن کا ہم زلف کا رشتہ بھی تھا۔ ہجرت کے بعد رحمتِ عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کی مبارک تقریب میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مواخات میزبانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رئیس بنونجار سے قائم فرمائی۔(2)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ اسلام کی دعوت کو مزید وسعت دینے کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں اپنے اوّلین تبلیغی سفیر کی حیثیت سے مدینہ منورہ روانہ فرمایا تاکہ عنقریب بننے والے دارالہجرت میں پہلے سے مقیم مسلمانوں کو تعلیم وتربیت اور اسلامی احکامات کی آگاہی دیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خوش اطوار مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شائستہ اور پُراثر گفت گو کرنے کے فن سے بھی نوازا تھا۔ وہ اتنے شیریں اور دل نواز انداز سے بات کرتے کہ سننے والے کے دل میں فوراً اُتر جاتی۔ ایثار، خلوص اور محبت کی حامل اس ہستی نے مشکلات کے باوجود اللہ ذوالجلال والاکرام کے فضل وکرم سے مدینہ منورہ میں ایک خوش گوار اسلامی انقلاب کی بنیاد رکھ دی۔ پاک باز، عجز وانکسار اور نرم گفتار جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ آمد بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ جلد ہی اسلام کا امن اور سلامتی کا پیغام شہر کے ہر گھر اور ہر فرد تک پہنچ گیا۔ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ کچھ ہی عرصے میں ہر دل عزیز مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو (جنھیں اہلِ مدینہ پیار سے قاری صاحب کہنے لگے تھے) اتنی شان دار کامیابیاں ملیں کہ پورا مدینہ قرآن کے نور سے جگمگا اُٹھا۔(3)

ایک دن مدینہ منورہ کے دو ممتاز سرداروں: سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر تک یہ خبر پہنچی کہ مکّہ سے آئے ہوئے ایک صاحب محلہ عبدالاشہل کے بنی ظفر باغ میں ''مرق'' کنوئیں کے قریب مجلس لگا کر بیٹھے ہیں اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات پر درس دے رہے ہیں۔ اس اطلاع کے ملنے پر دونوں سردار سخت طیش میں آ گئے۔ اُنھوں نے اپنے دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ ہم یہاں کسی قیمت پر بھی نئے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں دیں گے۔

1۔ اسدالغابہ: 175/5 2۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 88/3۔ 191/8

3۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 434/1۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر: 69/1

دونوں سردار جاں نثارانِ اسلام کی مجلس میں جا پہنچے اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو نہایت سخت الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

آپ ہمارے قبیلے کے سادہ لوح اور صاف دل لوگوں کو کیوں گمراہ کر رہے ہیں؟

پھر اُنھوں نے دھمکی آمیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا:

اگر آپ لوگ اپنی جان کا تحفظ چاہتے ہیں تو ہمارے کمزور عقیدہ لوگوں
کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا بند کر دیں اور فی الفور ہمارا محلہ چھوڑ دیں
اور آئندہ ادھر آنے کی قطعاً کوشش نہ کریں!(1)

طبیعت کے لحاظ سے متانت اور سنجیدگی کے مالک، متحمل مزاج اور خوش اطوار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے متعلّق اپنی گفت گو کا آغاز کرنے سے پہلے بڑی نرمی، دانش مندی اور کمال اخلاق کے ساتھ ان دونوں معزز حضرات کو بیٹھ کر بات سننے پر آمادہ کر لیا اور پھر فرمایا:

اگر آپ کو ہماری بات اچھی لگے اور پسند آئے تو اُسے قبول کر لیجیے
اور اگر آپ کو ہمارے کہے ہوئے کلمات پسند نہ آئیں تو ہم ایسی چیز آپ کو پیش نہیں
کریں گے اور نہ اپنی بات کو آگے بڑھائیں گے۔

چوں کہ ان حضرات کے نصیب میں اسلام قبول کرنے کی سعادت مقدّر ہو چکی تھی، لہٰذا شستہ اسلوب اور نرم لہجے میں کہے گئے یہ مہذب کلمات عالی وقار اور منصف مزاج سردار سعد بن معاذ کے دل کو اچھے لگے جس پر اُنھوں نے کہا:

آپ نے انصاف کی بات کی ہے۔

تب خوش خصال اور شائستگی کے ساتھ بات کرنے کا ہنر جاننے والے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات بڑے حکیمانہ اور دل آویز انداز سے پیش کیں۔ قرآن مجید کی پُر تاثیر آیات اور اسلامی تعلیمات کے اُجلے، طیّب اور معطر ذکر سے ابتدائی لمحات میں ہی دونوں صاحبِ جاہ و جلال سرداروں کی دل کی دنیا میں ایک انقلاب کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور وہ بے اختیار کہہ اُٹھے:

بے شک یہ نہایت عمدہ، دل نشیں اور بلند مرتبہ کلام ہے
اور کیسی بہترین ہدایت ہے۔

اپنے معاشرے کی خرابیوں سے سخت بیزار اِن دونوں سرداروں نے اُسی وقت یہ اعلان کر دیا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کی ہدایات پر اُنھوں نے سب سے پہلے غسل کیا، پاک صاف

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 436/1

کپڑے پہنے اور پھر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کلمۂ شہادت پڑھا کہ:

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس طرح دونوں سردار ہمیشہ کے لیے فرزندانِ توحید کے کارواں میں شامل ہو گئے۔

خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کر لینے کے فوراً بعد بنی عبدالاشہل کا پورا محلہ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے نعمتِ ایمان سے فیض یاب ہو گیا۔(1)

مکّہ کے علَم بردار خاندان سے تعلّق رکھنے والے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معرکۂ بدر میں اہلِ توحید کے پرچم بردار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا تھا۔(2)

جنگِ اُحد میں بھی اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی فوج کا علَم اُٹھانے کا شرف اپنے اِسی جاں نثار کو ہی عطا فرمایا۔ اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی کی وجہ سے جب شکست خوردہ مشرکین کی فوج کو پلٹ کر حملہ کرنے کا موقع مل گیا تو مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں، لشکرِ اسلام چاروں طرف سے گھیرے میں آ گیا اور کچھ وقت پہلے تک کی فتح، شکست میں بدل گئی تھی۔

مشکلات کی اس گھڑی میں مضبوط عزم کے مالک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پوری ہمت، جرأت اور ثابت قدمی کے ساتھ اسلامی فوج کا جھنڈا اُٹھائے میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے۔ دشمنِ اسلام ابنِ قمیہ نے اپنی تلوار کے ایک بھرپور وار سے ان کا دایاں ہاتھ شہید کر دیا تو اُنھوں نے لشکرِ اسلام کا پرچم فوراً اپنے بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ ابنِ قمیہ نے اپنی تلوار کے ایک اور وار سے ان کا بایاں ہاتھ بھی شہید کر دیا تو اُنھوں نے اپنے بازوؤں کا حلقہ بنا کر اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا فرمائے گئے اسلامی فوج کے پرچم کو فوراً اپنے سینے سے لگا لیا اور لشکرِ اسلام کے وقار کی اس علامت کو سرنگوں نہ ہونے دیا اور اسی حالت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں لڑتے لڑتے یہ جاں نثار بالآخر شہادت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔(3)

جنگ ختم ہونے کے بعد جب آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفا شعار اور صدق و صفا کے اس پیکر کے زمین پر پڑے اور خون میں نہائے ہوئے جسدِ خاکی کو دیکھا تو اس حادثۂ رنج و غم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ شہید کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے اور پیٹ پھٹا ہوا تھا۔ سخت صدمے اور حزن و ملال کے اس ماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 1/37-436

2۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/58۔ جوامع السیرۃ لابن حزم: 1/82

3۔ الطبقات الکبری لابن سعد: 3/89

مومنوں میں چند ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنے اللہ سے جس بات
کا عہد کیا تھا، اُسے سچا کر دکھایا۔
ان میں سے بعض اپنی مدّت پوری کر کے شہادت کے مرتبے پر فائز ہو گئے
اور بعض ابھی اپنی مدّت پوری ہونے کے منتظر ہیں
اور اُنھوں نے اپنے عہد اور ارادے میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔(1)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے مصعب رضی اللہ عنہ!
میں نے تم کو مکّہ میں دیکھا تھا
جہاں تمھیں زندگی کے تمام انعام واکرام، ثروت مندی، شان وشوکت
اور ہر طرح کا آرام وآسائش میسر تھا۔
شہر میں تمھارے جیسا خوب صورت اور خوش لباس کوئی دوسرا نہیں تھا
لیکن تم نے ہر چیز کو اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں خیر باد کہہ دیا۔
آج تمھاری حالت کو دیکھتا ہوں کہ تمھارے چہرے کی رعنائی ختم ہو گئی ہے
تمھارے ریشم جیسے خوب صورت اور چمک دار بال گرد آلود اور الجھے ہوئے ہیں
اور جسم پر صرف ایک پیوند لگی چھوٹی سی چادر ہے۔
بے شک، اللہ کا رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن
اللہ ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں حاضر رہو گے۔(2)

اپنی جوانی میں ہر روز نیا لباس پہننے والے شہید مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اسی دھاری دار چادر میں دفن کیا گیا۔ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ سر اور چہرہ ڈھانپتے تھے تو پاؤں نظر آنے لگ جاتے تھے، اگر پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر اور چہرہ کھلا رہ جاتا تھا۔ بالآخر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ''مصعب الخیر'' کے لقب سے پہچانے جانے والے شہید کے سر اور چہرہ کو چادر سے اور اُن کے دونوں پاؤں اذخر گھاس سے ڈھانپ دیئے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے آخری سفر کو ہمیشہ یاد رکھا۔(3)

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے بیٹے ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ:

والدِ محترم ایک دن روزے سے تھے۔ دستر خوان پر سجائے گئے بہترین کھانوں کو دیکھ کر زار و قطار رونے

1۔ دلائل النبوۃ:285/3 2۔ الطبقات الکبری لابن سعد:86/3
3۔ الطبقات الکبری لابن سعد:85/3۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث:1276

لگے، حتیٰ کہ کھانا ٹھنڈا ہو گیا۔ جب ہم نے بے قراری کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

میرے نہایت قابلِ احترام بھائی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے۔
وہ مجھ سے کہیں زیادہ افضل و برتر تھے مگر وہ اپنے آخری وقت میں ہم سے
یوں رخصت ہوئے کہ اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کی بے پناہ خدمت کرنے
والے اُس عالی وقار اور اخلاص و عمل کے پیکر کو ہم پورا کفن بھی نہ پہنا سکے۔ (1)

خدا کی لاکھوں رحمتیں ہوں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روح پر کہ کاروانِ اسلام کے اس عظیم ترین فرزند نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کرتے وقت جو عہد کیا تھا، اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اس کو پورا کر دیا۔ بالآخر راہِ حق کے یہ عظیم مسافر اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی لازوال عقیدت اور محبت کا اظہار کر کے صرف چونتیس سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ

جس کو حق نے بنایا ہو اپنا حبیب
جس کو حق نے بلایا ہو اپنے قریب
جس کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے
اُن ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث:1275

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول

مدینہ کی ایک ممتاز اور با اثر سیاسی شخصیت عبداللہ بن ابی سلول کا شمار شہر کے بڑے سرداروں میں ہوتا تھا، بلکہ یثرب کے شہری تو چند ہفتوں بعد ایک اجتماعِ عام کا انعقاد کر کے اُس کے سر پر باقاعدہ موتیوں سے مرصع تاجِ شاہی رکھنے کی رسم ادا کرنے والے تھے، لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یثرب تشریف آوری اور اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد شہر کی سیاسی اور انتظامی صورتِ حال بالکل تبدیل ہو چکی تھی۔

اب اہلِ مدینہ کی نگاہوں کا مرکز اور جائے عقیدت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات تھی۔ شہر کے لوگ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ نہ کسی کی بات سننے اور نہ کسی کی اطاعت کرنے کے لیے تیار تھے۔ ویسے بھی لوگوں کے بہت بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لینے سے شہر میں عبداللہ بن ابی سلول کا اثر و رسُوخ، رعب و دبدبہ اور مقبولیت تقریباً ختم ہو گئی تھی مگر وہ ایک چالاک اور عیّار شخص تھا۔ اُس نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اب بادشاہ بننے کی میری باری شاید کبھی نہ آسکے گی، چناں چہ اپنے سہانے خواب ٹوٹ جانے اور تمنّاؤں پر پانی پھر جانے سے وہ حسد اور انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔

مسلمانوں کی عیب جوئی کرنے اور اہلِ اسلام کا مذاق اُڑانے کے لیے اُس چالاک اور مکار شخص نے اپنے اِردگرد خفیہ ساز باز اور فتنہ وفساد پھیلانے والے منافقین کا ایک گروہ اکٹھا کر لیا۔ ان شیطان صفت لوگوں نے خانہ ساز سازشوں اور شرارتوں کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلام کے خلاف کئی دفعہ غداری اور بے وفائی کا ارتکاب کیا۔ وہ اور اُس کے ساتھی مسلسل مسلمانوں کے درمیان دوریاں پیدا کرنے، سرکشی اور بغاوت کی آگ بھڑکانے، لڑائی جھگڑا کرانے اور جماعت کے اِتحّاد کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنی منافقانہ کوششوں میں پیش پیش رہتے۔ خاص طور پر جنگِ اُحد، جنگِ تبوک، واقعہ افک اور مسجدِ ضرار کے متعلّق اُن کا کردار بڑا گھناؤنا رہا تھا۔

اعلانیہ مخالفت اور مقابلے کی بجائے خفیہ طور پر جوڑ توڑ اور تخریبی سیاست سے کام لینے والے ان دوست نما دشمنوں کا وطیرہ یہ تھا کہ اسلام قبول کرنے والوں کے دِلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر کے انھیں امن اور سلامتی کے اس خوب صورت مذہب سے بدظن کیا جائے۔ یہ دشمنانِ اسلام، یہودیوں، بُت پرستوں اور غیر مسلموں سے ہر وقت رابطے میں رہتے، افواہیں پھیلاتے اور ہر وہ کام کرتے جس سے اہلِ اسلام کی طاقت میں کمی آئے اور مِلّت کے اِتحّاد کو نقصان پہنچے۔

حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک کم حوصلہ اور ڈرپوک شخص تھا۔ اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ بہادروں کی طرح حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا یا پھر اسلام کی سچائی کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی

اور کامرانی کا حق دار بن جاتا۔ اُس دل کے روگی نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے کھلی دشمنی کی بجائے بزدلوں کی طرح کا منافقانہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے اپنی عداوت اور مخاصمت کو اپنے دل میں چھپالیا۔ جنگِ بدر کی شاندار فتح کے بعد اُس نے صرف دکھاوے کے لیے چار و ناچار کلمۂ شہادت پڑھا اور اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کردیا۔

جنگِ بدر کے بعد عبداللہ بن ابی سلول کا معمول تھا کہ وہ جمعۃ المبارک کے روز ہمیشہ ایک مخصوص جگہ پر آکر بیٹھ جاتا۔ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادائے نماز کے لیے تشریف لاتے تو وہ فوراً ان الفاظ کے ساتھ حاضرین کو مخاطب کرتا:

اے لوگو! اللہ کے سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور برحق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم لوگوں کے درمیان موجود ہیں۔
آپ لوگوں پر لازم ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطاب کو غور سے سنیں اور اطاعت کریں،
کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت ہی ہمیں بلادِ عرب میں
یہ شان وشوکت، عزت وتکریم اور بلند مرتبہ حاصل ہوا ہے۔(1)

پھر اُس منافقِ اعظم کی غدّاری اور بے وفائی کا یہ رخ بھی دیکھیں کہ جنگِ اُحد کے نازک ترین لمحات میں اس بے توقیر اور بے آبرو شخص نے دشمنوں کے ساتھ پہلے سے تیار کی گئی سازش اور گٹھ جوڑ کے تحت عین لشکرِ کفّار کے سامنے جا کر اپنے تین سو ساتھیوں سمیت مدینہ واپس جانے کا اعلان کردیا۔

منافقوں کے سردار نے اپنی اس باغیانہ روّش اور کمینے پن کا سبب یہ بتایا کہ جنگ کی منصوبہ بندی کرتے وقت مجھ جیسے آزمودہ کار کو نظرانداز کرکے نادان اور اناڑی لوگوں کی رائے کو اہمیت دی گئی۔ اس کم ظرف نے اپنی رذالت کی جو توجیہہ بیان کی، اُس کے مطابق تو اُسے مدینہ سے روانہ ہی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عین دشمن کے لشکر کے سامنے گھٹیا پن کا مظاہرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔(2)

اس کے علاوہ جنگ کے نتیجے میں ہونے والی شہادتوں کے الم ناک سانحے پر بزدلوں کی طرح سوچنے والے عبداللہ بن ابی اور اُس کا ساتھ دینے والے منافقوں کے گروہ نے کہا کہ اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ ہم لوگ مشرکینِ مکّہ کے خلاف اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اگر شہید ہونے والے جوان بھی جنگِ اُحد میں شرکت نہ کرتے تو قتل ہونے سے بچ جاتے۔(3)

جنگِ اُحد کے بعد پہلے جمعۃ المبارک کے روز جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ اور نماز کی ادائیگی کے لیے مسجدِ نبوی میں تشریف لائے تو منافقوں کے اس سردار نے حسبِ معمول اپنا پرانا انداز اختیار کیا اور کھڑے ہوکر تقریر شروع کردی کہ ہم لوگ انتہائی خوش قسمت ہیں کہ

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:105/2 2۔ایضاً:64/2 3۔ایضاً:175/2

اللہ کے سچے رسول ﷺ اور نبی برحق ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں۔
آپ لوگوں کا فرض ہے کہ رسالت مآب ﷺ کا خطاب غور سے سنیں اور اطاعت کریں۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس بے آبرو شخص کی منافقت سے پہلے ہی نہ صرف بہت زیادہ تنگ تھے بلکہ پوری طرح غصے میں بھرے بیٹھے تھے۔ جیسے ہی اس ریاکار نے یہ الفاظ ادا کیے، وہ سب اُس پر برس پڑے کہ تم اس طرح کی باتوں کا اظہار کرنے کے اہل نہیں ہو۔ چند جاں نثاروں نے تو اُس دشمنِ خدا کو گردن سے پکڑا اور زبردستی نیچے بٹھا دیا۔
وہ اس بے عزتی پر بڑا سیخ پا ہوا اور یہ شعر پڑھتا ہوا مسجد سے باہر نکل گیا کہ:
جب تیرے اپنے ہی تیری مخالفت پر اُتر آئیں تو پھر یقیناً تو اپنی عزت و آبرو کھو بیٹھے گا۔
جن کو تو کشتی کے مقابلوں میں شکست دیا کرتا تھا،
اب وہ تمھیں ہر میدان میں ہزیمت سے دوچار کریں گے۔(1)
ایک اور موقعے پر اس شیطان صفت اور اُس کے سیاہ کار ساتھیوں نے ایک چھوٹی سی بات کو ایک بڑے فساد میں بدلنے کی منصوبہ بندی کی۔ اگر وہ رسوائے زمانہ لوگ اس خطرناک سازش میں کامیاب ہو جاتے تو ایک طویل عرصے کے لیے مسلمانوں کے درمیان نفرت اور دشمنی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔
یہ فساد انگیز اور فتنہ خیز حادثہ غزوۂ مریسع کے دوران پیش آیا۔
ہوا یہ کہ کنوئیں سے پہلے پانی پلانے پر مہاجرین اور انصار سے تعلّق رکھنے والے دو سپاہیوں کے درمیان تکرار سے شروع ہونے والی بات بڑھتے بڑھتے مسلّح جھگڑے تک پہنچ گئی، چناں چہ اس کے نتیجے میں بڑی سرعت کے ساتھ دونوں جانب سے چمکتی دمکتی تلواریں نیام سے باہر آ گئیں۔ شرارتیں اور سازشیں کرنے والا منافقوں کا سردار اور شہر کا سب سے بڑا فتنہ پرداز عبد اللہ بن ابی سلول تو ہر وقت اضطراب اور خلفشار پیدا کرنے والے ایسے ہی موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ لہٰذا اس موقعے سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اُس نے انصار کو مشتعل کرنا شروع کر دیا کہ آج کے دن جیسی ذلّت اہلِ یثرب نے کبھی نہ دیکھی تھی اور یہ سب کچھ تمھارا اپنا ہی کیا دھرا ہے کہ اب ہم اپنے ہی وطن میں اب اجنبی ہو گئے ہیں۔ پہلے تو ہمارا یہ فیصلہ ہی انتہائی افسوس ناک اور ضرر رساں تھا کہ ہم لوگوں نے خود مہاجرین کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی، پھر اپنے مالی وسائل سے مسلسل اُن لوگوں کی شان دار مہمان نوازی اور بہترین دیکھ بھال کرتے رہے۔
اب جب کہ یہ لوگ انتہائی طاقت وَر اور خوش حال ہو گئے ہیں تو یہ لوگ بھائی بندی کا رشتہ بھول کر تم لوگوں سے بات بات پر جھگڑا کرنے لگے ہیں۔
اس رئیس المنافقین نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 105/2

اے اہلِ یثرب! میرا ساتھ دو!
میں مکّہ سے آئے ہوئے ان مہاجرین کا مقابلہ کروں گا۔
مدینہ پہنچ کر ہم زیادہ عزت والے لوگ اُن لوگوں کو،
جن کی کوئی عزت نہیں ہے، اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے۔

یہ فتنہ وفساد پھیلانے والی خبر سن کر تحمل مزاج اور بردبار شخصیت کے مالک اللہ کے رسول ﷺ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے دونوں طرف کے مشتعل افراد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! دونوں جانب سے اشتعال انگیز تقریریں، برتری کے اعلانات اور فریقین کا ایک
دوسرے کو جنگ لڑنے کی دعوت دینا، یہ تو زمانۂ قبل از اسلام جیسی صدائیں اور آوازیں ہیں۔
اے لوگو!
اپنے اپنے غصے اور غضب کو روکو! اس لیے کہ آپ لوگوں کی آپس کی نااتفاقی اور رنجشیں
اسلام کی عالم گیر تحریک کو نقصان پہنچانے کا سبب بنیں گی۔

منافقوں کے اس سردار کے فرزند کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ بڑے مخلص، سچے اور کھرے مسلمان تھے۔ اُنھوں نے اپنے والد کے کہے ہوئے الفاظ کو سخت ناپسند فرمایا۔

چناں چہ جب اسلامی لشکر شہر میں داخل ہونے کے قریب پہنچا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ابن ابی سلول کے فرزندِ ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، پھر اُنھوں نے اپنی تلوار میان سے باہر نکالی اور اُسے ہوا میں لہراتے ہوئے اپنے والد سے مخاطب ہو کر بولے:

اے ابّا جان!
آپ نے کہا تھا کہ زیادہ عزت والے لوگ اُن لوگوں کو،
جن کی شہر میں کوئی عزت نہیں ہے، مدینہ سے نکال باہر کریں گے
تو پھر آج یہ بات سب لوگوں پر روزِ روشن کی طرح آشکار ہو جائے گی
کہ اس شہر میں زیادہ عزت والے لوگ کون ہیں۔
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
جب تک رسُول اللہ ﷺ کا حکم میرے پاس نہیں آئے گا،
میں آپ کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دوں گا،
کیوں کہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ
اور اُن کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہی اس کائنات کی معزز ترین شخصیات ہیں۔

جب یہ بات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار کو پیغام بھیجا کہ:
اے عبداللہ رضی اللہ عنہ! آپ اپنے والد کا راستہ نہ روکیں اور اُسے گھر جانے کی اجازت دے دیں۔(1)

زباں سے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

جب میں کہتا ہوں کہ اے اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے پہلے اپنا نامۂ اعمال دیکھ

جس کے آگے سَرِ سروراں خم رہیں
اُس سَرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:293/2

رجیع کا اندوہناک سانحہ

تاریخِ اسلام کا یہ انتہائی اَلَم ناک سانحہ ماہِ صفر سنہ ۴ ہجری میں پیش آیا۔(1)

غزوۂ بدر میں فتحِ مبین حاصل کرنے کے بعد حق کی کھلی شمشیر اور موت سے نہ ڈرنے والے بہادر اور دلیر مجاہدین کا جو رُعب و دبدبہ اردگرد کے قبائل پر قائم ہو گیا تھا، برتری کی وہ فضا غزوۂ اُحد میں چند مجاہدینِ اسلام کے ایک غیر شعوری غلط فیصلے کی وجہ سے برقرار نہ رہ سکی۔ سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سمیت ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید اور اتنے ہی شدید زخمی ہوئے۔ اس جنگ میں مجاہدین کی قدرے کمزور کارکردگی کے بعد اسلام مخالف قوتوں میں حوصلہ پیدا ہو گیا اور اُن کی ہمت بڑھ گئی، اُن کے رویّے جارحانہ ہو گئے اور اُنھوں نے بڑی دلیری کے ساتھ مسلمانوں کی طاقت کو کم کرنے کے لیے سازشوں کے جال بننے شروع کر دیئے۔

ادھر جنگِ اُحد کے بعد قریش نے بھی بدر اور اُحد میں اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کی گرفتاری پر بڑے بڑے انعامات کا اعلان کر دیا۔ چناں چہ اس لالچ میں آ کر حجاز کے جنوب میں مقیم دو مشہور قبیلے ''عضل'' اور ''قارہ'' کے باطل پرست اور دھوکے بازی کے عادی فریب کاروں نے اہلِ اسلام کے خلاف نہایت گھناؤنا منصوبہ بنایا۔ یہ دغا باز اور سازشی ٹولہ اپنی ناپاک نیتیں دلوں میں چھپائے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور نہایت ادب و احترام اور عجز و انکسار کے ساتھ عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

ہمارے قبیلے کے بہت سے لوگ بہ رضا و رغبت حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا شرف اور سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کافی تعداد میں دیگر افراد بھی اپنا میلان اسلام کی جانب رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں اسلام مقبول تو ہو رہا ہے لیکن لوگوں میں دین کو سمجھنے کی صلاحیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی مسئلے کے حل کے لیے ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقا میں سے کچھ صاحبِ علم اور تربیت یافتہ حضرات کو ہمارے ساتھ روانہ فرمائیں جو ہمیں قرآن پڑھائیں، طریقۂ عبادت سکھائیں اور حلال و حرام سے آگاہ کریں۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور جنگِ بدر اور جنگِ اُحد میں بہادرانہ کارنامے ادا کرنے والے پیش قدم جنگ جُو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں (چھ) دس محترم اور بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک جماعت ان کے ہمراہ روانہ کر دی۔(2)

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 354/1

2۔ ایضاً: 355/1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 169/2

مدینہ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے یہ مبلغینِ اسلام منزل تک پہنچنے کے لیے راتوں کو برابر سفر کرتے اور دن کے وقت آرام کرتے۔ یہ قافلہ جب عسفان اور مکّہ کے مابین واقع بنو ہذیل بن ملائکہ کے چشمے ''ذات الرجیع'' کے مقام پر پہنچا، تو عضل اور قارہ کے ریاکار اور بے وفا لوگوں کی ایک جماعت نے غداری کا ارتکاب کیا۔ اُنھوں نے تبلیغی وفد کے ارکان کی حفاظت کرنے کے اپنے عہد کو توڑ دیا اور محض تبلیغ کی غرض سے گھروں سے نکلنے والے اللہ کے ان نیک بندوں کو پہلے سے وہاں موجود بنولحیان اور بنو ہذیل کے دوسو کے قریب مسلح افراد نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ مکاروں اور دغا بازوں کے اس بزدل گروہ نے مدینہ سے آئی ہوئی معصوم معلمین کی جماعت پر چاروں طرف سے بڑی شدّت کے ساتھ تیر برسانے شروع کردیئے۔

اس غیر متوقّع صورتِ حال اور ناگہانی افتاد کے پیش آنے کے باوجود ہر میدان میں ثابت قدم رہنے والے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقا کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا:

اے میرے عزیز ساتھیو!
جیسا کہ تم جانتے ہو کہ
ہم نے کسی کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے یہ سفر اختیار نہیں کیا تھا
لیکن اب ہمیں ناگہاں ایک آزمائش کا سامنا ہے۔
مجھے لگ رہا ہے کہ اِن بد دیانت لوگوں کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں
اس لیے اے جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ہمیں اِن فریب کاروں اور غداروں پر مزید اعتبار کرنے کی بجائے
دین کے اِن دشمنوں کا مقابلہ کرنے اور شہادت کے اعلیٰ ترین مرتبے کو
حاصل کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔

مشرکین نے جب دیکھا کہ یہ لوگ تو مرنے مارنے پر تل گئے ہیں تو سمجھانے کے انداز میں کہنے لگے:

اے عاصم رضی اللہ عنہ!
آپ رضی اللہ عنہ لڑائی کے خیال کو دل سے نکال دیں!
ہم اللہ کا واسطہ درمیان رکھ کر یہ عہد و پیمان کرتے ہیں
کہ آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

لیکن سیّدنا حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان دھوکے بازوں کے کسی بھی وعدے پر اعتبار کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا:

میں نے اللہ ذُوالجلال والاکرام سے عہد کیا ہوا ہے کہ

میں کسی کافر کی جانب سے کی گئی ''امان'' کی پیش کش کو
کبھی قبول نہیں کروں گا۔

چناں چہ مردِ میدان سیّدنا حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے مشرکین کی اس تجویز کو ردّ کر دیا اور پورے جذبۂ شہادت اور جوشِ جہاد کے ساتھ رجزیہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے:

میں ایک صحت مند، طاقت ور اور شریف النسب شخص ہوں۔
میرے پاس تیزی سے نشانے پر پہنچنے والے تیر بھی موجود ہیں
تو پھر میرے پاس کوئی عذر نہیں کہ میں لڑائی سے پیچھے ہٹ جاؤں،
جب کہ میری تیراندازی کا سارے عرب میں چرچا ہے اور میرے
پاس صنالہ درخت کی شاخ سے بنائی گئی دنیا کی مضبوط ترین کمان ہے
اور سب سے اعلیٰ حقیقت اللہ کی راہ میں شہادت کی موت ہے
اور سب سے بڑا جھوٹ یہ خواب دیکھنا کہ یہ زندگی جاودانی ہے
اور ہمیشہ اِسی طرح قائم دائم رہے گی۔
حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے جو نصیب میں لکھا ہے، وہ پورا ہو کر رہے گا۔
بے شک ہر انسان کو بالآخر اپنے ربّ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔
اے قومِ کفّار!
اگر میں اِس میدانِ کارزار میں تم لوگوں سے معرکہ آرائی نہ کروں
تو میری ماں اپنی اولاد کے غم میں سوگ منائے!

آخر کار اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آن پہنچا۔ شیروں کے شیر اور انتہائی بلند حوصلوں کے مالک حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے ساتھ بڑی بہادری اور سرفروشی کے ساتھ جہاد کیا اور رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے لیکن شہادت سے چند لمحے پہلے اُنھوں نے اپنے جسدِ خاکی کی آبرو کی حفاظت کے لیے ربِّ ذُوالجلال والاکرام سے یہ دُعا کی:

اے ذاتِ باری تعالیٰ!
میں آپ کا ایک اطاعت گزار بندہ ہوں
اور شروع دن سے آپ کے ساتھ وفاداری کے عہد کو نبھا رہا ہوں۔
میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ
اِن مشرک اور ناپاک لوگوں کو اِس کی اجازت نہ دیں
کہ شہید ہونے کے بعد وہ میرے جسم کو ہاتھ لگا سکیں۔

اللہ ربّ العزت نے پاکیزہ رُوح اور پختہ ایمان کے مالک اپنے اس مقبول بندے کی دُعا کو اِس طرح شرفِ قبولیت عطا فرمایا کہ موسلا دھار بارش کے بعد وادی میں سیلاب آگیا جو شہید حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسدِ خاکی کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا۔

اُس دن کی لڑائی میں چھے اور فرزندانِ توحید کو بھی شہید کر دیا گیا تھا، جب کہ تین حضرات جن میں سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ، سیّدنا زید بن الدّ ثنہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن طارق نے امان اور پناہ کی یقین دہانی پر اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا لیکن جلد ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن طارق کو اُن دھوکے بازوں پر شک ہو گیا کہ کسی بڑے انعام کے لالچ میں یہ لوگ ہمیں مشرکینِ مکّہ کے حوالے کر دیں گے۔ ذہن میں یہ اندیشہ آتے ہی اُس جرأت مند سپاہی نے یہ اعلان کر دیا کہ:

اے باطل پرستو!

مجھے تمھاری کسی بات پر اعتبار نہیں اور نہ ہی مجھے اہلِ مکّہ کا قیدی بننا قبول ہے۔

میں بھی اپنے شہید ہونے والے ساتھیوں کی طرح شہادت کی موت چاہتا ہوں۔

یہ سنتے ہی کافروں نے چاروں طرف سے حملہ کر کے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن طارق کو بھی شہید کر دیا۔

اِس طرح رجیع کی سرزمین، توحید کے علم بردار اور شرک کے خلاف جہاد کی راہ میں اپنی زندگیاں نچھاور کرنے والے آٹھ نیک دل اور عالی وقار شہیدوں کے خون سے رنگین ہوگئی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

بنولحیان اور بنو ہذیل کے عیار اور مکار مشرکین نے دونوں بہادرانِ اسلام حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بن الدّ ثنہ کو گرفتار کر کے کفّارِ مکّہ کے ہاتھ بھاری رقم کے عوض فروخت کر دیا۔(1)

اِن دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام اُس فہرست میں شامل تھا جن کی تلاش میں کفارِ مکّہ سرگرداں رہتے تھے، کیوں کہ جنگِ بدر میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث بن نوفل کو جہنم واصل کیا تھا۔ اسی وجہ سے بدلے کی آگ میں جلنے والے حارث بن عامر کے بیٹوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو خرید لیا(2)۔ صفوان بن امیّہ بھی اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا چاہتا تھا، چناں چہ اُن لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن الدّ ثنہ کو پچاس اُونٹوں کے عوض صفوان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔(3)

اُنھوں نے بدلہ لینے کے لیے جو منصوبہ ترتیب دیا، اُس کے مطابق اِن معصوم ہستیوں کو شہید کرنے کے لیے وہ لوگ انھیں حرم کی مقدّس حدود سے باہر تنعیم کے مقام پر لے آئے اور جب شمشیر بکف جلاد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو

1۔ کتاب المغازی للواقدی:355-56/1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:170-72/2۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث:3045

2۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث:4086 3۔ کتاب المغازی للواقدی:357/1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:172/2

شہید کرنے کے لیے آگے بڑھا تو اُس وقت حاضرین میں موجود سردار ابو سفیان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن الدّثنہ سے دریافت کیا کہ:

کیا تم اِس بات کو دوست رکھتے ہو کہ اِس ہلاکت گاہ میں تمھاری
جگہ تمھارے ''صاحب'' ہوتے اور تم اطمینان، سکون اور سلامتی
کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ وقت گزار رہے ہوتے ؟

زنجیروں میں جکڑے ہوئے استقلال اور استقامت کے پیکر اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے جاں نثار حضرت زید رضی اللہ عنہ بن الدّثنہ نے سنسناتے ہوئے تیروں اور لہراتی ہوئی تلواروں کے سامنے یہ کلماتِ عشق ادا کیے جو ہر مسلمان کے ایمان کی جان ہیں۔

اللہ کی قسم!
میں خود تو ہر قسم کا دُکھ، تکلیف اور ظلم سہنے کے لیے تیار ہوں لیکن یہ خبر سننے کی بھی
ہرگز ہمت نہیں کہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہمارے
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاؤں مبارک میں ایک کانٹا چبھنے کی بھی تکلیف پہنچے
اور ہم اپنے گھروں میں اہل وعیال کے ساتھ آرام سے بیٹھے ہوں۔

ایک عاشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ نعرۂ مستانہ سن کر ابو سفیان نے انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

میں نے اپنی پوری زندگی میں عقیدت اور احترام کے بڑے بڑے مظاہر دیکھے ہیں
لیکن بخدا! ان لوگوں جیسا کوئی نہیں دیکھا
جو کسی شخصیت کے ساتھ اس دیوانگی کی حد تک محبت کرتے ہوں
جیسی محبت رفیقانِ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے کرتے ہیں۔
اپنے قائد کے ساتھ ہر قیمت پر وفا نبھانے والی اس جماعت جیسی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔
یہ اوجِ کمال پر پہنچے ہوئے لوگ واقعی لاجواب ہیں۔

اِس کے بعد صفوان بن امیّہ کے حکم پر غلام نطاس نے اپنی تیز دھار تلوار کے ایک ہی وار سے جاں نثار رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ بن الدّثنہ کے خون سے سرزمین مکّہ کو رنگین کر دیا۔(1)

اِس کے بعد سردار ابو سفیان حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا اور کہا:

اے خبیب رضی اللہ عنہ! زندگی بہت خوب صورت ہے۔
اگر اسلام چھوڑ دو تو خیریت اور عافیت کے ساتھ

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 362/1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 172/2

گھر واپس جانے کی اجازت مل سکتی ہی۔
ترغیب وتحریص کے یہ الفاظ سنتے ہی سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ پورے جوش اور جذبے کے ساتھ بولے:

اے سردار ابوسفیان!
یاد رکھنا!
اسلام کی قیمت پر آزادی نہیں چاہیے۔
حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے دین کی خاطر اپنی جان، مال اور اولاد کو
خوشی کے ساتھ قربان کرنا حقیقی سعادت سمجھتا ہے۔
اگر ہم اسلام سے ہی دست بردار ہو جائیں
تو پھر ہمارے لیے زندہ رہنا ایک بیکار عمل ہوگا۔

صلیب پر لٹکنے کے لمحات بہت قریب ہونے کے باوجود سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ کے اِس دلیرانہ جواب سے دشمن سناٹے میں آ گئے۔ جب قریش اُس مقدس ہستی کو، جن کا سینہ نورِ اسلام اور محبتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منوّر تھا، شہید کرنے کی تیاری کرنے لگے تو عابد و زاہد سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے اِس خواہش کا اظہار کیا کہ:

آپ لوگ مجھے تھوڑی مہلت دیں۔
میں دو رکعت نماز ادا کرنا چاہتا ہوں۔

مشرکین کی رضامندی کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے اختصار لیکن پورے اطمینان، انہماک اور خضوع وخشوع کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ وہ منظر بڑا دردناک تھا جب کافر زنجیروں میں جکڑے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو لکڑی کے ایک بلند تختے کے ساتھ باندھ رہے تھے۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور بارگاہِ خداوندی میں اِس دُعا کے خواستگار ہوئے:

اے اللہ ذوالجلال والاکرام!
ہم نے آپ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا فرض ادا کر دیا ہے،
اب آپ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ہمارا اسلام عقیدت پہنچا دیں اور
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم مصیبت زدہ پردیسیوں کے افسوس ناک حالات سے بھی آگاہ فرما دیں۔

زبان و بیان پر زبردست دسترس کے مالک، عزم و ہمت اور صبر وتحمل کے پیکر سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے شہادت سے چند لمحات پہلے وہ ترانہ پڑھا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کی اسلام اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت جھلکتی ہے:

دشمنوں نے اپنے مسلح جتھے میرے چاروں طرف کھڑے کر دیئے ہیں،
گرد و نواح کے تمام قبیلوں کی بڑی بڑی جماعتیں بھی یہاں پہنچ گئی ہیں

اور اُنھوں نے خوب مجمع بنالیا ہے۔
لوگوں کا یہ جمِ غفیر میرے خلاف بُغض و عداوت اور دشمنی ظاہر کررہا ہے۔
یہ سب اپنا اپنا انتقام لینے کے لیے یہاں آئے ہیں۔
یہ لوگ مجھے ایک مضبوط اور بلند لکڑی کے تختے کے قریب لے آئے ہیں
اور مجھے تنعیم کی اِس ہلاکت گاہ میں رسیوں اور زنجیروں سے جکڑ دیا گیا ہے۔
میری ہلاکت کا سنسنی خیز منظر دکھانے کے لیے عامۃ الناس نے اپنی عورتوں
اور بچوں کو بھی بلالیا ہے۔
اُنھوں نے کہا ہے کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو بت پرستی کی طرف دوبارہ لوٹ آؤ!
لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ کسی مسلمان کے لیے اللہ کی راہ میں موت کو قبول کرنا تو
بڑے شرف اور اعزاز کی بات ہوتی ہے۔
اگرچہ میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے ہیں
لیکن یہ آنسو کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے نہیں ہیں۔
میں اِن دشمنوں کے سامنے کسی رحم کی درخواست کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا
اور نہ میں اِن بداطوار لوگوں کے سامنے کسی گھبراہٹ یا پریشانی کا مظاہرہ کروں گا،
اِس لیے کہ میں تو اپنے رحیم اور کریم ربِّ ذُوالجلال والاکرام کے پاس جارہا ہوں۔
ایک مسلمان کے لیے موت کا سامنا کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا،
اِس لیے کہ ہم میں سے ہر شخص کو بالآخر اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
میں تو صرف حشر کے دن جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کی لپیٹ سے ڈرتا ہوں۔
یہ تو اللہ ذوالجلال والاکرام کا احسان ہے کہ شہادت کے لیے میرا انتخاب کیا گیا ہے۔
اب جب کہ میرے جسم کا ہر حصہ زخموں کی زد میں آچکا ہے
اور میری ہر توقع نااُمیدی میں تبدیل ہوچکی ہے،
میں اپنی بدنصیبی، غریب الوطنی اور بے بسی کی فریاد اور اُس ناپاک جسارت کے متعلّق جو
یہ بداندیش مخالف مجھے شہید کرنے کے بعد میرے جسدِ خاکی کے ساتھ کرنے کا
ارادہ رکھتے ہیں،
کی التجا بھی اللہ ذُوالجلال والاکرام تیری ہی بارگاہ میں کرتا ہوں۔
اے عرشِ عظیم کے مالک!

دشمنوں کے اِس گروہ نے میرے ساتھ ظلم و زیادتی اور انتقام کے جتنے بھی طریقے
سوچ رکھے ہیں،
اُن تمام حالات کا سامنا کرتے وقت آپ مجھے صبر اور برداشت کی ہمت عطا فرمائیں!
میں تو اللہ سے ڈرنے والا اور اُس کا ایک اطاعت گزار بندہ ہوں۔
جب میں اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں
اور مکمل اسلام کی حالت میں شہید کیا جا رہا ہوں
تو پھر مجھے اِس بات کی کیا پروا ہے کہ اللہ کی راہ میں میرا کٹا پھٹا جسدِ خاکی
کس پہلو پر گرتا ہے،
اے اللہ ذوالجلال والاکرام!
تیری ذاتِ بابرکات تو قادرِ مطلق ہے۔
اگر تو چاہے تو تیری راہ میں شہادت کے بعد میرے جسدِ خاکی کے کاٹے گئے
اور الگ الگ کیے گئے اعضا کے ہر حصے پر اپنی برکتیں نازل فرما دے (آمین)۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے وحشیانہ انتقام لینے کے لیے قریش نے اُن گھرانوں کے افراد کو خاص طور پر بلایا ہوا تھا جن کے عزیز و اقارب بدر اور اُحد کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ غیظ و غضب سے بھرے ہوئے متاثرہ گھرانوں کے یہ لوگ اپنے دراز اَنّی والے نیزے اور تیز دھار تلواریں لے کر آگے بڑھے۔ اُن مکروہ اور بداطوار لوگوں نے اپنے ہتھیاروں سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جسم پر پے در پے وار کرنے شروع کر دیئے۔

جب زندگی کے آخری لمحات قریب آ گئے تو اُنھوں نے بڑے پُرملال لہجے اور یاس انگیز انداز میں اللہ کے حضور یہ درخواست پیش کی:

اے ربِ ذُوالجلال والاکرام!
میں چاروں طرف سے مشتعل دشمنوں کے ایک جمِ غفیر میں گھرا ہوا ہوں
اور مجھے یہاں کوئی ایسا فرد نظر نہیں آ رہا جو میرے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو
پس اے اللہ ذوالجلال والاکرام!
آپ ہی اِس مجبور و بے کس جاں نثار کی حالتِ زار اور سلامِ عقیدت
رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچا دیں!

پھر شہادت سے پہلے اِس سرفروش کی زبان سے توحید و رسالت کا اقرار اور اللہ اکبر کے مبارک کلمات اُبھرے۔ کش مکشِ موت و حیات کے اِس عالم میں دنیائے اسلام کے اِس بلند حوصلہ، جوان مرد اور بہادر جاں

نثار کی رُوحِ مسعود اپنے خالقِ حقیقی سے ملاقات کے لیے عالمِ جاوداں کی جانب روانہ ہوگئی۔(1)

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

چال باز اور مکروفریب میں ماہر بنوھذیل نے تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت کے لیے جانے والے معصوم سفیروں کو جس عیاری اور مکاری سے شہید کیا، اُن روح فرسا اور دردناک واقعات کی اطلاع دینے کے لیے حضرت جبرئیلِ امین خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اِس کے ساتھ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجا گیا آخری سلامِ عقیدت بھی پیش کیا۔

دلِ مہربان اور حساس طبیعت کے مالک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے حزن وملال اور بے قرار دل کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے بے قصور ساتھیوں کی اَلم انگیز شہادت کی خبر دی جس سے سارے شہر کی فضا سوگوار ہو گئی۔(2)

شاعرِ اسلام سیّدنا حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت نے بنولحیان کی غداری اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی اِس درد بھری شہادت کے اَلمیے پر اپنے احساسات کا اظہار ایک مرثیہ کی شکل میں اس طرح کیا:

یہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہے کہ
میری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو روکنا میرے لیے مشکل ہو رہا ہے۔
اور یہ آنسو تو میرے ماتم کناں سینے پر آب دار موتیوں کی طرح گر رہے ہیں،
جوانوں کے جوان اور مردِ بحران حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی یاد میں بہنے والے یہ آنسو۔
ہر شخص اُس جرأت و استقامت کے پیکر کے متعلّق بخوبی علم رکھتا ہے
کہ میدانِ کارزار میں بہادری کا مظاہرہ کرنے والے وہ انمول انسان
انتہائی اعلیٰ کردار و اخلاق کے مالک تھے۔
اے ہمارے قابلِ احترام بھائی!
اب آپ عزت و وقار کے ساتھ فردوسِ بریں میں داخل ہو جائیں!
اور اے سفاک قاتلو!
تمھارے پاس اُس وقت کوئی جواب نہیں ہوگا جب جلال وعظمت کے مالک

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/61-358۔ السیرۃ النبوۃ لابن ہشام: 2/76-172۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: 3/325
2۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/361۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: 3/326

پیغمبرِ اسلام ﷺ فرشتوں کی طرف سے پیش کی گئیں زبردست شہادتوں کے
ساتھ تم سے باز پرس فرمائیں گے کہ تم لوگوں نے اللہ کے اس نافرمان اور بے لگام
سردار کے بدلے میں، جو بستی بستی قریہ قریہ فتنہ وفساد اور انتشار و خلفشار کا موجب بنا ہوا تھا،
اللہ کے ایک نیک اور بابرکت بندے کو کیوں شہید کر دیا؟

اے میرے عزیز ساتھیو!

میرا دل مہمان نواز اور کشادہ طبیعت کے مالک خبیب رضی اللہ عنہ کے لیے روتا ہے،
جن کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔
وہ عزت واحترام کے مالک، دکھاوے اور تصنع سے پاک اور بہترین
حسب ونسب والے شخص تھے۔
افسوس کہ ہمارا یہ عظیم مجاہد اپنے ساتھیوں کے ساتھ لوٹ کر واپس نہیں آیا!
مجھے اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم ہے!
کہ خبیب رضی اللہ عنہ اور عاصم رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والے اِس افسوس ناک سانحے کے بعد
قبیلۂ بنوہذیل کا دوسرا نام دھوکے باز، مکار اور غدار قبیلہ رکھ دیا گیا ہے
اور ایک ظالم، خطا کار اور سیاہ کار قوم کا دوسرا نام قبیلہ بنولحیان ہے۔
یہ وہ لوگ ہیں جن کا سب سے زیادہ عزت دار شخص بھی
گھوڑے کے پاؤں سے بھی نیچے کا پست مرتبہ رکھتا ہے۔
یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے جھوٹ، دھوکے اور فراڈ سے
اپنے ہمسایوں کا مال کھا جانے کی وصیت کر رکھی ہے۔
اِن دغابازوں نے اللہ کے نیک بندوں کو رجیع کے مقام پر دھوکا دیا۔
اِن وعدہ خلاف لوگوں نے تو ہمارے ساتھ حفاظت اور سلامتی کا قول و قرار کیا تھا،
کتنے دُکھ کی بات ہے کہ اِس عہد شکن قوم کے لوگوں نے رسُول اللہ ﷺ اور
اُن کے نیک سیرت اور پاک طینت سفیروں کے ساتھ غداری کی۔
اِن جرائم پیشہ لوگوں کو ہمارے بلند ہمت رفیقوں کو بے تقصیر شہید کرنے کی سزا
مل کر رہے گی،
جب ہم اِن بدعہد اور بے آبرو لوگوں پر حملہ آور ہوں گے
اور ایسا ہم رسُول اللہ ﷺ کے حکم پر کریں گے۔

اِس کے نتیجے میں یقینی طور پر بدفطرت بنوہذیل میدانِ جنگ میں
اپنے مقتولوں کی بکھری ہوئی لاشوں پر اپنی عورتوں کو ماتم کرتا دیکھیں گے۔
جب تک اللہ نے ہمیں زندگی عطا فرمائی ہے،
ہم حضور سرورِ کائنات ﷺ کے حکم سے
اور یقیناً اصل حکم بھی آپ ﷺ ہی کا ہے،
کہ ایک صبح ایک تندوتیز طوفان کی طرح ایک لشکرِ جرار
لے کر ان گردن زدنی لوگوں پر دھاوا بول دیں گے اور ان فتنہ
پرداز اور بداطوار فساد برپا کرنے والے کافروں کو تہِ تیغ کر دیں گے۔
اگر یہ پورا قبیلہ ہلاک بھی کر دیا جائے
تو بھی یہ ہمارے صاحبِ عزت وعظمت حضرت زید رضی اللہ عنہ اور
حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ تو نہیں ہوگا
لیکن اِس سے یقیناً ہمارے دُکھ کچھ کم ہو جائیں گے۔(1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

ٹوٹی جاتی ہے دُکھوں سے کمر میری
نہیں ہے کوئی آپ سا غم گسار آقا
ہلکا ہے آج اگرچہ ہمارا پلّہ
مگر بھاری ہے آپ کا وقار آقا
کبھی منہ نہ دیکھنا پڑے ہمیں خزاں کا
آپ دیں ہمیں ایسی بہار آقا

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:2/78-177

بیئرِ معونہ کا اَلم ناک حادثہ

ہجرت کے چوتھے سال اور جنگِ اُحد کے تقریباً چار ماہ بعد جولائی سنہ 625ء میں رجیع کا دل دوز حادثہ وقوع پزیر ہوا تھا۔ افسوس کہ صفر کے مہینے میں ہی بیئرِ معونہ کے لرزہ خیز سانحے کی خبر بھی مدینہ پہنچ گئی۔ اس سخت نقصان رساں حادثے میں ستّر عالی مرتبت جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکا دہی اور فریب کاری سے شہید کر دیا گیا تھا۔(1)

اس سے پہلے جنگِ اُحد میں مجاہدینِ اسلام کو سخت ترین آزمائش کے لمحات سے گزرنا پڑا تھا جس کے نتیجے میں دینِ فطرت کے جزیرۃ العرب میں غالب آنے کی رفتار اور فتوحات کی طرف فدائیانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑھتے ہوئے قدم وقتی طور پر رُک گئے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد دشمنانِ اسلام کے دل مسلمانوں کی طاقت کا سامنا کرنے سے خوف کھانے لگے تھے لیکن جنگِ اُحد کے بعد اُن کے حوصلے بڑھ گئے اور اُنھوں نے جارحانہ رویّہ اختیار کر لیا، بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر اُنھوں نے اسلام کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے، اہلِ ایمان کو نقصان پہنچانے اور اُن سے انتقام لینے کے ارادوں پر عمل درآمد کرتے ہوئے خطرناک سازشیں اور خوف ناک منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔

کافروں کی طرف سے کیے گئے ان مخالفانہ اقدامات کی بنا پر اہلِ اسلام کے لیے مسائل روز بہ روز بڑھتے جا رہے تھے۔ یہ انتہائی نازک وقت تھا جس میں ریاستِ مدینہ پوری سعی و کوشش، جدو جہد اور حد درجہ مہارت کے ساتھ اپنی حیات وثبات کی جنگ لڑنے میں برسرِ پیکار تھی۔

تبلیغی وفد بھیجنے کے لیے ایک درخواست

آزمائش اور مشکلات کے اس عرصے کے دوران ایک روز نجد سے تعلّق رکھنے والے قبیلے کلاب کا سردار ابو براء عامر بن مالک بن جعفر جو پورے عرب میں ”ملاعب الاسنہ“ یعنی چمکنے والے نیزوں سے کھیلنے والا جانباز کے تعریفی نام سے مشہور تھا، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور نہایت اَدب واحترام کے ساتھ یہ عرض کیا کہ:

میری قوم کے لوگ اس روشن خیال دین کی تعلیمات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔
میری درخواست ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری قوم کی راہنمائی کے لیے اہلِ علم صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر مشتمل ایک بڑی جماعت ہمارے علاقے نجد کی جانب روانہ فرمائیں!

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 347/1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 183/2۔ زاد المعاد: 221/3

اس طرح اشاعتِ دین میں اگر کسی دشمن قبیلے کی جانب سے رخنہ اندازی کی
کوئی کوشش ہو تو ہماری مشترکہ تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ہم اُس کے ساتھ
آسانی سے نمٹ لیں گے۔
مجھے قوی اُمید ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس شفقت کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے
اور سرزمینِ نجد میں جہاں جہاں ہماری عمل داری قائم ہے،
دینِ اسلام کی یہ دعوت لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے میں کامیاب رہے گی۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہمان سردار کی درخواست پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابو براء!
مجھے تم لوگوں کے علاقے کے حالات تسلّی بخش نظر نہیں آتے۔
مجھے اس بات کا احتمال ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو
اہلِ نجد کی جانب سے مخالفانہ ردِّعمل کا سامنا کرنا پڑے گا،
بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ سفاک لوگ میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو
جانی اور مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔

اس پر ابو براء نے عرض کیا کہ:

بنی عامر کے سردار کی حیثیت سے میری درخواست ہے کہ
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دل میں کسی اندیشے کو جگہ نہ دیں۔
میری ضمانت پر اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی جماعت کو بلاخوف وخطر
دعوتِ دین کے لیے روانہ فرما دیجیے!
یہ قابلِ احترام مہمان میری محافظت اور سپرداری میں رہیں گے۔
میں قسم کھا کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دوبارہ اس بات کا اطمینان اور یقین دلانا
چاہتا ہوں کہ حالات کیسے بھی ہوں،
میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کا مکمل خیال رکھوں گا
اور اُنھیں کوئی بھی دُکھ یا تکلیف نہیں پہنچنے دوں گا۔(1)

نجد کے رئیسِ اعظم ابو براء کی طرف سے دی گئی تحفظ کی اس پختہ یقین دہانی پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے ستّر صاحبِ علم وعرفان اور حفاظِ قرآن پر مشتمل ایک منتخب جماعت بھیجنے کا فیصلہ کرلیا،

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 346/1۔ زاد المعاد: 221/3

چناں چہ جلد ہی متقی و پرہیز گار، زاہد شب بیدار اور جذبۂ خدمتِ خلق میں سرشار رہنے والے ان درویش صفت، مخلص اور پُرجوش مبلغینِ اسلام کا یہ مقدس کارواں اہلِ نجد کے دلوں کے اندھیرے اسلام کے نور سے منور کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے اپنی منزل کی جانب روانہ ہوا۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ خزرج کے معزز خاندان بنوساعدہ بن کعب سے تعلّق رکھنے والے بہادروں کے بہادر اور خلوص و محبت کے پیکر حضرت منذر رضی اللہ عنہ بن عمرو السعیدی کو مبلیغینِ اسلام کی اس مقدس جماعت کا امیر مقرر فرمایا اور حضرت مطلب رضی اللہ عنہ اسلمی کو راستوں کی راہنمائی کے لیے اُن کے ساتھ بھیجا۔ نیک نیّت، صداقت شعار اور صاف باطن لوگوں پر مشتمل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں کی یہ جماعت طویل مسافت طے کر کے جب مکّہ اور مدینہ کے راستے میں طریقِ شرقی پر واقع ارضِ سلیم کے ایک چشمے بیئرِ معونہ پر پہنچی تو اُنھوں نے وہاں اُونٹوں کی چراہ گاہوں کے قریب ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔(1)

اتفاق سے اُن دنوں مسلمان مبلغین کی اس جماعت کا میزبان سردار ابو براء نجد گیا ہوا تھا، چناں چہ خیمہ زن ہونے کے بعد جماعت کے امیر حضرت منذر رضی اللہ عنہ بن عمرو نے سب سے پہلے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوبِ گرامی قدر ابو براء عامر بن مالک کے بھتیجے اور بنوسلیم قبیلے کے سردار عامر بن طفیل تک پہنچانے کی ذمّے داری اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ جہاں دیدہ رکن حضرت اُمِّ سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان کو سونپی۔(2)

اُس خط مبارک میں سردار عامر بن طفیل کو مسلمان ہونے کی ترغیب اور دعوت دی گئی تھی لیکن صد افسوس کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عداوت اور مخاصمت رکھنے والے اُس خود پسند، متکبر اور فرعون صفت سردار نے رشد و ہدایت کی اس مبارک دعوت کو قبول کرنا تو دور کی بات، نامۂ گرامی قدر میں درج پیغام کو پڑھنا یا سننا تک گوارا نہ کیا، بلکہ اُس ناہنجار سردار نے مہمان نوازی کی تمام اچھی روایات، سفارتی اُصول و آداب اور اخلاقی قاعدہ و دستور کو تاراج کرتے ہوئے نہایت گھٹیا حرکت کی اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محترم سفیر کو شہید کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

اپنے سردار کی حکم برداری کرتے ہوئے بنوسلیم قبیلے کے ایک شقی القلب سپاہی نے عقب سے آ کر حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان کے دونوں کندھوں کے درمیان نیزے کا ایک زوردار وار کیا۔ وار اتنا کاری تھا کہ اُس محترم اور معصوم صحابی رضی اللہ عنہ کے جسم کے آر پار ہو گیا اور فوارے کی طرح جسم سے خون نکلنے لگا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان نے اس خوشی میں کہ انھیں راہِ حق اور صراطِ مستقیم پر شہید ہونے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے، اپنے جسم سے بہتے ہوئے اُس خون کو اپنے ہاتھوں، چہرے اور سر پر اس طرح مل لیا، جیسے وہ خون میں نہائے ہوئے ہوں۔

شہادت کے آخری لمحات میں آپ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں یہ تاریخی اور مبارک کلمات ادا فرمائے:

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 347/1۔
2۔ امتاع الاسماع: 93/12

اللہ اکبر! فزتّ و ربّ الکعبہ

اللہ سب سے بڑا ہے
اور کعبہ کے پروردگار کی قسم!
میں کامیاب ہو گیا ہوں۔(1)

اپنے قبیلے کا سب سے بڑا سردار بننے کے آرزو مند عامر بن طفیل نے اپنے چچا سردار ابو براء کے قبیلے بنو عامر کو حکم دیا کہ:

مسلمانوں کے کیمپ پر حملہ کر کے مبلغینِ اسلام کے وفد میں شامل
تمام اراکین کو اس یقین کے ساتھ قتل کر دو!
کہ اس سے اچھا موقع ہمارے ہاتھ دوبارہ نہیں آئے گا۔

لیکن بنو عامر سے تعلّق رکھنے والے معززینِ قبیلہ نے ابو براء کی دی ہوئی پناہ کے پیشِ نظر عامر بن طفیل کے حکم پر عمل کرنے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا:

اے عامر بن طفیل!

ہم اپنے بڑے سردار ابو براء کے دیئے ہوئے حفاظت اور سلامتی کے وعدے کے پابند ہیں،
لہٰذا بہ حیثیتِ قوم ہم اپنے سردار کے امان کے عہد کو توڑنا قبول نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اراکینِ وفد کے ساتھ زیادتی کریں گے تو یہ بات ہمارے قبیلے کے لیے رسوائی کا باعث بن جائے گی۔

فتنہ پرداز اور سرکش سردار عامر بن طفیل نے قبیلۂ بنو عامر کے عدم تعاون سے مایوس ہونے کی بجائے قبیلۂ بنی ذکوان، بنی رعل اور بنی عصیّہ کو پیغام بھیجا کہ مسلمانوں پر حملے کے لیے جلد پہنچ جائیں۔ اُس خطا کار سردار کی دعوت پر آنے والے حملہ آوروں نے، جو تیروں اور تلواروں سے مسلح تھے، آگے بڑھ کر مبلغینِ اسلام کے وفد کو اپنے حصار میں لے لیا، جب کہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان کی واپسی کا انتظار کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اپنے محترم رفیق کے ساتھ پیش آنے والے المیے سے بالکل بے خبر بڑے آرام اور سکون کے ساتھ اپنے خیموں میں تشریف فرما تھے۔

اُن کے تصور میں بھی نہ تھا کہ اگلے چند لمحوں میں سب کچھ بدل جانے والا ہے۔ دفعتاً اُنھوں نے دیکھا کہ مشرک قبائل کے مسلح افراد کافی بڑی تعداد میں اُن کے خیموں کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ وفد کے یہ نیک نیت، دل کے سچے اور صاف باطن ارکان سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ جن لوگوں کے پُر زور اصرار پر وہ مہمان کی حیثیت سے اُن کے علاقے میں آئے ہیں، وہی لوگ اتنی بڑی غداری کے مرتکب ہوں گے۔

1۔ کتاب المغازی للواقدی:347/1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:184/2۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث:4091

گو کہ اللہ کے یہ عبادت گزار اور نیک طبع لوگ کسی کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے یہاں نہیں آئے تھے لیکن جب ان سرفروشوں کو یقین ہو گیا کہ امتحان کا وقت آن پہنچا ہے تو اس گردابِ بلا میں پھنس جانے کے بعد اسلام کے ان جنگ جُو دلاوروں نے بد دیانت اور دھوکا باز قبائل کے ساتھ مقابلہ کرنے اور لڑ کر مرنے کا فیصلہ کر لیا، چناں چہ فریقین کے درمیان زبردست معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔

اس دو بہ دو جنگ میں اللہ کے ان شیروں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود بے مثال ثابت قدمی، استقلال اور استقامت کے ساتھ حملہ آوروں کی چمکتی دمکتی تلواروں اور تیز دھار نیزوں کے سامنے آخر دَم تک مزاحمت کی لیکن دشمنوں نے اپنی کثرت کی بنیاد پر جلد ہی اُن جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد انھیں شہید کرنا شروع کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

اللہ تبارک وتعالیٰ اُن بے قصور اور معصوم شہیدوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے (آمین)!

اس خوں ریز کاروائی میں صرف کعب رضی اللہ عنہ بن زید ہی زندہ بچے، جو شدید زخمی ہونے کے بعد نیم بے ہوشی کی حالت میں اپنے شہید ساتھیوں کے درمیان پڑے تھے۔ حملہ آور غارت گروں نے انھیں شہید سمجھ کر اُن پر مزید وار نہیں کیے۔ ایک حسین اتفاق یہ ہے کہ اس قتل و غارت میں زندہ بچ جانے والے کعب رضی اللہ عنہ بن زید؛ اللہ ربُّ العزت کی جانب سے جنگِ خندق کے موقعے پر شہادت سے سرفراز فرمائے گئے۔(1)

مبلغینِ اسلام کے اس وفد میں سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اُمیہ الضمری اور حضرت منذر رضی اللہ عنہ بن عقبہ بن عامر اُونٹوں کی حفاظت پر مامور کچھ فاصلے پر ایک چراہ گاہ میں تھے اور یہ دونوں حضرات اس ناگہانی افتاد اور سانحۂ جانکاہ سے بالکل بے خبر تھے، جو اُن کے ساتھیوں پر گزر چکا تھا لیکن جب اُن کی جائے قیام کی طرف سے اُنھیں کچھ گرد و غبار اُٹھتا دِکھائی دیا اور گِدھوں اور چیلوں کو فضا میں چکر لگاتے اور پرندوں کو ہوا میں منڈلاتے دیکھا تو گھبرا کر سوچنے لگے:

خدا خیر کرے!

کہیں کوئی سنگین حادثہ نہ پیش آ گیا ہو!

چناں چہ مختلف اندیشوں اور وسوسوں کو دل میں لیے جب وہ بڑے اضطراب کے عالم میں وہاں پہنچے تو ایک رُوح فرسا منظر اُن کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ان کے رفیقوں کے کٹے پھٹے، خستہ حال اور خاک و خون میں لت پت جسدِ خاکی بے گور و کفن پڑے تھے۔ اس پُر ملال اور اندوہناک صورتِ حال کو دیکھ کر ان کے دل درد و غم سے تڑپ اُٹھے۔ وہ سمجھ نہ پائے کہ یہ مصیبت ہم پر کیوں وارد ہوئی ہے۔ اس دوران مبلغین پر یلغار کرنے والے

1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 340/3

سفاک قبائلی قاتل، جو اَبھی کہیں قریب ہی موجود تھے، ان دو حضرات کو دیکھ کر دوبارہ واپس آ گئے اور انھیں ہر طرف سے نرغے میں لے کر گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن بہادروں کے بہادر حضرت منذر رضی اللہ عنہ بن عقبہ ان دشمنانِ دین کے سامنے ڈٹ گئے اور اس معرکہ آرائی میں اُنھوں نے نہایت دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو کافروں کو جہنم رسید کیا، بالآخر وہ بھی شہید ہو گئے۔

آخری بچ جانے والے صحابیِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اُمیہ ان دھوکے بازوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے لیکن جب سردار عامر بن طفیل کے علم میں یہ بات آئی کہ اس قیدی کا تعلّق مضر قبیلے سے ہے تو اُس نے اپنی ماں کی مانی ہوئی کسی منّت کو پورا کرنے کے لیے اُنھیں چھوڑ دیا۔(1)

وہ بڑی مشکل سے واپسی کا سفر طے کر کے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے اور اُس لرزہ خیز اور خونی حادثے کی تمام تر روداد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوش گزار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شدید رنج و اَلم کی کیفیت میں اس افسوس ناک خبر کو سنا۔

بیئرِ معونہ کے مقام پر شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں واحد مہاجر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وفادار خادم حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ بھی شامل تھے جن کا شمار قدیم الاسلام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، جنھیں ہجرت کے انتظامات میں اہم کردار اَدا کرنے اور پھر اُس تاریخی اور پُرخطر سفر میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خدمت گار کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہم رکابی و رفاقت کا شرف و اعزاز بھی حاصل ہو چکا تھا۔(2)

درد و اَلم سے بھرپور اس واقع نے نبیِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ مبارک پر بڑا گہرا اثر چھوڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کافی عرصے تک رنجیدہ خاطر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب بھی اپنے معصوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غریب الوطنی اور بے بسی کی حالت میں شہید کیے جانے کے واقعے کو یاد کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھیں اشک بار ہو جاتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شدید صدمے کی کیفیت اور مغموم وملول لہجے میں فرمایا:

اس غم ناک حادثے کو وقوع پذیر ہونے سے روکنا ابو براء کی ذمّے داری تھی۔
اُس نے ہم سے ہمارے اصحاب رضی اللہ عنہم کی محافظت اور سلامتی کا وعدہ کیا تھا۔
ہمیں اپنے جاں نثاروں کو نجد بھیجنا پسند نہیں تھا لیکن ابو براء کے بار بار اصرار اور یقین دہانی پر ہم نے اپنی رضامندی ظاہر کی تھی۔
ہمارے یہ لائق اور سعادت مند رفیق تو لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 348/1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 185/2
2۔ کتاب المغازی للواقدی: 349/1

آیا ہوا پیغام پہنچانے اور سیدھے راستے کی دعوت دینے کے لیے گئے تھے۔
ہمارے یہ معصوم معلّمین تو امن اور سلامتی کے سفیر تھے،
یہ کسی کے ساتھ جنگ کے ارادے سے تو نہیں گئے تھے۔(1)

تاریخی اور تہذیبی روایات کے مطابق عرب کے معاشرے میں ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ پیغام لے کر آنے والے کسی بھی قوم کے نمائندوں اور سفیروں کے تحفظ اور سلامتی کی ضمانت تمام فریقین کی طرف سے دی جاتی تھی لیکن مبلغینِ اسلام کے وفد کے ساتھ بد دیانت قبائل نے خوف ناک دھوکے بازی کا ارتکاب کیا تھا جس کے نتیجے میں انتہائی لائق و فائق، افضل اور مقدس اصحاب رضی اللہ عنہم کو بڑی بے رحمی اور سنگ دِلی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس مظلومانہ شہادت پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدینہ میں موجود تمام اہلِ ایمان کو بے پناہ دُکھ اور رنج و ملال ہوا۔ اتنے بڑے جانی نقصان پر ہر آنکھ اشک بار تھی، کیوں کہ اسلام کے یہ درخشندہ و تابندہ ستارے میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ شرم ناک غداری کی وجہ سے شہید ہوئے تھے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت آزردگی اور دل گرفتگی کے عالم میں مسلسل چالیس روز تک اپنے شہیدوں کی مغفرت، اُن کے درجات کی بلندی اور بد بخت قاتلوں کے ظلم کے خلاف فجر کی نماز میں دُعائے قنوت نازلہ پڑھ کر اپنے غم و غصّہ کا اظہار فرماتے رہے۔

حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ:
جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُعا فرماتے
تو حزن و ملال میں ڈوبے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے
ہر لفظ کے ساتھ آمین کہتے جاتے تھے۔(2)

حقیقت یہ ہے کہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی دردناک شہادت کی خبر سے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو عظیم صدمہ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس رِقت آمیز سانحے پر جس قدر رنجیدہ اور آزردہ خاطر نظر آئے، اُس کی کوئی دوسری مثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں نہیں ملتی۔

رجیع اور بیئرِ معونہ کے ان دِل خراش اور جاں گداز سانحات کی وجہ سے مدینہ میں ہر طرف غم کا ماحول تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مصائب اور ہولناک انداز میں اُن کی شہادت کی وجہ سے اہلِ ایمان کے دِلوں پر اُداسی و افسردگی چھائی ہوئی تھی، کیوں کہ اس سے پہلے جنگِ اُحد میں بھی ستّر جاں نثاران رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامِ شہادت نوش کر چکے تھے اور اب ستّر کے قریب شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے بے دریغ، ناحق اور بے رحمانہ طریقے

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:186/2۔دلائل النبوۃ للبیھقی:341/3
2۔سنن ابی داوٗد۔رقم الحدیث:1443

سے ارضِ بنوسلیم میں شہید کردیئے گئے۔

یہ دین کی خدمت اور دعوت وعزیمت کی راہ میں ایک بہت بڑی آزمائش تھی لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان مشکلات اور مصائب کو نہایت صبر، وقار اور ہمت کے ساتھ برداشت فرمایا اور شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ پروانے آزمائش کے ہر موقعے پر بغیر کسی تردّد وتذبذب کے بارگاہِ الٰہی میں مسلسل عظیم قربانیوں کے تحفے پیش کرتے رہے۔

بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم اور لازوال جدوجہد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال قربانیوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور سارے عرب میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بیئرِ معونہ کے شہیدوں کے لیے شاعرِ اسلام حضرت حسّان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا مرثیہ

ہمارے غریب الوطن ساتھیوں کی شہادت پر
مسلسل، متواتر اور لگا تار آنسو بہاؤ!

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن بہادروں اور دِلاوروں پر
جنھیں صبح کے وقت چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا گیا۔

ہمارے وہ شہید بھائی:
جس روز بُت پرستوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے،
اُس دن تقدیرِ مبرّم یہی تھی کہ وہ موت کا سامنا کریں گے
لیکن ہمیں اس بات کا سخت صدمہ ہے کہ
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ وفادار، جاں نثار اور اطاعت گزار ساتھی
ایک دھوکا دینے والی قوم کی غداری کی وجہ سے
اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔
اُس بددیانت اور کم ظرف قوم کے افراد
ایک دوسرے سے سازش، مکاری اور
دغابازی کی رسی میں بندھے ہوئے ہیں۔
اس جاں سوز اور دل گداز سانحے کی وجہ سے میں
اس وقت انتہائی دُکھ کی کیفیت میں ہوں کہ آلِ عمرو کا وہ معزز ومحترم،
باوقار، بہادر اور ہم سب کا پیارا دوست منذر رضی اللہ عنہ بن عمرو

بڑے صبر اور استقامت کے ساتھ موت کی آغوش میں چلا گیا۔(1)

صلۂ شہید کیا ہے، تب و تابِ جا ودانہ

جزاکم اللہ خیرًا کثیرا ٥

غلامانِ نبی ممتاز ہیں سارے زمانے میں
مقامِ اُمت سرکارِ والا سب سے اعلیٰ ہے
انھیں حاصل ہوئی ہے خوشنودیٔ پیغمبر آخر
انہی خوش بخت انسانوں سے راضی حق تعالیٰ ہے

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:189/2۔

جنگِ خندق

غزوۂ احزاب کے بعد جزیرۃ العرب میں رزم آرا حق اور باطل کی قوتوں کے درمیان طاقت کا توازن یک سر تبدیل ہو گیا۔ یہی وہ فیصلہ کن جنگ تھی جس کے نتیجے میں اسلام کی برتری اور سربلندی کا آغاز ہوا۔ کفّار کے حوصلے پست ہونے لگے اور ریاستِ مدینہ پر اُن کے حملہ آور ہونے کی صلاحیت میں روز بروز زوال آنا شروع ہو گیا۔ اسلامی تاریخ میں غزوۂ خندق مشکل ترین حالات میں بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پُرعزم قیادت، مہتم بالشان امامت، جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سرفروشانہ عقیدت ومحبت اور ولولہ انگیز جدوجہد کا ایک حیرت انگیز باب ہے۔

یہ غزوہ ماہِ شوال سنہ ۵ ہجری مطابق ۶۲۷ عیسوی میں وقوع پزیر ہوا(1)۔ چوں کہ حملہ آور لشکروں سے بچاؤ اور حفاظت کی خاطر شہر سے باہر خندق کھود دی گئی تھی، اس لیے اسے ''غزوۂ خندق'' کہا جاتا ہے۔(2)

اس جنگ میں قریش، عرب کے تمام نام ور قبائل اور یہودیوں کے متحدہ اور مشترکہ لشکروں نے مدینہ منورہ پر یلغار کر دی تھی، اس نسبت سے اس معرکۂ آرائی کو ''جنگِ احزاب'' بھی کہا جاتا ہے۔(3)

اس کی روداد یہ ہے کہ سردارانِ قریش نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ نظریاتی اختلاف کے علاوہ مسلمانوں نے اُن کی بین الاقوامی تجارت میں زبردست رکاوٹیں حائل کر دی تھیں جس کی وجہ سے اُن کی تمام معاشی اور اقتصادی سرگرمیاں معطل ہو کر رہ گئی تھیں۔ شدید اضطرابی کیفیت کا شکار اسلام کی مخالف قوتیں اس بات سے بھی فکرمند رہتی تھیں کہ جنگِ بدر اور جنگِ اُحد جیسی زبردست کوششوں کے باوجود ہر آنے والے دن کے ساتھ مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

سردارانِ قریش کے لیے یہ واقعہ بھی انتہائی تضحیک اور بدنامی کا باعث بن گیا کیوں کہ اُنھوں نے جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو اگلے سال بدر کے مقام پر ایک اور جنگ کی دعوت دی تھی لیکن پھر خوف زدہ ہو کر قحط سالی کا بہانہ بنایا اور راستے سے واپس لوٹ گئے تھے(4)، لہٰذا اب یہ بات اہلِ مکّہ کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی کہ کوئی قبیلہ یا قوم اکیلے مسلمانوں کو شکست دینے کے قابل نہیں ہے۔ یہی حال بزدل یہودیوں کا بھی تھا۔ اُن میں بھی یہ ہمت اور جرأت نہیں تھی کہ وہ اسلامی لشکر کے ساتھ براہِ راست معرکۂ آرائی کے لیے میدان میں کود پڑیں۔

ان غیر یقینی حالات میں ایک دن بیس با اثر سرداروں، سرکردہ اکابرین اور ممتاز دانش وروں پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی یہودی وفد مسلمانوں سے بدلہ لینے کی مختلف تجاویز کے ساتھ مکّہ پہنچ گیا۔ اکابرینِ قریش نے یہودیوں

1۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 214/2
2۔ سیرت انسائیکلوپیڈیا۔ دارالسلام: 259/7
3۔ فتح الباری: 393/7
4۔ ایضاً

کے اُس نمائندہ وفد کا پُرجوش اور پُرتپاک استقبال کیا۔ وفد میں مسلمانوں کے ہاتھوں مدینہ سے تذلیل وتحقیر کے ساتھ وطن بدر کیے جانے والے بنونضیر کے سردار حیّی بن اخطب، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع، سلام بن ابی الحقیق اور بنو ویل کے ہوذہ بن قیس اور متعصّبانہ نظریات رکھنے والے قبیلے اوس کے عیسائی ابو عامر فاسق اور اُن کے ساتھی شامل تھے۔

وفد نے سردارانِ مکّہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ علیحدہ علیحدہ جنگ کرنے کی بجائے اس بار اہلِ قریش، یہودی اور عرب کے صحرائی قبائل مل کر اس اُبھرتی ہوئی اسلامی ریاستِ مدینہ کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کریں، اس طرح اس جماعت کو طاقت پکڑنے یا غالب آنے سے پہلے ہی نیست ونابود کردیا جائے۔

سردارانِ مکّہ نے حیّی بن اخطب سے دریافت کیا کہ اگرچہ مسلمانوں کے خلاف آپ کے اور ہمارے دُکھ اور مصائب مشترک ہیں لیکن اگر ہم اپنی پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے مدینہ پہنچ جاتے ہیں تو تم لوگ کس حد تک ہمارا ساتھ دو گے؟

حیّی بن اخطب نے سردارانِ قریش کو یقین دلاتے ہوئے کہا:

اہلِ اسلام کے خلاف جنگ میں تمام یہودی قبائل نہ صرف دل و جان سے تمھارا ساتھ دیں گے، بلکہ اس فیصلہ کن جنگ میں تم لوگوں کے شانہ بشانہ اپنی آخری سانس تک لڑیں گے اور اُس وقت تک پیچھے نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اسلام اور اہلِ اسلام کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم نہ ہوجائے۔

قریش کے سینوں میں اہلِ اسلام کے خلاف غیظ وغضب اور بدلے کی آگ تو پہلے ہی سے بھڑک رہی تھی، چناں چہ حالات کو اپنے حق میں اتنا سازگار دیکھ کر اُنھوں نے یہودیوں کے ساتھ مشترکہ جنگ کا معاہدہ کرلیا۔(1)

اتنی بڑی کامیابی کے بعد وہ نجد کے سب سے منظم اور جنگ جُو قبیلے بنوغطفان کے پاس گئے اور خیبر کی کھجوروں کی نصف پیداوار دینے کے وعدے پر انھیں بھی ریاستِ مدینہ کے خلاف آئندہ جنگ میں ساتھ دینے پر رضامند کرلیا۔(2)

جب مذاکرات مکمل ہوگئے تو تمام فریقین نے خانۂ کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اپنے عہد کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> ہم اسلام اور (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف مضبوط اور منظم انداز میں جنگ کا آغاز کریں گے۔ جنگ کے دوران ہم سب یک جان رہیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی مشترکہ لشکر کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے نہیں ہٹے گا اور ہم اس بات کا بھی عہد کرتے ہیں کہ اپنے آخری زندہ رہنے والے آدمی تک اس جنگ کو جاری رکھا جائے گا۔(3)

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 442/2۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 214/2

2۔ کتاب المغازی للواقدی: 443/2 3۔ ایضاً

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کا حلیف قبیلہ بنوخزاعہ، مکّہ کی تبدیل ہوتی ہوئی صورتِ حال کا مشاہدہ بڑے قریب سے کر رہے تھے۔ تمام معاملات طے پانے اور عہد و پیمان کرنے کے بعد جب ان فتنہ پردازوں نے مدینہ پر مشترکہ لشکر کے ساتھ حملہ کرنے کی تاریخ بھی مقرر کر لی تو بنوخزاعہ کے کچھ ذمّہ دار لوگ بڑی تیزی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس اہم خبر سے آگاہ کیا۔

مشاورت

اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بنوخزاعہ کی جانب سے بھیجی گئی اس مصدقہ خبر کے پہنچنے کے بعد کہ کثیر تعداد میں دشمنوں کی مسلح افواج پختہ عزم اور پکے ارادے کے ساتھ مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کرنے کی نیت سے جلد پہنچنے والی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنے والے مشکل حالات اور سخت آزمائش کی پیش بندی، جنگی تدبیر اور دفاعی حکمتِ عملی کو ترتیب دینے کے لیے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجلاس طلب فرمالیا۔

اراکینِ مجلس مشاورت کی طرف سے پیش کی گئیں ان مختلف تجاویز پر غور ہوا کہ:

یہ جنگ، اُحد کے میدان میں لڑی جائے یا شہر میں قلعہ بند ہو کر دفاعی جنگ کی جائے؟

سیّدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز خدمتِ اقدس میں پیش کی:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔

ہم اپنے شہر کا دفاع اِس طرح کرتے تھے کہ جب کبھی دشمن بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے تو ہم اپنی حفاظت کے لیے دشمنوں کی فوج کے آنے سے پہلے ہی شہر کے گرد خندق کھود لیتے تھے، تاکہ انھیں کسی طرف سے بھی شہر میں داخل ہونے کا موقع نہ مل سکے۔

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

چوں کہ اِس وقت ہمارے جاں بازوں کی تعداد آنے والے حملہ آوروں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے، میں نہایت ادب کے ساتھ خدمتِ اقدس میں یہ تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں کہ کھلے میدان میں آمنے سامنے مقابلہ کرنے کی بجائے مشترکہ لشکروں کے راستے میں خندق کھود کر انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا جائے۔

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

مدینہ منورہ تین اطراف سے اپنے بلند و بالا پہاڑوں، سنگلاخ چٹانوں، نوکیلے پتھروں، کھجور کے گھنے درختوں، دیوار کی طرح بنے ہوئے گھروں اور دشوار گزار تنگ گلیوں کی وجہ سے تقریباً ایک محفوظ شہر ہے۔ ان اطراف سے کسی لشکر کا آگے بڑھ کر حملہ کرنا ایک مشکل ترین امر ہے لیکن

ہمارے شہر کا شمال کا حصہ کھلا ہے، وہیں سے دشمنوں کو دراندازی کا موقع مل سکتا ہے، لہٰذا شہر کو محفوظ بنانے کے لیے شمال کی جانب ایک گہری خندق کھود لی جائے۔

کثیر تعداد میں دشمنوں کے لشکروں کی آمد کی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے اس مناسب اور صائب مشورہ پر عمل کرنے کا ارادہ فرمالیا، چناں چہ نقشہ بنانے اور نیم دائرے کی شکل میں خندق کی حدود متعین فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر خود اپنے مبارک ہاتھوں سے خندق کھودنے کے عمل کا آغاز فرمایا تو مدینہ کے امیر، غریب، بچے اور بوڑھے سب اُسے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے، پورے ذوق وشوق اور جوش وجذبے کے ساتھ آگے بڑھے اور کھدائی کے اس عظیم عمل میں دل وجان سے مصروف ہوگئے (1)۔ جاں نثاروں کے جذبے کا یہ عالم تھا کہ نہ کسی نے دن کو چھٹی کی اور نہ کوئی رات کو آرام کے لیے اپنے گھر گیا۔(2)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنفسِ نفیس کھدائی کے عمل میں شریک ہوتے اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مٹی اور پتھر ڈھونے میں برابر حصہ لیتے۔

حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ:

خندق کھودنے اور سر پر مٹی اُٹھانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک کے گھنے بال مٹی سے اَٹ گئے تھے (3)۔ کھدائی کے دوران اگر کوئی بھاری پتھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ ٹوٹتا تو اُسے توڑنے کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی آہنی ضرب سے اُسے ریزہ ریزہ کر دیتے۔

مشکلات

خندق کی کھدائی کے دوران سرفروشانِ اسلام کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر مرحلے پر وسائل کی شدید کمی اور تنگ دستی رکاوٹ بن جاتی تھی۔ تین تین دن کا فاقہ، بدن پر ناکافی لباس، منافقوں کی فتنہ پردازی اور پھر ہر آن حملہ آور لشکروں کی آمد کا خدشہ، یہ اور اِن جیسی بے شمار مشکلات تھیں جن سے اہلِ اسلام اُس وقت گزر رہے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

ایک دن صبح سویرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کی طرف تشریف لائے۔
اُس وقت سخت سرد اور یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔
اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھوک، پیاس اور

1۔ فتح الباری: 393/7　　2۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 216/2

3۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث: 4106۔

تھکاوٹ کا سامنا تھا، اُن کے ہاتھوں میں آبلے پڑ چکے تھے
لیکن انتہائی ناسازگار اور غیر متوازن حالات کے باوجود حرفِ شکایت
کسی کی زبان پر نہ تھا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو کسمپرسی کے حالات میں بھی پوری جاں فشانی و تن دہی سے کام کرتے دیکھ کر فرمایا:

اللھم ان العیش عیش الاخرہ
فاغفر للمھاجرین و الانصار

اے میرے پروردگار!
اس دنیا کی کوئی راحت ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے لیکن جنت کی تمام آسائشیں دائم رہنے والی ہیں۔
اے اللہ! تو آخرت کی زندگی میں کامیابی کے لیے مہاجرین اور انصار کی بخشش فرما دے (آمین)۔

کھدائی کے عمل میں محو جاں نثاروں نے اپنی تمام تکالیف کو بھول کر اپنے حق میں کی گئی آقا علیہ السلام کی دُعاؤں کے جواب میں بڑے والہانہ انداز میں عرض کیا:

نحن الذین بایعوا محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
علی الجھاد ما بقینا ابدا

ہم تو اطاعت شعار، خدمت گزار اور بندۂ بے دام غلام ہیں
اور ہم نے تا زیست رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت ہاتھوں پر
اطاعتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اسلام کی سربلندی اور کافروں کے خلاف
جہاد کرنے اور ثابت قدم رہنے کی بیعت کر رکھی ہے۔(1)

اپنے کام پر سب سے زیادہ توجہ فرمانے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصائب و آلام میں گھرے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ و ہمت بڑھانے اور اُن کے ولولے و شوق کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مل کر عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کے رجزیہ اشعار بڑے خوش گوار، شیریں اور دل پسند اسلوب میں پڑھتے تھے۔

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

1۔صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر ۔رقم الحدیث:2834

انّ الالی قد بغوا علینا

اذا ارادُوا فتنۃ ابینا

اللہ ربُ العزت کی قسم!

اگر اللہ کا کرم اور مہربانی نہ ہوتی

تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے،

نہ ہم صدقہ وخیرات کرتے، نہ نمازیں پڑھتے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں پر تسلی، سکون اور اطمینان نازل فرما!

اور دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت ہمیں استقلال اور استقامت عطا فرما!

بلاشبہ کفار ہمارے خلاف لوگوں کو اشتعال دلاتے ہیں

اور ہماری ہلاکت اور بربادی چاہتے ہیں۔

اِنھی ہنگامہ پرور اور شرارت پسند لوگوں نے ہم پر چڑھائی کردی ہے

لیکن اگر یہ توحید و رسالت کے منکر فتنہ وفساد پھیلانے کا ارادہ رکھتے ہیں

تو پھر ہمارا بھی عزم ہے کہ ہم ہرگز ان لوگوں کے آگے سر کو نہ جھکائیں گے۔(1)

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک نیک طبیعت اور جفاکش صحابی جعیل رضی اللہ عنہ کے پہلے نام کو تبدیل کر کے عَمرو رضی اللہ عنہ رکھ دیا تھا۔ وہ بڑی جاں داری اور تیز رفتاری کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ ساتھیوں نے اُن کی محنت کے انداز کو دیکھ کر یہ رجزیہ شعر پڑھنا شروع کردیا:

جعیل رضی اللہ عنہ کا نام تبدیل کر کے رکھا گیا عَمرو رضی اللہ عنہ

دل لگا کر کام کرنے والوں کی مثال بن گیا عَمرو رضی اللہ عنہ

ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعر پڑھنے والوں کا ساتھ دیتے۔

جب اُن کے دوست بلند آواز میں 'عَمرو رضی اللہ عنہ' کہتے

تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بلند آواز میں اُن کا ساتھ دیتے

اور جب اُن کے ساتھی آہستہ آواز میں 'عَمرو رضی اللہ عنہ' کہتے

تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی آواز آہستہ رکھتے۔(2)

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود

بے تکلف مَلاحت پہ لاکھوں سلام

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4104 2۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:217/2

سرمایۂ جاں شئہ ابرار کی باتیں
کس درجہ سکوں دیتی ہیں سرکار کی باتیں

جی چاہے کہ ہر آن سنوں ذکرِ پیغمبر
ہوتی رہیں کونین کے سردار کی باتیں

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل قیادت اور شان دار حکمتِ عملی کا اعجاز تھا کہ نہایت دِقت طلب اور دشوار حالات میں بھی صرف چھے دنوں میں تین ہزار جاں بازوں نے کئی فرسنگ طویل خندق کھودنے کے عمل کو نہایت احسن انداز سے مکمل کر کے اسلامی ریاست کے دارلحکومت مدینہ منورہ کے تحفظ اور سلامتی کو ہر لحاظ سے یقینی بنا دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشترکہ لشکروں کی آمد سے پہلے ہی اپنے دلیر اور دِلاور سرفروشوں کو مختلف مقامات پر تعینات کر کے حفاظتی انتظامات کے آخری مرحلے کو بھی مکمل فرمالیا۔

مشترکہ لشکروں کی مدینہ آمد

جنگ سے پہلے ہی فتح کے خواب دیکھتے ہوئے سردار ابوسفیان نے اپنے لشکروں کے ساتھ مدینہ پہنچ کر جبلِ احد کے مغربی حصے کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ نجد کی طرف سے آنے والے بنوغطفان اور ان کے ساتھی کنانہ اور تہامہ سے آئے ہوئے قبائل نے میدانِ احد کے پہلو میں وادی کے آخری حصے کو اپنی قیام گاہ بنالیا اور یہودی اپنے سپہ سالار حیّی بن اخطب کی قیادت میں بحیرہ کے مغرب میں خیمہ زن ہو گئے۔

متحدہ کے لشکروں میں شامل (10)12 ہزار جنگ جُو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر بڑے کرّ وفر سے اور غرور و تکبر کا اظہار کرتے ہوئے اس ارادے کے ساتھ مدینہ پہنچے تھے کہ اس بار تو مدینہ کی ریاست کو نیست و نابود اور اسلام کی شمع کو گل کر کے ہی لوٹیں گے۔ متحدہ لشکروں کے سپہ سالار سردار ابوسفیان اپنے ساتھ مختلف سرداروں اور شہسواروں کو لے کر میدانِ جنگ کا جائزہ لینے کے لیے جب آگے بڑھے تو وہ لوگ اپنے سامنے ایک لمبی چوڑی اور گہری خندق دیکھ کر حیرت واستعجاب کی تصویر بن کر رہ گئے۔

اہلِ مکّہ تو اس نئی اور غیر معروف دفاعی حکمتِ عملی اور عجمی طریقۂ جنگ سے بالکل نا آشنا تھے، تاہم اگلے دن ان کے لشکروں میں سے کچھ شہسواروں نے خندق پار کرنے کی کوشش کی تو بارش کی طرح برستے ہوئے تیروں نے اُن کی آگے بڑھنے کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ یہ دیکھ کر مشترکہ لشکروں کے سالارِ اعظم سردار ابوسفیان کو اپنی مسلح

افواج کی برتر حیثیت بے معنی نظر آنے لگی اور وہ بے اختیار کہہ اٹھا:

اہلِ عرب تو اس قسم کے جنگی منصوبے نہیں بناتے۔(1)

حملہ آور افواج میں شامل مختلف قبیلوں کے سپہ سالاروں نے طویل بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ صبح اپنی کُل طاقت کے ساتھ خندق پر یلغار کی جائے گی اور پھر چاہے کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے، اپنی فوجوں کو خندق کے اُس پار پہنچا دیا جائے گا، چناں چہ اگلے دن طے شدہ حکمتِ عملی کے تحت مشترکہ لشکر مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لیے آگے بڑھا تو مجاہدینِ اسلام نے تیروں اور پتھروں کی بارش کر کے اُن کے آگے بڑھنے والے فوجی دستوں کو پیچھے دھکیل دیا۔اس طرح خندق کے کسی بھی حصہ پر قبضہ کرنے کی دشمنوں کی حکمتِ عملی مکمل طور پر ناکام ہوگئی۔(2)

اگلے دن ایک ہزار جنگ جوؤں کو شکست دینے کا دعویٰ کرنے والا عرب کا مشہور شہسوار عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن خطاب اپنے گھوڑوں کو تیز رفتاری سے دوڑاتے ہوئے بالآخر خندق پار کر کے اُس کی دوسری طرف پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

مکّہ کے ان بہادروں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکرِ اسلام کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور ساتھی آگے بڑھے۔

عمرو بن عبدود نے اپنی گرج دار آواز میں للکارا:

کون ہے جو میرے مقابلے میں آنے کی جرأت کرتا ہے؟

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ:

میں اس بت پرست کا سامنا کروں گا۔

تاجدارِ کائنات ﷺ نے اپنی تلوار ''الذوالفقار'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔جواں سال اور بلند ہمت، دلیری اور شجاعت کے پیکر سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لہراتے ہوئے مقابلے کے لیے اس کے قریب پہنچ گئے۔

عمرو بن عبدود نے اُن کو دیکھ کر کہا:

اے علی! تم میرے بزرگ سردار ابوطالب کے بیٹے ہو اور میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا۔

جواب میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لیکن میں تو اپنی ''الذوالفقار'' سے تمھارا سر قلم کرنا چاہتا ہوں۔

ستم گر عمرو بن عبدود نے جب یہ الفاظ سنے تو سخت اشتعال میں آگیا، تیزی کے ساتھ گھوڑے سے اُترا اور

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:224/2
2۔مرویات غزوہ خندق،ص:24-323

گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور پھر دونوں بہادروں کے درمیان دوبدو جنگ شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر تک مقابلہ جاری رہا۔ پھر جلد ہی شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی جنگی استعداد کا کمال مظاہرہ کرتے ہوئے عمرو بن عبدود کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ضرار کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے لیکن وہ بھاگ کھڑا ہوا اور عکرمہ بن ابوجہل بھاگتے وقت اتنا بدحواس تھا کہ اپنا نیزہ بھی وہیں چھوڑ گیا۔

کافروں کے بڑے سورما عمرو بن عبدود کے کیفرِ کردار تک پہنچ جانے اور باقی نام نہاد بہادروں کے میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ جانے سے لشکرِ اسلامی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور سب نے پورے جوش وجذبے کے ساتھ 'اللہ اکبر' کا نعرہ بلند کیا۔ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نیزہ پھینک کر بھاگ جانے کے منظر پر قریش کے مشہور شہسوار عکرمہ بن ابوجہل کے لیے یہ شعر کہے:

اے عکرمہ! تم تو بہادروں کے بہادر تھے۔
کیا ہوا کہ میدان چھوڑتے وقت اپنا نیزہ بھی یہیں پھینک گئے ہو۔
اس سے پہلے تم میدانِ کارزار سے کبھی اس طرح جان بچا کر نہیں بھاگے ہوگے۔
عمرو بن عبدود کے قتل کا ہولناک منظر دیکھنے کے بعد تم اتنے دہشت
زدہ تھے کہ بھاگتے وقت دائیں بائیں یا پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔
حقیقت یہ ہے کہ اُس دن تم نے پوری تیز رفتاری کے ساتھ فرار ہو جانے میں
ہی اپنی عافیت سمجھی۔
اے عکرمہ! جس طرح تو نے بزدلی دکھائی ہے، کوئی جنگ جُو کبھی میدانِ کارزار سے
اس طرح مقابلہ چھوڑ کر نہیں بھاگتا۔(1)

لشکرِ کفار کا ایک اور شہسوار نوفل بن عبداللہ خندق عبور کرنے کے ارادے سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا لیکن ناکام رہا اور اپنے گھوڑے سمیت گردن کے بل خندق میں گر گیا تو لشکرِ اسلام کے سپاہی اُسے جہنم رسید کرنے کے لیے خندق میں اُتر گئے۔ ابوسفیان نے اپنی فوج کے اس اہم رُکن کی لاش حاصل کرنے کے لیے بارہ ہزار درہم دیت کی پیش کش کی لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہم مُردوں کی قیمت وصول نہیں کرتے۔
تم لوگ یہ ناپاک لاش کسی دیت کے بغیر ہی لے جاؤ!(2)

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:226/2
2۔السیرۃ النبوۃ لابن کثیر:205/3۔ دلائل النبوۃ للبیھقی:437/3

مشکل ترین لمحات

رات کو مشترکہ لشکر کے سپہ سالاروں کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کل اپنے سارے وسائل استعمال کرتے ہوئے پوری طاقت کے ساتھ خندق عبور کرنے کی کوشش کی جائے گی، چناں چہ اگلے روز صبح سویرے (دس) بارہ ہزار سے زائد مسلح لڑاکا فوجیوں نے خندق پر قبضہ کے لیے شدید ترین حملے کرنے شروع کردیئے۔ وہ اسلامی لشکر پر تیروں اور پتھّروں کی بارش برسا رہے تھے، تاکہ اُن کے گھڑسوار فوجیوں کے دستے کسی جگہ سے خندق کو عبور کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔

کافروں کے لشکرِ جرار کے مقابلے میں اسلامی لشکر میں شامل مجاہدین کی تعداد تو بہت ہی کم تھی۔ ادھر اپنی طے شدہ حکمتِ عملی کے تحت مشترکہ افواج کے تازہ دم لڑاکا دستے بغیر کسی وقفے کے باری باری اور تسلسل کے ساتھ سارا دن حملے کرتے رہے لیکن جب مشترکہ لشکروں کا حملہ خندق کے کسی خاص حصّہ پر شدّت اختیار کرجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثاروں کی حوصلہ افزائی کے لیے بہ نفسِ نفیس وہاں تشریف لے جاتے۔

ایک دن صبح سے لے کر رات گئے تک دشمنوں کی طرف سے پیہم اور پے درپے کیے جانے والے تندوتیز حملوں کی وجہ سے مجاہدینِ اسلام ایک لمحے کے لیے بھی خندق کے مقام سے پیچھے نہ ہٹ سکے، حتیٰ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دن بھر کی مسلسل اور متواتر ہونے والی معرکہ آرائی کی وجہ سے کوئی وقفہ میسر نہ آسکا کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں وقت پر ادا کی جاسکیں، جب کہ دوسری طرف سارے دن کی شدید جدوجہد، بہترین حکمتِ عملی، زبردست افرادی طاقت، دلیری اور دِلاوری کے باوجود کفارِ مکّہ اور اُن کے حلیف قبائل کسی ایک جگہ سے بھی خندق کو عبور کرنے اور مدینہ پر قبضہ کرنے کے منصوبے میں کامیابی حاصل نہ کرسکے اور اُن کے تمام بڑے بڑے لشکر بری طرح پسپا ہوتے رہے۔(1)

رات گئے جب تھوڑی مہلت میسر آئی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دی جائے۔ لشکرِ اسلام میں شامل مجاہدین نے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں بڑے اہتمام اور حسن وخوبی کے ساتھ پہلے ظہر، پھر عصر اور مغرب کی قضا نمازیں باجماعت ادا فرمائیں۔(2)

نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی:

اے پاک پروردگار! اے کتاب نازل فرمانے والے!
اے جلد حساب لینے والے! اے دُعاؤں کے قبول فرمانے والے!
کافروں کی فوجوں اور لشکروں کو شکست دے! اُن کو مکمل ناکامی سے دوچار فرما!
اور ہمیں اُن پر فتح اور نصرت عطا فرما!

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 472/2
2۔ سنن ترمذی۔ ابواب الصلاۃ۔ رقم الحدیث: 179

بنوقریظہ کی غداری

سردارانِ مکّہ کو اب تک اپنے مشترکہ لشکروں کے ساتھ کیے گئے شدید ترین حملوں اور تمام تر جنگی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود مایوسی اور نامرادی سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ سردار ابوسفیان نے اندازہ لگا لیا کہ بنوقریظہ کے تعاون کے بغیر یہ جنگ نہیں جیتی جاسکتی۔

نئے منصوبے پر عمل درآمد کرنے کے لیے سردار ابوسفیان نے حیّی بن اخطب کو مذاکرات کی خواہش کے ساتھ یہودیوں کے مال دار قبیلے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس بھیجا۔ پہلے تو قلعہ بند سردار کعب نے دروازہ کھولنے اور ملاقات کرنے سے ہی انکار کر دیا لیکن حیّی بن اخطب نے زبردست کوشش اور پیہم تقاضا کر کے سردار کعب بن اسد کو بڑے ڈھنگ سے اپنی باتوں کے جال میں پھنسایا اور پھر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شامل ہونے اور مشترکہ لشکروں کا ساتھ دینے پر یہ کہہ کر آمادہ کر لیا کہ اگر تم لوگوں نے یہ سنہری موقع ہاتھ سے نکل جانے دیا تو پھر عمر بھر پچھتاؤ گے، چناں چہ حیّی بن اخطب کے ساتھ قول و قرار کے بعد بنوقریظہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے پہلے سے طے شدہ اور امن کی ضمانت کے حامل تمام معاہدوں کو توڑ کر ہر قسم کے عہد و پیمان سے دست بردار ہونے کا اعلان کر دیا۔ سردارانِ مکّہ، حیّی بن اخطب اور سردار کعب کے درمیان نئی جنگی حکمتِ عملی کو اس طرح ترتیب دیا گیا کہ مشترکہ لشکروں کے ایک ہزار فوجی رات کے پچھلے پہر بنوقریظہ کے ایک ہزار فوجیوں سے جا ملیں گے اور صبح ہونے سے پہلے ہی یہ دو ہزار لڑاکا سپاہی عقب سے شہر پر یلغار کر دیں گے اور عین اُس وقت سردار ابوسفیان اپنی پوری طاقت کے ساتھ سامنے سے حملہ آور ہوں گے۔

ایسے نازک وقت میں جب کہ اسلام کے دشمنوں کی مسلح افواج نے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے ارادے سے مدینہ پر چڑھائی کر رکھی تھی بنوقریظہ کی غداری اور متحدہ لشکروں کے ساتھ مل کر اُن کے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ، سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو خبر کی تصدیق کے لیے بنوقریظہ کی طرف روانہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید فرمائی کہ اگر اس خبر میں کوئی صداقت ہوئی تو واپسی پر کسی کے سامنے اُن کی غداری اور عہد شکنی کا ذکر کرنے کی بجائے رازداری کے ساتھ صرف مجھے بتا دیا جائے، تاکہ لشکرِ اسلامی میں کسی قسم کی مایوسی اور نااُمیدی نہ پھیلے۔

معزز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل یہ وفد بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس پہنچا تو وہاں کا ماحول اور رنگ ڈھنگ ہی بدلا ہوا تھا۔ امن معاہدوں کو توڑنے کی جو خبریں اب تک مجاہدینِ اسلام تک پہنچی تھیں، صورتِ حال تو اس سے بھی زیادہ پریشان کن تھی۔ وہ لوگ پوری طرح شرارت اور شرانگیزی پر کمربستہ ہو چکے تھے۔ وہ لوگ میثاقِ مدینہ کے عہد سے پیچھے ہٹنے، مسلمانوں کے خلاف سازش میں شریک ہونے اور بے وفائی کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ جب دونوں فریقین کے درمیان گفت گو کا آغاز ہوا تو اچھے ماحول میں بات چیت کرنے کی بجائے بنوقریظہ

کے سرداراور اُن کے بداطوار حواری بدکلامی اور بدتمیزی پر اتر آئے۔ اُن لوگوں نے نہایت ناشائستہ لہجے اور اہانت آمیز انداز میں یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ہونے والے کسی بھی امن معاہدے کو ہم ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

دونوں طرف سے تُند و تیز اور تلخ جملوں کا تبادلہ ہوا، قریب تھا کہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی۔ وفد کے معزز ارکان جب یہودیوں کی بے وفائی اور برے رویّے سے افسردہ اور رنجیدہ ہوکر واپس پہنچے تو اُس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام عرض کرنے اور دن بھر کی کارکردگی پیش کرنے کے لیے حاضر تھی، چناں چہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے بنوقریظہ کی عہد شکنی، قریش کے ساتھ ساز باز اور ریاستِ مدینہ کے ساتھ اپنے حلیفانہ معاہدوں سے منکر ہوجانے کی خبر کو نہایت احتیاط کے ساتھ پہنچانے کے لیے صرف عضل اور قارہ کے الفاظ ادا کیے۔ اس افسوس ناک خبر کی تصدیق ہوجانے کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بس اتنا فرمایا:

اللہ اکبر! حسبنا اللہ و نعم الوکیل

ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

گو کہ اسلامی وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہایت احتیاط کے ساتھ صورتِ حال سے آگاہ کیا لیکن یہ تشویش ناک خبر چھپ نہ سکی اور جلد ہی عام مسلمانوں کو بھی بنوقریظہ کی غداری کا علم ہوگیا۔ اس نئی مصیبت کی سنگینی کے احساس سے لشکرِ اسلام میں کسی قدر سراسیمگی اور تشویش پھیل گئی۔ کئی ساتھیوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر بنوقریظہ نے کفار کو عقب سے شہر میں داخل ہونے کا راستہ دے دیا تو پھر ہم لوگ ہر طرف سے گھیرے میں آجائیں گے۔ ہمارے اہل وعیال، مال ومنال اور گھر بالکل غیر محفوظ ہوجائیں گے۔

اس طرح لشکرِ اسلام میں شامل ہر فوجی کو اس بات کا ادراک ہوگیا کہ صورتِ حال انتہائی سنگین ہے۔ مشترکہ لشکروں کے لڑاکا سپاہی اور بنوقریظہ کے فوجی سامنے سے اور عقب سے حملہ آور ہوسکتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں مسلمانوں کو ایک اللہ کے سہارے کے سوا اَب اور کوئی تدبیر نظر نہیں آرہی تھی۔

اللہ ذوالجلال والاکرام نے قرآنِ حکیم میں بنوقریظہ کی غداری، مشرکین کے مشترکہ لشکروں کی یلغار اور اسلامی لشکر میں پیدا ہونے والی تشویش اور بے چینی کی حالت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

اُس دن کو یاد کرو جب دشمنوں نے تم پر ہر طرف سے یلغار کردی،
جب وہ تم پر اُوپر کی جانب سے اور نیچے کی طرف سے چڑھ آئے،
جب خوف کے مارے تمھاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے،
اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے

کہ دیکھیں آج خدا کیا کرتا ہے۔یہیں پر ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے۔(1)

یقین

محاذِ جنگ پر دن بھر شدید لڑائی ہوتی رہی۔ دشمنوں کی جانب سے بار بار حملوں کے باوجود مسلمانوں نے انھیں خندق عبور نہ کرنے دی۔رات شدید سرد تھی لیکن مجاہدین خندق کے ہر حصے پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں کی غداری، مشرکین کے ارادوں اور آئندہ کے منصوبوں کے بارے میں غور فرما رہے تھے۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مسلمانوں کی تکالیف، ابتلا اور آزمائش میں جب مزید سختی آنے لگی تو کئی بدبخت منافقین نے مسلمانوں کی ہمت شکنی کے لیے مایوسی پھیلانا شروع کر دی کہ اسلام کا وقار ختم ہونے والا ہے۔کئی منافقین نے بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عذر کیا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ اور کھلے پڑے ہیں، لہٰذا ہمیں شہر میں جانے کی اجازت دی جائے۔(2)

کئی چھوٹے دل کے لوگ تو میدانِ جنگ سے بلا اجازت غائب ہو گئے لیکن جو اللہ کے نیک بندے تھے، انھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سخت اوقات اور تلخ لمحات میں بھی استقامت عطا فرمائی اور وہ پورے حوصلے، جواں مردی، غیر متزلزل ایمان اور صبر کے ساتھ اطاعتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دل وجان سے ثابت قدم رہے۔اس لیے کہ ان کے درمیان اللہ کے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،سکون واطمینان کا سرچشمہ اور ایک قابلِ تقلید نمونہ موجود تھے۔شدید ترین حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے استقلال،صبر، پختہ عزم، اللہ پر کامل یقین اور اس کے فضل و کرم پر پورا بھروسا کرتے ہوئے قیادت کا حق ادا فرما رہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی دل شکستگی دور کرنے اور اُن کی ہمت بڑھانے کے لیے لشکرِ اسلام سے فوری طور پر خطاب فرمایا:

اے مسلمانو! تمھارا پروردگار بڑی عظیم طاقتوں کا مالک ہے
اور وہ اپنی طاقت کا کرشمہ ضرور دکھائے گا۔
اس وقت ہمیں جن سخت حالات کا سامنا ہے وہ ختم ہو جائیں گے۔
قریش کو یہودیوں کے تعاون پر بھروسہ ہے، جب کہ مجھے اپنے اللہ پر یقین ہے۔
بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ تنگی سے کشادگی کی جانب کوئی راستہ نکالے گا۔
اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ اور اطمینان رکھو!
ان شاء اللہ! جلد ہی اللہ کی نصرت اور مدد تمھارے ساتھ ہوگی
اور ہم کعبہ شریف کا طواف امن کے ساتھ کریں گے۔

1۔السیرۃ النبوۃ لابن کثیر:200/3 2۔الاحزاب 13:33

سفارت کاری کا محاذ

اللہ کے حبیب رؤوف و رحیم رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسے ہی اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو اِسی اثنا میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انتہائی دانش مند، ماہر سفارت کار اور بنوغطفان کے ایک رئیس نعیم بن مسعود، لشکرِ احزاب سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کی غرض سے آئے اور اجازت کے طلب گار ہوئے۔ وقتِ ملاقات نعیم بن مسعود نے اپنے دل کی کیفیت کے تبدیل ہونے کا احوال بتاتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میرا دل نورِ ایمان سے منور ہو چکا ہے۔
آج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہوں
لیکن ابھی تک میری قوم کے کسی فرد کو میرے اسلام میں داخل ہونے کا علم نہیں ہے۔
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
میری مودبانہ گزارش ہے کہ مشترکہ لشکروں کا محاصرہ ختم کرنے اور امن کے حصول کے
لیے مجھے کوئی تدبیر اختیار کرنے اور کوئی حکمتِ عملی اپنانے کی اجازت عطا فرمائی جائے،
تا کہ میں بے وفا اور وعدہ خلاف بنوقریظہ اور فتنہ پرداز سردارانِ قریش کو سیاسی اور سفارت
کاری کے محاذ پر شکست دے سکوں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب نعیم بن مسعود کو غدار بنوقریظہ اور حملہ آور دشمنوں کے خلاف سیاسی حکمتِ عملی اور حسنِ تدبیر سے کام لینے کی اجازت مرحمت کرتے ہوئے فرمایا:

اے نعیم! جنگ تو حیلہ سازی، حکمتِ عملی اور منصوبہ بندی کا نام ہے۔
تم سے جہاں تک ہو سکے، ان ستم گروں کے حوصلوں کو پست کر دو!

چناں چہ اجازت ملنے کے بعد نعیم بن مسعود سیدھے بنوقریظہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا:

تم لوگوں نے مشترکہ لشکروں کا ساتھ دینے کا جو وعدہ کر لیا ہے، وہ بالکل غلط ہے۔

پھر اُن کو مشورہ دیتے ہوئے کہا:

اے بنوقریظہ! میرا تم لوگوں کے ساتھ بھائی بندی اور دوستی کا پرانا تعلّق ہے
اور میں ہمیشہ سے تم لوگوں کی بہتری اور بھلائی کا خواہش مند رہا ہوں۔
لہٰذا اس بات کو یاد رکھو! مدینہ حملہ آوروں کا وطن نہیں ہے۔ یہ تم لوگوں کا شہر ہے۔
تمھارا گھر، کاروبار، مال و منال، جائیداد اور آل اولاد سب کچھ یہیں پر ہے۔
اگر مشترکہ لشکروں کو فتح نظر نہ آئی یا اُن کو کسی پیچیدہ مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا
تو اُن کی افواج تو فوراً واپس چلی جائیں گی،

پھر اُس وقت تم لوگ تنہا لشکرِ اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔
یاد رکھنا، سردارانِ قریش پکے بے وفا اور مطلب پرست لوگ ہیں۔
اس لیے میرا مشورہ ہے کہ
اُن کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف اُس وقت تک جنگ نہ کرنا،
جب تک کہ تم اُن کے چند معززین کو بطورِ ضمانت اپنی حفاظت میں نہ لے لو،
تا کہ وہ لوگ تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ کر واپس نہ جا سکیں۔

بنو قریظہ نے نامکمل جنگ کے ہول ناک نتائج سے بچنے کے لیے سردار نعیم بن مسعود کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے کہا:

آپ نے ہمیں بڑا مفید مشورہ دیا ہے۔ یہ بہترین تجویز اور نہایت عمدہ نصیحت ہے۔
آپ نے ہمارے مفاد کا خیال رکھا، ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔
ہم آپ کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے یقیناً مکمل احتیاط سے کام لیں گے۔

اس کے بعد سردار نعیم بن مسعود اکابرینِ قریش کے پاس گئے اور کہا:

میں تم لوگوں کے پاس بڑے راز کی خبر لے کر آیا ہوں
اور وہ یہ کہ بنو قریظہ نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کا جو وعدہ آپ سے کیا تھا،
وہ اُس وعدے کو کبھی پورا نہیں کریں گے۔
وہ تو ہمیشہ سے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کے سچے دوست اور وفادار حلیف ہیں۔
دیکھ لینا، آپ لوگ جب بھی بنو قریظہ کو جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دیں گے
تو وہ آپ لوگوں کو دھوکا دینے، الجھانے اور وقت ضائع کرنے کے لیے ناقابلِ قبول
مطالبات پیش کر دیں گے۔
میرا مشورہ ہے کہ یہودیوں کے فریب میں ہرگز نہ آنا اور اس صورتِ حال میں محتاط رہنا،
نہیں تو ناقابلِ تلافی نقصان اُٹھاؤ گے۔

چناں چہ جب حملہ آور فوجوں کے سپہ سالار ابوسفیان نے معاہدہ کے مطابق بنو قریظہ کو مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے کہا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے اُس وقت تک جنگ میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا، جب تک وہ اپنے کچھ اکابرین کو بطورِ ضمانت اُن کے پاس نہ بھیج دیں۔ سردار کعب بن اسد کی طرف سے پیش کی گئی اس شرط پر سردارانِ مکّہ کو یقین ہو گیا کہ نعیم بن مسعود کی خبر حقیقت پر مبنی تھی کہ فریب کار یہودیوں کے دل میں کھوٹ ہے اور یہ ناقابلِ اعتبار لوگ ہیں۔

جناب نعیم بن مسعود ایک ماہر سفارت کار کی طرح اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بروئے کار رلاتے ہوئے قریشِ مکّہ اور بنوقریظہ کے درمیان انتشار و افتراق اور دُوریاں پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔فریقین نے ایک دُوسرے کا اعتماد کھو دیا، بالآخر بات اتنی بڑھی کہ دونوں فریقین نے آئندہ کے لیے کسی بھی قسم کے باہمی تعاون سے انکار کر دیا اور یوں دشمنوں کا مسلمانوں پر سامنے اور عقب سے ایک ہی وقت میں حملہ آور ہونے کا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو گیا۔(1)

آخری حملے کی تیاریاں

بنوقریظہ کی عہد شکنی اور عدمِ تعاون سے سردارانِ قریش کو بڑا دھچکا لگا۔اس کے ساتھ دشمنوں کی مشترکہ لشکر گاہ میں روز بروز مسائل بڑھنے لگے، چناں چہ ابوسفیان نے تمام معاملات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اعلان کر دیا کہ کل صبح ہم (دس) بارہ ہزار جنگ جوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کا آغاز کریں گے اور فتح حاصل ہونے تک اس جنگ کو ختم نہیں کیا جائے گا۔اس اعلان کے ساتھ ہی مشترکہ لشکر کے سالاروں نے مسلمانوں کے محاذ پر یلغار کرنے کی بھرپور تیاریاں شروع کر دیں۔

دشمن کی ناکامی

جب یہ خبر لشکرِ اسلام میں پہنچی کہ سارے عرب کے مشترکہ لشکروں نے کل صبح پوری طاقت کے ساتھ خندق پر چڑھائی کرنی ہے تو رسالت مآب صلى الله عليه وآله وسلم نے پہلے تو تمام دفاعی انتظامات کا جائزہ فرمایا، پھر اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کے لیے سجدہ ریز ہو گئے:

اے پروردگار!
اے کتاب کے نازل فرمانے والے!
اے بادلوں کو چلانے والے!
احزاب کے لشکروں کے ارادوں کو متزلزل فرما دے!
وہ جنگ کے وقت ثابت قدم نہ رہ سکیں!
اے اللہ! ان حملہ آور فوجوں کو شکست دے!
اور ہمیں ان پر فتح اور نصرت عطا فرما! (آمین) (2)

حضور نبی کریم صلى الله عليه وآله وسلم کی دُعاؤں کو اللہ ذُوالجلال والاکرام نے شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔آناً فاناً یخ بستہ اور تُند و تیز برفیلی ہواؤں کے تیز جھکڑ چلنے لگے۔کسی وقفے کے بغیر برسنے والی تباہ کن بارش سے متحدہ افواج کی

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:2/31-229
2۔صحیح بخاری۔کتاب الجہاد والسیر۔رقم الحدیث:2966

لشکرگاہ کو روشن رکھنے والے تمام الاؤ بجھ گئے۔ کالے بادل اور رات کی تاریکی، اندھیرا اتنا گہرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہ دیتا تھا۔لشکرگاہ میں مشرکین کے خیمے کھلے میدان میں ہوا کے رُخ پر تھے۔ وہ لوگ بارش اور ہوا کے شدید طوفان سے بچنے کے لیے اپنے خیموں کی طرف بھاگے لیکن گرج دار بادلوں کی ہول ناک آواز، آسمانی بجلیوں کی دل دہلا دینے والی کڑک اور غارت گر آندھی نے اُن کے خیمے اکھاڑ کر دُور پھینک دیئے، رَسیّاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں۔ چولھوں پر رکھی دیگیں اور ہانڈیاں الٹ گئیں۔ کچھ لوگ پریشانی کے عالم میں سامان کے اوپر جا گرے اور کچھ اتنے حواس باختہ ہوئے کہ سامان ان کے اُوپر آ گرا۔

ہر طرف سراسیمگی پھیل گئی۔ موسلا دھار بارش کی وجہ سے سپاہیوں کے ہتھیار، کھانے پینے کی چیزیں اور پہننے کے تمام کپڑے خراب ہو گئے۔ ہڈیوں کو منجمد کر دینے والی کڑاکے کی سردی سے بچاؤ کے لیے انھیں کوئی چیز میسّر نہیں آ رہی تھی۔ گھوڑے اور اُونٹ خوف اور دہشت کی وجہ سے ادھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ متحدہ افواج کی صف بندی، نظم وضبط اور ترتیب تہس نہس ہو چکی تھی۔ ہر طرف شدید افراتفری کا عالم تھا۔ خدا کے قہر نے کفّار کی لشکر گاہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

اب سردارانِ قریش یہ سوچ کر زبردست خوف وہراس میں مبتلا ہو گئے کہ اس وقت جب کہ خوف ناک طوفان نے ہمارے فوجی نظم ونسق اور ترتیب وتدبیر کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے، اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمیں ناقابلِ تلافی جانی ومالی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

اسی دوران اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر فرمایا:

اے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ! متحدہ لشکر کی خیمہ گاہوں کی جانب جاؤ
اور خبر لے کر آؤ کہ دشمنوں کی افواج کو کن حالات کا سامنا ہے؟
جو بھی خبریں ہوں، رازداری کے ساتھ مجھے پہنچانا،
اور دیکھو! وہاں ان کی لشکرگاہ میں کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھنا
جس سے کوئی غیر معمولی صورتِ حال پیدا ہو جائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے لیے یہ دُعا فرمائی:

اے ہمارے پروردگار! حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی حفاظت میں لے لیجیے!
آگے سے پیچھے سے، اس کے دائیں سے اور بائیں سے،
اور ہمارا یہ جاں نثار خیریت سے ہمارے درمیان واپس آ جائے!

ابوسفیان کی تقریر

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب اپنے اس حسّاس فرض کی ادائیگی کے لیے احزاب کی لشکرگاہ میں پہنچے تو اُس وقت

سردار ابوسفیان اپنے اُونٹ پر بیٹھا فوجیوں سے خطاب کر رہا تھا:

اے میرے بہادر ساتھیو!

ہمیں اس وقت ڈرپوک یہودیوں کی کم ہمتی، بنوقریظہ کی دھوکا دہی

اور انتہائی خراب موسم کا سامنا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طوفانی بارش، غضب ناک ہواؤں کے جھکّڑ اور ہڈّیوں کو منجمد

کر دینے والی سردی کی وجہ سے اب ہمارا یہاں ٹھہرنا ناممکن ہو چکا ہے۔

اے میرے ساتھیو! ہم نہایت برے حالات کا شکار ہو چکے ہیں،

ہمارے اُونٹ، گھوڑے اور دوسرے جانور مر رہے ہیں۔

شدید طوفان نے ہماری لشکر گاہ کو لپیٹ میں لے لیا ہے

جس سے ہماری کوئی چیز بھی صحیح حالت میں نہیں رہی۔

چولھوں پر رکھی ہماری دیگیں اور ہانڈیاں اُلٹ گئی ہیں۔

اتنے تیز طوفان میں آگ جلانا یا کھانا پکانا مشکل ہی نہیں،

ناممکن ہو چکا ہے۔

صورتِ حال اتنی بگڑ گئی ہے کہ کسی کامیابی کی اُمید رکھنا بے وقوفی ہوگی۔

میں نے تو واپس جانے کا عزم کر لیا ہے،

میرا مشورہ ہے کہ تم لوگ بھی جلد از جلد یہاں سے نکل جاؤ!

تاکہ مسلمان کہیں عقب سے ہم پر حملہ نہ کر دیں۔

اپنے سپہ سالار کی طرف سے میدانِ جنگ چھوڑنے کا نقّارہ بجتے ہی کفّار نے بڑی تیزی کے ساتھ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

واپسی پر حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر دشمنوں کی لشکر گاہ کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کے متعلق عرض کیا کہ:

مشترکہ لشکروں کے تمام سالار اپنا حوصلہ ہار بیٹھے ہیں،

حتیٰ کہ واپسی کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔

ساری روئیداد سننے کے بعد جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمایا:

سب تعریفیں اللہ ربُّ العزت کے لیے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

مجھے سردی سے کانپتے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے مشفقانہ انداز میں اپنے قریب بلایا
اور اپنے کمبل مبارک کا ایک حصہ میرے اُوپر ڈال دیا۔

صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن کے لشکروں کا کہیں نام ونشان نہیں تھا، ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ یہ دیکھ کر مسلمان اس بات پر بھی مطمئن اور خوش نظر آرہے تھے کہ ہر قسم کی جتھے بندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود کاروانِ اسلام ایک بار پھر اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوگیا ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے سچے اور خوب صورت جذبوں کی تعریف فرمائی اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی سنائی:

اے لوگو! اب قریش کبھی بھی ہمارے شہر پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کریں گے،
بلکہ اب ہمارے لشکر اُن کی جانب پیش قدمی کریں گے۔(1)

عظیم ترین قائد

جنگِ خندق کے موقع پر دشمن لشکروں کے لشکر اس ارادے کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے کہ دینِ اسلام کی اس اُبھرتی ہوئی تحریک کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ بلاشبہ اگر کفّار کے لشکروں میں شامل جنگ جوؤں کی تعداد، مالی وسائل اور اسلحہ کی فراوانی کو دیکھا جائے تو شاید وہ صحیح سوچ رہے تھے۔ جنگِ خندق ایک مشکل ترین اور سخت تھکا دینے والی جنگ تھی۔ سامنے توحید و رسالت کے دشمنوں کے مشترکہ لشکروں کا خطرناک اجتماع اور عقب سے غدّار بنوقریظہ کی طرف سے ہر آن حملے کا خطرہ۔ اس صورتِ حال میں یہ جنگ دراصل ہمت، صبر اور قوتِ برداشت کا امتحان تھی۔

الحمدللہ!

مصائبِ آلام سے بھرپور اس جنگ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبرانہ بصیرت، دُور اندیشی، معاملہ فہمی، صبر و استقلال، ہمت وحوصلہ، بے مثل بہادری اور شان دار قیادت کی ایسی اعلیٰ ترین مثال پیش کی کہ بالآخر دشمن مدینہ کا طویل ترین محاصرہ ختم کر کے نہایت خائب وخاسر اور ناکام ونامراد ہوکر واپس لوٹ گئے۔

ابوسفیان کا خط

جنگِ خندق کے موقع پر سردار ابوسفیان مشترکہ لشکروں کے کمانڈر کی حیثیت سے مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا لیکن اُسے اس بار بھی مکمل ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، چناں چہ مکّہ واپسی پر مایوسی اور نامرادی اُس حرماں نصیب سردار کے چہرے سے صاف عیاں تھی۔ اُس نے پریشانی کی کیفیت میں ایک خط رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لکھ کر

1۔ السیرۃ النبوۃ لابن کثیر: 3/21-219۔ کتاب الجہاد والسیر۔ رقم الحدیث: 1788۔ صحیح مسلم۔

ابو اسامہ الجشمی کے ہاتھ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچایا۔
وہ خط سیدنا ابی بن کعب نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھ کر سنایا:

بسمك اللهمّ

میں لات وعزّیٰ، اساف ونائلہ اور ہبل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ
اس بار تو ہم عظیم الشّان لشکروں کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے
اور اس پختہ عزم کے ساتھ آئے تھے کہ اسلام اور اسلامی ریاست کو
نیست ونابود کر کے ہی واپس جائیں گے، لیکن یہاں آ کر ہم نے دیکھا کہ
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قیادت میں اسلامی لشکر کے سپاہی ہمارے ساتھ دوبدو مقابلوں
اور آمنے سامنے کے جدال وقتال کے روایتی طریقوں سے پیچھے ہٹ گئے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگوں نے ایسی جدید تدبیر اور طریقۂ دفاع سے کام لیا ہے کہ
جس سے ہمارا کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔
عرب کے جنگ جُو قبیلے خندق کی حکمتِ عملی اپنانے کی بجائے تلواروں کی چھاؤں
اور تیروں کی بارش میں مردانہ وار لڑنے کو پسند کرتے ہیں۔
آپ لوگوں نے اس بار ہمارا براہِ راست مقابلہ کرنے کی بجائے خندق کھود لی۔
بڑی حیرانی ہے کہ یہ ترکیب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کس نے سکھائی۔
اگر آج ہم ناموافق اور ناسازگار حالات کی وجہ سے واپس جا رہے ہیں
تو یہ نہ سمجھیں کہ آپ لوگ ہمیشہ کے لیے محفوظ ومامون ہو گئے ہیں۔
یقین رکھیں،
آئندہ ہم اتنی طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوں گے کہ
جنگِ اُحد کی تاریخ کو ایک بار پھر دہرائیں گے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوابی خط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ خط جناب محمد رسُول اللہ کی طرف سے ابوسفیان بن حرب کے نام

امابعد!

تمھارا خط ہم تک پہنچ گیا ہے۔ عرصۂ دراز سے دھوکا دینے والی قوتوں نے تجھے
اللہ ذُوالجلال والاکرام کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

اے بنو غالب کے نافہم سردار!
تمھارے ناپاک عزائم کے راستے میں اللہ تبارک وتعالیٰ خود حائل ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ!
خدائے ربُّ العزت کے تمام فیصلے ہمارے حق میں ہوں گے اور آخر کار ہم کامیاب ہوں گے۔
تمھاری طرف سے یہ کہنا تکبر کی بات ہے کہ تم لوگ اپنے لشکروں کی مدد سے پختہ عزم کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے آئے تھے، لہٰذا تو جان لے کہ تیرے اس ارادے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت اور تدبیر سے خود ناکام بنایا ہے۔

تم یہ بات ہمیشہ کے لیے اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ ہماری سلامتی صرف اس ذات کی مرہونِ منّت ہے۔ یقیناً وہ دن ضرور آئے گا جب لات، عزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل توڑ دیئے جائیں گے۔

اے خاندان بنی غالب کے حق نا آشنا سردار!
تم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بالآخر فتح ہماری ہوگی۔
پھر اُس دن میں تجھے تیرا یہ خط بھی یاد دلاؤں گا اور اپنے خط کی بات کو بھی دہراؤں گا۔
جہاں تک تیرے اس سوال کا تعلق ہے کہ مجھے یہ جنگی حکمتِ عملی کس نے سکھائی ہے،
تو اس بات کو جان لے کہ ہر انعام، ہر راہنمائی اور ہر ہدایت کا سرچشمہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے۔(1)

کیا عقل نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
ان خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے
یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

1۔ کتاب المغازی للواقدی:2/93-492

شہادت سیّدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

ہجرت سے قبل یثرب میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوّلین نمائندے سیّدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر اور سیّدنا اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو ترتیب دینے کی غرض سے ایک باغ میں تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ بنو عبدالاشہل کے نوجوان سردار سعد بن معاذ کو ان مبلغین کی موجودگی کا پتا چلا تو اُنھوں نے جناب اسید بن حضیر کے ہاتھ یہ پیغام دے کر اُن کے پاس بھیجا کہ وہ ہمارے علاقے میں ہمارے ہی قبیلے کے سادہ لوح عوام کو گمراہ نہ کریں اور یہاں سے چلے جائیں!

چناں چہ جب جناب اسید بن حضیر نے اُن سے ملاقات کی تو وہ سیّدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کے اندازِ گفت گو اور اُن کی زبانی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی و پاکیزہ سیرت اور عمدہ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

ادھر بلند قامت، مضبوط جسم اور روشن چہرے والے جناب سعد بن معاذ نے جب یہ دیکھا کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جس غضب ناک انداز کے ساتھ یہاں سے گئے تھے، واپسی پر ان کے چہرے کی وہ حالت نظر نہیں آ رہی تو وہ خود اپنا درازانی والا نیزہ لے کر انتہائی غصّے کی کیفیت میں اُن شریف النفس مبلغین کے پاس پہنچ گئے۔ وہ اس ارادے سے وہاں گئے تھے کہ اگر نئے دین کی تبلیغ سے روکنے کے لیے اُنھیں طاقت بھی استعمال کرنی پڑی تو دریغ نہیں کریں گے لیکن آدابِ گفت گو کے فن سے آشنا سیّدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر نے انھیں ایسا کوئی موقع ہی نہیں دیا۔

اُنھوں نے بڑی نرمی اور شائستگی کے ساتھ جناب سعد بن معاذ کو خوش آمدید کہا، پھر اُنھیں بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

اے یثرب کے عالی مقام راہنما!
آپ کچھ دیر کے لیے ہمارے پاس تشریف رکھیں!
ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارا نقطۂ نظر سنیں!
اگر آپ کو ہماری باتیں اچھی لگیں تو انھیں تسلیم کر لیجیے گا
اور اگر آپ کو ہمارا بیان پسند نہ آیا تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔

جناب سعد بن معاذ کو اس متحمل مزاج، خوش مقال اور بردبار شخص کی بات دل کو لگی اور یہ کہہ کر ان کے پاس بیٹھ گئے کہ:

آپ نے بڑے انصاف کی بات کی ہے۔

سیّدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر نے سب سے پہلے اُن کے سامنے قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں، پھر رسُولِ کریم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا تعارف اور اللہ کے پسندیدہ دین کی خوب صورت تعلیمات سے انھیں آگاہی فرمائی۔ یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حُسنِ تبلیغ و دعوت کا اعجاز تھا کہ سلیم الفطرت اور خوش نصیب سعد بن معاذ کا قلب نورِ اسلام سے منوّر ہو گیا۔ اُنھوں نے مبلغین کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ دینِ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ خوشی کی اس خبر پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے جناب سعد بن معاذ کو مبارک باد دی اور کہا:

اے ہمارے معزز سردار!
پہلے آپ غسل فرمائیے!
پاک صاف کپڑے پہنئے!
پھر وہ کلمہ پڑھیے
جس میں اس بات کی شہادت دی جاتی ہے
اور اقرار کیا جاتا ہے کہ
اللہ واحد ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں
اور یہ کہ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے آخری رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں،
پھر آخر میں دو رکعات نماز ادا کیجیے!

مسلمان ہونے کے مدارج طے کر کے اور اپنے سینے میں ایمان کی شمع روشن کرنے کے بعد وہ اپنی قوم بنی عبدالاشہل کے پاس آئے اور اُن سے دریافت کیا:

میرے بارے میں آپ لوگ کیا رائے رکھتے ہیں؟

اُنھوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

آپ ہماری قوم کے بابرکت سردار ہیں۔
ہم سب میں معزز و مکرّم اور اعلیٰ و افضل ہیں،
صاحبِ فہم و فراست اور دانا و دانش مند ہیں
اور آپ کا ہر حکم ماننا ہم پر واجب ہے۔

لوگوں کی اپنے بارے میں رائے سننے کے بعد جناب سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے ان کے سامنے یہ اعلان کیا:

اے میرے قبیلے کے لوگو!

میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اب تم میں سے جو بھی میری خوشی چاہتا ہے،

خواہ وہ مرد ہو یا عورت!

فوراً اللہ اور اس کے رسُول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لے آئے۔

جناب سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی قوم پر اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل و کرم ہوا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے بنو عبدالاشہل محلے کے تمام افراد نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔(1)

اسلام قبول کرنے سے لے کر اپنی شہادت تک زندگی کے ہر موڑ پر سردار سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر حکم پر پوری وفا شعاری اور جاں نثاری کے جذبے کے ساتھ لبیک کہا اور ایسے مقدر والے ثابت ہوئے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آغوش میں گزارے۔

فضیلت

جب معرکۂ بدر پیش آیا اور حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو گروہوں میں سے ایک کے ساتھ نمٹنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو تھوڑی ہی دیر بعد لشکرِ اسلام تک یہ اطلاعات پہنچ گئیں کہ سردار ابوسفیان اپنے تجارتی کارواں کے ساتھ مکّہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، جب کہ ابوجہل پورے جنگی ساز و سامان سے لیس ایک لشکرِ جرار کے ساتھ بدر کی جانب بڑھ رہا ہے۔اس نئی صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جاں نثاروں پر مشتمل مجلس مشاورت میں یہ مسئلہ پیش فرمایا کہ:

کیا ہم ابوجہل کی قیادت میں مکّہ سے آنے والے لشکر کے ساتھ

دو بدو مقابلے کے لیے میدانِ بدر تک جائیں یا مدینہ واپس چلے جائیں؟

مہاجرین کی نمائندگی کرتے ہوئے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے منکرینِ مکّہ کے خلاف جنگ کرنے کے حق میں جوش و جذبے سے بھرپور تقاریر کیں، جب کہ اسلامی لشکر میں شامل انصار کے ایک ممتاز راہنما، جناب سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے اہلِ مدینہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنی ولولہ انگیز تقریر میں کہا کہ:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے ہیں

اور ہم نے ہر حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وفاداری کا پختہ عہد و پیمان باندھ رکھا ہے۔

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:437/1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:182-84/2

اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق اور سچ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے،
اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں دشمن کے ساتھ جنگ کا حکم جاری فرمائیں گے
تو کفّار کے ساتھ مقابلے میں ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا
اور رزم گاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں ثابت قدم، جاں نثار، بلند حوصلہ،
سرفروش اور مشکلات کے وقت صابر و شاکر پائیں گے۔
ہم میدانِ جنگ کے شہسوار اور معاملات میں راست گفتار ہیں۔
شاید اللہ کریم آج ہم پر مہربان ہو جائے
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہم سے ایسے کارنامے دکھادے
جن کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کا بابرکت نام لے کر دشمن کی جانب بڑھیں،
ہم ہر قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔(1)

جب اسلامی لشکر بدر کے میدانِ جنگ میں پہنچ گیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اپنی عقیدت و محبت کے اظہار کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اس پہاڑی کے اُوپر ہم ایک خیمہ بنادیتے ہیں
جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے لشکر کی کمان فرما سکیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہی تیز رفتار سواریاں بھی تیار رہیں گی۔
اس جنگ میں ہماری توقعات کے مطابق اگر ہمیں غلبہ حاصل ہوا
تو ہمیں خوشی ہوگی، کیوں کہ یہی ہم چاہتے ہیں
لیکن اگر حالات ہماری اُمیدوں کے برعکس نظر آئے
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تیز رفتار سواریوں کے ذریعے مدینہ روانہ ہو جائیں،
کیوں کہ وہاں وہ لوگ موجود ہیں جو ہم سے زیادہ
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثار، وفادار اور عقیدت مند ہیں۔

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:615/1

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اطاعت گزار جانباز کے اس اظہارِ عقیدت پر اُن کے لیے خیر و برکت کی دُعا فرمائی۔(1)

اسی طرح جنگِ خندق کے دوران ایک موقعے پر قبیلۂ قریش کے حلیف بنوغطفان نے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ لوگ مدینہ کی کھجوروں میں سے ایک تہائی حصّہ ہمیں دینے کا وعدہ کرلیں تو ہم سردار ابوسفیان کے لشکر سے الگ ہوکر واپس چلے جائیں گے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس مشروط پیش کش پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا تو مدینہ کے مردِ عظیم حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کا جواب ایمان، استقامت اور یقین سے بھرپور تھا۔

اُنھوں نے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

جب ہم لوگ حالتِ کفر میں تھے اور بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے،
تب بھی ہم ان کافروں کے ساتھ پورے وقار اور رُعب و دبدبہ کے ساتھ
بات کیا کرتے تھے اور کبھی دب کر کوئی معاملہ نہیں کرتے تھے اور نہ ان میں
اتنی ہمت اور جرأت تھی کہ بہ زور طاقت ہم سے ایک کھجور بھی لے سکتے۔
اب جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ذریعے
ہمیں عزت و آبرو اور احترام و اکرام سے نوازا ہے
اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام جیسی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے
تو اب ہم لوگ بنوغطفان کی اس پیش کش کو کیوں قبول کریں؟

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

ہماری طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درخواست ہے
کہ اس تجویز کو مسترد فرما دیجیے اور ساتھ ہی ان لوگوں کو یہ بات
بھی باور کرا دیجیے کہ ہمارا تمھارا فیصلہ اب صرف تلوار کرے گی۔(2)

بنوقریظہ کے عہد شکن غداروں کے معاملے پر حق و صداقت اور عدل و انصاف پر مبنی ایک دلیرانہ فیصلہ سنانے کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طلب کرنے پر جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں دیکھ کر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

لوگو!

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 620-21/1

2۔دلائل النبوۃ للبیھقی: 430/3

کھڑے ہو کر اپنے سردار کا استقبال کرو!(1)

اُحد کی لڑائی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے قبیلے کے تمام افراد نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع اور محافظت میں نہایت جواں مردی اور پامردی کے ساتھ اپنے فرض کو نبھایا۔ اُس جنگ میں جب اُن کے چھوٹے بھائی عمرو رضی اللہ عنہ بن معاذ نے جامِ شہادت نوش کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے بلند ہمت اور صاحبِ عزت گھرانے نے اس صدمۂ عظیم پر بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔(2)

شہادت

جنگِ خندق کے دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے بازو میں لگنے والے ایک تیر کی وجہ سے اُن کا خون کافی مقدار میں بہہ گیا تھا۔ اگرچہ علاج سے کچھ فائدہ ضرور ہوا لیکن کچھ دنوں بعد زخم دوبارہ کھل گیا اور مسلسل خون بہنے سے اُن کے جسمانی ضعف اور اعصابی کمزوری میں اضافہ ہو گیا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے مسجدِ نبوی کے صحن میں ایک خیمہ نصب کیا جائے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سہولت کے ساتھ اپنے جاں نثار کی تیمارداری اور عیادت کر سکیں۔(3)

علاج کی ذمّے داری اسلم قبیلے سے تعلق رکھنے والی تجربہ کار طبیبہ اور فنِ جراحت میں انتہائی ماہر حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کو سونپی گئی لیکن زخم اتنا کاری تھا کہ تمام تر کوششوں کے باوجود سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ شفایاب نہ ہو سکے۔ بالآخر زخمی ہونے کے تقریباً ایک ماہ بعد ایثار و قربانی کے یہ بے مثال پیکر اور اپنی قوم کے ہر دل عزیز سردار صرف سینتیس سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور شہادت کے مرتبے پر فائز ہو کر جنّت میں مقام پایا:(4)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

عالی مقام حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس دنیائے فانی کو الوداع کہتے وقت اُن کا سر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زانوئے اقدس پر رکھا ہوا تھا۔ اپنے اس عزیز ترین رفیق کی جدائی پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی غم زدہ نظر آ رہے تھے۔ شدتِ رنج و الم اور حزن و ملال کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے اور اللہ کی بارگاہ میں ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کا جنازہ گھر سے اُٹھایا گیا تو سب نے محسوس کیا کہ یہ تو بہت ہلکا ہے، جب کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے دراز قد اور فربہ جسم کے مالک تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

1۔ السیرۃ النبوۃ لابن کثیر: 234/3
2۔ السیرۃ النبوۃ لابن ھشام: 122/2
3۔ ایضاً: 239/2
4۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 4122

صرف آپ لوگوں نے ہی جنازہ نہیں اُٹھایا بلکہ فرشتے بھی سعد رضی اللہ عنہ
کا جنازہ اُٹھانے میں آپ لوگوں کی معاونت کررہے تھے۔(1)

رسُولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہیدِ خندق حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے قوم بنی اشہل کے سردار!
اللہ تبارک وتعالیٰ تمھیں بہترین جزا دے!
تم نے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔
تم نے اپنے عہد و پیمان کو پورا فرمایا اور اللہ کے راستے میں
پورے جذبۂ جاں بازی اور سرفروشی کے تحت جہاد میں حصہ لیا۔
تم اسلام اور اہلِ اسلام کی توقعات پر پورے اُترے۔
یقیناً اللہ ربّ العزت تمھیں اپنے فضل وکرم سے نوازے گا۔(2)

سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی شہادت پر جبرئیل علیہ السلام، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
اللہ کے نیک بندے اور شہید غزوۂ احزاب سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی
آمد پر آسمانوں کو سجا دیا گیا ہے، جنّت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں
اور وہ ستّر ہزار فرشتے اُن کے جنازے میں شرکت کے لیے آسمانوں سے نیچے
اُترے ہیں جنھوں نے اب سے پہلے کبھی زمین کو نہیں چھوا تھا۔(3)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی شہادت پر اُن کی والدۂ محترمہ سے تعزیت کرتے ہوئے صبر کی تلقین فرمائی تو جواب میں اُس عفت مآب خاتون نے اشعار کے ذریعہ اپنے عظیم فرزند کا غم ان الفاظ میں بیان کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
آج مجھے اپنے عالی وقار اور صاحبِ جلال بیٹے کی صفات یاد آرہی ہیں۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
فدائیت اور جاں نثاری میں بے نظیر اور مدبّرانہ دور اندیشی کے مالک

1۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:327/3
2۔سیر اعلام النبلا:176/3
3۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:328/3

پیارے بیٹے سعد رضی اللہ عنہ کی دائمی جدائی میرے لیے ایک ایسا دُکھ ہے
جسے شاید وقت بھی نہ مٹا سکے۔
وہ ایسا بہادر تھا جس کا دفاع میدانِ کارزار میں نا قابلِ تسخیر ہوتا تھا۔
میرا یہ بیٹا عرب کا نامور شہسوار اور اپنی قوم کا بہترین قائد تھا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:
خلافِ حقیقت صفات کا تذکرہ کر کے گریہ کرنے والی
کسی بھی عورت کے مقابلے میں سعد رضی اللہ عنہ کی ماں ایک سچی عورت ہے
جو اپنے بیٹے کی حقیقی خوبیوں اور اخلاق وخصائل کو بیان کر کے رو رہی ہے،
کیوں کہ سعد رضی اللہ عنہ آسمان اور زمین دونوں جگہوں پر
باوقار، عالی مقام اور قابلِ احترام شخصیت کے مالک تھے۔(1)

جزاکم اللہ

آپ کے دِل دار کو عاشقِ زار کو
شہیدِ احزاب کو گوہرِ نایاب کو
یثرب کے سردار کو سب کے غم خوار کو
قبول ہمارا سلام ہو

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:252/2

واقعہ افک

غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی پر عفّت مآب اُمُّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف (نعوذ باللہ) ایک جھوٹے قصّے کی بنیاد پر افسانہ سازوں نے بہتان طرازی کا ایک طوفانِ بدتمیزی برپا کرنے کی افسوس ناک کوشش کی اور مسلمانوں کے لیے ایک دل گرفتہ صورتِ حال پیدا کردی۔

یہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی اور اُس کے سیاہ کار ساتھیوں کی کارگزاری تھی۔فتنہ پردازی میں سرگرم اِن زبان دراز اور ریاکار لوگوں کی طرف سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک دامن، نیک سیرت اہلیۂ محترمہ کے متعلّق پھیلائی جانے والی یہ بے ہودہ داستان اور اذّیت ناک بہتان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے بڑے حزن وملال اور رنج وغم کا باعث تھا۔

منافقین کی اس شرارت اور فتنہ پردازی کے متعلّق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ایک خطاب میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

اے مسلمانوں کی جماعت!
کچھ لوگوں نے میرے خاندان کی عزت وناموس کے متعلّق جس طرح
کی دل آزار باتیں کی ہیں، اُس سے مجھے سخت اذّیت پہنچی ہے۔آخر یہ لوگ
اس طرح کی باتیں کر کے اپنی کس خواہش اور تمنّا کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔
اے لوگو! میرے گھر والوں کے خلاف شروع کی جانے والی یہ دل فگار اور قلب کو ٹھیس
پہنچانے والی مہم میرے لیے انتہائی دُکھ اور تکلیف کا باعث بن رہی ہے۔

دُوسری طرف اس اندوہ ناک الزام تراشی پر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ایسے لگتا تھا کہ اُن کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔آخر ایک مہینے کے طویل انتظار کے بعد ان کینہ پرور اور شریرالنفس لوگوں کی طرف سے باندھے گئے اس خانہ ساز بہتان سے نیک سیرت اور خدا پرست سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بریّت اور بے گناہی کا اعلان خود اللہ ذوالجلال والاکرام نے قرآنِ حکیم میں سورۂ نور کی ان مقدس آیات کے ذریعے فرمایا کہ:

بے شک، جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں،
یہ تم ہی میں سے ایک (منافقوں کا) گروہ ہے۔
اس واقعے کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو، بلکہ یہ تو تمھارے حق میں بہتر ہے۔
جس نے اس میں جتنا حصہ لیا، اُس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس

گناہ کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اُس کے لیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے۔(النور:11)
اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا کام مت کرنا، اگر تم سچے مومن ہو۔(النور:17)
اے ایمان والو! شیطان کے راستے پر مت چلو! جو کوئی شیطان کی پیروی کرے گا
تو وہ تو بے حیائی اور برے کاموں کا ہی حکم دے گا۔(النور:21)

اللہ ربُّ العزت کے اس انعام و اکرام پر نیک مزاج اور پاک طینت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے شکرانے کے نوافل ادا فرمائے۔ اُنھوں نے اللہ رؤف و رحیم کی اس عطا اور مہربانی کا شکریہ بھی ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پاک دامنی اور معصومیت کا اعلان اپنی بابرکت کتاب قرآنِ حکیم میں فرما دیا کہ اب ان آیاتِ مقدسہ کی تلاوت قیامت تک جاری رہے گی۔(1)

عظمتِ حسنِ معمور جن کی گواہ
عفتِ ذاتِ مستور جن کی گواہ
شانِ رب، چشمِ بد دور جن کی گواہ
یعنی ہے ''سورۂ نور'' جن کی گواہ
اُن کی پُر نور صورت پہ لاکھوں سلام

شمع تابانِ عرش آستانِ نبی
غم گسارِ نبی طبع دانِ نبی
راحتِ قلب و روح روانِ نبی
بنتِ صدیق آرامِ جانِ نبی
اُس حریم برأت پہ لاکھوں سلام

جن سے اپنی نگاہیں ہوائیں چرائیں
دیکھنے کا تصور بھی دل میں نہ لائیں
جن کے پردے کا پر تو فرشتے نہ پائیں
جس میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
اُن سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4750

صلح حدیبیہ

سنہ ٦ ہجری میں ہونے والا صلح حدیبیہ کا معاہدہ اسلامی تاریخ کا سب سے اہم اور شان دار واقعہ ہے جس کی بنیاد آقائے دو جہاں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سچے اور مبارک خواب پر تھی۔ اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عروس البلاد ''مکّہ مکرّمہ'' سے بے پناہ محبت تھی۔ ہجرت سے پہلے پیغمبروں کی اس مقدس سرزمین سے جدائی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا لیکن اعلانِ نبوت کے بعد قومِ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے آبائی شہر میں رہنا بے حد مشکل بنا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کی طرف سے جارحانہ مخالفت اور انتہائی تکلیف دہ حالات کے شدید دباؤ کے تحت بالآخر مدینہ منتقل ہونے کا عزم فرما لیا۔

ہجرت کی رات جب سرکارِ دو عالم نورِ مجسم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر سے باہر ''حزورہ'' کے مقام پر پہنچے تو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں اشک بار، معصوم دل میں حسرت اور لہجے میں دُکھ کا احساس نمایاں ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرکزِ ایمان بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے فرمایا:

اے مکّہ! اللہ کی قسم! اس روئے زمین پر تُو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے
اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی اس جہان میں تُو ہی سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔
اے میرے محبوب شہر! میں تجھے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا
مگر تیرے یہ مکین پیغامِ حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عمرِ مبارک کے ترپّن سال مکّہ میں گزارے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کا زمانہ اِسی مبارک شہر کی گلیوں، بازاروں، دادا جان کی مجلسوں اور خانۂ کعبہ کے سائے میں گزرا تھا۔ جوانی کی یادیں، تجارت کی سرگرمیاں، اُمّ لمومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی لے کر آنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کی بشارت دینا، زندگی کی اور بہت ساری چھوٹی بڑی یادیں اسی مقدّس شہرِ مکّہ سے وابستہ تھیں۔

وہ شہر جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے اس روئے زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ تعمیر کی تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے آباد کیا تھا، تا کہ یہاں اللہ ذُوالجلال والاکرام کی عبادت کی جائے اور اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

اپنے محبوب شہر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے چھوڑ دیا کہ ہجرت اللہ کا حکم تھا اور اب خاتم النّبیین سیّد المرسلین

1۔سنن ترمذی۔ابواب المناقب۔رقم الحدیث:3925

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذی وقار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکّہ سے ہجرت کیے ہوئے چھے سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ جب وہ اپنے پیارے شہر سے اپنے خاندان، گھر اور کاروبار کو الوداع کہہ کر نکلے تھے، اُس وقت سے مکّہ کے کفار نے ان کا بیت اللہ شریف میں داخلہ بند کر دیا تھا۔

سنگ دل قریشِ مکّہ کے اس سخت مخاصمت اور دشمنی پر مبنی رویّے کے باعث مسلمانوں کے لیے اپنے خوابوں کی سرزمین مکّہ مکرمہ جانا، اپنے مرکزِ نور بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ ادا کرنا ناممکن ہو چکا تھا۔

خصوصاً مہاجرین بیت اللہ شریف سے جدائی کا دُکھ زیادہ محسوس کرتے تھے، اس لیے کہ تبلیغِ اسلام کے تیرہ سالہ مکّی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تمام تر رکاوٹوں، مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود یہ سہولت حاصل تھی کہ جب جی چاہتا، وہ بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کر کے اور اس کے سائے میں نماز پڑھ کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے تھے لیکن ہجرت کے ان چھے سالوں میں حالات کا جبر ایسا رہا کہ اہلِ مدینہ کو زیارتِ کعبہ کا موقع نہ مل سکا، کیوں کہ ان کے اور قریش کے درمیان حالتِ جنگ تھی۔

آزمائش کے اس عرصے کے دوران دشمنانِ اسلام کی طرف سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی ناپاک سازشیں کی گئیں، پھر بدر کا معرکہ برپا ہوا، اُحد کی ہولناک جنگ کا تلخ تجربہ پیش آیا، غزوۂ خندق جس میں اہلِ اسلام کو تہ تیغ کرنے کے لیے قریش نے پورے عرب کے لشکروں کے ساتھ مدینہ منورہ پر یلغار کر دی تھی، اور پھر ان بڑی جنگوں کے درمیان مختلف اوقات میں مسلمانوں کو لُوٹ مار کرنے والے دھوکے باز حملہ آوروں، سرکش قبائل کی طرف سے جارحیت کے شدید خطرات، یہودیوں کی پے در پے سازشوں اور منافقین کی جانب سے مسلسل پریشانیوں کا بھی سامنا رہا، تاہم دشمنوں کی طرف سے شدید ترین مخالفانہ اقدامات کے باوجود اُن کی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کی تمام کوششوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تمام تر مشکلات کے باوجود مسلمان ہر وقت اس بات کے لیے دعا گو رہتے تھے کہ اللہ ذُوالجلال والاکرام کی طرف سے زیارتِ کعبہ شریف کا موقع جلد نصیب ہو۔

بیت اللہ شریف، جو مسلمانوں کا قبلہ ہے، جہاں بڑے بڑے جلیل القدر اور عظیم المرتبت پیغمبر اللہ ربّ العزت کے حضور سجدہ ریز ہوئے تھے، جسے اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے لیے محترم اور محبوب بنایا ہے، وہ دیارِ پاک جس کی یاد دِلوں کو شاداں و خرسند کر دیتی ہے۔

اللہ کے اس مقدّس گھر کی زیارت کے لیے مہاجرین تو خاص طور پر ٹھیک اِسی دن سے اس مبارک گھڑی کے منتظر تھے جب انھیں قومِ قریش کے ظلمِ ناروا کے باعث اپنے عزیز از جان شہرِ مکّہ کو چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ اپنے اس شوق اور خواہش کا اظہار کرتے وقت بے اختیار رو دیا کرتے تھے اور رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو صبر اختیار کرنے کی تلقین فرماتے۔

مہاجرین کے علاوہ انصار کو بھی یقین تھا کہ اِنّ شاء اللہ وہ وقت جلد آئے گا جب موجودہ مشکلات ختم ہو جائیں

گی اور ہم سب باوقار انداز اور آزادی کے ساتھ دیارِ پاک میں داخل ہوں گے جس کی گلیوں کو محبوبِ خدا کے قدموں کی خاک کو چھونے کا شرف حاصل ہے، پھر اللہ کے مقدس گھر بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف سے اپنی دل کی دنیا کو آباد کریں گے۔ ہجرت کا چھٹا برس ختم ہونے والا تھا کہ ایک صبح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی میں جمع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ایک مبارک خواب سے آگاہ فرمایا کہ:

> کچھ عرصے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مخلص اور جاں نثار اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکّہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور مسجدِ حرام میں بغیر کسی خوف کے امن و امان کے ساتھ داخل ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی چابی حاصل کی اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ کعبہ شریف کا طواف فرمایا اور عمرہ ادا کیا، پھر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سر کے بال منڈائے اور بعض نے اپنے بال چھوٹے کرائے۔(1)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ خبرِ دل پزیر سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پُرجوش انداز میں ایک دُوسرے کو مبارک باد دینے لگے اور اُن کے دلوں کی دھڑکنیں اس لیے تیز ہوگئیں کہ شاید اس مبارک خواب میں اِسی سال ہی اپنے پسندیدہ شہر میں داخلے اور بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کی بشارت دی گئی ہے، حالانکہ خواب میں اس کے لیے کوئی سال یا مہینا متعین نہیں کیا گیا تھا۔

وطن کی محبت انسانی فطرت میں ہے، اس لیے مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ خوش تھے کہ انھیں اپنے آبائی شہر میں جانے کا موقع ملے گا جہاں وہ پیدا ہوئے تھے، اُن کے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ گزرا تھا۔ وہ گھر دیکھنے نصیب ہوں گے جہاں سارا خاندان اکٹھا رہتا تھا۔ اس بابرکت سفر میں اس کا موقع بھی ملے گا کہ وہ اپنے خاندان، عزیز و اقارب اور دوستوں کا دیدار اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزار سکیں گے، چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وطنِ عزیز کی کشش میں بڑی بے تابی، ذوق وشوق اور عقیدت ومحبت کے ساتھ مکّہ مکرمہ کے اس پُرمسرّت اور عظیم سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔

یکم ذیقعدہ سنہ 6ہجری کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں سیّدنا عبد اللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا، اپنے گھر مبارک کے دروازے کے پاس ہی سے اپنی اُونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے اور چودہ سو سے زیادہ فرزندانِ اسلام کے ہمراہ زیارتِ کعبہ اور ادائے عمرہ کے لیے مکّہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔ چوں کہ لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، اس لیے پورے ہتھیار بھی ساتھ نہیں لیے گئے۔ مدافعت کے لیے صرف ایک تلوار تھی جسے اہلِ عرب ہمیشہ سفر میں ساتھ لے کر چلتے تھے اور وہ تلوار بھی نیام میں بند تھی۔ ازواجِ مطہرات میں سے اُم المومنین اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس مبارک سفر میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جانے کا شرف حاصل ہوا۔(2)

1۔ کتاب المغازی للواقدی:572/2
2۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد:73/2

مدینہ سے روانگی کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا اور اُونٹنی پر سوار ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی احرام باندھ لیے اور بلند آواز سے تلبیہ پڑھی جس سے فضا گونج اُٹھی:

لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك (1)

اتنے دل آویز، پُرمسرت اور روح پرور ماحول میں ہمارے آقا و سردار سیّد المرسلین رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشّان قیادت اور اللہ ذُوالجلال والاکرام کی رحمتوں کے سائے میں اہلِ ایمان کا یہ پُرامن اور بابرکت کارواں اللہ کی عظمت اور بزرگی والے گھر کی زیارت کی نیت سے اپنی منزل اور اپنے مرکزِ نور کی طرف گامزن ہو گیا۔ احتیاط کو مدّ نظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوخزاعہ قبیلے کے ایک فرد بشر بن سفیان کو بیس سواروں کے ہمراہ ہراوّل دستے کے طور پر آگے روانہ فرمایا تا کہ وہ اردگرد کے قبائل کی سرگرمیوں اور قومِ قریش کے عزائم کی خبریں اور معلومات حاصل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کرے۔(2)

عرب میں صدیوں سے ذیقعدہ، ذی الحج، محرم اور رجب حرمت والے مہینے کہلاتے تھے، اس لیے ان چار مقدس مہینوں میں حج اور عمرہ کے لیے جانے والے زائرین اور اللہ کے گھر کی طرف سفر کرنے والے قربانی کے جانوروں کو سخت سے سخت دشمن بھی اپنے علاقوں سے امن و امان کے ساتھ گزر جانے دیتے تھے۔ کوئی بھی قبیلہ اُن سے تعرّض نہیں کرتا تھا، بلکہ عرب کی روایات اور دستور کے مطابق ان کا احترام و اکرام کیا جاتا تھا۔ ان مقدس مہینوں میں لوگ بِلاخوف و خطر سفر کرتے اور اُن کو کسی قسم کے خون خرابے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔

''ذیقعدہ'' حرمت والے ان چار مہینوں میں سے ایک تھا۔ ایسی مضبوط عرب روایات کی موجودگی میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمید تھی کہ زیارتِ کعبہ شریف اور عمرے کے دوران قریش کسی بھی قسم کی دُشمنی اور مخالفانہ سرگرمیوں کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ ادھر قریش کو جب اہلِ اسلام کے کارواں کی مکّہ کی جانب روانگی کی اطلاع ملی تو وہ دارالندوہ میں جمع ہوئے اور باہم مشورہ کرنے لگے۔ وہ ان خبروں پر سخت پریشان اور خوف و ہراس میں مبتلا نظر آئے کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک بھاری جمعیت کے ساتھ بِلاخوف و خطر مکّہ کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

قریش کے راہنما یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے صرف ادائے عمرہ کے لیے آرہے ہیں۔ قریش کے ان اندیشوں اور خدشات کو دور کرنے کے لیے اہلِ اسلام کی طرف سے تمام عرب میں یہ اعلان بار بار پہنچایا گیا کہ ہم غیر مسلح ہیں اور صرف ایک تلوار کے ساتھ سفر کر رہے ہیں اور وہ تلوار بھی نیام میں بند ہے اور ہم اس بات کا عہد دیتے ہیں کہ حرمت کے اس مہینے میں مکّہ کی طرف ہمارا یہ سفر صرف مذہبی فرائض کو ادا کرنے کے لیے ہے، کسی جنگ و جدل کے لیے نہیں۔ لہٰذا قریش کو چاہیے کہ وہ ہمارے اس نیک کام میں

1۔ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: 34/5

2۔ کتاب المغازی للواقدی: 574/2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 309/2

رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش نہ کریں۔

مسلمانوں کے اس سادہ اور قابلِ قبول موقّف کو عرب کے باقی قبائل نے تو صحیح تسلیم کرلیا کہ مسلمانوں کا یہ سفر صرف بیت اللہ شریف کے ساتھ اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے ہے لیکن سردارانِ قریش نے ان تمام اعلانات کے باوجود اپنی جھوٹی انا اور ضد کی وجہ سے عربوں کے صدیوں پرانے اور مسلّمہ دستور اور شان دار روایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جاں نثارانِ مصطفی ﷺ کو برسرِ حق ہونے کے باوجود مکّہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس اہم موقعے پر دارالندوہ میں پارلیمنٹ کے منعقدہ اجلاس کی طرف سے یہ مشترکہ اعلان سامنے آیا کہ:

> ہمارے اور (پیغمبر اسلام) جناب محمد (ﷺ) کے درمیان عداوت اور مخاصمت کو سارا عرب جانتا ہے۔ اب اگر مسلمان ہماری مرضی کے خلاف مکّہ میں داخل ہو گئے تو اہلِ عرب اسے ہماری کمزوری اور بزدلی سمجھیں گے، اس لیے ہماری اس مجلسِ مشاورت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جناب محمد (ﷺ) اور ان کے کارواں کو ہر طریقے سے اور ہر قیمت پر روکا جائے۔ (1)

اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے قبائلِ عرب میں یہ پراپیگنڈا بھی پھیلانا شروع کر دیا کہ مسلمان عمرہ ادا کرنے کے بہانے پچھلی جنگوں کا بدلہ لینے اور مکّہ پر قبضہ کرنے آ رہے ہیں۔ اپنے ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے قومِ قریش نے مکمل منصوبہ بندی کر لی۔ ان کا پروگرام تھا کہ مسلمانوں کے مکّہ میں داخل ہونے سے پہلے راستے ہی میں ان کے ساتھ کوئی مسلح جھڑپ ہو جائے اور یہ لوگ واپس چلے جائیں، چناں چہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اُنھوں نے دو سو شمشیر زن بہادر جنگ جوؤں کا ایک لشکر سپہ سالار خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کی قیادت میں آگے بھیج دیا تا کہ مسلمانوں کے بیت اللہ شریف کی طرف جاری سفر کو راستے میں روک دیا جائے۔

مکّہ سے دو دن کی مسافت پر وادیِ عسفان کے مقام غدیر اشطاط پر خبر رساں بشر بن سفیان آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ اطّلاع دی کہ مذکورہ دونوں سپہ سالار مسلمانوں کے کارواں کا راستہ روکنے کے لیے ذی طویٰ کے مقام ''کراع الغمیم'' تک پہنچ گئے ہیں۔ مزید یہ کہ سرکارِ دو عالم رسولِ اکرم ﷺ تک اہلِ مکّہ کی ان جنگی تیاریوں اور زبردست مزاحمت کرنے کے ارادوں کی خبریں بھی پہنچ گئیں کہ اہلِ مکّہ نے طاقت ور قبیلے بنوثقیف کو مدد کے لیے بلا لیا ہے اور اس کے ساتھ حلیف قبائل کی تنظیم ''احابیش'' کو بھی جمع کر لیا ہے۔

قریش کی طرف سے قبائل کے ان مہمان فوجیوں کی بہترین کھانوں کے ساتھ خاطر تواضع کی جا رہی ہے۔ قریش کی دعوت پر اکٹھے ہونے والے ان قبیلوں نے یہ حلف اُٹھایا ہے کہ آپ (ﷺ) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حرم میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ طوافِ خانہ کعبہ اور زیارتِ بیت اللہ شریف سے روکنے کے لیے اہلِ مکّہ کی طرف

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 579/2

سے زور وشور سے تیاریاں اور مزاحمت کی خبروں سے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت افسردہ ہوئے، کیوں کہ یہ سب کچھ وہ کر رہے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی قوم کے لوگ تھے۔ یہ بتوں کو پوجنے والے سردار اللہ کے مقدس گھر کے خود ہی مالک بن بیٹھے تھے، حالانکہ خانۂ کعبہ کا انتظام وانصرام تو صرف صاحبِ تقویٰ افراد کے پاس ہی ہونا چاہیے تھا۔اس تمام صورتِ حال پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے صبر اور وقار کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ہم یہاں کسی سے لڑنے نہیں آئے۔ہم تو یہاں عمرہ ادا کرنے اور اللہ کے مقدس گھر کی زیارت کرنے کے لیے آئے ہیں۔قریش پر افسوس ہے کہ پے درپے جنگوں نے ان کو سیاسی اور معاشی طور پر کمزور اور کھوکھلا کر دیا ہے۔ یہ ان کی بدنصیبی ہے کہ ان کی جھوٹی انا کی وجہ سے یہ قوم تباہ اور خستہ حالت ہو چکی ہے۔سابقہ جنگوں میں انھیں بے پناہ نقصان اُٹھانا پڑا ہے۔

اب جب کہ ان کے بڑے بڑے سردار مارے جا چکے ہیں اور یہ مالی طور پر بھی بہت کمزور ہو چکے ہیں لیکن افسوس کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود یہ نادان سردار دانش مندانہ فیصلے نہیں کر پا رہے اور ضد میں آ کر بار بار غلط فیصلے کر رہے ہیں۔ان کو چاہیے تھا کہ وہ ایک معینہ مدت تک صلح کا معاہدہ کر کے باقی عرب اور ہمارے درمیان مزاحمت اور رکاوٹ بننے کی بجائے اپنی طاقت کو محفوظ رکھتے اور اس دوران باقی عرب قبیلوں کے ساتھ ہماری معرکہ آرائیوں کو گہری نظر سے دیکھتے رہتے کہ فتح کس کی ہوتی ہے۔

اگر قبائلِ عرب ہمیں شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے اور ہم مغلوب اور پریشان حال ہو جاتے تو قریش کا مقصد خود بخود پورا ہو جاتا اور ان کی وہ مراد بر آتی جس کی خواہش اور تمنّا وہ بڑے عرصے سے اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے قبائلِ عرب پر فتح نصیب فرما دیتا تو پھر قریش کے پاس دونوں اختیار موجود ہوتے، چاہتے تو عام لوگوں کی طرح وہ بھی اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کر کے دنیا و آخرت کی بھلائی اور انعام کے حق دار بن جاتے، لیکن اگر وہ جنگ چاہتے تو ہمیں بھی وہ اپنے ساتھ لڑائی کے لیے بالکل تیار پاتے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُس ذاتِ اقدس کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے،
پتا نہیں یہ قریش میرے متعلّق کس وہم میں مبتلا ہیں؟
کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اُن کی طرف سے نئی نئی رکاوٹوں اور مزاحمتوں سے
گھبرا کر توحید ورسالت کی دعوت دینا چھوڑ دوں گا؟
اللہ ذوالجلال والاکرام کی قسم!

مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم
مبعوث فرمایا ہے۔
اب یہ میرا فرض ہے کہ اللہ ربّ العزت کے اس آفاقی پیغام کو
آگے بڑھانے کے لیے اس وقت تک جہاد کروں،
جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا اَمر نافذ نہ کردے
اور مجھے فتح یاب اور اپنے پسندیدہ دین اسلام کو غالب نہ فرمادے
یا پھر میں تکمیل دین کی اس کوشش میں اپنی جان کی بازی ہار جاؤں۔(1)

اسلامی کیمپ میں مشاورت

خبر رساں کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ قریش نے ہر قیمت پر فرزندانِ توحید کا راستہ روکنے کی غرض سے، بلکہ ایک نئی جنگ شروع کرنے کے عزم کے ساتھ اپنے فوجی دستوں کو آگے روانہ کر دیا ہے۔اہلِ مکّہ کے ارادوں سے باخبر ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک حلقے میں جمع کیا اور اوّل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی، پھر ارشاد فرمایا:

اے لوگو! مجھے مشورہ دو کہ موجودہ صورتِ حال میں کیا قدم اُٹھانا چاہیے،
کیوں کہ اگر قریش کے لشکر کے ساتھ اس وقت ہمارا آمنا سامنا ہو گیا،
جب کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں
تو حرمت والے اس مہینے میں بات بڑھ کر لڑائی، جھگڑے اور خون خرابے تک
پہنچ جائے گی، جب کہ احرام کی حالت میں ہم کسی جنگ میں اُلجھنا نہیں چاہتے،
لہٰذا آپ لوگ مشورہ دیں کہ اس وقت اسی راستے پر چلتے ہوئے ہم قریش کے لشکر کا سامنا کریں
یا راستہ بدل کر اور تصادم سے گریز کرتے ہوئے آگے بڑھ جائیں؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر قربان!
آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بیت اللہ شریف کی زیارت اور ادائے عمرہ کی تمنّا کے ساتھ
مکّہ مکرمہ پہنچنا چاہتے ہیں۔
کسی کے ساتھ جنگ کرنے کے ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے اس سفر کا
آغاز نہیں فرمایا، اس لیے ہماری صرف یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم جدال وقتال

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:309/2

سے ہر ممکن گریز کریں اور راستہ بدل کر اللہ کے مقدس گھر کی جانب پیش قدمی فرمائیں،
لیکن اگر کسی نے ہمیں بیت اللہ شریف کی زیارت اور طوافِ کعبہ سے روکنے کی کوشش کی
تو ہم اس سے جنگ کریں گے اور ڈٹ کر ان کافروں کا مقابلہ کریں گے۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس صائب مشورے کی تائید کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ کی یہ رائے انتہائی پسندیدہ ہے۔(1)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ:

ہمارے کارواں میں کوئی ایسا شخص ہے جو کراع الغمیم کا مرکزی راستہ چھوڑ کر کسی
دوسرے راستے سے ہمیں مکّہ مکرمہ لے چلے؟

قبیلہ بنو اسلم کے حمزہ رضی اللہ عنہ بن عمرو نے آگے بڑھ کر عرض کی:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! اس خدمت کا
موقع مجھے عطا فرمایا جائے۔ میں ایک صحرائی راستے سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔(2)

چناں چہ حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی راہنمائی میں اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کا یہ مقدّس کارواں اپنی منزل کعبہ شریف کی جانب بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ ایک غیر معروف اور ویران، بلکہ پریشان کن راستے سے آگے بڑھنے لگا۔ خاردار جھاڑیوں، پتھریلی پہاڑیوں اور سنگلاخ چٹانوں کے درمیان بڑے دشوار گزار اور تکلیف دہ راستوں سے گزرتے، سورج کی حدّت اور پیاس کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے یہ مقدس قافلہ منزل بہ منزل آگے بڑھتا ہوا بالآخر ایک ہموار قطعۂ زمین حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گیا۔

حدیبیہ ایک گاؤں کا نام ہے اور ایک کنواں بھی اِسی نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام مکّہ سے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر حرم کی حدود پر واقع ہے۔ یہاں سے مکّہ کی اُونچی پہاڑیوں پر بنی ہوئی عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ سب کا دل چاہتا تھا کہ جلد سے جلد وہاں پہنچ جائیں لیکن اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُونٹنی قصویٰ اچانک رُکی اور جم کر بیٹھ گئی، لوگوں نے اُٹھانے کی کوشش بھی کی لیکن جب کامیاب نہ ہوسکے تو کہنے لگے کہ شاید قصویٰ تھک گئی ہے۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قصویٰ تھکاوٹ کی وجہ سے نہیں بیٹھی اور نہ ہی اس طرح بیٹھنا اس کی عادت ہے،
بلکہ اس کو اُس ذاتِ باری تعالیٰ نے روک لیا ہے جس نے ابرہہ اور اُس کے
ساتھیوں کو مکّہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 329/3
2۔ دلائل النبوۃ لاصبہانی: 410/1

اللہ ربّ العزت کی مرضی یہی ہے کہ ہم لوگ اسی جگہ پر قیام کریں۔

شاید اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں احرام کی حالت میں لڑائی سے بچانا چاہتا ہے۔

قیام کے اعلان پر مسلمانوں کے دل افسردہ ہوئے کہ مکّہ کے اتنے قریب ہونے کے باوجود انھیں اپنے محبوب شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں مل رہی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> اللہ پروردگار کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کعبہ شریف کے اس تقدّس اور حرمت کی پاس داری میں، جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں، اگر آج قریش صلۂ رحمی، قرابت کے رشتوں کو مضبوط کرنے کے عمل اور اللہ کے نزدیک تمام قابلِ قبول امور، جس میں احترامِ حرم شریف، اللہ کے احکامات کی تعظیم وتوقیر اور انسانیت کی بھلائی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے وہ مجھ سے جو بھی درخواست کریں گے، میں اسے ضرور منظور کروں گا۔ لیکن سردارانِ قریش کو بھی چاہیے کہ حرمتِ حرم کے خلاف کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائیں جس سے معاملات بہ خیر وخوبی اور احسن انداز میں سلجھنے کی بجائے مزید بگڑ جائیں۔(1)

دوسری طرف خالد بن ولید نے جب دیکھا کہ اسلامی لشکر راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گیا ہے تو وہ جلدی سے مکّہ پہنچے اور نئی صورتِ حال سے قریش کے راہنماؤں کو آگاہ کرتے ہوئے کہا:

> اسلامی لشکر کے مصلحت آمیز طرزِ عمل سے لگتا ہے کہ وہ لوگ لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے اور وہ واقعی زیارتِ کعبہ شریف اور عمرہ ادا کرنے کے لیے یہاں تک آئے ہیں۔(2)

اس نئی صورتِ حال پر مشاورت کے لیے اشرافِ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ فکر وتشویش اور گھبراہٹ اُن کے چہروں سے عیاں تھی لیکن ان کو یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس الجھے ہوئے مسئلے کو کس طرح حل کریں، کیوں کہ ایک طرف تو فرزندانِ توحید شہر کے اتنا قریب آ گئے ہیں کہ سردارانِ قریش کو مکّہ اپنے ہاتھوں سے نکلتا دکھائی دینے لگا ہے، دوسری طرف اگر قریش احرام باندھنے والے زائرین سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرتے ہیں تو سارے عرب میں ان کا یہ عمل انتہائی معیوب، ظلم اور گناہ سمجھا جائے گا۔ بہرحال، کافی غور وخوض کے بعد مکّہ میں موجود سرداروں نے درپیش مسائل پر گفت گو کرنے کے لیے بدیل بن ورقا کو اپنا سفیر بنا کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

بدیل بن ورقا کی آمد

اہلِ مکّہ کے نمائندے کی حیثیت سے سب سے پہلے قبیلے بنوخزاعہ کے رئیس بدیل بن ورقا اپنے چند سوار

1۔صحیح بخاری۔کتاب الشروط۔رقم الحدیث:2731 2۔ دلائل النبوۃ للبیھقی:100/4

ساتھیوں کا ایک وفد لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ مکّہ کی طرف سے آنے والے یہ مہمان سلجھے ہوئے اور بااعتبار لوگ تھے۔ اگرچہ یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن اس قبیلے کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محرم راز، ہمدرد اور انتہائی مخلص اتحادی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس آنے والے اس وفد کو خوش آمدید کہا۔ پھر جب موجودہ مسائل پر بات چیت شروع ہوئی تو مکّہ سے آنے والے اس وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

آپ لوگ کس مقصد اور ارادے سے یہاں تشریف لائے ہیں؟

کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنگ وجدل کے ذریعے مکّہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفارتی وفد کے ساتھ بڑے نرم لہجے میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

اے بدیل!

ہماری طرف سے قومِ قریش کو یہ یقین دلائیں کہ ہم حرمت والے ان مہینوں میں کسی سے لڑنے جھگڑنے اور خون بہانے نہیں آئے۔ سردارانِ قریش کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ وہ جنگ کا راستہ اختیار نہ کریں۔ اس سے پہلے وہ ہماری اور ہم ان کی جنگی صلاحیتوں کو کئی بار آزما چکے ہیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ ہم لوگوں کو امن کے ساتھ اللہ کے گھر کی زیارت اور عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے دیں اور یہ تو باقی عرب کی طرح ہمارا حق بھی ہے۔

اے بدیل!

اگر قریش غرور وتکبر کا مظاہرہ نہ کریں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ ہم نہایت پُرامن انداز میں عمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سردارانِ قریش کو جنگ بندی کی پیش کش کرتے ہوئے فرمایا:

حقیقت یہ ہے کہ مسلسل جنگ آزمائی سے قریش کمزور ہو چکے ہیں۔ اب ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ باہمی رضامندی سے ایک خاص مدت کے لیے ہم سے امن معاہدہ کر لیں۔

جواب میں بدیل نے نہایت ادب واحترام اور خیرخواہانہ انداز میں بات کرتے ہوئے عرض کیا:

سردارانِ قریش نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مکّہ آمد کی خبر پر شدید غصے اور غضب کا اظہار کیا ہے۔ اُنھوں نے جنگ جُو نوجوانوں کی ایک فوج جمع کر لی ہے۔ ان میں سے کچھ بہادروں نے اظہارِ شجاعت کے لیے چیتے کی کھالیں بھی پہن لی ہیں اور اس عزم کا اظہار کیا ہے، بلکہ قسم کھائی ہے کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خانۂ کعبہ کی طرف بڑھیں گے تو وہ ہر قیمت پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا راستہ روکیں گے، پھر بات یقیناً قتل و غارت گری تک پہنچ جائے گی اور یہ سب کچھ حرم کی تعظیم وتکریم کے خلاف ہوگا جسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی پسند نہیں فرمائیں گے۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ساتھیوں سمیت یہیں سے

واپس تشریف لے جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے بدیل!

ہم یہاں قریش سے جنگ کرنے نہیں آئے اور نہ ہی مکّہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ہم تو احرام باندھ کر صرف زیارتِ کعبہ شریف اور عمرہ ادا کرنے کی نیّت سے یہاں آئے ہیں۔تم مکّہ جا کر سردارانِ قریش کو یہ بات سمجھا دو کہ صدیوں سے چلی آرہی دینِ ابراہیمی کی روایات کے تحت کسی بھی شخص کو خانۂ کعبہ کی زیارت اور طواف سے نہیں روکا جاسکتا لیکن اس کے باوجود اگر اُنھوں نے ہمیں اللہ کے گھر کی زیارت اور اس میں عبادت کرنے کے شرف سے روکنے کے لیے جنگ کا راستہ اختیار کیا

تو اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، پھر ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے اور اسلام کی سربلندی کے لیے پوری قوت کے ساتھ اس وقت تک اُن سے لڑیں گے جب تک ہمیں فتح حاصل نہ ہوجائے اور یہ جہاد زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہے گا یا پھر اللہ ذُوالجلال والاکرام ہمارے لیے کوئی نیا حکم جاری نہ فرمادیں۔(1)

بدیل بن ورقا اور اس کے ساتھیوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق اور انصاف پر مبنی انتہائی موثّر اور متوازن موقف کو دل سے تسلیم کیا اور واپس جا کر اہلِ مکّہ کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

اے برادرانِ قریش!

تم لوگوں نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مکّہ آمد پر مسلّح مزاحمت کا جو منصوبہ ترتیب دیا ہے، وہ عجلت میں کیا گیا ایک نامناسب فیصلہ ہے۔(پیغمبر اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب رضی اللہ عنہم صرف زیارتِ کعبہ شریف اور عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے یہاں آئے ہیں۔ان کے پاس تو صرف ایک تلوار ہے اور وہ بھی نیام میں بند ہے۔اس لیے میری اور میرے وفد کے دوسرے اراکین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ مدینہ کے سردار جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کو مکّہ آنے اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور ادائے عمرہ کے عمل میں کوئی رخنہ اندازی نہ کی جائے۔

قبیلہ بنوخزاعہ کے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد کے زمانے سے بہت اچھے تعلقات تھے۔اس لیے قریش کے مشتعل افراد بدیل کی کسی بھی بات پر اعتماد اور بھروسا کرنے کی بجائے اُلٹا اس کے ساتھ انتہائی سخت رویّے سے پیش آئے، بنوخزاعہ کے رئیس کو برا بھلا کہا اور اس کے ایک صائب مشورے کو بڑے درشت لہجے میں مسترد کرتے ہوئے کہنے لگے:

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:2731

اے بدیل!

مسلمان اگر جنگ کے ارادے سے نہیں بھی آئے اور صرف زائرین کی حیثیت سے مکّہ آنا چاہتے ہیں تو بھی ہم ان لوگوں کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے، کیوں کہ اس بات سے سارے عرب میں یہ بات پھیل جائے گی اور لوگ ہمیں طعنہ دیں گے کہ مسلمان طاقت کے ذریعے مکّہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہو گئے۔ وہ ہمیں بے وقوف اور بزدل بھی کہیں گے، چناں چہ یہ ہماری عزت اور وقار کا مسئلہ بن چکا ہے۔ اب اس معاملے پر ہم تمھاری یا کسی دوسرے عرب کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

بدیل نے ساری بات سننے کے بعد اہلِ قریش کو اپنے موقّف سے آگاہ کر دیا کہ اگر قریش نے پُر امن لوگوں کے ساتھ جنگ کا راستہ اختیار کیا تو میں اور میرے قبیلے کا کوئی فرد اس معاملے میں آپ لوگوں کا ساتھ نہیں دے گا۔

اس پر قریش کے راہنماؤں نے بدیل کے سامنے پھر اپنے پختہ ارادوں کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

اللہ کی قسم! جب تک ہم میں کوئی ایک شخص بھی زندہ ہے، ہم مسلمانوں کو اُن کے اس عزم میں کامیاب ہونے نہیں دیں گے کہ وہ ہمارے شہر میں داخل ہو جائیں۔(1)

مجلس میں موجود ایک شرارتی شخص مکرّز بن حفص قریش سے مخاطب ہوا اور کہا:

مسلمانوں کے ساتھ بات چیت کے لیے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجو!

میں یہ مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔

چناں چہ اہلِ مکّہ کی طرف سے اجازت ملنے پر قریش کا یہ نمائندہ جب اسلامی خیمہ گاہ میں پہنچا تو اُسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مکرّز ایک بدعہد اور فتنہ پرور آدمی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی وہی بات کہی جو بدیل اور اس کے وفد سے فرمائی تھی، چناں چہ وہ فساد پسند شخص بغیر کسی کامیابی کے مکّہ واپس چلا گیا۔(2)

بنی کنانہ کے سردار حُلیس بن ربان علقمہ کی سفارت کاری

زمانہ ساز اور پختہ کار قریش نے مختلف قبائل کی مشترکہ فوج کے سربراہ حلیس بن علقمہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ سمجھا کر بھیجا کہ چوں کہ مسلمان جنگ کی نیّت سے آئے ہیں اور بیت اللہ شریف کے تقدس کو پامال کر کے مکّہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں،

اس لیے اے سردار!

آپ مسلمانوں کے پاس جائیں اور مذاکرات کے ذریعے اُن کو اس بات

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 281/1

2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 312/2

پر آمادہ کریں کہ وہ مدینہ واپس جانے پر رضامند ہو جائیں۔

حلیس ایک تجربہ کار، جہاں دیدہ اور رعب داب والا سردار تھا۔ دراصل قریش کے آزمودہ کار راہنماؤں نے یہ چال چلی تھی کہ اگر دورانِ مذاکرات دونوں طرف سے سخت زبان یا تند و تیز رویّہ اختیار کیا گیا تو اُس کے بعد باقی معاملہ ہمارے لیے آسان ہو جائے گا، کیوں کہ جب بڑا سردار مسلمانوں سے شدید ناراض ہو کر واپس آئے گا تو اُس کے نتیجے میں بنو کنانہ کے جنگ جُو سپاہی، جو تلوار اور تیر اندازی میں انتہائی مہارت رکھتے ہیں، پورے جوش اور جذبے کے ساتھ ہمارے شانہ بشانہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصّہ لیں گے۔

اللہ کے حبیب سید المرسلین خاتم النّبیین ﷺ نے جب سردار حلیس کو اپنی فرودگاہ کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

یہ معتدل مزاج، راست فکر اور سچ کا ساتھ دینے والا شخص ہے اور اُس پرہیزگار اور نیک قوم سے تعلّق رکھتا ہے جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کے علاوہ قربانی کے جانوروں کا بھی بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔
اس لیے تم لوگ ایک ترتیب کے ساتھ ہدی کے جانور اِس کے سامنے پیش کر دو!

چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قلاوے پہنے ہوئے قربانی کے لیے نشان زدہ اُونٹوں کو وادی کی طرف سے بڑی متانت اور اہتمام کے ساتھ مسلسل ایک قطار میں چلاتے ہوئے سردار حلیس کے سامنے سے گزرے اور اس کے ساتھ

لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك

کی صدائیں بلند کرتے ہوئے اُنھوں نے اس آنے والے قابلِ احترام سفیر کا استقبال کیا۔

سردار حلیس نے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حالتِ احرام میں دیکھا تو قافلے کے اس پاکیزہ ماحول اور روحانی کیفیت کے اس منظر نے بنو کنانہ کے سردار کو بہت متاثر کیا۔

اس نے دیکھا کہ قربانی کے اُونٹوں کی تقدیس کے لیے اُن کے کوہانوں میں خفیف سے چیر لگے ہوئے ہیں، تقلید کے لیے جانوروں کی گردنوں میں قلاوے ڈالے ہوئے ہیں اور پھر قربانی میں دیر ہو جانے کی وجہ سے ان کی گردنوں کے بال بھی جھڑ چکے ہیں اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بال بکھرے ہوئے اور حجامتیں بڑھی ہوئی ہیں اور وہ بڑے پاکیزہ ماحول میں تلبیہ پڑھ رہے ہیں اور ان کے پاس کسی قسم کا جنگی ساز و سامان بھی نظر نہیں آ رہا۔

ان علامتوں اور نشانیوں کو دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ مکّہ کا برسرِ اقتدار گروہ بالکل غلط انداز میں سوچ رہا ہے، کیوں کہ مدینے سے آنے والے مہمانوں کی نیّت اور آرزُو تو صرف بیت اللہ شریف کی زیارت اور ادائے عمرہ تک محدود ہے۔ مسلمانوں نے بڑے سردار کو نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا۔

مسلمانوں سے ملاقات کے بعد سردار حلیس کو قریش کے اس ظلم و ناانصافی کے رویّے اور غیر منصفانہ طرزِ عمل

پر سخت غصّہ آیا۔اس نے سوچا کہ ایسے امن پسند، نیکی کے آرزومند اور بھلائی کی تمنا رکھنے والے مہمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روکنے کا عمل قطعی نامناسب ہے۔(1)

مکّہ پہنچ کر اُس نے سردارانِ قریش سے کہا:

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں حلیس کی جان ہے۔ یہ کبھی نہ ہوگا کہ باقی سارے عرب میں سے ہرکس و ناکس کو بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کے لیے مکّہ آنے کی اجازت ہومگر ہمارے سردار عبد المطلب کے بیٹے اور ان کے ساتھیوں کو اس خوب صورت عبادت سے روک دیا جائے، حالانکہ وہ لوگ تو اللہ کے گھر کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں۔حتیٰ کہ خانۂ کعبہ کی طرف ہی رخ کر کے دن میں پانچ بار نماز ادا کرتے ہیں۔

یہ زائرین نہایت ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کے ساتھ اللہ کے گھر کی زیارت کرنے آئے ہیں،سب احرام باندھے ہوئے ہیں اور خوب صورتی سے سجائے گئے قربانی کے جانور ان کے ساتھ ہیں۔اگر اللہ کے گھر کی زیارت اور طواف کے عمل میں ایک دفعہ رکاوٹ اور زیادتی کا عمل شروع ہو گیا،تو ربِّ کعبہ کی قسم!اس طرح تو قریش مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

اس نے بڑے باوقار انداز میں قریش کے سرداروں سے صاف صاف کہہ دیا:

میں نے اسلامی کیمپ کے دورے کے دوران اُن کے ارادوں کو گہری نظر سے دیکھا ہے۔نہ ان کے پاس کوئی سامانِ جنگ ہے، نہ ان کے دلوں میں کوئی عناد وکدورت ہے اور نہ ہی وہ کسی کے ساتھ دشمنی کی نیّت رکھتے ہیں۔وہ لوگ تو صرف اللہ کے عظمت والے گھر کی زیارت اور اکرام کی نیت سے یہاں آئے ہیں اور قربانی کے جانور ان کے ساتھ ہیں۔میں نے انھیں احرام کی حالت میں بلند آواز کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔اس لیے میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ عمرہ ادا کرنے اور زیارتِ کعبہ شریف کے علاوہ ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔

لٰہذا اے جماعتِ قریش، اس بات کو یاد رکھو!

تم لوگ خانۂ کعبہ کے مالک نہیں ہو، صرف نگران ہو اور نہ تمھارے پاس کوئی ایسا اختیار ہے کہ تم عبادت اور زیارتِ بیت اللہ شریف کے لیے آنے والے کسی فرد یا جماعت کو بین الاقوامی شہر مکّہ میں داخل ہونے سے روک سکو۔اگر تم کعبہ شریف کی تعظیم کرنے والے ان لوگوں کے عمرہ اور زیارت میں رکاوٹ بنو گے اور ہدی کے جانوروں کو ذبح ہونے کی جگہ تک پہنچنے سے روکو گے،

تو اے قومِ قریش!

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:312/2۔مسند احمد۔رقم الحدیث:18910

تمھارا یہ عمل ایک نا قابلِ بخشش گناہ ہوگا۔تم لوگ ایک ایسے کام کے مرتکب ہو رہے ہو جس سے اللہ کی رحمت بندے سے دور ہو جاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھو!

ایسے حالات میں عرب قبائل تمھارا ہرگز ساتھ نہیں دیں گے اور نہ ہی ہمارے تمھارے درمیان کوئی ایسا معاہدہ ہے جس سے زائرین کو اللہ کے گھر کی زیارت اور عبادت سے روکا جائے۔

اے جماعتِ قریش!

ہم لوگ حلیف کی حیثیت سے تمھارا ساتھ دینے کے لیے اس لیے یہاں نہیں آئے کہ تم ہمارے سامنے اللہ کے مقدس گھر کی حرمتوں کو پامال کرو اور ان لوگوں کا راستہ روکو جو بیت اللہ شریف کی زیارت اور اس کے اکرام کے لیے یہاں آئے ہیں۔اب یا تو تم مدینہ سے آئے ہوئے زائرین کو وہ کام کرنے دو جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں، نہیں تو میں احابیش کے ہر آدمی کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا اور پھر آج کے بعد تم مجھے اپنا اتحادی نہ سمجھنا۔

قریش کے سرکردہ افراد نے جب بنو کنانہ کے سردار کو اتنا سخت موقف اختیار کرتے اور بگڑتے دیکھا تو موقعے کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے وہ لوگ بڑے سردار کی آتشِ غیظ و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اُس کی منت سماجت کرنے لگے اور کہا:

اے سردار حلیس!

آپ خفا نہ ہوں اور نہ ہمارے ساتھ کیے ہوئے دفاعی معاہدوں کو توڑنے کی کوئی بات کریں۔ہم خود بھی اس مسئلے کو جلد حل کرنے کی فکر میں ہیں۔ہمیں تھوڑی سی مہلت دیں تا کہ ہم لوگ صلاح مشورہ کر کے اس معاملے کی کوئی بہتر صورت اور اس کا کوئی مناسب حل دریافت کر سکیں یا کوئی ایسا انتظام کرنے میں کامیاب ہو جائیں جس سے ہمارے لیے بھی کوئی عزت و آبرو اور بہتری کا راستہ نکل آئے اور آپ بھی مطمئن ہو جائیں۔(1)

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پہلے سفیر کی مکّہ روانگی

عروہ بن مسعود ثقفی سمیت سردارانِ مکّہ کی طرف سے آنے والا ہر سفیر یہی پیغام لے کر آیا کہ مسلمان واپس چلے جائیں اور ان کو عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی جب کہ مسلمانوں کی طرف سے ہر بار ان کو یہی جواب دیا گیا کہ:

مذہبی اعتبار سے مکّہ ایک آفاقی اور بین الاقوامی شہر ہے، اس لیے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ زائرین کو حرم میں داخل ہونے سے روکے۔اس کے باوجود اگر قریش مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:312/2۔کتاب لمغازی للواقدی:599/2۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:2731

سے روکتے ہیں تو یہ خانۂ کعبہ کے مقام اور عظمت کے خلاف سرکشی اور بغاوت کا دستور ہوگا، کیوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ شریف کی زیارت اور ادائے عمرہ کے لیے ہی تو تشریف لائے ہیں۔

مگر اشرافِ قریش اس سیدھے سادے موقف کو تسلیم کرنے سے مسلسل انکاری تھے۔ جب مکّہ والوں کی جانب سے بھجوائے گئے کسی بھی سفیر کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ مل سکی تو حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سردارانِ قریش کے خدشات اور اندیشوں کو دور کرنے کے لیے اپنے ایک جاں نثار صحابی، بنوخزاعہ کے خراش بن اُمیّہ کا بطور سفیر انتخاب فرمایا اور انھیں سواری کے لیے اپنا خاص اُونٹ ''ثعلب'' عنایت کرتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ:

تم قریش کے سرداروں کے پاس جاؤ!

اور نہایت وضاحت کے ساتھ اپنا موقف اُن کے سامنے بیان کرو کہ

مسلمان اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر نہیں آئے،

وہ تو صرف بیت اللہ کی زیارت اور ادائے عمرہ کے لیے آئے ہیں۔

لیکن کم ظرف اور سنگ دل قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصالحانہ کوششوں کا یہ جواب دیا کہ برسوں سے چلے آرہے سفارتی رسم و رواج کے برعکس مسلم سفیر خراش بن اُمیّہ کے اونٹ کی اگلی دونوں ٹانگیں کاٹ کر اسے ہلاک کر دیا اور مسلم سفیر کو بھی محاصرے میں لے کر قتل کرنا چاہا لیکن اُن کی قسمت اچھی تھی کہ تیرانداز قبائل کے کچھ بھلے آدمیوں کی بروقت مداخلت پر قریشِ مکّہ نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ بہ مشکل تمام اُن خوں خواروں سے بچ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں واپس لوٹ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام واقعات بیان کیے۔ (1)

قریش کی ناکام تدبیریں

عمائدینِ قریش کے کئی سفیر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور باہمی مذاکرات کے کئی سلسلے بھی چلے لیکن اس دوران کچھ شرپسند نوجوان صلح کے عمل میں بار بار رخنہ اندازی کی کوشش کرتے رہے، وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اشتعال میں آکر کوئی ایسا قدم اُٹھائیں کہ صلح کی کوششیں ناکام ہوجائیں۔ اُس کے نتیجے میں حالات اس حد تک بگڑ جائیں کہ جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھیں اور قریش پر یہ الزام بھی نہ لگ سکے کہ اُنھوں نے بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ کے لیے آنے والوں پر حملے میں پہل کی ہے۔ اس طرح وہ عرب کے دوسرے قبیلوں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوجائیں گے کہ مسلمان حرمت کے مہینوں میں عبادت کے لیے نہیں بلکہ مکّہ پر قبضہ کے لیے آئے تھے۔ تاہم ان کی اشتعال انگیزی کی ساری کوششوں اور تدبیروں کو پیکرِ صبر و رضا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت و فراست، تحمل و برداشت اور صبر و ضبط نے ناکام بنا دیا۔

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 314/2۔ کتاب المغازی للواقدی: 600/2

ایک بار قریش کے چالیس پچاس کے قریب شرارت پسند نوجوان رات کی تاریکی میں دبے پاؤں آئے اور مسلمانوں کی اقامت گاہ پر تیر برسانے شروع کر دیئے ،مگر اسلامی کیمپ کی حفاظت پر مامور مجاہدین کے کمانڈر جناب محمد بن مسلمہ نے اپنے حسنِ تدبیر سے اِن فتنہ پسند حملہ آوروں کو گرفتار کر کے رحمۃ للّعالمین رؤف و رحیم رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا لیکن ہمیشہ کی طرح دوسروں کی غلطیوں کو درگزر فرمانے والے ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سب بے وقوف لوگوں کو معاف کر کے رہا کرنے کا حکم جاری فرما دیا، بلکہ ان کے ہتھیار واپس کرتے وقت قریش کے اُن آزاد کردہ نادان لشکریوں سے فرمایا:

جب لوٹ کر اپنی قوم میں واپس جاؤ

تو مکّہ کے سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں کسی کے ساتھ لڑائی کی نیّت سے نہیں آئے۔

شاید میری یہ بات اُن کی سمجھ میں آجائے۔

قریش کے قید کیے جانے والے نوجوانوں کو جب بغیر کسی شرط کے رہا کر دیا گیا تو وہ ہمارے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقت و مہربانی اور حُسنِ سلوک سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

کچھ مسلمانوں نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان قیدیوں کو بغیر فدیہ لیے رہا فرما دیا

اور ان کا اسلحہ بھی لوٹا دیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم خانۂ کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے مکّہ جانا چاہتے ہیں۔

ہمارا یہ سفر کسی کے ساتھ جنگ کے لیے نہیں۔

ایسا سفر جو زیارتِ بیت اللہ شریف اور طواف کی نیت سے کیا جا رہا ہو،

اس میں کسی کو جنگی قیدی نہیں بنایا جاتا۔

اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقصد اہلِ مکّہ تک یہ پیغام پہنچانا تھا کہ ہم جنگ کرنے یا کسی کو قیدی بنانے کے لیے نہیں آئے، بلکہ صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔(1)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے نئے سفیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہایت صبر و تحمل ،معاملہ فہمی اور حوصلے کے ساتھ قریش کی

1۔ کتاب المغازی للواقدی:602/2۔سنن ابی داؤد:2688۔سنن ترمذی:3264۔صحیح مسلم:1807

طرف سے ہونے والی بے جا مخالفت، مخاصمت اور ہٹ دھرمی کو برداشت فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قریشِ مکّہ کے غیر معقول اور نامناسب رویّے کے باوجود کوشش جاری رکھی کہ شاید وہ لوگ اس بات کا ادراک کرلیں کہ جماعتِ قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہی میں اہلِ مکّہ کا فائدہ اور بہتری ہے، چناں چہ سردارانِ مکّہ کے ساتھ گفت وشنید کی اس اعلیٰ سطح کی سفارت کاری کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے داماد اور معتمد خاص سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور انھیں یہ اہم پیغام اشرافِ مکّہ تک پہنچانے کی ذمّے داری کے ساتھ مکّہ بھیجا کہ:

اے قومِ قریش! ہم یہاں جنگ کے ارادے سے نہیں آئے،
ہم تو زیارتِ کعبہ شریف اور ادائے عمرہ کے لیے آئے ہیں،
اس لیے آپ لوگ ہمارا راستہ نہ روکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ایک خاص ہدایت یہ بھی فرمائی کہ مکّہ میں رہائش پزیر مجبور اور بے کس مسلمان مردوں اور عورتوں کے ساتھ ملاقات کریں تو اُن مظلوموں کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے اُن کو یہ خوش خبری سنا دیں کہ

آزمائش اور ابتلا کے دن جلد ختم ہونے والے ہیں۔
اللہ ذُوالجلال والاکرام عن قریب اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عزت اور
اپنے پسندیدہ دینِ اسلام کو مکّہ میں طاقت عطا فرمانے والے ہیں،
یہاں تک کہ کسی مومن مرد یا عورت کو اپنا ایمان چھپانے، اُسے خفیہ رکھنے
اور پریشان ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

مکّہ میں رہنے والے مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے آیا ہوا پیغامِ اُمید سن کر بہت خوش ہوئے۔

سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کا خاندان بنواُمیّہ، اُس وقت مکّہ کا سب سے زیادہ صاحبِ اقتدار اور اثر و رسُوخ رکھنے والا گھرانہ تھا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بہت سے بااثر اور صاحبِ عزت عزیز واقارب اُس وقت شہر میں موجود تھے اور وہ خود بھی مجلسی آداب اور فنِ سفارت کاری سے پوری طرح آگاہ اور نہایت شیریں زبان تھے۔

وہ ایسی سلجھی ہوئی گفت گو فرماتے جو کسی پر گراں نہ گزرتی۔ خوش لباس، خوش گفتار اور باوقار سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت حلیم الطبع، بردبار، نرم خو اور ٹھنڈے مزاج کے حامل تھے۔ اس اہم ذمّے داری کو ادا کرنے کے لیے جب وہ مکّہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے اُن کی ملاقات اپنے چچا زاد بھائی ابان بن سعید بن العاص سے ہوئی۔ اُنھوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خوش آمدید کہا اور اپنی پناہ میں لے کر یہ اعلان کر دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان میرے مہمان کی حیثیت سے میرے پاس قیام فرمائیں گے۔

ہر دل عزیز سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب خانۂ کعبہ پہنچے تو سردارانِ قریش نے آگے بڑھ کر بڑی خندہ پیشانی سے

ان کا استقبال کیا اور انھیں بڑی عزت وتکریم کے ساتھ اپنی مجلس میں لے کر آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اشرافِ قریش کو آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچاتے ہوئے کہا:

اے برادرانِ قریش!

میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے امن اور صلح کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ ہمارے پیارے آقا اور اللہ کے رسُول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقا کے ساتھ یہاں کسی کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف اللہ کے مقدس اور محترم گھر کی زیارت اور طواف کے لیے آئے ہیں، جس کی تعظیم وتکریم کرنا ہم سب کا فرض ہے اور ہمارا یہ عمل اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے۔ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے اُونٹ ہمارے ساتھ ہیں جن کی گردنوں میں قلاوے پڑے ہوئے ہیں۔ سو، اس وقت ہمارا مقصد صرف عمرہ کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ ہماری طرف سے آپ لوگ بالکل اطمینان رکھیں۔ عمرہ ادا کرنے اور الوداعی طواف کے بعد ہم خاموشی سے مدینہ واپس چلے جائیں گے۔

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بار بار بھیجے گئے ''امن پیغامات'' کی وجہ سے سردارانِ قریش کی مخالفت کی شدّت میں اب کمی واقع ہو چکی تھی، چناں چہ اُنھوں نے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا:

ٹھیک ہے۔ (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پیغام آپ رضی اللہ عنہ نے ہم تک پہنچا دیا ہے، اب ہمیں آپس میں مشورہ کرنے کے لیے تھوڑا وقت دیں۔ ہم جلد ہی آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے قطعی موقف سے آگاہ کر دیں گے۔

قریش نے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اعزاز و اکرام کرتے ہوئے اُن سے کہا کہ:

آپ رضی اللہ عنہ ہمارے مہمان ہیں۔

قیامِ مکّہ کے دوران شہر میں جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔

قریش نے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ذاتی طور پر بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی بھی پیش کش کی لیکن اُنھوں نے قریش کی اس پیش کش کو قبول کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ دوٹوک انداز میں یہ بھی فرمایا کہ:

جب تک ہمارے محبوب آقا پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف نہیں فرمائیں گے،

میں آپ لوگوں کی طرف سے طواف کرنے کی اس پیش کش کو قبول نہیں کر سکتا۔

پھر سردارانِ قریش کے ساتھ مذاکرات میں مختلف تجاویز پر بحث ہوتی رہی جس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مکّہ میں قیام قدرے طویل ہو گیا۔ قریش ایسا حل چاہتے تھے کہ عرب میں کسی طرح ان کی عزت قائم رہ جائے اور یہ

پھر بھی کہ اُنھوں نے مسلمانوں کو مکّہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔(1)

دوسری طرف حدیبیہ میں خیمہ زن مسلمانوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بڑی بے چینی سے انتظار ہو رہا تھا، جب کہ مکّہ میں ان کی سرداران قریش کے ساتھ بات چیت ابھی جاری تھی۔ مذاکرات طویل ہو جانے سے سفیرِ محترم کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی جس سے شکوک وشبہات جنم لینے لگے۔ نہ جانے کس طرح مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکّہ نے شہید کر دیا ہے۔

مسلمان اس افسوس ناک خبر سے بے حد غم زدہ ہوئے کہ اہلِ مکّہ نے عربوں کی صدیوں سے چلی آ رہی روایات اور دستور کے خلاف حرمت والے مہینوں میں حرم کی حدود میں ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے، حالانکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اپنے سفیر کو صلح کے پیغام کے ساتھ بھیجا تھا۔ مسلمانوں کے نزدیک قریش کا امن کے سفیر کو قتل کرنا ظلم، زیادتی اور سنگ دلی کی انتہا تھی۔ اس طرح لشکرِ اسلام میں ہر طرف اشتعال پھیل گیا اور انتقام لینے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

بیعتِ رضوان تحت الشجر

اس افسوس ناک خبر سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محترم مہینوں کے احترام میں جنگ کی بجائے سردارانِ قریش کے ساتھ صلح کے خواہش مند تھے لیکن اب اس افسوس ناک خبر کے بعد پیکرِ صبر و رضا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مضبوط قدم اُٹھایا اور اب تک کی تحمّل و برداشت اور صبر وضبط کی حکمتِ عملی میں تبدیلی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

> اگر عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلّق خبر درست ثابت ہوئی تو اُس کے خون کا بدلہ لینا میرا فرض ہے۔ ہم قریش کے ساتھ جنگ کیے بغیر یہاں سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے، کیوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک سفیر کی حیثیت سے اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفویض کردہ ذمّے داری پر مامور تھے۔(2)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے جہاد اور قتال فی سبیل اللہ پر بیعت کے لیے لوگوں کو بلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیری کے ایک گھنے اور سایہ دار درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ بن یسار نے درخت کی آگے جھکی ہوئی شاخوں کو پکڑ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے ہٹایا اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ مبارک تھام لیا، پھر قریش سے جنگ کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیعت کی دعوت دینے لگے۔

نہایت سنگین اور غیر معمولی حالات کے پیشِ نظر جاں نثاروں کی طرف سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس پر یہ ایک عظیم ترین بیعت تھی، کیوں کہ مسلمان اپنے شہر سے ڈھائی سو میل دُور اور دشمنوں کے بالکل قریب ٹھہرے

1۔ کتاب المغازی للواقدی:601/2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام:315/2
2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام:315/2

ہوئے تھے، جہاں انھیں افرادی امداد، سامانِ خورد ونوش کی رسد اور اسلحہ کی سپلائی پہنچنا ناممکن تھا۔ جب کہ جنگ کی صورت میں قریش کو رسد کی سپلائی کے ساتھ حلیف قبائل کے لڑاکا دستوں کی بھی پوری مدد حاصل تھی۔

اگر کفار کا مشترکہ لشکر پوری طاقت سے حملہ آور ہوتا تو مجاہدین کو آسانی کے ساتھ گھیرے میں لے سکتا تھا۔ اس طرح اس جنگ کا انجام کچھ بھی ممکن تھا لیکن غلامانِ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی قسم کے نتیجے اور تلخ انجام سے بے پروا ہو کر پوری جاں نثاری اور سرفروشی کے جذبے کے ساتھ بیعت سے شرف یاب ہونے کے لیے جوق در جوق بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہونے لگے۔

سب سے پہلے ابو اسنان اسدی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر عرض کیا کہ:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں قسم اُٹھاتا ہوں کہ کامل اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کی ہر صورت میں بلا جھجک اور بلا تاخیر تعمیل کروں گا، چاہے وہ حکم میری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔(1)

اُنھوں نے اللہ کی راہ میں صبر اور استقامت کے ساتھ جہاد کرنے، میدانِ جنگ سے نہ بھاگنے اور موت تک ثابت قدم رہنے کے لیے بیعت کی۔ جاں نثاروں کی ایک جماعت فارغ نہیں ہوتی تھی کہ دوسری جماعت بیعت کے لیے تیار کھڑی ہوتی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے جوش وجذبے اور ولولہ انگیز انداز میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر اللہ سے اس بات کا پختہ عہد کر رہے تھے کہ ہم اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس مقام سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس طرح عاشقانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا عہد کیا کہ وہ قریش سے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیں گے اور اس کوشش میں انھیں اپنی جانیں قربان کرنے میں کوئی باک نہ ہوگا۔

بہادر اور پُرجوش صحابی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع نے اپنے فداکاری کے جذبے کا اظہار کرتے ہوئے شروع، درمیان اور آخر میں یہ کہہ کر بیعت کی کہ:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جی میں ہے، میں اسی کی بیعت کرتا ہوں۔(2)

چودہ سو مسلمان صرف زیارتِ کعبہ شریف اور عمرہ ادا کرنے جیسی نفیس اور پسندیدہ عبادت کی نیّت کے ساتھ گھروں سے نکلے تھے۔ اُن کے پاس عرب روایات کے مطابق صرف ایک تلوار تھی اور وہ بھی نیام میں بند تھی، اہلِ ایمان کے پاس آگے بڑھ کر حملہ کرنے یا دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ سب انتہائی ٹھنڈے دل و دماغ اور مکمل سکون و اطمینان کی کیفیت میں اپنے آقا اور سپہ سالار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 315/2۔ سنن ترمذی۔ رقم الحدیث: 1593
2۔ عیون الاثر: 166/2

مبارک پر پورے جذبۂ ایمانی کے ساتھ اور کسی خوف اور گھبراہٹ کے بغیر اطاعتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عزتِ اسلام کے لیے آخری دم تک لڑنے، میدانِ جنگ میں ایک بھی قدم پیچھے نہ ہٹنے اور راضی خوشی اللہ کے راستے میں جان کی بازی لگا دینے کا عہد کر رہے تھے۔

مقدس بیعت کا یہ عمل پورے جوش و جذبے، اخلاص و محبت، استقلال و استقامت اور شہادت کی سرشاری کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سر بہ کف ہو کر اپنی تلواروں کو نیاموں سے باہر نکال لیا اور ذہنی و جسمانی طور پر فتح یا شہادت کے لیے تیار ہو گئے۔

سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفاداری کا یہ جذبہ دیکھا تو ان کی توصیف میں فرمایا:

انتم خیر اھل الارض

آج کے دن تم لوگ روئے زمین کے تمام لوگوں سے افضل ہو۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا:

وہ تمام لوگ جنھوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے،

ان شاء اللہ! دوزخ کی آگ سے محفوظ رہیں گے۔(2)

راہِ خدا میں جاں نثاری کی یہ بیعت جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر اللہ کے حکم سے لی گئی تھی یہ دراصل اُن کم ظرف اور سیاہ بخت لوگوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھا جنھوں نے امن کے سفیر کو، اور وہ بھی ادب اور حرمت والے مہینے میں، شہید کر دیا تھا۔

وفاداری اور جاں نثاری کی یہ اعلیٰ اور بے مثال ادا اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اللہ ذوالجلال والاکرام نے قرآنِ حکیم فرقانِ حمید میں اس بیعت کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:18)

(اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!)

جب مسلمان درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر سر دھڑ کی بازی لگانے کی بیعت کر رہے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی بے انتہا محبت، جذبۂ عقیدت، خلوصِ نیت اور جاں نثاری کے متعلّق خوب معلوم تھا۔ بے شک وہ حق کا ساتھ دینے والے ان مومنوں سے خوش اور راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اطمینان اور سکون نازل فرمایا اور اس بیعت کے انعام میں ان کو جلد ہی فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس وفاداری اور جاں نثاری سے راضی ہونے کی وجہ سے اس بیعت

1۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث:4154 2۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث:14778

کو "بیعتِ رضوان" بھی کہا جاتا ہے۔

جب تمام مسلمان بیعت کر چکے تو اس کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خوش بخت اور خوش نصیب سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے اور فضیلت سے آگاہ فرمایا جو انھیں دربارِ نبوی میں حاصل تھا کہ اپنے ایک دستِ مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر اپنے دُوسرے دستِ مبارک پر رکھ کر فرمایا:

هذا يد عثمان

یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔(1)

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں کار کشاء کار ساز

اس طرح دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا کر امن کے سفیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تکمیل بیعت فرمائی گئی۔ یہ حضرت عثمان کے لیے بڑے اعزاز و اکرام کی بات تھی کہ سرورِ کائنات پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا، چناں چہ سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی درخت کے نیچے اُس بیعت کا حصّہ بن گئے جس کے متعلّق اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

ان افضل ترین لوگوں پر دوزخ کی آگ حرام ہو گئی ہے۔(2)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آخری سانس تک لڑنے اور مر مٹنے کے عہد، ان کے عظیم الشّان جذبۂ جہاد، بیعت کے ایمان افروز مناظر اور ولولہ انگیز طریقے سے جنگ کی تیاریوں کی خبریں مکّہ پہنچیں تو قریش پر سخت رعب طاری ہو گیا۔ اُن کے اوسان خطا ہو گئے، مکّہ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور شہر میں ہر طرف خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔

قریش کے حوصلے پست ہونے لگے اور اُن کے غرور و تکبر کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا، کیوں کہ قریش کو پچھلی تین جنگوں بدر، اُحد اور خندق میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جراَت و شجاعت، فہم و فراست اور جنگی حکمتِ عملی پر عبور اور اس کے علاوہ انھیں مسلمانوں کی جاں نثاری، دلیری و دلاوری، ثابت قدمی عزم و استقلال کا بھی خاصہ تجربہ ہو چکا تھا۔ انھیں اس بات کا بھی اچھی طرح علم تھا کہ مسلمان اپنے قتل کو شہادت اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں اپنی جانیں نچھاور کرنے کے عمل کو اپنی خوش بختی، اقبال مندی اور سعادتِ عظیم سمجھتے ہیں، بلکہ جان دیتے وقت کہتے ہیں:

فزت و ربّ الكعبة

ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔(3)

1۔ کتاب المغازی۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث:4066
2۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث:14778
3۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث:2801

اسی دوران یہ اطمینان بخش خبر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچ گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خیریت سے ہیں اور ان کی شہادت کی خبر غلط تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد خود سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں قریش کے ساتھ کی گئی اپنی بات چیت کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

سردارانِ قریش کے ساتھ بات چیت کے دوران میں نے اُن کو بتایا کہ

ہمارا یہاں آنے کا مقصد کسی جنگ میں الجھنا نہیں، بلکہ زیارتِ کعبہ شریف اور عمرہ کرنا ہے۔

تاہم سردارانِ قریش نے تھوڑا وقت مانگا ہے تاکہ اس مسئلے کا کوئی باعزت حل نکل آئے۔

سہیل بن عمرو کی آمد

مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ شریف اور عمرہ کرنے سے روکنے کے مسئلے پر اب قریشِ مکّہ کو بنو ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی، تیرانداز قبیلوں کے سردار حلیس اور دوسرے اتحادیوں کی حمایت حاصل نہیں رہی تھی۔ ان مشکل حالات میں جب انھیں یہ خبر ملی کہ مسلمانوں نے سامانِ حرب کی انتہائی کمی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر موت پر بیعت کی ہے اور وہ پورے جوش وخروش اور جذبہ شہادت کے ساتھ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو چکے ہیں تو عمائدینِ قریش کو پہلی بار حالات کی سنگینی کا احساس ہوا، چناں چہ ان کے سمجھ دار اور دوراندیش راہنما پوری فکرمندی کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ مسئلے کو پُرامن طریقے سے حل کرنے میں مزید دیر کرنا مناسب نہیں ہوگا، اس لیے جتنی جلدی ہو سکے، معاہدہ امن وصلح کے لیے نامہ و پیام اور بات چیت کا سلسلہ شروع کیا جانا چاہیے۔

بالآخر دو دن اور دو راتوں کی مشاورت کے بعد اشرافِ مکّہ کے درمیان اس اَمر پر اتفاقِ رائے ہو گیا کہ اپنے شہر کے سب سے زیادہ تجربہ کار سفارت کار، دانش مند اور قابلِ اعتماد سیاسی مدبّر سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک بااختیار وفد صلح کی پیش کش کے ساتھ حدیبیہ بھیجا جائے۔ یہ وفد ایک اچھے ماحول میں الجھے ہوئے معاملات کو احسن انداز میں سلجھانے کے لیے صلح کی بات چیت شروع کرے اور جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اس بات پر آمادہ کرے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس سال بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے شہر میں داخل نہ ہوں، بلکہ واپس تشریف لے جائیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ تمام عرب قبائل کے سامنے ان کی عزت رہ جائے، وگرنہ لوگ طعنے دیں گے کہ قبیلۂ قریش اب ایک کمزور قبیلہ ہے، اس لیے مسلمان بہ زورِ طاقت مکّہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس سے اہلِ عرب کی نظروں میں ان کا رعب داب اور بہادری کی ساکھ ختم ہوجائے گی۔

سابقہ غیر قریشی سفیروں کے برعکس موجودہ سفیر سہیل بن عمرو قریش کے ایک عقل مند، صاحبِ حکمت، بااثر اور سرکردہ سردار تھے۔ وہ موقع محل کے مطابق گفت گو کرنے اور اپنی بات منوانے کا فن جانتے تھے۔ موقعے کی

نزاکت اور حالات کے نشیب و فراز سے بخوبی آگاہ اور مذاکرات کے اتار چڑھاؤ کے ہنر کو اچھی طرح سمجھنے والے سہیل بن عمرو بڑے فصیح و بلیغ مقرر اور اُمّ المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ لوگ انھیں خطیبِ مکّہ اور فصاحت و بلاغت کا بادشاہ کہتے تھے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موثر، مستحکم اور مدبّرانہ اقدام سے مکّہ کے سردار بالآخر مذاکرات پر مجبور ہو گئے لیکن اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ! وہ لوگ جنگِ بدر، اُحد اور خندق کی طرح بساطِ سیاست پر بھی مات کھا گئے۔

جب سہیل بن عمرو کی آمد کی خبر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچائی گئی کہ اکابرِ مکّہ نے انھیں مسلمانوں کے ساتھ گفت و شنید کے لیے اپنا سفیر بنا کر بھیجا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قد سھل اللہ لکم من امرکم (1)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ لوگوں کا معاملہ آسان فرما دیا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اشرافِ مکّہ نے سہیل جیسے سمجھ دار اور سنجیدہ شخص کو مذاکرات کے لیے بھیجا ہے
تو معلوم ہوتا ہے کہ قریش اب معاملات کو سفارت کاری کے ذریعے حل کرنا چاہتے ہیں۔
اُمید ہے کہ اب جنگ کی نوبت نہیں آئے گی اور قدم صلح کی جانب بڑھیں گے۔(2)

سہیل بن عمرو آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ بڑے خوش گوار ماحول اور سلجھے ہوئے انداز میں اُنھوں نے طویل مذاکرات کا آغاز اس اعتراف کے ساتھ کیا کہ اسلامی خیمہ گاہ پر ہماری طرف سے حملہ کرنے کی جو بھی کوشش ہوئی، وہ ہماری غلط حکمتِ عملی تھی۔

دراصل یہ فضول حرکت ہمارے چند بے وقوف قسم کے نوجوانوں کی طرف سے ہوئی تھی، جب کہ ہمارے اہلِ عقل و حکمت اور ذمّے دار لوگوں نے تو ان نادان نوجوانوں کی حملے کی اس کوشش کو قطعاً ناپسند کیا ہے۔

اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے اُنھوں نے کہا:

میں مکّہ کے سرداروں کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آیا ہوں لیکن اس کے لیے اُنھوں نے کچھ شرائط آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں بھیجی ہیں۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں قبول فرمالیں تو اس میں ہمارے لیے بھی سلامتی ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے بھی بہتری ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل سے شرائط کے متعلّق دریافت فرمایا۔

سہیل بن عمرو نے عرض کیا:

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 2731

2۔ مرویات غزوہ الحدیبیہ، ص: 132/1۔ رقم الحدیث: 73

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہاں آمد سے پہلے سردارانِ قریش، تمام عرب قبائل کے سامنے یہ اعلان کر چکے تھے کہ ہم مسلمانوں کو اس سال مکّہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس لیے اگر آپ لوگ اس سال مکّہ پہنچ جاتے ہیں تو سارے عرب میں ہمارے خلاف چرچا ہوگا کہ مسلمان زبردستی شہر میں داخل ہوگئے۔ لہٰذا یہ بات ہماری مجبوری بن چکی ہے کہ آپ اس سال مدینہ واپس چلے جائیں اور اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے آئیں۔

مذاکرات کے دوران ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ سردار سہیل کی آواز بلند ہونے لگی تو قریب کھڑے ایک جاں نثار صحابی عباد رضی اللہ عنہ بن بشر نے سہیل کو ڈانٹ دیا اور کہا:

اخفض صوتك عند رسُول الله (1)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں اپنی آواز کو نیچے رکھ!

یقیناً اس تنبیہ کو اس دانش ور سردار نے ضرور محسوس کیا ہوگا۔ بہر حال، دیر تک شرائطِ صلح پر گفت گو ہوتی رہی۔ درمیان میں کئی بار ایسے موقعے بھی آئے جب یوں لگا کہ شاید بات چیت آگے نہ بڑھ سکے لیکن دونوں فریقوں کے درمیان پیش کردہ شرائط پر شق وار بحث مباحثے اور طویل مذاکرات کے بعد بالآخر ایک معاہدہ طے پا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی طرف سے پیش کی گئی تقریباً تمام شرائط قبول فرمالیں۔ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے امن کے اس معاہدے میں مصلحت و برکت رکھی تھی۔ اس مجلس میں جو مسلمان موجود تھے، اُن کی نظریں فوری واقعات اور ان کے اثرات پر تھیں۔ وہ سب سفیرِ مکّہ سردار سہیل بن عمرو کی طرف سے منوائی گئی شرائطِ صلح سے شدید پریشان اور افسردہ تھے۔ خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا، چناں چہ وہ ان شرائطِ معاہدہ پر اپنے جذبات کے اظہار کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہاں عمر رضی اللہ عنہ!

مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نبوّت عطا فرمائی گئی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

کیا ہم مسلمان حق پر اور کافر باطل پر نہیں؟

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: بے شک عمر!

ایسا ہی ہے۔

1۔ کتاب المغازی للواقدی:606/2

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: تو پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ہم اپنے سچے دین کے متعلّق اتنے نرم کیوں ہیں
اور جھوٹے مذہب والوں کی طرف سے پیش کی گئیں شرائط کو
اتنا دب کر کیوں قبول کیا جارہا ہے؟

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صبر و تحمل اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا:

اے عمر!
میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں۔
میں اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔
میرا اللہ میرا مددگار ہے اور وہ مجھے اپنی مدد سے محروم نہیں رکھے گا۔
اے عمر!
سنو! اللہ چاہتا ہے کہ میں یہ صلح کروں اور صلح کے اس معاہدے کا پابند رہوں۔
جیسا کہ میں نے اپنا خواب بیان کیا تھا۔ ان شا اللہ! وہ اَمر ہو کر رہے گا۔
اے عمر!
غم نہ کرو! جلد ہی تمھیں بیت اللہ شریف کی زیارت اور
عمرہ ادا کرنے کا موقع ملے گا۔
اس سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔(1)

مکّہ سے آئے وفد کے قائد سردار سہیل بن عمرو نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ جو شرائط آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ہمارے درمیان طے پائی ہیں، انھیں ایک معاہدے کی شکل میں تحریر کرلیں۔

سیّدالمرسلین خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان طے شدہ شرائط کو معاہدے کی صورت میں تحریر کرنے کا حکم دیا۔

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیمO'' لکھ کر تحریر کا آغاز کیا۔

سردار سہیل بن عمرو نے اس پر اعتراض کر دیا کہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہم واقف نہیں
اور لفظ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' تو ہمارے لیے بالکل اجنبی ہیں،
لہٰذا معاہدے کا آغاز انھی الفاظ کے ساتھ کریں

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:2731

جو صدیوں سے عرب روایات کے مطابق لکھتے آئے ہیں
یعنی ''بسمك اللهم''، لکھیں،
کیوں کہ ہمارے ہاں زمانۂ قدیم سے یہی الفاظ رائج ہیں۔
مسلمان کہنے لگے:
اللہ کی قسم!
ہم ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی بجائے کسی دوسرے جملے سے
معاہدے کی تحریر کا آغاز نہیں کریں گے۔
صورتِ حال کو سنبھالنے کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:
اے علی!
آپ بسمك اللهم سے ہی معاہدے کی تحریر کا آغاز کریں!
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو:
هذا ما صالح عليه محمد رسول الله و سهيل بن عمرو
یہ صلح کا وہ معاہدہ ہے
جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا ہے۔
یہ سنتے ہی سردار سہیل بن عمرو نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:
ابھی آپ رضی اللہ عنہ قلم روک لیں، کیوں کہ اگر ہمارا اس بات پر ایمان ہوتا کہ
جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں
تو پھر نہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے برسرِ پیکار ہوتے،
نہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جنگوں کی نوبت آتی
اور نہ ہی ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بیت اللہ شریف کی زیارت
اور عمرہ کرنے سے روکتے،
اس لیے آپ صرف جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبد اللہ لکھیں۔
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی پُرسکون لہجے میں فرمایا:
اے سہیل!
تیرے ماننے یا نہ ماننے سے میرے منصبِ رسالت پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔
اللہ کی قسم!

بے شک میں اللہ کا رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہوں

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بھی ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہاتھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جیسے سہیل کہہ رہا ہے، اُسی طرح لکھ دیں۔

لہٰذا سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معاہدہ کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ کرنا پڑا:

هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله و سهيل بن عمرو

یہ صلح کا وہ معاہدہ ہے

جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا ہے۔(1)

شرائطِ صلح

1- فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جنگ بندی کا یہ معاہدہ دس سال کے لیے ہے۔ امن کو برقرار رکھنے کے لیے ہر سطح پر ایک دوسرے کے خلاف ہر قسم کی مخاصمت اور محاذ آرائی کو ترک کر دیا جائے گا۔ فریقین کے تجارتی قافلے مکمل تحفظ اور اطمینان کے ساتھ اپنی منزل کی جانب سفر کر سکیں گے۔ دس سال کے اس عرصے کے دوران دونوں شہروں کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہیں اُٹھائیں گے، بلکہ امن اور سلامتی کے ساتھ رہیں گے اور ایک دُوسرے کے اموال کا احترام کیا جائے گا۔

2- قریشِ مکّہ میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر اپنے خاندان کے سربراہ یا سرپرست کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینہ چلا جائے تو قریش کے طلب کرنے پر یہ ریاستِ مدینہ کی ذمّے داری ہوگی کہ اُس کو واپس بھیج دیا جائے۔

3- اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص اسلام چھوڑ کر مکّہ پہنچ جائے تو قریش اُسے واپس بھیجنے کے پابند نہیں ہوں گے۔

4- عرب کے تمام قبائل کو آزادی ہوگی کہ وہ فریقین میں جس کے ساتھ چاہیں، حلیفانہ معاہدہ کرلیں۔ اس طرح فریقین کے ساتھ وہ قبائل بھی اس معاہدے کی شرائط میں شامل سمجھے جائیں گے۔

5- مسلمان اس سال زیارتِ کعبہ شریف اور طواف کے بغیر مدینہ واپس چلے جائیں گے۔ اگلے برس جب (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب کے ہمراہ زیارتِ کعبہ شریف اور ادائے عمرہ کے لیے آئیں گے تو قریش تین دن کے لیے مکّہ شہر کو خالی کر دیں گے، پھر یہاں تین دن قیام اور قربانی کے بعد اہلِ مدینہ واپس چلے جائیں گے۔

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 2731

6- مکّہ آنے والے اسلامی کارواں میں شامل ہر فرد کے پاس صرف ایک تلوار ہوگی اور وہ بھی چمڑے سے بنی ہوئی نیام میں بند ہوگی۔

7- واپسی پر اہلِ ایمان کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ مکّہ میں پہلے سے مقیم کسی مسلمان کو اپنے ساتھ مدینہ لے جاسکیں۔

8- فریقین ایک دوسرے سے کوئی چالاکی یا بدعہدی نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کے خلاف کسی سازش میں شریک ہوں گے۔ دلوں میں اگر عداوتیں ہیں تو ان کو ظاہر نہیں کیا جائے گا اور نہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے اپنے کسی حلیف کی خفیہ یا اعلانیہ مدد کی جائے گی۔(1)

حدیبیہ کے مقام پر صلح کا یہ معاہدہ مکمل ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حزن وملال میں مبتلا ہوگئے، کیوں کہ صلح کی تقریباً تمام شرائط یک طرفہ اور تکلیف دہ تھیں جن سے بظاہر مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا۔ خصوصاً یہ دو شرائط کہ مکّہ سے کوئی شخص اپنے ولی یا سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ نہیں جاسکتا، جب کہ کوئی شخص مدینہ سے بھاگ کر مکّہ چلا جائے تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ دوسری یہ شرط کہ اس بار مسلمان عمرہ کی تکمیل کے بغیر واپس چلے جائیں۔

سہیل بن عمرو نے اپنی شرائط منوا کر یہ سمجھا کہ اسے ایک بڑی سیاسی کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن وقت نے ثابت کردیا کہ یہ تو مکّہ والوں کی زبردست شکست تھی۔

مظلوم ابوجندل رضی اللہ عنہ اور ایفائے عہد

اس وقت معاہدے کے متعلّق شرائط کو سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منظور فرما چکے تھے لیکن طے شدہ شرائط اور لکھے ہوئے معاہدے پر دستخط ہونے کا مرحلہ ابھی باقی تھا کہ ایک دردناک اور تکلیف دہ صورتِ حال سامنے آگئی جسے قبول کرنا اداسی اور افسردگی میں ڈوبے مسلمانوں کے ایمان ویقین اور اطاعت وفرمانبرداری کے لیے ایک بہت بڑا امتحان بن گئی۔

واقعہ یہ ہوا کہ قریش کے سفیر سہیل بن عمرو کے فرزندِ ارجمند حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ، جو کہ کافی عرصے سے ہجرت کے خواہش مند تھے، آج اُن کو کسی طرح باپ کی قید سے فرار ہونے کا موقع مل گیا اور وہ پاؤں میں پڑی بیڑیوں سمیت گرتے پڑتے اور لڑکھڑاتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوگئے۔ اس وقت ان کی زبان پر کلمۂ شہادت تھا، جب کہ چہرے کی رنگت زرد، بال بکھرے ہوئے اور کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ بے بسی کی حالت میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں گر پڑے اور پھر اپنے بدن پر لگے وہ بے شمار زخم اور نشان دکھائے جو شدید تشدّد کی وجہ سے ان کے جسم پر پڑ گئے تھے۔

1۔سیرت انسائیکلوپیڈیا دارالسلام:8/41-140۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:2/317۔سنن ابی داؤد۔رقم الحدیث:2766

یہ رُوح فرسا منظر دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت افسردہ ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو سناٹے میں آ گئے۔ مایوسی اور رنج کی شدّت اُن کے چہروں سے عیاں ہونے لگی۔

مظلومیت کی مجسم تصویر ابو جندل رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مجھے بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی پناہ میں لے لیں تا کہ مجھے اس ظلم سے نجات مل سکے۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ کی قابلِ رحم حالت، آہ وزاری اور دردانگیز فریاد نے ماحول کو مزید جذباتی بنا دیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ بڑا تکلیف دہ وقت تھا۔ چودہ سو جاں نثاروں کی پُر جوش جماعت میں شامل ہر فرد بہت مغموم اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ بالآخر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک مشترکہ درخواست پیش کی گئی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

ابو جندل رضی اللہ عنہ ہمارا مسلمان بھائی ہے، اُسے واپس نہ بھیجا جائے۔

اس پر رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے فرمایا:

ابو جندل رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس رہنے دو!

جواب میں سہیل بن عمرو نے عرض کیا:

یہ ٹھیک ہے کہ صلح نامے کی تحریری دستاویز ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے
لیکن صلح کی شرائط کے متعلّق ہماری بات چیت تو مکمل ہو چکی ہے۔
برائے مہربانی طے شدہ شرائط کی پابندی فرمائیں
اور میرے بیٹے کو میرے حوالے کر دیں۔

سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل کی دلیل کو مان لیا اور معاہدے کی پاس داری کرتے ہوئے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اُن کے حوالے کر دیا۔ سہیل نے اپنے بیٹے کو تھپڑ مارے اور گردن سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے قریش کی طرف لے جانے لگا۔ کئی مسلمان یہ افسوس ناک منظر دیکھ کر رو دیئے۔

ابو جندل نے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں انتہائی غم زدہ لہجے میں یہ درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اسلام کی خاطر میں نے نا قابلِ برداشت تکالیف برداشت کی ہیں۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر کرم فرمائیں اور مجھے دوبارہ ان درندہ صفت مشرکین کے ساتھ واپس نہ بھیجیں۔

کہیں اُن کے شدید ترین تشدّد کی وجہ سے میں اپنے دین کے معاملے میں

کسی آزمائش سے دوچار نہ ہوجاؤں اور سیدھے راستے پر چلنے کی میری آرزو برباد ہوجائے۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجندل کو پیار کیا اور پھر بڑے پُرملال لہجے میں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابوجندل!

ہم مکّہ والوں کے ساتھ طویل مذاکرات کے بعد ایک دستاویزِ اقرار پر متفق ہوکر

اللہ سے یہ عہد کرچکے ہیں کہ معاہدے کی تمام شرائط کے پابند رہیں گے

اور اُنھوں نے بھی ہمیں اس عہد نامے پر عمل کرنے کا اللہ کے سامنے حلف دے دیا ہے،

تو اب ہم کوئی عذر کرکے اپنے کیے ہوئے وعدوں کو توڑ نہیں سکتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اے ابوجندل!

تکالیف برداشت کرنے اور ظلم سہنے کا یہ دور بہت جلد ختم ہوجائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ مکّہ میں رہ جانے والے

دوسرے کمزور، مظلوم اور بے بس ساتھیوں کے لیے بہت جلد آزادی، کشادگی

اور بہتری کی کوئی صورت پیدا فرمادے گا۔

اے ابوجندل! صبر واستقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو! اپنے آپ پر قابو رکھو!

اور اس آزمائش پر ربِّ کائنات سے ثواب کی اُمید رکھو!(1)

معاہدہ پر دستخط

معاہدہ طے پا جانے کے بعد حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سہیل بن عمرو، دونوں جانب سے اس کی تصدیق کردی گئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی جانب سے گواہ کے طور پر دستخط کیے اور اس طرح یہ معاہدہ باقاعدہ دس سال کے لیے نافذ العمل ہوگیا۔

معاہدے کی دو نقلیں تیار کی گئیں۔ ایک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہی اور ایک سہیل بن عمرو کے حوالے کر

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 318/2

دی گئی۔(1)

فتحِ مبین

معاہدے کے دوران آپ ﷺ نے جس تحمل و برداشت، صبر وضبط اور فیاضی کا مظاہرہ فرمایا، وقت نے ثابت کیا کہ اللہ کے حبیب حضور نبی کریم ﷺ دراصل دینِ اسلام کی سربلندی اور عظیم الشان فتوحات کی بنیاد رکھ رہے تھے، جب کہ اس وقت تمام مسلمان سخت پریشانی، تشویش اور اضطراب کے عالم میں تھے۔

اُنھوں نے اللہ کے حبیب رسُولِ کریم ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری میں اس معاہدے کو بڑی دل گرفتگی کے عالم میں قبول تو کرلیا تھا لیکن ان سب کے احساسات یہ تھے کہ یہ صلح ہم نے باطل کے ساتھ برابری کی بنیاد پر نہیں بلکہ دب کر کی ہے، کیوں کہ اس معاہدے کی تحریر میں نہ آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا گیا اور نہ ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے معاہدے کی تحریر کا آغاز کرنے دیا گیا، پھر اس سال عمرہ ادا کرنے اور بیت اللہ شریف کی زیارت سے بھی روک دیا گیا ہے۔

ابوجندل کے پُرملال واقعے پر بھی کارواں میں موجود سب مسلمان نہایت مغموم، افسردہ اور آزردہ نظر آرہے تھے، کیوں کہ وہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے وقار اور عظمت کے متعلّق بہت حساس تھے اور آپ ﷺ سے اپنے عشق پر کسی قسم کا کوئی سمجھوتا کرنا، ان جاں نثاروں کے لیے ممکن نہ تھا۔انھیں کفّار سے دب کر صلح کرنے کی بجائے میدانِ جنگ میں اپنا سر کٹانا زیادہ پسند تھا۔

اسلامی کاررواں میں شامل کسی فرد کی نگاہ اُن مصلحتوں، حکمتوں اور برکتوں کا ادارک نہیں کر پا رہی تھیں جو آنے والے وقت میں اللہ کے رسُول ﷺ کے پیشِ نظر تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ میدانِ جنگ کے علاوہ مذاکرات کی میز پر اور سفارت کاری کے محاذ پر بھی رسالت مآب ﷺ نے سردارانِ قریش اور ان کے نمائندے کے مقابلے میں شان دار فتح حاصل کی تھی۔ وہ فتح جسے اللہ ذوالجلال نے ''فتحِ مبین'' کا لقب عطا فرمایا۔

اسی فتح کے نتیجے میں جزیرۃ العرب میں دینِ اسلام کے غالب آنے کا سفر یک دم بلندیوں کی منزلیں طے کرنے لگا تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وقتی افسردگی اور آزردگی اپنی جگہ لیکن مستقبل کے واقعات اور نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ صلح کا یہ معاہدہ ایک شان دار مستقبل اور عظیم الشان فتوحات کی جانب پہلا ٹھوس قدم تھا۔

اس معاہدے کے نتیجے میں جب قریش کے ساتھ تعلقات بحال ہوئے تو ملنے جلنے، آنے جانے اور باہمی تبادلہ خیالات سے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ آپ ﷺ کے حُسنِ سیرت، خوبیِ معاملات اور طرزِ زندگی سے اہلِ عرب کو آگاہی ہوئی۔ جب اُنھوں نے مسلمانوں کے عادات واطوار، آداب

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:319/2۔الطبقات الکبری لابن سعد:74/2

واخلاق، کاروبار میں دیانت داری و راست بازی کا اہتمام اور آپس میں محبت واُخوت کے شان دار مظاہرے خود اپنی نظروں سے دیکھے تو مخالفین کی سوچ میں حیرت انگیز تبدیلی آنے لگی۔ اسلام کا نُور پوری طاقت کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا اور وہ نہایت عقیدت کے ساتھ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے، پھر وہ وقت بھی اللہ کے فضل سے جلد آ گیا جب لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔

آں حضور ﷺ کے دورِ نبّوت کے ابتدائی تیرہ سالہ مکّی زندگی اور صلح حدیبیہ سے پہلے، چھے سالہ مدنی زندگی تک، کی جانے والی جدّ وجہد کے نتیجے میں رسُولِ اکرم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ پہنچنے والے فرزندانِ توحید کی تعداد صرف چودہ سو تھی، جب کہ صلح حدیبیہ کے بعد صرف دو سال کے عرصے میں اس قدر کثیر تعداد میں لوگوں نے بہ رضا و رغبت اور کھلے دل سے اسلام قبول کیا کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ چناں چہ جب آپ ﷺ فتح مکّہ کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو دس ہزار پُرجوش جاں نثارانِ اسلام کا لشکر آپ ﷺ کے ہمراہ تھا جو بڑی فاتحانہ شان سے مکّہ شہر میں داخل ہوا اور یہ سب کچھ صلح کے اُس معاہدے کے نتیجے میں حاصل ہوا، جس کے متعلّق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابتدا میں بڑے آزردہ اور دل گرفتہ نظر آ رہے تھے۔

اس معاہدے کے بعد سیف الاسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، جنھیں بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر میدان میں کامیابی سے نوازا، تجربہ کار سفارت کار اور جرنیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، جو بعد میں فاتحِ مصر بنے اور مکّہ کے نوجوانوں کی شان حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جیسی مایہ ناز، معروف اور مقتدر شخصیتیں دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئیں۔

عرب کے مشہور جوہرِ قابل اور صاحبِ استعداد نوجوانوں کی مدینہ آمد پر حضور نبیِ کریم ﷺ نے مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لوگو! مکّہ والوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمھاری جھولی میں ڈال دیئے ہیں۔(1)

اس معاہدے کے تحت دشمنوں نے بھی ریاستِ مدینہ کو مسلمانوں کے وطن کے طور پر تسلیم کرلیا۔

- ☆ صلح کے اس معاہدے کے نتیجے میں اسلامی حکومت کو پورے امن اور اطمینان کے ساتھ مسلم معاشرے کی تربیت اور اشاعتِ اسلام کا شان دار موقع میسّر آ گیا۔
- ☆ صلح حدیبیہ میں اہلِ اسلام کے اس حق کو تسلیم کرلیا گیا کہ اگلے سال سے اُن کو حج وعمرہ کے مناسک ادا کرنے اور زیارتِ بیت اللہ شریف کے ارادے سے اختیار کیے گئے سفر کے دوران کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، چناں چہ اگلے سال جب رسالت مآب ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے عمرہ ادا کیا تو یہ کلمۂ مبارک مکّہ کی فضاؤں میں گونجتا رہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 617/1۔ کتاب المغازی للواقدی: 53/1

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

☆ قریشِ مکّہ اپنے آپ کو سارے عرب سے افضل سمجھتے تھے اور بڑے غرور و تکبّر کے ساتھ اس کا اظہار کرتے تھے لیکن صلحِ حدیبیہ کے بعد اُن کی جانب سے مزاحمت اور مخالفت کا جذبہ سرد پڑ گیا، جس سے عرب قبائل میں اُن کا رُعب و دبدبہ بھی کم ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ صلح کے فوراً بعد بنوخزاعہ نے قریش کی پروا نہ کرتے ہوئے اسلامی ریاست کا حلیف بننے کا اعلان کر دیا۔

☆ صلحِ حدیبیہ سے سارے عرب تک یہ پیغام پہنچ گیا کہ مسلمان ایک امن پسند قوم ہیں۔ وہ جنگ وجدل اور خون ریزی سے سخت نفرت کرتے ہیں اور وہ صلح و آشتی اور امن کے لیے اپنے حق سے دست بردار بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے تو عمرہ ادا کیے بغیر مکّہ سے واپس آ گئے تھے۔ اس کے برعکس قریش کے بارے میں یہ عام تاثر بن گیا کہ اس قوم کے افراد خواہ مخواہ لڑائی کے بہانے ڈھونڈتے ہیں حتیٰ کہ وہ مذہبی فرائض کی ادائیگی اور بیت اللہ شریف کی زیارت میں بھی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔

☆ تجارتی راستے محفوظ ہو جانے سے مدینہ کے تاجروں کے مالی اور معاشی حالات میں بھی کافی بہتری آ گئی۔

☆ صلحِ حدیبیہ سے بے شمار فتوحات اور کامیابیوں کا دروازہ کھل گیا جس سے اسلام کے عروج اور عظمت و جلال کا ایک تابندہ اور درخشندہ باب شروع ہوا۔ چند ماہ کے اندر یہودیوں کے گڑھ خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیما اور تبوک کی بستیوں پر اسلامی فوجوں کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اس طرح اسلام کے خلاف جوڑ توڑ، سازشیں اور غداری کرنے والے تمام گروہ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

☆ جنگِ احزاب میں حصہ لینے والے وہ صحرائی قبیلے جو وقتاً فوقتاً مسلمانوں اور اہلِ مدینہ کے لیے پریشانی کا باعث بنتے تھے، جلد ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جان بازوں نے اُن دشمن قبائل کو مغلوب کر کے انھیں بھی اپنا تابع فرمان بننے پر مجبور کر دیا جس سے خطۂ عرب میں طاقت کا توازن قریش کی بجائے مسلمانوں کے حق میں ہو گیا اور صرف دو سال کے عرصے میں مجاہدینِ اسلام نے بغیر کسی مزاحمت کے مکّہ پر بھی توحید کا پرچم لہرا دیا۔

صلحِ حدیبیہ کے معاہدے کو قبول کرنا جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ایک مشکل اَمر تھا اور وہ بہت زیادہ رنجیدہ دل اور آزردہ خاطر تھے، کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ فتح حاصل کیے بغیر لوٹ جانا اور دب کر مشرکین کی شرائط پر صلح کے عہد نامے پر دستخط کرنا دراصل مسلمانوں کے کمزور ہونے کا اعتراف ہے لیکن جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان سچ ثابت ہو گیا کہ اللہ ربُّ العزت عن قریب ابوجندل رضی اللہ عنہ اور مکّہ میں مقیم دوسرے اہلِ ایمان کے لیے آزادی کا راستہ پیدا فرما دے گا اور جن شرائط کو منوا کر قریش اپنی سیاسی اور سفارتی فتح کا اظہار کر رہے تھے، اللہ

ذُوالجلال والاکرام بڑی عظمت والے ہیں کہ وہی شرائط اشرافِ مکّہ کے لیے ذلّت اور رُسوائی کا سبب بن گئیں۔

ابوبصیر، ابوجندل اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکّہ سے بھاگ کر علاقہ غیر میں پہنچ جانے سے جب اہلِ مکّہ کی بیرونی تجارت اور معیشت کو خطرات لاحق ہوگئے تو قریش نے معاہدہ حدیبیہ میں درج اس شرط کو واپس لے کر اپنی شکست کو تسلیم کرلیا، چناں چہ قریشِ مکّہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عاجزانہ درخواست کے ساتھ ایک خط بھیجا جس میں صلۂ رحمی اور قرابت داری کا واسطہ دے کر یہ عرض کی گئی تھی کہ ابوبصیرؓ، ابوجندلؓ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلالیں۔

(یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مہربانی فرمائیں
اور معاہدہ صلح حدیبیہ کی وہ شقیں منسوخ فرما دیں جس میں کہا گیا تھا کہ
اگر کوئی مسلمان مکّہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچ جائے تو ریاستِ مدینہ کی
ذمّے داری ہے کہ اس کو واپس مکّہ بھیج دیا جائے۔(1)

قریشِ مکّہ کی اس درخواست کے بعد مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ واقعی ہم لوگوں کی سمجھ اور عقل وہاں تک نہیں پہنچ سکتی جہاں پر اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فراست، سیادت اور سوچ کا مقام ہے۔ جب یہ بات ہر مسلمان پر ثابت ہوگئی تو وہ بے اختیار کہہ اُٹھا کہ:

واقعی حدیبیہ کے معاہدے کے وقت ہم لوگوں کی رائے کی نسبت
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیصلہ ہی سب سے اچھا اور بہترین تھا۔(2)

صلح نامۂ حدیبیہ کے بعد تین دن تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہیں قیام کیا اور چوتھے دن مدینے کی جانب واپسی کے سفر کا آغاز فرمایا۔ جب سرکارِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''کراع الغمیم'' کے مقام پر پہنچے تو قلبِ اطہر پر نازل ہونے والی وحی کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان بھی پہنچ گیا، جس کی پہلی آیت ہی میں صلحِ حدیبیہ کی صورت میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو واضح اور شان دار فتح کی تصدیق اور نوید سنائی گئی۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾

(اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!)
ہم نے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو واضح اور شان دار فتح عطا فرمائی ہے،
تا کہ اس کے ذریعے اللہ ماضی اور مستقبل کی سب خامیوں کا
مداوا فرما دے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل فرما دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:2731
2۔دلائل النبوۃ للبیھقی:4/61-160

مجھے یہ سورۃ دنیا بھر کی ہر اُس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سُورج طلوع ہوتا ہے۔(1)

آپ ﷺ نے یہ کلمات تین بار ادا فرمائے۔

قریشِ مکّہ کے ساتھ مذاکرات کی ابتدا اور پھر معاہدے کی تکمیل تک

پیکرِ صبر و رضا محمد مصطفیٰ ﷺ نے جس بہترین حکمت، دانائی، دُور اندیشی،

بصیرت اور قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ فرمایا،

اس سے مسلمان قیامت تک راہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔

صلح حدیبیہ: تحمل و برداشت، صبر و استقامت اور بصارت و بصیرت کی فتح ہے۔

اس صلح کے شان دار نتائج اور اس میں چھپا ہوا خیرِ عظیم، رسُولِ اکرم نورِ مجسم ﷺ کا ایک بے مثل شہکار اور عظیم ترین معجزہ ہے۔

یہ صلح اسلام کے عظیم الشّان مستقبل کے لیے سب سے اہم سنگِ میل ثابت ہوئی کہ صرف چار سال کے اندر پورے جزیرۃ العرب میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس فتحِ عظیم کے نتیجے میں عظیم الشّان کامیابیاں، شان دار فتوحات اور برکتیں دیکھیں تو وہ بے ساختہ کہہ اُٹھے:

صدقت یا رسُول اللہ ﷺ

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس صلح کے بارے میں جو بھی پیشین گوئیاں فرمائی تھیں، وہ سب پوری ہوگئیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جس سے حکمت کے چشمے ہمیشہ بہیں
جس سے پوشیدہ اسرارِ عالم کُھلیں
جس کی حق گوئی کا غیر بھی دَم بھریں
اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں آپ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں آپ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے اُنھیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں آپ

1۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث: 4177

شہادت سیّدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رومی فرمانروا کے ہاتھوں اپنے سفیر کی شہادت کے بعد اُن کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کی غرض سے موتہ کے مقام کی طرف بھیجے جانے والے لشکر کے امراء کا تقررّ فرماتے ہوئے تین حضرات کو مامور فرمایا۔ ان میں نیک فضیلت اور بھلائیوں کے وارث حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اوّلین سپہ سالار مقرر فرمایا۔ تین ہزار جاں نثارانِ اسلام کو ان کے تحت کیا اور ہدایت فرمائی:

اے لوگو!
اگر موتہ کی رزم گاہ میں تمھارے سپہ سالار زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں
تو لشکر کے اگلے سردار جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہوں گے۔
اگر جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بھی شہید ہو گئے تو ان کے بعد لشکر
کی قیادت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کریں گے اور اگر عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ
بھی اپنی جان کی بازی ہار گئے تو پھر آپ لوگوں کو اختیار ہو گا کہ حالات
کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کسی کو بھی اپنا نیا امیر منتخب کرلیں۔(1)

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے جنگِ موتہ کے لیے مقرر کیے گئے سپہ سالاروں کی ترتیب کی خبر جب مدینہ کے ایک یہودی نعمان کو ملی تو وہ فوری طور پر حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے اُن کے گھر پہنچ گیا اور کہنے لگا:

اے زید رضی اللہ عنہ!
اپنے گھر والوں کے لیے کوئی وصیت کر جائیں،
اس لیے کہ روانگی سے قبل اسلامی لشکر کی قیادت کے سلسلے میں
(پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جانب سے
دی گئی ترتیب کے مطابق آپ واپس نہیں آسکیں گے،
کیوں کہ اس طرح کی بات اتنے وثوق کے ساتھ
صرف اللہ کے سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور نبی برحق ہی کہہ سکتے ہیں۔

تبلیغ کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے اختیار کیے گئے طائف کے مشکل ترین سفر میں بھی خدمت کا حق ادا کرنے والے جاں نثار اور زندگی پر شہادت کو فوقیت دینے والے سرفروش سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے خوشی اور

1۔کتاب المغازی للواقدی:756/2۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4261

سرشاری کی کیفیت میں کہا:

اے نعمان!

مجھے خود بھی اپنی شہادت کا یقین ہے۔(1)

پھر جس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہ نفسِ نفیس اپنے جاں نثاروں کو الوداع کہنے کے لیے ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لشکر کے سالار حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ایک سفید پرچم عطا کرتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی:

اے زید رضی اللہ عنہ!

میں تمھیں ہر حال میں تقویٰ اور پرہیز گاری کو پیش نگاہ رکھنے

اور رفیقانِ لشکر کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔

اب اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں نکلو اور اللہ کی رضا کے لیے

اللہ کا انکار کرنے والوں سے جنگ کرو!

اور دیکھو!

اے زید رضی اللہ عنہ!

کسی کے ساتھ دھوکا، خیانت اور عہد شکنی نہ کرنا!

معصوم بچوں، خواتین، انتہائی ضعیف افراد اور اپنی پرستش گاہوں میں

خلوت گزیں افراد کو قتل نہ کرنا اور جو میدانِ جنگ میں قتل ہو جائے اُس کے

جسدِ خاکی کی بے حرمتی نہ کرنا! نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا، اور نہ کسی رہائشی

مکان اور تجارتی عمارت کو مسمار یا برباد کرنا!(2)

پھر وہ وقت آیا کہ ایک لاکھ فوجیوں پر مشتمل دشمنوں کی فوج کے خلاف صرف تین ہزار سرفروشوں کے لشکر کے قائد سیّدنا حضرت زید رضی اللہ عنہ معرکۂ آرائی کے لیے ایک ہاتھ میں نیزہ اور دُوسرے ہاتھ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے عطا فرمایا گیا علم لے کر پیدل میدانِ کارزار کی جانب بڑھے تو دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔

دشمنوں نے خاص طور پر اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت زید رضی اللہ عنہ کو نشانے پر لے لیا اور چاروں طرف سے تیروں اور نیزوں کی بارش شروع کر دی۔ اِسی دوران نیزے کے ایک کاری وار سے صبر و تحمل، جرأت و بہادری اور دلیری و دلاوری کے پیکر اور مصائب و آلام کو حوصلے سے برداشت کرنے والے اس مردِ مجاہد نے مردانہ وار

1۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: 362/4

2۔ کتاب المغازی للواقدی: 757-58/2

لڑتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور شہادت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

اس سانحۂ عظیم کی خبر سنانے کے لیے اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک آنکھوں میں اشکِ رواں لیے اپنے اس خاص خدمت گزار اور آزادی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو ترجیح دینے والے محبوب رفیق کے گھر تشریف لے گئے۔

سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی بیٹی نے یہ اندوہ ناک خبر سنی تو وہ معصوم اپنے پیارے ابّا جان کی یاد میں بلک بلک کر رونے لگی۔ اُس سوگوار اور غم ناک ماحول میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لیے انتہائی رحیم اور شفیق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس آنکھوں سے بھی لگا تار آنسو بہنے لگے۔

یہ دیکھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میری جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان!

میں مبارک آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے سعد رضی اللہ عنہ!

یہ ایک دوست کا اپنے دوست کی جدائی میں شفقت و محبت کا اظہار ہے۔

سبحان اللہ العظیم

قرآن کے آئینے میں ہستی کے قرینے
تا حدِ نظر پھیلے ہیں یہ انمول خزینے
ہے مثل ستاروں کے میری بزم کے ساتھی
اصحاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ہیں آپ کے ہاتھوں ہی سے ترشے ہوئے ہیرے
اسلام کے دامن میں یہ تابندہ نگینے

اُن کے اطوار کو اعلیٰ کردار کو
نرم گفتار کو اُن کے جانباز کو
قبول ہمارا سلام ہو

فتح مکّہ

ہجرت کے چھٹے سال میں حدیبیہ کے مقام پر سردارانِ مکّہ اوراہلِ اسلام کے درمیان دس سال کے لیے امن کا جو معاہدہ تحریر ہوا، اُس کی تیسری شق کے تحت عرب کے صحرائی قبائل کو یہ آزادی اور اختیار حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی اور پسند سے ریاستِ مدینہ یا قریشِ مکّہ میں سے جس فریق کے ساتھ چاہیں، اُس کے ساتھ دوستانہ معاہدے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس معاہدے کے تحت جو قبیلہ جس جماعت کی حفاظت اور پناہ میں آ جائے گا، اُسے اُس فریق کی طرف سے تمام معاشی، معاشرتی اور دفاعی تحفظات حاصل ہوں گے۔ اگر کوئی فریق دوسرے قبیلے پر لشکر کشی کرتا ہے یا حملہ آور ہو کر اُسے جور و جبر اور ظلم وستم کا نشانہ بناتا ہے تو یہ حملہ اُس قبیلے کے اتحادی پر بھی حملہ تصور کیا جائے گا۔

تاریخی لحاظ سے یہ ایک اہم واقعہ تھا جب مکّہ کے گرد و نواح میں آباد قبیلہ بنوخزاعہ نے اپنی خوشی سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اوراُن کے قدیمی و دیرینہ دشمن اور مدّت سے اُن کے خلاف برسرِ پیکار حریف قبیلہ بنوبکر نے اپنی رضا مندی سے جماعتِ قریش کے ساتھ اتحاد کا اعلان کر دیا، لیکن سردارانِ قریش نے پہلے دن ہی سے بنو خزاعہ کے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کو اپنی توہین سمجھ کر اُن کے خلاف سازشوں کا آغاز کر دیا تھا اور اپنے دلوں میں چھپی منافقت کی وجہ سے قریش ہر وقت کسی ایسے موقعے کی تلاش میں رہنے لگے کہ جب وہ کوئی فتنہ کھڑا کر کے بنو خزاعہ کو اس جرأت کی سزا دے سکیں، کیوں کہ صلح حدیبیہ کے بعد اُن میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ براہِ راست بنو خزاعہ پر حملہ آور ہو جائیں۔

اسی دوران ایک اہم واقعہ سامنے آیا کہ جنگِ موتہ میں لشکرِ اسلام کی ایک حکمتِ عملی کے تحت میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹنے کی خبر جب مکّہ کے سرداروں تک پہنچی تو وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ شاید مجاہدینِ اسلام کی عسکری صلاحیتیں اب زوال کی طرف مائل ہو چکی ہیں، چناں چہ امن کے اِس دس سالہ معاہدے کو طے پائے ابھی دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ قریش کے سرکردہ افراد، صفوان بن امیّہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، مکرز بن حفص اور بنوبکر کے سردار نوفل بن معاویہ نے جنگِ موتہ کے بعد ریاستِ مدینہ پر دباؤ بڑھانے کے لیے قبیلہ بنوبکر کو اِس امر پر آمادہ کر لیا کہ معاہدۂ حدیبیہ کے ثانوی فریق بنوخزاعہ کے ساتھ تمھاری سو سالہ پرُانی دشمنی اور عداوت کا بدلہ چکانے کا یہ بہترین وقت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے اپنی طرف سے بنوبکر کو جدید ترین آلاتِ حرب، فوجی اور مالیاتی تعاون کی یقین دہانی بھی کرادی۔

چناں چہ ایک روز رات کی تاریکی میں دو دشمن قبیلوں کی جانب سے تیار کی گئی اس افسوس ناک سازش اور

خفیہ ساز باز سے بالکل بے خبر، بنوخزاعہ کے لوگ، اپنے علاقے کی حدود میں پانی کے ایک چشمے ''الوتیر'' کے قریب، بے خوف وخطر آرام کی نیند سو رہے تھے کہ قبیلہ بنی بکر کے مسلح دستوں نے، سردارانِ مکّہ کے تعاون سے اپنے ان دیرنیہ حریفوں پر دھاوا بول دیا۔

حدیبیہ میں امن معاہدے کی وجہ سے بنوخزاعہ کے مرد اور عورتیں، بچے اور بوڑھے اتنے خوف ناک حملے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے۔ اُنھوں نے جب دشمنوں کو اتنا قریب دیکھا تو وہ لوگ ہڑبڑا کر اُٹھے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے امن وسلامتی کی سرزمین حرم پاک کی جانب بھاگے۔ انھیں یقین تھا کہ جیسے ہی یہ تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے ہم بیت اللہ شریف میں داخل ہوجائیں گے تو ہمیں امان مل جائے گی اور ہماری جانیں محفوظ ہوجائیں گی، اس لیے کہ عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے یہ نیک رسم اور پاک رواج چلا آرہا تھا کہ حرم شریف کی حدود میں انسانی جان اور مال کا بے حد احترام کیا جاتا تھا لیکن بنوبکر کے سنگ دل سردار نوفل بن معاویہ نے جوشِ انتقام میں اپنے قبیلے کے لوگوں کو اشتعال دلاتے ہوئے کہا کہ بیت اللہ شریف میں پناہ لینے والے بنوخزاعہ کے لوگوں کے ساتھ آج کوئی نرمی اختیار نہ کی جائے، کیوں کہ پرانے بدلے چکانے کا ایسا سنہری موقع شاید ہمارے ہاتھ پھر کبھی نہ آئے، چناں چہ بنوبکر سے تعلّق رکھنے والے ان جفا کار اور درندہ صفت حملہ آوروں نے اس دن بیت اللہ شریف کے تقدّس اور احترام کو بھی ملحوظِ خاطر نہ رکھا۔ اُن لوگوں نے بغیر کسی جواز کے بنوخزاعہ کے بیس بے قصور اور معصوم افراد کو بڑے سفاکانہ انداز میں تہِ تیغ کر دیا اور اُن کا مال ومتاع اور زندگی بھر کی جمع پونجی لوٹ لی۔ اس طرح سردارانِ مکّہ نے فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے اور بنوخزاعہ کے معصوموں کا بے دریغ قتلِ عام کرنے میں بنوبکر کا خفیہ طور پر جو ساتھ دیا، اُس کی وجہ سے حدیبیہ کا دس سالہ میثاقِ امن ٹوٹ گیا۔(1)

درحقیقت اشرافِ مکّہ کو ازخود معاہدۂ حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی اور رات کے اندھیروں میں تیار کی گئی اپنی اس سازش کے سنگین نتائج کا بالکل اندازہ ہی نہ ہوسکا کہ عرب میں طاقت کا توازن اب تبدیل ہوچکا ہے اور مظلوم بنوخزاعہ جزیرۃ العرب میں روحانی اور مالی لحاظ سے مضبوط اور جنگی لحاظ سے فیصلہ کن طاقت کی مالک ریاستِ مدینہ کے حلیف ہیں۔

اس اَلَم ناک حادثے کے صرف تین دن بعد، چالیس افراد پر مشتمل ایک وفد قبیلہ بنوخزاعہ کے رئیس عمرو بن سالم کی سربراہی میں جو عربی زبان وبیان کا ماہر اور ایک قادرالکلام شاعر تھا، اپنی قوم پر قریش اور بنی بکر کی طرف سے توڑے جانے والے مصائب اور مظالم کی فریاد لے کر مدینہ منورّہ میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ عمرو بن سالم نے اپنے قبیلے کے لوگوں پر ہونے والی سنگ دِلانہ یلغار اور دل گداز واقعات کی رُوح فرسا داستان نظم کی صورت میں بڑے پُرسوز آہنگ میں یوں بیان کی:

1۔ کتاب المغازی للواقدی:2/84-783

اے میرے پروردگار!
میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس عہد و پیمان اور دوستی کے
معاہدے کا واسطہ یاد دلانا چاہتا ہوں
جو بہت عرصہ پہلے ہمارے آبا و اجداد اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبا و اجداد
کے درمیان، ہمیشہ کے لیے طے پایا تھا۔
ہمارے باپ دادا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے حلیف بن گئے تھے۔
ہمارے خاندان کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معزز خاندان کے ساتھ قریب کی
رشتے داری کا پرانا تعلّق بھی ہے۔ پھر ہم نے اسلام قبول کرلیا
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اختیار کی
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وفاداری کو ہمیشہ دل و جان سے نبھایا۔
اللہ تبارک وتعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی فرمائے
تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اطاعت گزاروں اور جاں نثاروں پر شفقت فرمائیں۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
اب وقت آگیا ہے کہ دشمنوں کو سبق سکھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننے والے سرفروشوں کو طلب فرمائیں
تاکہ وہ زبردست طاقت کے ساتھ ہماری مدد کے لیے پہنچ جائیں۔
اس لشکرِ جرار میں بھرپور قوت اور پوری تیاری کے ساتھ یقیناً
سرورِ عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائیں گے
جو چودھویں کے چاند سے زیادہ روشن اور اتنے خوب صورت ہیں
کہ اُن کی کوئی مثال نہیں ہے
لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں پر کوئی ظلم یا زیادتی کی جائے
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر غصّہ وغضب اور جلال کی کیفیت سب کو نظر آجاتی ہے۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
وہ گمراہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بے گناہ اور معصوم مقتولینِ بنوخزاعہ کی پکار پر
کوئی اُن کی مدد کو نہیں آئے گا۔
حقیقتِ حال یہ ہے کہ عرب کے سربر آوردہ قبائل میں اس بے حیثیت قبیلے بنوبکر کا

نہ کوئی مقام ہے اور نہ کوئی مرتبہ۔
یہ تعداد میں قلیل اور طاقت کے لحاظ سے نہایت کمزور قبیلہ ہے۔
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی عظیم الشّان فوج کے ساتھ حملہ آور ہوں گے
کہ جو سر بہ سر غرقِ آہن، پُرشکوہ اور صف شکن ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر
کی طرح مکّہ کی جانب بڑھے گا،
کیوں کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے صلح نامۂ حدیبیہ کے
پختہ اور مضبوط امن معاہدے کو توڑ دیا ہے۔
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
کافر ہمارے لیے کدا کی گھاٹی میں گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے،
پھر اُنھوں نے ہمیں پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔
وہ لوگ ’الوتیر‘ کے مقام پر رات کے وقت ہم پر حملہ آور ہوئے
اور اُنھوں نے ہمیں تیغِ بے دریغ کے ساتھ قتل کرنا شروع کر دیا،
حالانکہ اُس وقت ہمارے کئی ساتھی رکوع وسجود کی حالت میں تھے۔

ریاستِ مدینہ سے معاہدے کے مطابق فوجی تعاون اور اعانت کے طلب گار بنوخزاعہ کے سردار کی طرف سے موثّر انداز میں پڑھے گئے پُر درد رجزیہ اشعار پر پیکرِ مہر و وفا، صاحبِ تسلیم و رضا، نبیِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن ستم رسیدہ لوگوں کی دل جُوئی کرتے ہوئے فرمایا:

اے سالم کے بیٹے عمرو! غم نہ کرو اور اطمینان رکھو! تمھاری مدد ضرور کی جائے گی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان پر تیرتے ہوئے بادل کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

بادل کا یہ ٹکڑا بنی کعب کے لیے اللہ کی رحمت اور نصرت کی بشارت لے کر آیا ہے۔(1)

اللہ کے حبیب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح انداز میں ادا فرمائے گئے یہ کلمات سُن کر عمرو بن سالم اور ان کے ساتھ آئے وفد کے اراکین مطمئن ہو گئے اور وہ اس یقین کے ساتھ واپس چلے گئے کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وعدہ کرتے ہیں، وہ پورا فرماتے ہیں۔

’الوتیر‘ کے سانحے کا درد اپنے دل میں محسوس کرتے ہوئے شاعرِ اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام:395/2۔ کتاب المغازی للواقدی:789/2۔ دلائل النبوۃ للبیھقی:7/5۔
السیرۃ النبویہ لابن کثیر:527/3

بنوخزاعہ کی مظلومیت پر قریشِ مکّہ کی مذمت کرتے ہوئے لوگوں کے دلوں کو گرمانے اور اُن میں جنگ کا جوش و جذبہ بیدار کرنے کے لیے یہ اشعار کہے:

میری روح اس وقت سخت اذیت اور رنج وغم کی کیفیت میں ہے۔
اگرچہ میں نے بطحا کی وادی میں تہِ تیغ کیے گئے بنوخزاعہ کے معصوم بچوں اور
ضعیف افراد کے بے گوروکفن لاشوں کو زمین پر تڑپتے ہوئے نہیں دیکھا،
جنھیں کم ہمت حملہ آوروں نے چھپی ہوئی تلواروں کے ساتھ، رات کی تاریکی
میں قتل کیا تھا اور وہاں ہمارے اُن بے قصور شہیدوں کو احترام کے ساتھ دفن کرنے
والا بھی کوئی نہ تھا۔
بدفطرت بنوبکر اور عہد شکن قریشِ مکّہ کے اس ظلم وستم اور شقاوت وسنگ دِلی کی وجہ
سے وہ وقت اب بہت قریب آن پہنچا ہے
کہ جب لشکرِ اسلام اور سردارانِ قریش کے درمیان گھمسان کا رَن پڑے گا۔
اے عکرمہ! تیار ہوجاؤ!
کیوں کہ ہماری چمکتی دمکتی تلواروں اور درازانّی والے نیزوں کا نشانہ سب سے پہلے
تم بنو گے۔(1)

سفارتی کوششیں

سلامتی اور امن کے پیغمبر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ کے ستم رسیدہ لوگوں کی فریاد، معاہدۂ صلح حدیبیہ کی سنگین خلاف ورزی اور دردناک قتلِ عام کا حال سن کر بہت زیادہ رنجیدہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے یہ اَمر بھی اَزحد افسردگی اور صدمے کا باعث بنا کہ بنوبکر نے شب خون کے دوران صدیوں سے قائم بیت اللہ شریف کے تقدّس اور حرمت کی روایات کو بھی پامال کردیا تھا۔

اس افسوس ناک صورتِ حال کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مناسب خیال فرمایا کہ قریش کی عہد شکنی اور بدعہدی کے اس واقعے کو سفارتی انداز سے حل کیا جائے۔ اس مقصد کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے درج ذیل تین تجاویز کے ساتھ ایک نمائندہ وفد حضرت ضمرہ کی قیادت میں سردارانِ قریش کے ساتھ مذاکرات کے لیے مکّہ بھیجا۔

ریاستِ مدینہ کی طرف سے بھیجے گئے سرکاری وفد نے اہلِ مکّہ کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ لوگ پیش کی گئی تین تجاویز میں سے جس کو قبول کرنا چاہیں، اُس کا اعلان کردیں تا کہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور بنوخزاعہ کے دکھوں کا مداوا کیا جاسکے۔

1۔ الروض الانف: 58/7

پہلی تجویز یہ تھی کہ:

ہمارے حلیف قبیلے بنوخزاعہ کے قتل ہونے والے تمام افراد کا خون بہا ادا کیا جائے۔

اور دوسری تجویز یہ کہ:

اگر بنوبکر خون بہا دینے کے لیے تیار نہ ہوں

تو پھر قریشِ مکّہ، معاہدۂ صلح حدیبیہ کے تحت اس بات کے پابند ہیں کہ

وہ بنوبکر کے ساتھ تمام حلیفانہ معاہدے ختم کر کے اُس کی حمایت سے

دست بردار ہو جائیں۔

اور تیسری یہ کہ:

یا پھر اعلان کر دیا جائے کہ ریاستِ مدینہ کے ساتھ حدیبیہ کا امن معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔

جب جماعتِ قریش اور ریاستِ مدینہ کے نمائندوں کے درمیان مذاکرات کا آغاز ہوا تو مکّہ کے سرداروں نے روایتی تکبّر کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلم وفد کے ساتھ نہ صرف سفارتی آداب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا اور تلخ روّیہ اختیار کیا، بلکہ قریش کے ایک نمایاں فرد قرطہ بن عمرو نے نہایت تند و تیز لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا:

ہم نہ تو بنوخزاعہ کے قتل ہونے والے افراد کے خون کا معاوضہ ادا کریں گے

اور نہ اپنے قدیم اتحادی اور خانۂ کعبہ سے بے پناہ عقیدت رکھنے والے قبیلے

بنوبکر کو اپنے سے الگ کریں گے، کیوں کہ اس قبیلے کے علاوہ اب پورے عرب میں

ہمارا کوئی حلیف نہیں، اس لیے ہم صرف تیسری شرط منظور کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ

ہم اس بات کا اعلان کر دیں کہ معاہدۂ حدیبیہ کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔(1)

دراصل قرطہ کا یہ اشتعال انگیز اور غیر دانش مندانہ بیان صرف اُس کا ذاتی خیال نہیں تھا، بلکہ اکابرینِ قریش، خاص طور پر عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن اُمیّہ کی طرف سے حوصلہ افزائی کیے جانے کے بعد اس نے یہ فیصلہ سنایا تھا لیکن جب ریاستِ مدینہ کا وفد واپس چلا گیا تو بعد میں قریش کو جلد بازی میں کی گئی اپنی بے جا جراَت و جسارت اور حماقت کا احساس ہوا تو سخت نادم ہوئے کہ ہم نے بے جا جوش و خروش کا مظاہرہ کر کے مکّہ اور مدینہ کے درمیان پُرامن ماحول کا رُخ جنگ و جدل کی طرف موڑ دیا ہے اور یہ بالکل غلط ہوا ہے، لہٰذا اَب وہ سب اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح اس غیر مدبّرانہ فیصلے کے خطرناک نتائج سے بچا جا سکے لیکن اب تو آسمانوں پر غلبۂ اسلام، مسلمانوں کی فتح اور ظفر مندی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اللہ ربُّ العزت کی جانب سے اپنے کلمے کو بلند مقام اور اہلِ ایمان کو عظمت و شوکت عطا فرمانے کا وقت نہایت قریب آ گیا تھا۔

1۔ کتاب المغازی للواقدی:787/2

ابوسفیان کی مدینہ آمد

یہ قریش کی شامتِ اعمال تھی کہ اُن کے بعض نادان، کم عقل اور جلد باز نوجوان معاہدۂ حدیبیہ کی پاس داری نہ کرتے ہوئے اور اہلِ اسلام کے ساتھ اپنی پرانی دشمنی اور عداوت میں اندھے ہوکر، اپنی بڑائی کے غلط تصوّر اور اپنی جنگی صلاحیت کا خلافِ حقیقت اندازہ لگاتے ہوئے ایک نادانی کا ارتکاب کر بیٹھے تھے، کیوں کہ قبیلۂ قریش کا زمانۂ عروج تو اب گزر چکا تھا۔ ان کی بہت سی دبنگ شخصیات اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکی تھیں اور اس کے علاوہ قریش کے کئی اہم افراد اسلام قبول کر کے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کر چکے تھے۔ قریش کے لیے پریشانی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مسلسل جنگوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے اُن کی مالی حیثیت، حربی صلاحیت اور افرادی طاقت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ چکا تھا۔

جب اشرافِ قریش نے مکّہ کے سیاسی حالات اور اپنے مالیاتی، معاشی اور تجارتی امور میں رکاوٹوں اور مسائل کا جائزہ لیا تو اُن کو اس نتیجے پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ ریاستِ مدینہ کے سفارتی وفد کی طرف سے پیش کی گئیں صلح کی تجاویز کو قبول نہ کرنے اور امن معاہدے کو توڑنے کا معاملہ جلد نہ سلجھایا گیا تو یقیناً اسلامی افواج عن قریب اپنی پوری طاقت کے ساتھ مکّہ پر حملہ آور ہو سکتی ہیں، لہٰذا قریش کے کچھ دُور اندیش راہنماؤں نے قرطہ بن عمرو کی طرف سے ادا کیے گئے سخت الفاظ اور درشت جوابات کو ناپسندیدہ قرار دے کر مسترد کر دیا۔

چناں چہ اس غلطی کے بُرے نتائج سے بچنے اور بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالا دینے کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ جتنی جلدی ہو سکے شہر کے سب سے قابلِ اعتماد سفارت کار اور راہنما سردار ابوسفیان کو مدینہ بھیجا جائے، چناں چہ اہلِ مکّہ کی جانب سے امکانی معرکہ آرائی کو ٹالنے اور مستقل امن کی درخواست کے ساتھ سردار ابوسفیان اسی وقت مدینہ روانہ ہو گئے۔

دوسری طرف صلح کی تجاویز لے کر مکّہ آنے والے مسلمانوں کے وفد نے مدینہ واپس جا کر قریش کے ترش رویّے اور ان کی طرف سے صلح حدیبیہ کے معاہدۂ امن کو کالعدم قرار دینے کے متعلّق تمام تفصیلات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> میں دیکھ رہا ہوں کہ سردارانِ قریش اس بات سے کافی فکر منداور پریشان ہیں کہ ان کے جذباتی لوگوں نے جھوٹے غرور و تکبّر کا مظاہرہ کرتے ہوئے صلح کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ اب وہ لوگ اپنے کیے پر پچھتا رہے ہیں، چناں چہ اپنی غلطی کی تلافی کے لیے اُنھوں نے ابوسُفیان کو اس درخواست کے ساتھ مدینہ بھیج دیا ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کی پھر سے تجدید اور توسیع کر دی جائے۔

مدینہ پہنچ کر جب ابوسفیان بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ کے اِس سردار کے ساتھ نہایت تحمل سے پیش آئے اور دریافت فرمایا:

اے ابوسفیان! کیسے آنا ہوا؟

سردار ابوسفیان نے عرض کیا:

برادرِ محترم!

سردارانِ قریش چاہتے ہیں کہ حدیبیہ کے صلح نامے پر مؤثر انداز میں عمل درآمد کا
موقع دیا جائے اور یہ کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ کے خیموں پر جوشب خون
مارا تھا، اُس بہیمانہ کارروائی میں قریش نے من حیث القوم بنوبکر کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان سے دریافت فرمایا:

اگر تم لوگوں نے معاہدۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنوبکر کا
ساتھ نہیں دیا تو پھر اتنا طویل سفر طے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمالی۔ اب سردار ابوسفیان کے پاس بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لیے مزید کوئی دلیل نہ تھی۔ چنانچہ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد سردار ابوسفیان یہ کہہ کر مکّہ واپس چلے گئے کہ ہماری طرف سے آئندہ امن معاہدے ''صلح حدیبیہ'' پر مکمل انداز میں عمل کیا جائے گا۔

مکّہ پہنچ کر سردار ابوسفیان نے جب مدینہ میں پیش آنے والے واقعات اور امن کے متعلّق اپنی کوششوں سے جماعتِ قریش کو آگاہ کیا تو وہ لوگ بالکل مطمئن نہ ہوئے اور بولے:

آپ کے یک طرفہ اعلانِ جنگ بندی میں ہمیں تو کوئی بھلائی نظر نہیں آرہی۔
کیا اس سفارتی کوشش کے نتیجے میں ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں
یا مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کریں؟

سردار ابوسفیان نے کہا:

اے برادرانِ قریش!

بدقسمتی سے میں اس سارے پُرمشقّت سفر کے دوران (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کی توجہ حاصل نہ کرسکا۔ حقیقت یہ ہے کہ مستقل امن کے لیے کسی طرح کی کوئی واضح اور مثبت یقین
دہانی حاصل کرنے میں بھی کامیابی حاصل نہ کرسکا۔

لشکرِ اسلام کو تیاری کا حکم

بنوخزاعہ پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف سرورِ کائنات، صدرِ حسن کمالات، نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل میں یہ عزم فرما لیا تھا کہ اب ہر قیمت پر اس بیداد گری کا بدلہ مکّہ کے مشرکوں سے لیا جائے گا جو اس جرم میں برابر کے شریک ہیں، چناں چہ سردار ابوسفیان کی مکّہ واپسی کے فوری بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو ایک بڑی مہم کے لیے سامانِ سفر اور جنگ کے لیے ہتھیار تیار رکھنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے تمام مسلمان اور حلیف قبائل کی طرف بھی یہ پیغام نہایت رازداری کے ساتھ ارسال فرما دیا کہ:

ہر وہ شخص، جو اللہ، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے،
اور ہر طرح سے صحت مند اور جنگ لڑنے کے قابل ہے، تو وہ جاں نثار اپنے
ہتھیاروں سے مسلح ہو کر رمضان المبارک کے آغاز میں مدینہ پہنچ جائے! (1)

جب تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمان جاری فرمایا کہ:

اللہ کے پسندیدہ شہر پر سنگ دل قریش کی غیر منصفانہ حکومت کے خاتمے،
عدل وانصاف کے قیام، بنوخزاعہ کے مظلوموں کی حمایت اور بُت پرستوں کو
سزا دینے کے لیے مکّہ کی جانب پیش قدمی کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکرِ اسلام کو کوچ کا حکم دیا تو یہ دُعا فرمائی:

اے میرے خالق و مالک!
کسی بھی خبر سے متعلّق قریش کی دیکھنے اور سننے کی صلاحیت کو روک لے!
ہمارے عزم اور ارادوں سے وہ آخر وقت تک مطلق بے خبر رہیں!
وہ ہماری مکّہ کی طرف پیش قدمی کو اوّل تا آخر بالکل دیکھ نہ پائیں
اور اُن کو ہماری آمد کا اچانک اُس وقت پتا چلے، جب ہم مکّہ پہنچ چکے ہوں۔ (2)

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ قریشِ مکّہ کو اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ کسی بڑی جنگ کے لیے اپنے آپ کو تیار کر سکیں، کیوں کہ بیت اللہ شریف کے تقدس اور حرمت کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ شہرِ امن میں کسی جنگ و جدل اور معرکہ آرائی کے بغیر ہی لشکرِ اسلام کو قریش پر فتح حاصل ہو جائے۔

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 799/2
2۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 11/5

پیش قدمی

جنگی تیاریاں مکمل ہوتے ہی 10 رمضان المبارک ۸ ہجری بہ مطابق ۸ جنوری سنہ ۶۳۰ کا دن، وہ یادگار اور بابرکت دن تھا جب فرزندانِ توحید کا یہ عظیم الشّان اور عدیم المثال قافلہ اپنے عالی ظرف، بلند حوصلہ، بُردبار، باوقار، دُور اندیش اور ذہین راہنما کی قیادت میں مدینہ سے مکّہ کے لیے عازمِ سفر ہوا، تاکہ اللہ کے بابرکت گھر اور شہر کو بُتوں اور بُت پرستوں سے پاک کر کے اُس کے شرف، عظمت اور عالمگیر حیثیت کو بحال کر دیا جائے۔ ہر طرح کے ہتھیاروں سے مسلّح توحید پرستوں پر مشتمل اس لشکرِ عظیم کی روانگی بعد نمازِ عصر ہوئی۔(1)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ساتھ دس ہزار جاں نثارانِ اسلام کو لے کر جب پہاڑیوں میں گھرے ہوئے اللہ کے مقدّس گھر کی جانب روانہ ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صدیوں پہلے کی گئی وہ پیشین گوئی پوری ہو گئی جس میں اُنھوں نے فرمایا تھا کہ:

اللہ کے آخری نبی رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران کی پہاڑیوں سے جلوہ گر ہوں گے۔

جیسے جیسے منزل قریب آ رہی تھی اور فرزندانِ اسلام کا یہ لشکر غیر معروف راستوں پر سفر طے کرتا ہوا، اسلام کے سب سے طاقت ور حریف اور بُت پرستوں کے گڑھ مکّہ کی جانب بڑھ رہا تھا، اُس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ان دُعاؤں کی قبولیت کے طلب گار تھے:

اے میرے پروردگار! قریش کو ہمارے لشکر کی نقل و حرکت کی خبر نہ ہونے پائے!
ہم اچانک اُن پر حملہ آور ہوں اور کسی بھی انسانی جان کو قتل کیے بغیر، سلامتی اور امن کے
اس مقدّس پرچم کو حرم پاک پر لہرانے میں کامیاب ہو جائیں۔(2)

آخری ہجرت

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دس ہزار سرفروشانِ اسلام کی قیادت فرماتے ہوئے مکّہ کی جانب رواں دواں تھے کہ مکّہ میں مقیم خاندانِ بنو ہاشم کے سربراہ جنابِ عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب جحفہ کے مقام پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کے لیے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی نیّت سے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت شگفتہ ماحول میں انھیں خوش آمدید کہا اور فرمایا:

چچا جان! ان شاء اللہ مکّہ کی فتح اب بہت قریب ہے۔
اس عظیم الشّان فتح سے مکّہ سے ہجرت کرنے کا عمل ختم ہو جائے گا،
اِس لحاظ سے آپ آخری مہاجر ہیں اور آپ کی ہجرت آخری ہجرت ہے

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 399/2   2۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 11/5

جس طرح میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور میری نبوّت آخری نبوّت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وہیں سے اپنے خاندان کے تمام افراد کو مدینہ منورہ بھیج دیا اور خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُرعزم قیادت میں لشکرِ اسلام کا حصہ بن کر مکّہ کی جانب روانہ ہو گئے۔(1)

بلند ہوتی ہوئی آگ کی روشنی اور اہلِ مکّہ

قریش کی جانب سے راستوں کی نگرانی پر مامور کیے گئے حفاظتی دستوں کے ارکان کو اُس وقت مکمل ناکامی کا سامنا کرنا پڑا جب مجاہدینِ اسلام خاموشی اور رازداری کے پورے اہتمام کے ساتھ وادیِ مقدّس کے قریب ''مَرَّالظُّهران'' کے میدان میں پہنچ گئے جس کا موجودہ نام ''وادی اُمّ القریٰ'' ہے۔

جب اُس وسیع و عریض میدان میں تاحدِ نظر خیمے نصب ہو گئے تو اس عظیم الشّان فرودگاہ کی نگرانی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادی گئی۔

قریش کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے اور انھیں نفسیاتی طور پر مرعوب اور متاثر کرنے کے لیے، تاکہ اہلِ مکّہ جنگ کی تیاری کرنے یا مقابلہ پر آنے کی بجائے پیش آمدہ صورتِ حال کو دل سے تسلیم کرلیں، اس کے لیے لشکر گاہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان پہنچایا گیا کہ اندھیرا گہرا ہوتے ہی مجاہدین ''مَرّالظُّهران'' کی وادی میں دور دور تک پھیل جائیں اور اپنے طور پر الگ الگ اور بکثرت آگ کے آلاؤ روشن کریں، چناں چہ جب دس ہزار سے زیادہ مقامات پر آگ کی روشنیاں آسمان کی جانب بلند ہوئیں تو یہ منظر دیکھ کر اہلِ مکّہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ جنگی حکمتِ عملی کے تحت یہ تدبیر کارگر رہی اور مکّہ کے سرداروں پر مایوسی اور خوف کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حالات کو اتنی تیزی کے ساتھ بدلتا دیکھ کر اُن کے حوصلے پست ہو گئے اور ہمت جواب دے گئی، چناں چہ وہ لوگ ذہنی طور پر میدانِ جنگ میں اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی بجائے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

مکّہ شہر کے حالات

سرفروشانِ اسلام کی مکّہ کی طرف پیش قدمی کے متعلّق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں اللہ ذُوالجلال والاکرام نے قبول فرمائیں اور جب تک جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ کے نواح میں نہ پہنچ گئے، اہلِ مکّہ اتنی بڑی خبر سے بالکل لاعلم رہے لیکن جب اُن لوگوں نے اسلامی لشکر کی اچانک آمد کا منظر دیکھا تو وہ سب حیران و ششدر رہ گئے۔

شہر کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے سردار ابوسفیان بھی بہت پریشان اور فکرمند نظر آرہے تھے، انھوں نے صورتِ حال کی تحقیق کے لیے حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا کو ساتھ لیا اور مجاہدینِ اسلام کے خیموں کے بالکل

1۔سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد:213/2

قریب پہنچ گئے جہاں اُن کی ملاقات حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔

سلام وکلام کے بعد سردار ابوسفیان نے بڑے اضطراب کی حالت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

اے ابوالفضل!
میں تمھارے قربان! یہ کس کا لشکر ہے؟

حضرت عباس نے ابوسفیان کو موجودہ حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

اے ابوحنظلہ!
اب قریش کی خیر نہیں، کیوں کہ مجھے تم لوگوں کا بُرا انجام نظر آرہا ہے۔
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثاروں کا ایک عظیم الشان لشکر لے کر
یہاں تشریف لے آئے ہیں تاکہ بدعہد گروہِ قریش کو معاہدہ توڑنے کا سبق سکھایا جاسکے۔
اے ابوسُفیان! سردارنِ مکّہ کا یہ جرم بہت سنگین ہے کہ
اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف قبیلے بنوخزاعہ پر حملہ کرکے
اُن کے بیس سے زیادہ معصوم اور بےقصور افراد کو رکوع و سجود کی حالت
میں تہِ تیغ کردیا تھا۔
اے ابوحنظلہ! تم لوگوں پر صد افسوس!
کہ تم لوگوں کے غلط فیصلوں کی وجہ سے قبیلۂ قریش کی ہلاکت
اور تباہی کا وقت اب قریب آن پہنچا ہے۔

یہ سن کر ابوسُفیان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اُس نے گھبرا کر کہا:

اے ابوالفضل! میرے ماں باپ آپ پر قربان!
اب آپ ہی بتائیں کہ ہم لوگ کون سا راستہ اختیار کریں اور کیا قدم
اٹھائیں کہ یہ جو اتنا بڑا لشکر شہر میں داخل ہونے کے لیے تیار ہے،
اُن کے ساتھ ٹکراؤ سے بچ سکیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے ابوسُفیان!
پہلی بات تو یہ کہ اگر فرزندانِ توحید میں سے کسی نے تمھیں گرفتار کرلیا
تو میرے بھائی! وہ ایک لمحے سے بھی کم عرصے میں تمھارا سر قلم کردے گا،
کیوں کہ تمھارے کارنامے ہرگز قابلِ معافی نہیں ہیں۔

تم مکّہ کے وہ سردار ہو، جو پہلے دن ہی سے اسلام کی مخالفت کرنے،
مدینہ منوّرہ پر دھاوا بولنے اور اسلام کو مٹانے کی نیّت سے حملہ آور ہونے
والے لشکر کی قیادت کرتے رہے ہو۔
لٰہذا اے ابوسفیان!
آخری چارۂ کار یہ ہے کہ تم اِس سفید خچر پر میرے ساتھ سوار ہو جاؤ!
اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لو!
شاید اِس طرح قومِ قریش کو کسی بڑے امتحان کا سامنا
نہ کرنا پڑے۔(1)

ابوسُفیان کا قبولِ اسلام

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ اقدس میں حاضری کے لیے جاتے ہوئے جب یہ دونوں حضرات سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خیمے کے پاس سے گزرے تو اُنھوں نے آگ کے آلاؤ کی روشنی میں سردار ابوسُفیان کو پہچان لیا۔ وہ فوراً شمشیر برہنہ لیے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر گزار ہوں
جس نے بغیر کسی عہد و پیمان اور ذمّے داری کے مسلمانوں کے
سب سے بڑے دشمن ابوسُفیان کو ہمارے اختیار میں دے دیا ہے۔
میری گزارش ہے کہ مجھے اسلام کے اس سخت ترین مخالف اور
اہلِ اسلام کو ہر لمحے دُکھ دینے والے اس سردار کا سر قلم کرنے
کی اجازت مرحمت فرمائی جائے!

لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

عمِ محترم! آپ ابھی ابوسُفیان کو اپنے ساتھ اپنی قیام گاہ پر لے جائیں
اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھیں اس معاملے پر باقی بات چیت صبح ہوگی۔

چناں چہ وہ رات سردار ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خیمے میں گزاری۔

دُوسرے روز طلوعِ آفتاب کے فوراً بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اُنھیں اپنے ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسُفیان کی تالیفِ قلب کے لیے اُس سے بڑے نرم انداز میں مخاطب ہوئے اور فرمایا:

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:3/547۔کتاب المغازی للواقدی:2/815۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4280

اے ابوسُفیان!

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو اس حقیقت کو پہچان لے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ
کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے جن بُتوں کی تم پرستش
کرتے ہو، وہ بے جان اور بے اختیار ہیں۔

سردار ابوسُفیان نے عرض کی:

صاحبِ اکرام برادرِ محترم!

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کتنے تحمل مزاج، بُردبار، صاحبِ وقار اور اپنے قرابت داروں
کے ساتھ صلہ رحمی فرمانے والے نیک دل اور شریف انسان ہیں۔

میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے کریمانہ اخلاق، شفیق اندازِ گفتار
اور مہربان شخصیت کا گرویدہ ہو چکا ہوں۔

اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!

اب یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ
اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی بھی ذات پرستش کے لائق نہیں ہے۔

آج میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ
اگر ہمارے باطل خداؤں کا کوئی وجود ہوتا تو وہ اب تک
ہماری مدد کو آ گئے ہوتے۔

چناں چہ سردار ابوسُفیان جس کے نصیب میں اسلام قبول کرنا لکھا جا چکا تھا، اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

میں دل کی گہرائیوں سے یہ گواہی دیتا ہوں کہ معبودِ حقیقی صرف
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی ذاتِ مبارک ہے اور میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ
محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے سچے نبی اور برحق رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

پھر اُنھوں نے قریش کا سردار ہونے کی حیثیت سے رحم کی درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کی:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی فوج کو یہ حکم صادر فرمائیں کہ
وہ مکّہ میں داخل ہونے کے بعد قبیلۂ قریش کے قتلِ عام جیسے
کسی منصوبے پر عمل نہ کرے۔

سلامتی اور امن کے پیغمبر رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سردار ابوسُفیان کی اس درخواست کو شرفِ

قبولیت بخشا اور کمالِ شفقت و مہربانی سے اعلانِ عام فرمادیا کہ:

اگر اہلِ مکّہ اس مقدس شہر میں امن کے خواہش مند ہیں تو اُن میں سے جو شخص
بیت اللہ شریف میں پناہ کی نیّت سے داخل ہوگا، اُس کے لیے سلامتی کی ضمانت ہے،
جو شخص اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کرلے، وہ بھی محفوظ و مامون ہے
اور جو شخص مقابلے سے دست بردار ہو جائے اور ہتھیار ڈال دے،
وہ بھی اسلام کی پناہ میں ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے گزارش کی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ابوسُفیان شہر کا سردار ہونے کی حیثیت سے صاحبِ عزت ہے۔
میری درخواست ہے کہ اُسے فخر کا کوئی نمایاں اور امتیازی مقام اور خصوصی
منصب عطا فرما دیا جائے تاکہ وہ مقام و منزلت کا بلند مرتبہ ملنے پر یہ اطمینان محسوس
کرے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس کی دل جُوئی کا خیال رکھا گیا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ:

جو شخص پناہ لینے کے لیے ابوسُفیان اور حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہوگا،
اُس کے لیے بھی امان ہے۔(1)

مکّہ میں داخلہ

یہ اسلامی تاریخ کا وہ عظیم ترین دن تھا جب فرزندانِ توحید نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مکّہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے پیش قدمی کا آغاز کیا اور سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ ذمّے داری سونپی گئی کہ وہ ابوسُفیان کو اسلامی لشکر کی طاقت اور قوّت سے مرعوب و متاثر کرنے کے لیے کسی بلند جگہ پر لے جا کر کھڑا کردیں جہاں سے وہ مکّہ کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے لشکرِ اسلام کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے، تاکہ اہلیانِ مکّہ کے دلوں میں یہ سوچ کسی مرحلے پر بھی جگہ نہ پاسکے کہ وہ لشکرِ اسلام کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

یہ ساری احتیاط اور منصوبہ بندی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے فرما رہے تھے کہ اس مقدّس شہر میں کسی بھی طرح کی خون ریزی کی بجائے امن کا ماحول نظر آئے، چناں چہ لشکرِ اسلام میں شامل مجاہدین پورے ہتھیاروں اور ساز و سامان سے لیس ہوکر نہایت منظم انداز میں شہرِ مکّہ کی جانب بڑھنے لگے۔ جب بھی کوئی قبیلہ اپنی نمایاں

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 2/402-403۔ کتاب المغازی للواقدی: 2/818۔

علامت اور فضا میں اللہ اکبر کی گونج کے ساتھ اُن کے سامنے سے گزرتا تو سردار ابوسُفیان اُن کا جوش و خروش دیکھ کر پوچھتے:

یہ کون سا قبیلہ ہے؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ اُن قبیلوں کا تعارف کراتے تو سردار ابوسُفیان حیران ہو کر کہتے:

یہ اللہ کی کیا شان ہے کہ

یہ تمام قبیلے تو کبھی اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سخت ترین دشمن ہوا کرتے تھے۔

ان قبائل کے گزر جانے کے بعد آخر میں جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ روانہ ہوئے تو مہاجرین اور انصار کے مسلح دستے دائیں بائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں چمکتی دمکتی تلواریں اور درازانّی والے نیزے تھے اور پوری فضا عظیم اسلامی شعار ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ اُس آہن پوش دستے نے جو زرہ بکتر پہنی ہوئی تھیں، اُس میں سبز رنگ بہت نمایاں نظر آ رہا تھا۔

لشکرِ اسلام کا جوش و جذبہ اور نظم و ضبط دیکھ کر سردار ابوسُفیان کی چشمِ عقل خیرہ ہو گئی۔ اُنھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ کے سامنے شکست کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

اس لشکرِ جرار کا مقابلہ کرنا اب کسی کے بس کی بات نہیں۔

اے ابوالفضل! آپ کے بھتیجے کی تو بڑی عظیم بادشاہت قائم ہوگئی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ نے کہا:

اے ابوسفیان! آپ ابھی تک اس سچائی کا ادراک کیوں نہیں کر سکے کہ

یہ کسی بادشاہ کی طرف سے اُس کی شان وشوکت کا مظاہرہ نہیں،

بلکہ یہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت و رسالت کا جاہ و جلال ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ نے اُنھیں مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

اے ابوسفیان! اگر آپ کو اپنی قوم کی سلامتی مقصود ہے

تو جلدی سے مکّہ پہنچ کر انھیں لشکرِ اسلام کے لڑاکا دستوں کی

طاقت، استقامت اور سرفروشانہ جذبوں کی اس حقیقت سے آگاہ کریں

کہ اب اہلِ مکّہ ہر قسم کی دشمنی، مزاحمت اور مقابلے کے خیال کو اپنے دلوں سے

نکال دیں، تاکہ معاملات کہیں کسی خون ریز کارروائی میں نہ تبدیل ہو جائیں۔(1)

حالات کی سنگینی کا احساس کرنے کے بعد سردار ابوسُفیان بسرعت تمام گھر پہنچے، بلند آواز میں اہلِ مکّہ کو اپنی

1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 550/3۔ کتاب المغازی۔ صحیح بخاری۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 35/5

طرف بلایا اور کہا:

اے آلِ غالب!

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک عظیم الشّان لشکر کی قیادت فرماتے ہوئے
شہر میں داخل ہونے والے ہیں۔

دس ہزار سے زیادہ جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مشتمل ایک منظم فوج کا
مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

چوں کہ ہم نے بنوبکر کے ظلم کا ساتھ دے کر معاہدۂ حدیبیہ کی کھلی خلاف ورزی کی ہے،
اس لیے عام اور رائج جنگی قانون کے تحت ہم سب مستوجبِ سزا ہیں
اور ہمارا تمام مال ومتاع بھی لشکرِ اسلام کے لیے حلال ہے۔
ایسی صورت میں اگر ہم اپنی جان ومال کی سلامتی چاہتے ہیں
اور جدال وقتال کی بجائے امن کے طلب گار ہیں
تو ہمیں دل کی گہرائیوں سے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت قبول کرنا ہوگی۔

اے اہلِ مکّہ!

یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہے جو میں آپ لوگوں تک پہنچا رہا ہوں۔
اُنھوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے
اور بیت اللہ شریف میں اپنی عافیت اور خیریت کے لیے داخل ہوجائے،
وہ اسلام کی پناہ میں ہوگا۔
جو شخص اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور دروازہ اندر سے بند کرلے،
اُس کے لیے بھی امان کا وعدہ ہے۔
اور جو شخص میرے اور حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہوجائے،
اُس کی بھی جان ومال کی حفاظت کی جائے گی۔

اس خصوصی اعلان کے بعد لوگ پناہ کی غرض سے اپنے گھروں کی جانب جانا شروع ہوگئے۔ اسلامی افواج کے کروفر اور رُعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے شہر کے گلی کوچے اور بازار سنسان ہوگئے اور ہر طرف سنّاٹا چھا گیا۔(1)

1۔ کتاب المغازی للواقدی:823/2۔

امن کا دن

شہر میں داخل ہونے سے پہلے انصاری دستے کے امیر جناب سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے جب سردار ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے دیکھا تو انھیں ڈرانے دھمکانے کے لیے اُنھوں نے بلند آواز میں یہ رجزیہ شعر پڑھنا شروع کر دیا کہ:

الیوم، یوم الملحمه الیوم تستحل الکعبه

آج قریش کے ساتھ شدید معرکہ آرائی کا دن ہے۔

آج مکّہ میں کافروں پر دھاوا بولنے اور اُن کا خون بہانے کی اجازت ہوگی،

کیوں کہ مسلمانوں کے لیے اُن کا خون حلال اور مال ومتاع مباح ہے۔

یہ سُن کر سردار ابوسُفیان بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور گھبرائے ہوئے لہجے میں عرض کیا کہ:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سب سے زیادہ قرابت داروں کی خبر گیری فرمانے والے ہیں،

جب کہ جناب سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔

کہیں وہ قریش کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سعد رضی اللہ عنہ نے خلافِ واقعہ بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

الیوم، یوم المرحمه الیوم یعظم الله فیه الکعبه

آج رحم وکرم، رواداری، مہربانی اور عفو و درگزر کا دن ہے۔

آج ربِ کریم اپنے گھر کی عزت واحترام اور شان وشوکت مزید بلند فرمائے گا۔

آج کعبہ شریف کو نئے غلاف سے مزّین کر کے اُس کی عظمت کو دوبالا کیا جائے گا۔

اہلِ مکّہ کا دل رکھنے کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے واپس لے کر اُن کے فرزندِ ارجمند حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادیا جو بلند قامت اور طاقت ور جسم کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ تحمّل مزاج اور بردبار بھی تھے۔(1)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکّہ میں تشریف آوری

آج سے آٹھ سال قبل دُشمنانِ دین نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کے لیے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا،

1۔ سبل الھدیٰ والرشاد: 221/5۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 4280

اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی رنجیدگی کے عالم میں اپنے رفیق سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اندھیری رات میں اپنے وطنِ عزیز کو الوداع کہنے اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

اُس سرزمین کے بازار، گلیاں اور کوچے، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چلنا پھرنا بھی مشکل بنا دیا گیا تھا، جہاں اُس وقت نہ کوئی مونس و غم گسار، نہ کوئی محرمِ راز اور نہ کوئی دل نواز تھا، آج اُسی شہرِ مقدس کے لوگ بڑے ادب واحترام کے ساتھ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام عقیدت پیش کر رہے تھے۔

لشکرِ اسلام میں وہ غریب الوطن مسلمان بھی شامل تھے جن کا مکّہ میں زندگی گزارنا مشکل تر بنا دیا گیا تھا۔ رئیسانِ مکّہ اُن کے ساتھ غلاموں سے بھی بدتر سلوک روا رکھتے تھے۔ انھیں اس قدر شدید ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا تھا کہ وہ بے چارے بے کس اور بے بس ہو کر رہ جاتے تھے۔ جب سرزمینِ مکّہ کو اُن پر انتہائی تنگ کر دیا گیا اور اُنھوں نے شمال کے ایک شہر مدینہ کی جانب ہجرت کا عزم کیا تو مشرکینِ مکّہ نے اُس وقت سفّاکی اور سنگ دِلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے گھروں، دکانوں اور حویلیوں پر قبضہ کر لیا تھا لیکن آج اللہ کے فضل وکرم اور نصرت باری تعالیٰ سے وہی مسلمان دن کی روشنی میں پوری عزّت، وقار اور فتح مندی کے جذبات سے سرشار اپنی اشک بار آنکھوں اور شکر گزار دِل کے ساتھ اپنے محبوب اور مقدس شہر میں پھر سے داخل ہو رہے تھے۔

الحمدللہ! آج نہ کسی میں طاقت تھی اور نہ جرأت کہ وہ ان فرزندانِ اسلام کا راستہ روکنے کی کوئی ناکام کوشش بھی کرتے۔

اللہ ربُّ العزت کی اعانت اور نصرت کے ساتھ شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے طرزِ عمل میں کسی شاہانہ شان وشوکت کا اظہار کرنے کی بجائے پورے وقار اور متانت کے ساتھ عجز و نیاز اور حلم و تواضع کو اختیار فرماتے ہوئے اللہ کے حضور اپنے سرِ اقدس کو جھکا دیا تھا، یہاں تک کہ پیشانی مبارک کجاوے کی لکڑی کو چھو رہی تھی۔

مسرّت وانبساط کے اُن مقدّس لمحات میں زبانِ مبارک سے حمد وثنا کے بعد یہ کلمات ادا ہو رہے تھے:

اللھم لاعیشَ الاعیش الآخرۃo

اے میرے پروردگار! حقیقی زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔

اس تاریخی موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر بٹھایا ہوا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مکّہ کے بالائی حصے ''کدا'' سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔(1)

یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لئے پکارا تھا اور اپنی ذرّیت کے لیے یہ دُعا فرمائی تھی، جو قبول ہوئی:

1۔السیرۃ الحلبیہ :122/3۔کتاب المغازی للواقدی:824/2۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4289

اے میرے پروردگار!
میں نے اپنی اولاد میں سے اپنے پیارے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام)
اور اُس کی والدہ کو تیرے معزّز اور محترم گھر کے قریب ایک ایسی سرزمین
پر لاکر آباد کیا ہے جہاں کھیتی باڑی کا کوئی امکان نہیں ہے۔
اے میرے خالق و مالک! صرف اس مقصد کے لیے
کہ وہ یہاں پر توحید کا علم بلند کریں گے اور نماز کا نظام قائم کریں گے۔
یا ربّ العالمین!
لوگوں کے دل اس مقدّس گھر کی طرف مائل فرمادیں! انھیں میووں سے روزی عنایت فرمائیں!
اور ان کو تازہ پھل عطا فرمائیں تاکہ وہ اس انعام پر تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔(1)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے راستے میں مزاحمت

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ شہر میں چار سمتوں سے داخل ہونے والے اپنے سپہ سالاروں کو یہ تاکید فرمائی تھی کہ جب تک کوئی آپ سے تعرض نہ کرے، اپنے اسلحے کی نمائش نہ کریں اور نہ اپنی تلواروں، تیروں اور نیزوں سے کسی کو ڈرائیں دھمکائیں، کسی کو زد و کوب کرنے، قتل و غارت گری اور جائیدادوں کو نقصان پہنچانے سے قطعی اجتناب کیا جائے، لیکن اگر کسی مقام پر مزاحمت کرنے والا کوئی مسلّح گروہ لڑائی کی نیّت سے تمھاری طرف بڑھے تو ایسی صورت میں اپنے دفاع میں ہتھیار اُٹھانے اور تلواروں کو نیاموں سے باہر نکالنے کی اجازت ہے، لیکن کسی حالت میں بھی آپ کی جانب سے پہل نہیں ہونی چاہیے۔

لشکرِ اسلام کے تمام دستے اپنے اپنے سالاروں کی قیادت میں امن کے ساتھ شہرِ مقدس میں داخل ہو گئے۔ صرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے شہ سوار دستوں کو خندمہ کی پہاڑی پر نادان اور حق سے ناآشنا سردارانِ قریش: صفوان بن اُمیّہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کی زیرِ قیادت ایک جنگ جُو گروہ کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے بنوبکر کے ساتھ مل کر بنوخزاعہ کے معصوموں کا قتلِ عام کیا تھا۔ قریش کے ان نادان اور اپنے انجام سے بے خبر جوشیلے افراد نے تیروں اور تلواروں کے ساتھ لشکرِ اسلام پر دھاوا بول دیا، لیکن سرفروشانِ اسلام کی طرف سے کیے گئے جوابی حملے کی وہ تاب نہ لا سکے۔ ایک چھوٹی سی جھڑپ کے بعد اسلامی فوجوں کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرنے والا یہ سرکش گروہ اپنے ساتھیوں کی تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔(2)

1۔ ابراہیم 37:14
2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام 408/2:

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے ساتھ اس مسلّح تصادم پر حضرت خالد بن ولید سے وضاحت طلب کرتے ہوئے فرمایا:

اے خالد! یہ کیا ماجرا ہے؟
میں نے آپ لوگوں کو لڑنے سے منع کیا تھا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس مسلّح جھڑپ کی ابتدا مشرکینِ مکّہ کی جانب سے کی گئی،
ہم نے تو مجبوراً اور اپنے دفاع میں ہتھیار اُٹھائے۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قضاء اللہ خیر

اللہ کا جو حکم ہو، وہی بہتر ہے۔(1)

حماس بن قیس

فتح مکّہ کے دن حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے شہ سواروں کا راستہ روکنے کے لیے جس سریع الغضب جتھّے نے مزاحمت کی تھی، اُس میں ایک مشرک حماس بن قیس بھی شامل تھا۔ اُس شخص نے اسلامی لشکر کی مکّہ آمد سے بہت پہلے اپنے گھر میں ہتھیار اکٹھے کرنے شروع کر دیئے تھے۔

ایک دن اُس کی بیوی نے کہا:

تم کس مقصد کے لیے اپنے ہتھیاروں کو تیز کرتے رہتے ہو؟

اُس نے اپنی بیوی کو بتایا:

میرے بہت سے ساتھیوں نے لڑنے اور مزاحمت کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔
ہم لوگ کسی قیمت پر بھی (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے حملہ آور لشکر کو مکّہ شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

اُس کی اہلیہ ایک دانش مند خاتون تھی۔ اُس نے کہا:

تم لوگ بے وقوف نہ بنو اور سمجھ داری سے کام لو!
جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے جاں نثار جب مکّہ میں داخل ہوں گے تو تمھاری یہ ساری تیاریاں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔
بہتر یہ ہے کہ اس حقیقت کو جتنی جلدی ہو سکے تسلیم کرلو کہ

1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 48/5

زوال پزیر قریش میں اب وہ دم خم نہیں رہا
کہ وہ سرفروش مسلمانوں کی منظم فوج کا مقابلہ کرسکیں۔

حماس نے جواب میں اپنی اہلیہ سے کہا:

میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کبھی ہمارا آمنا سامنا مدینہ سے آنے
والے لشکر سے ہو گیا تو پھر اُن کی خیر نہیں، کیوں کہ معرکہ آرائی کے وقت
ہمارے پُرجوش ساتھی نہایت مہلک اور خطرناک ہتھیاروں کا استعمال کریں گے۔

لیکن جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے شہ سواروں کے ساتھ اُن کی جھڑپ ہوئی تو آناً فاناً تیرہ کافروں کے سر اُڑتے اور لاشیں زمین پر گرتی دیکھ کر اسلامی لشکر کا راستہ روکنے والے باقی کافروں کی ہمت جواب دے گئی اور وہ خوف زدہ ہو کر اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اُن راہِ فرار اختیار کرنے والے مخالفین میں حماس بن قیس بھی شامل تھا، چناں چہ جب وہ گھبرائے ہوئے چہرے، اُڑی ہوئی رنگت اور بدحواسی کی حالت میں گھر پہنچا تو اپنی بیوی سے کہنے لگا:

مجھے جلدی سے کہیں چھپا لو۔

بیوی نے دیکھا کہ خوف کی وجہ اُس کے خاوند پر لرزہ طاری ہے تو اُس نے طنزیہ انداز میں کہا:

میں نے پہلے ہی تم لوگوں کو تنبیہ کی تھی کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
اور اُن کے جاں نثاروں کے ساتھ مقابلہ کرنا اب تم لوگوں کے بس کی بات نہیں رہی۔
اب بتاؤ کہ سخت لڑائی لڑنے کے تمھارے نام نہاد دعووں کا کیا ہوا؟

اس نے کہا:

اے نیک بخت! اس وقت پرانی باتوں کے طعنے مت دو!
کاش تُو خندمہ کی لڑائی کا وہ خوف ناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتی!
جب اسلامی لشکر کے ساتھ ہم لوگ برسرِ پیکار ہوئے تو بہادروں کے بہادر
صفوان اور عکرمہ بن ابوجہل اسلامی لشکر کے سامنے اس قدر دہشت زدہ نظر آئے
کہ چند ہی لمحوں کے اندر وہ لوگ تو بھاگ کھڑے ہوئے۔
باقی ماندہ جنگ جوؤں کو اسلامی لشکر کے شہ سواروں نے چاروں جانب سے گھیر لیا
اور اُن کی تلواریں بہتے پانی کی طرح ہماری گردنوں کو اس طرح کاٹنے لگیں
کہ چیخ و پکار کا وہ ہیبت ناک منظر اگر تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی

تو تم اس طرح میری بے عزتی نہ کرتی۔(1)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیت اللہ شریف میں آمد

سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس پرچم 'حجون' میں واقع مسجد 'الفتح' کے قریب نصب کر دیا۔ وہیں پر سرخ چمڑے کے ایک خیمے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمایا۔ غسل فرمانے کے بعد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہزاروں اصحاب رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بیت اللہ شریف کی جانب روانہ ہوئے۔ اُس وقت حضرت محمد بن مسلمہ اُونٹنی کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل رہے تھے۔(2)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ نبوّت کی ایک بابرکت جھلک دیکھنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے پورا مکّہ شہر اپنے گھروں سے باہر نکل آیا تھا۔ سارے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ وہ سب حیرت وتشکّر کے عالم میں اُس رُوح پرور اور ایمان افروز منظر کو دیکھ رہے تھے، جب کہ شہر کے در و دیوار، کوچہ و بازار اور بلند و بالا کہسار تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہے تھے۔

اللہ کے پاک گھر میں باطل معبودوں کے تین سو ساٹھ بُت نصب تھے۔ ان جھوٹے خداؤں کے نام نہاد حفاظتی علم برداروں کی شکستِ فاش کے بعد وہ وقت آ گیا تھا جب خالقِ کائنات اور معبودِ حقیقی کی اس سب سے زیادہ مقدّس عبادت گاہ کو ان منحوس اور ناپاک بُتوں کے وجود سے ہمیشہ کے لیے پاک کر دیا جائے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اللہ کی رحمت اور تائید ربانی کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عصائے مبارک کی ضرب سے ان بُتوں کو گرانا شروع کر دیا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبانِ مبارک سے اِس آیت کریمہ کے یہ الفاظ ادا فرما رہے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾

آج حق غالب آ گیا، باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔(3)

جس وقت ان بتوں کو پوری ذلّت اور خواری کے ساتھ یکے بعد دیگرے گرایا جا رہا تھا، اُس وقت ان بتوں کی پرستش کرنے والے اور اُن سے منّتیں اور مرادیں مانگنے والے کئی جاہل اس یقین کے ساتھ وہاں کھڑے تھے کہ ابھی آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی اور ہمارے خداؤں کو نقصان پہنچانے والے تباہ و برباد ہو جائیں گے، لیکن آج یہ باطل پرست اور بدعقیدہ لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے جھوٹے خداؤں کی تذلیل اور بے بسی دیکھنے پر مجبور تھے۔ خانۂ کعبہ کے باہر رکھے گئے تمام بُتوں کو گرانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 407-408/2

2۔ کتاب المغازی للواقدی: 829/2۔ سبل الھدی والرشاد: 230/5

3۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 417/2۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 1781۔ صحیح مسلم۔ رقم الحدیث 4287

خانۂ کعبہ کا دروازہ کھول دیں۔

رسالت مآب ﷺ ! حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر خانۂ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں پر آپ ﷺ نے دیکھا کہ دیواروں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایسی تصویریں بنائی گئی تھیں جن میں اُن کے ہاتھوں میں فال نکالنے اور قسمت کا حال معلوم کرنے والے تیر دکھائے گئے تھے۔

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں اللہ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت پیغمبر تھے اور اُنھوں نے کبھی بھی تیروں سے فال نکالنے کا عمل اختیار نہیں کیا تھا۔

آپ ﷺ کے حکم سے تمام تصاویر مٹادی گئیں اور تکبیرات کے کلمات ادا کرتے ہوئے وہاں موجود بُتوں کو باہر پھینک کر اللہ کے گھر کے تقدّس کو بحال کر دیا گیا۔(1)

رسالت مآب ﷺ کا قوم سے خطاب

خانۂ کعبہ کے اندر شکرانے کے نوافل ادا کرنے کے بعد رسُولِ آخر و اعظم ﷺ باہر تشریف لائے تو صدر دروازے کی دہلیز پر ہی چوکھٹ کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے۔ برس ہا برس سے مخالفت اور عداوت نبھانے والے یہ شکست خوردہ لوگ آج خانۂ کعبہ کے صحن میں ندامت سے سر جھکائے اور نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں صف در صف ڈرے سہمے کھڑے تھے۔ قبیلۂ قریش کے یہ مفتوح اور مغلوب قوم کے افراد جنگ کے قوانین سے بڑی اچھی طرح آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ معاہدوں کو توڑنے کی سزا کیا ہوتی ہے۔ یہ بے بس اور لاچار لوگ دھڑکتے دِلوں اور خشک ہونٹوں کے ساتھ اپنی اپنی قسمتوں کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔

حضور نبیِ کریم رحمۃ للعالمین ﷺ نے اُن کے سامنے دینِ اسلام کی عظمت اور قرآنی تعلیمات پر فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت سے بھرپور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:

اے لوگو! معبودِ حقیقی صرف ایک اللہ ذُوالجلال والاکرام کی ذاتِ مبارک ہے۔
وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یگانہ و یکتا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔
اُس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی نصرت و اعانت فرمائی۔
اُس نے اسلام کی مخالفت کرنے والے تمام دشمن لشکروں کو تنہا ہزیمت سے دوچار کیا۔
خبردار رہو!
آج جاہلیت کا ہر استحقاق اور انتقام، خون بہا کے دعوے،

1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 573/3۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 4288

اُس دور کی رسومات اور سُود کے تمام مطالبات،
میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔
اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ اسلام جاہلیت میں بھی کیے گئے
اُن تمام معاہدوں کو مزید مضبوط اور پختہ کرتا ہے
جن میں صلۂ رحمی، بھلائی اور حق کا ساتھ دینے کی بات ہو۔
میرے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاجیوں کو پانی پلانے کے عہدے پر بدستور فائز
رہیں گے، کیوں کہ وہ یہ منصب بڑے انصاف اور خوبی کے ساتھ نبھاتے رہے ہیں۔(1)
اے جماعتِ قریش!
اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھارے دورِ جاہلیت کے غرور اور تکبّر، اپنے خاندان،
گھرانے اور قبیلے پر فخر کا اظہار کرنے کے رویّے اور نسب کی برتری کے تمام
دعووں کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے ہمیشہ کے لیے مٹا دیا ہے اور سب کے لیے
انسانی برادری کا یہ سچا اُصول بیان فرمایا ہے کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں
اور خود آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔

پھر آپ ﷺ نے قرآنِ پاک میں سے سورۃ الحجرات کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں قبیلوں، برادریوں
اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کی پہچان میں آسانی ہو سکے۔
درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ افضل، باعزت
اور ذی وقار شخص وہ ہے جو خدا ترسی اور پرہیز گاری میں سب سے آگے ہو۔
بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔(2)

سیّد البشر صاحبِ نظر نبیِ پاک ﷺ کے خطابِ مقدس کے دوران قریش گردنیں جھکائے اور ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ مسجد کے احاطے میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔(3)

صدیوں کے بعد گونجی حرم میں اذانِ حق
باطل کا چہرہ فق ہوا سن کر بیانِ حق

1۔ سنن ابی داوٗد۔ کتاب الدیات۔ رقم الحدیث: 4547 2۔ الحجرات: 13
3۔ سنن ترمذی۔ ابواب تفسیر القران۔ رقم الحدیث: 3270

اہلِ زبان بھول گئے اپنی بولیاں
جب افصح العرب نے سنائی زبانِ حق

کیا خوب دل پزیر تھا لہجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا
قدرت کا ترجمان تھا خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

اپنے اس مختصر اور جامع خطاب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خانۂ کعبہ کے صحن میں کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا اور اُن سے باوقار انداز اَور پیغمبرانہ جلال کے ساتھ دریافت فرمایا:

اے جماعتِ قریش! تم میری نسبت کیا خیال کرتے ہو کہ
میں تم لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟

بیت اللہ شریف کے وسیع وعریض صحن میں گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے جبارانِ قریش کے سامنے جب ان الفاظ کی صدا بلند ہوئی تو خوف و ہراس کی وجہ سے اُن پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اُن کا جاہ وجلال خاک میں مل چکا تھا۔ مکّہ کے ان ستم گاروں کو اب اپنے تمام ظلم اور زیادتیاں، غیر انسانی رویّے اور غیر مہذب عمل یاد آ گئے جن کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخلص اور مظلوم ساتھیوں کو سامنا کرنا پڑا تھا۔

وہ اکثر انھیں تپتی ریت اور دہکتے کوئلوں پر لٹا کر اُن کے سینوں پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے۔

خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔ زبان دراز قریش کی جانب سے بہتان طرازیاں اور قلبِ مبارک کو دُکھ دینے والی باتیں کی گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شاعر، ساحر اور مجنون کہا گیا۔

اس کے علاوہ اُن کا وہ نہایت سنگ دِلانہ رویّہ کہ جب تین سال تک بنو ہاشم اور بنو مطلب کے افراد کو شعبِ ابی طالب سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی گئی اور نہ ہی وہاں کھانے پینے کی چیزیں پہنچنے دی گئیں۔

فرزندانِ ارجمند جناب قاسم رضی اللہ عنہ اور جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر دلوں کو دُکھ اور تکلیف دینے والے تبصرے اور پھر وہ وحشیانہ عمل کہ پیارے چچا جان جناب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد اُن کے جسدِ خاکی کی بے حرمتی کی گئی، پیاری بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا اُونٹنی سے نیچے گر کر مجروح ہونا، جس سے حمل ساقط ہوگیا اور بالآخر یہی بیماری اُن کی وفات کا سبب بنی۔

پھر تبلیغ کی ہر کوشش میں غیر مہذّب طریقے سے رخنے ڈالنا، راستوں میں کانٹے بچھانا، گرد اُڑانا، پتھّر مارنا اور بیت اللہ شریف میں نماز ادا کرنے پر پابندی۔ اسلام کو شکست دینے کے لیے اُن کا دن رات غیر قانونی اور غیر اخلاقی تدبیریں سوچتے رہنا۔ گھر کا محاصرہ، قتل کی سازش اور اپنے محبوب وطن سے ہجرت کا عمل اور پھر ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ناپاک وناکام کوششوں کے ضمن میں

بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ مدینہ منورہ پر بار بار یلغار اور خون ریز جنگیں، خودساختہ اورمرضی کی شرائط پر حدیبیہ کا معاہدہ کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عمرہ کی ادائیگی سے روک دینا۔

اِس تمام عرصے کے دوران کون سا ظلم اور جبر ہے جو قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ روا نہ رکھا تھا۔لیکن اب وقت بدل چکا تھا۔غرور اور تکبّر کے غیر انسانی رویے کے حامل قریش کے سرکش سردار عاجزانہ انداز اور پریشانی کی حالت میں گردنیں جھکائے اپنی قسمتوں کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔آج وہ لوگ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظیم الشّان طاقت اور عظمت کے سامنے بے بس کھڑے تھے جو کبھی بیت اللہ شریف میں اللہ کا نام لینے، تلاوت کلام ِپاک اور نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لُطف وکرم اور عفوو درگزر پر یقین رکھنے والے سہیل بن عمرو، جنھوں نے قریش کے وکیل کی حیثیت سے معاہدۂ حُدیبیہ کی شرائط طے کی تھیں، رحم کی درخواست کے ساتھ آگے بڑھے اور خدمتِ اقدس میں عرض کرنے لگے:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہمیں اپنی غلطیوں، زیادتیوں اور گناہوں کا اقرار ہے
لیکن اس کے باوجود، ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے عفوو درگزر اور صلۂ رحمی کے
طلب گار ہیں، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سراپا رحم و کرم ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے فیاض، مہربان اور قابلِ احترام بھائی جناب عبداللہ کے
فیاض، مہربان اور قابلِ احترام صاحب زادے ہیں۔
ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے خیر، بھلائی اور اچھے سلوک کی توقع کے ساتھ یہاں حاضر ہوئے ہیں۔

درخواست پیش کرنے کے بعد سہیل بن عمرو اور اہلِ مکّہ سانس روکے اور سر جھکائے اپنی تقدیر کا فیصلہ سننے کا انتظار کرنے لگے۔

صورتِ صبحِ درخشاں، نیّرِ تاباں، سرچشمۂ راحت، مخزنِ شفقت، پیغمبرِ اسلام نبیِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام کے بدترین دشمنوں سے کریمانہ لہجے میں فرمایا:

آج انتقام کا دن نہیں ہے، بلکہ مہربانی، شفقت اور صلہ رحمی کا دن ہے۔
آج میں تم لوگوں سے وہی بات کہتا ہوں جو اللہ کے پیغمبر اور میرے بھائی
یوسف علیہ السلام نے سربراہِ حکومت بننے کے بعد اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۝

فاذھبوا انتم الطلقاء ۝

آج تم لوگوں پر کوئی ملامت اور گرفت نہیں،

میری طرف سے تم سب کے لیے عام معافی کا اعلان ہے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے تمام گناہوں کو معاف فرمائے!
اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔
جاؤ، تم سب آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو!(1)

انسانی تاریخ میں یہ ایک عدیم المثال دن تھا کہ جب رسُولِ آخر و اعظم ﷺ نے اپنے کرم کی عظمت، بلند اقبال شانِ رحمت اور فیضِ بخش کرم گستری میں سے دُکھ اور تکلیف دینے اور اذّیت میں مبتلا کرنے والے اپنے تمام دشمنوں کو معاف فرما دیا، حالانکہ اس وقت جاں نثارانِ رسُول اللہ ﷺ، مکّہ کے ان بد اندیش بدخواہوں کو نیست ونابود کرنے کے لیے حضور نبیِ کریم ﷺ کے صرف ایک اشارۂ ابرو کے منتظر تھے۔

یقیناً ان ظالموں اور جفا کاروں کی گردنوں کو پلک جھپکنے میں تن سے جدا کر دیا جاتا لیکن سراپا رحمت و شفقت، حضور پُرنور، شافعِ یوم النشور، راہبرِ دوجہاں، نبیِ آخرالزماں ﷺ نے پوری طاقت اور قدرت رکھنے کے باوجود قریش کے تمام تر خدشات، اندیشوں اور وسوسوں کو اُن کے جان و مال کی حفاظت، سلامتی اور امن و امان سے بدل دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

وہ دن آیا کہ پورے ہو گئے ''تورات'' کے وعدے
خدا نے آج ایفا کر دیئے ہر بات کے وعدے
خود سروں کی تنی گردنیں جھک گئیں
سرکشوں کی اُٹھی گردنیں جھک گئیں
تھیں جو اُونچی وہی گردنیں جھک گئیں
اُس خدادادِ شوکت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 412/2۔رقم الحدیث: 18276۔السنن الکبری للبیھقی۔

رحمتِ حق کی ہونے لگیں بارشیں
دین و دنیا کی لٹنے لگیں دولتیں
کھول دیں جس نے اللہ کی حکمتیں
اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

مومنین پیشِ فتح و پسِ فتح سب
اہلِ خیر و عدالت پہ لاکھوں سلام

غزوۂ حنین

کافی عرصہ سے مکّہ کے قرب و جوار میں آباد عرب کے طاقت ور، جنگ جُو اور خودسر قبائل بنوہوازن، بنو ثقیف اور بنوبکر پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑھتے ہوئے اَثر و رسُوخ اور مختلف جنگوں میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کو گہری نظر سے دیکھ رہے تھے۔

تاہم، یہ قبائل فی الحال اس امر سے مطمئن تھے کہ فرزندانِ اسلام کے قدم ابھی تک مکّہ یا ہوازن قبائل کی جانب نہیں بڑھے لیکن جب فتح مکّہ جیسی اہم ترین اور انقلابِ زمانہ خبر بنوہوازن اور اُن کے حلیف قبائل تک پہنچی تو اُن کے سرکردہ راہنما نہایت متفکر اور پریشان ہوکر سوچنے لگے کہ مسلمانوں نے عرب کے امیر ترین اور طاقت ور قبیلے قریش کو زیر کرکے اُس کی ساکھ اور شان وشوکت کو مٹّی میں ملا دیا ہے اور ان کے جھوٹے خداؤں کو نیست و نابود کر دیا ہے اور یہ کہ فتح مکّہ کے بعد پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے پہلا فرمان ہی یہ جاری کیا کہ نہ صرف خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا جائے، بلکہ مکّہ کے نواح میں نصب بڑے بڑے بتوں اور نامی گرامی صنم کدوں کو گرانے کے لیے ہر جانب مسلح دستے بھی بھیج دیئے جائیں، چناں چہ خطّے کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے بنو ہوازن، بنوثقیف اور اُن کے حلیف قبائل کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ شاید اب ہمارے آباء واجداد کے مذہب کا زوال، ہماری خودمختاری اور ہمارے بتوں کا نام ونشان مٹ جانے کا وقت قریب آ گیا ہے اور اب مجاہدینِ اسلام کسی بھی وقت حملہ آور ہوکر ہمیں بھی زبردستی حلقۂ اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

قبیلہ بنوہوازن کا نام ور سردار اور رئیسِ اعظم مالک بن عوف ایک دلیر، دلاور اور میدانِ جنگ میں غیر معمولی عزم وحوصلے اور بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرنے والا نوجوان تھا۔ اپنے قبیلے کے اس تیس سالہ قائد نے اپنے حلیف قبائل بنوثقیف، بنوجشم، بنوہلال اور بنوسعد بن بکر کے ساتھ باہمی مشاورت کے بعد اُن سب کو اس ایک نقطے پر متفق کرلیا کہ ہمیں مسلمانوں سے اپنے عقائد ونظریات، قیادت وسعادت اور مقدس عبادت گاہوں کے تباہ کردیے جانے کا اندیشہ ہے اس لیے ان کا دفاع کرنا اب ہمارا اوّلین فرض بن چکا ہے، لہٰذا اس خوف ناک خطرے کا مقابلہ کرنے اور اپنے معاملات و مفادات کو محفوظ بنانے کے لیے اُس نے اپنے منصوبے کو قریبی ساتھیوں پر ظاہر کرتے ہوئے کہا:

یہ ایک بہترین موقع ہے کہ حالات کو اپنے حق میں بہتر بنانے کے لیے
ہم فوری طور پر آگے بڑھیں اور مسلمانوں کے سنبھلنے سے پہلے ہی اپنی پوری
فوجی طاقت کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوجائیں، کیوں کہ لشکرِ اسلام اس وقت

اپنے مرکز مدینہ سے بہت دور ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قریش بھی اسلام دشمنی
کی وجہ سے ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔

چناں چہ بھاری لشکر کے ساتھ مکّہ پر دھاوا بولنے کا منصوبہ بنتے ہی تمام قبائل کے سرکردہ سرداروں نے باہمی مشاورت کے بعد بنونصر کے اس رئیس مالک بن عوف کو متحدہ افواج کی قیادت اور امارت کے لیے متفقہ طور پر اپنا سپہ سالار منتخب کرنے کا اعلان کر دیا۔

بحیثیت سپہ سالار مالک بن عوف نے سب سے پہلا حکم یہ جاری کیا کہ مشترکہ لشکر میں شامل تمام قبائل کے جنگ جُو اپنے بیوی بچوں اور مال و متاع سمیت گھروں سے نکل آئیں۔

مالک بن عوف اپنی اس جنگی حکمتِ عملی کے متعلّق ایک مضبوط اور مستحکم سوچ رکھتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ گھر کو واپس جانے کی کشش ختم ہو جانے کے بعد سپاہی اپنے بیوی بچوں کی عزت و آبرو اور اپنے قیمتی گھریلو سامان اور املاک کی خاطر میدانِ کارزار میں اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔

اسی دوران اسے جب یہ اطلاع ملی کہ اسلامی لشکر بنوہوازن اور اُس کے حلیف قبیلوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے مکّہ سے روانہ ہو چکا ہے تو اُس نے اپنی مسلح افواج کو وادیِ حنین کے بالکل نزدیک وادیِ اوطاس میں جمع کیا جو تہامہ کی وادیوں میں سب سے زیادہ نشیب میں واقع ہے۔(1)

مالک بن عوف نے مشترکہ لشکر کے جن نمایاں سرداروں کو مشاورت کے لیے طلب کیا تھا، اُن جنگ آزما لوگوں میں سب سے ممتاز نام بنوجعشم کے سو سالہ بوڑھے سردار دُرید بن صمہ کا تھا۔ یہ بہادر، دانش مند اور صائب رائے رکھنے والا سردار اپنے زمانے کا نام وَر شہسوار، فنِ حرب کا ماہر اور جنگی منصوبہ بندی میں بہترین مشیر کے طور پر بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس بوڑھے گھاگ سردار نے انتہائی کمزور بینائی کے باوجود پیدل چل کر رَزم گاہ کا جائزہ لیا اور اپنی رائے میں وسیع و عریض وادیِ اوطاس کو پیش آنے والی معرکۂ آرائی کے لیے بالکل درست مقام قرار دے دیا اور کہا کہ:

نوکیلے پتھروں سے پاک اور مناسب ریتلی مٹّی ہونے کی وجہ سے
یہ گھوڑوں کے لیے بہترین زمین ہے۔

لیکن جب میدانِ کارزار سے متّصل قطعۂ زمین سے عورتوں، بچوں اور جانوروں کی ملی جلی آوازیں سنیں تو اس نے حیران ہو کر دریافت کیا:

یہ سب کیا معاملہ ہے؟
اے مالک!

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 437/2۔ کتاب المغازی للواقدی: 886/3

کیا تم نے میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے والے لڑاکا سپاہیوں پر
اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کی ذمّے داری کا بوجھ بھی ڈال دیا ہے؟

مالک بن عوف نے کہا:

میں نے اپنی فوج کے ہر سپاہی کو عملی طور پر یہ بات سمجھا دی ہے کہ اب تم لوگوں کا
سب کچھ یہیں پر ہے۔ ہم نے یہ جنگ پورے جذبۂ سرفروشی کے ساتھ لڑنی ہے۔
ہمارے پاس اب صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے، ہر قیمت پر فتح۔

اس نے سردار درید بن صمہ کے سامنے اپنے فیصلے کی کامیابی کے متعلّق یقین کا اظہار کرتے ہوئے مزید کہا کہ:

جب سپاہی کی ہر چیز داؤ پر لگی ہوگی تو وہ میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار نہیں کرے گا، بلکہ وہ
اپنے قبیلے کے وقار اور اہل وعیال کی غیرت وحمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دشمن کے خلاف اپنی
آخری سانس تک لڑے گا اور اپنے مذہب کے تحفظ اور قبیلوں کی سلامتی کی اس جنگ میں پوری
استقامت اور پختگیٔ ارادہ کے ساتھ اپنی ہمت، جرأت اور بہادری کے جوہر دکھائے گا۔

مالک بن عوف کو اپنی اور اپنے جنگ جُو قبیلے کی صلاحیتوں اور استعداد کار پر بڑا ناز اور اعتماد تھا۔ پورے عرب کے قبائل میں بنو ہوازن کا رعب و دبدبہ اپنے عروج پر تھا، کیوں کہ وہ اپنی افرادی کثرت، فنونِ سپاہ گری میں مہارت اور جرأت و بہادری کے اعتبار سے عرب کے تمام قبائل میں ایک منفرد اور نمایاں حیثیت رکھتے تھے، جب کہ تیر اندازی میں تو ان کی بے نظیر ہنرمندی اور دسترس کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اِنھی باتوں نے مالک بن عوف کو مغرور بنا رکھا تھا لیکن دانش مند، صاحبِ فراست اور جنگ آزمودہ بوڑھے سردار دُرید بن صمہ نے اس سے شدید اختلاف کرتے ہوئے اُس کے اس فیصلے کو ہوازن کے لشکر کی بربادی قرار دے دیا۔

اس نے کہا:

اے مالک!
اہلِ خانہ، اُن کی قیمتی املاک اور جنگ کا آپس میں کوئی تعلّق نہیں ہوتا۔
میدانِ جنگ سے شکست کھا کر بھاگنے والے سپاہی کو بھلا کوئی چیز روک سکتی ہے؟
اے مالک!
جب سپاہیوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑ جائیں تو پھر اہل وعیال یا کوئی قیمتی سامان
کسی بھی فوج کو پسپا ہونے سے نہیں روک سکتے،
بلکہ اکثر یہ چیزیں سپاہی کے لیے اُلٹا مصیبت کا باعث بن جاتی ہیں۔

اس کے برعکس ایسے کسی مشکل موقعے پر لڑاکا سپاہیوں کے کام صرف اُن کی تلواریں اور نیزے ہی آتے ہیں۔

تجربہ کار سردار دُرید بن صمہ نے نوجوان سپہ سالار کی فہمائش کرتے ہوئے کہا:

اے عوف کے بیٹے!

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ آج کے دن کی تمھاری کارکردگی کے اثرات تمھاری بعد کی زندگی پر بھی پڑیں گے۔ اگر تمھیں فتح نصیب ہوئی تو اُس کی وجہ وہ بہادر اور لڑاکا سپاہی ہوں گے جن کے ہاتھوں میں درازانّی والے نیزے اور چمک دار تلواریں لہرا رہی ہوں گی اور اگر تمھیں خلافِ توقع شکست کا سامنا کرنا پڑا تو وہ صرف شکست نہیں ہوگی، بلکہ تم اپنی فوج میں لڑنے والے سپاہیوں کے تمام اہل وعیال کی ذلّت و رُسوائی اور ہلاکت وبربادی کا باعث بن جاؤ گے۔

تمھارے لیے بہترین مشورہ یہ ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ مقام پر منتقل کر دو یا انھیں گھروں کو واپس جانے کی اجازت دے دو اور ہر قسم کی پریشانی سے آزاد ہو کر میدانِ کارزار میں کود پڑو۔

اگر جنگ کا پانسہ تمھارے حق میں پلٹ گیا تو بڑی خوشی کے ساتھ اپنے اہل وعیال سے جا ملنا لیکن اگر تم کسی آفت ناگہانی میں مبتلا ہو گئے تو پھر یہ عورتیں اور بچے تو کم از کم دشمن کی دست برد، بے توقیری اور بے آبروئی سے محفوظ رہیں گے۔

دیکھو، اے مالک!

جنگ کی موجودہ صورتِ حال پر دوسرے قبائل کے جہاں دیدہ اور پختہ کار سپہ سالاروں کے ساتھ مشاورت کرلو! اس لیے کہ تم اپنی جوانی کے ابتدائی حصے میں ہی بڑے بڑے قبائل کی متحدہ افوج کے سربراہ بن گئے ہو۔ لیکن جنگیں لڑنے میں تم ابھی اتنے آزمودہ کار نہیں ہو۔ یوں بھی جو جنگ تم اس وقت لڑنے جارہے ہو، یہ عام لڑائیوں جیسی نہیں ہے۔ اس جنگ کی ہار یا جیت کا اثر پورے عرب کے مستقبل پر پڑے گا، کیوں کہ تم ایک ایسی بہادر، کریم النفس اور میدانِ کارزار میں آخر تک انتہائی استقامت اور استقلال کا مظاہرہ کرنے والی شخصیت سے جدال وقتال کرنے جارہے ہو، جنھوں نے اپنی بے سروسامانی اور وسائل کی کمی کے باوجود عرب کے بڑے بڑے قبائل پر صرف اپنے عزم سے فتح حاصل کی ہے، بلکہ اب تو اُن کا رُعب و دبدبہ ہمسایہ ریاستوں کے سربراہوں تک جا پہنچا ہے۔ شام کے عیسائی حکمران بھی اُن کے ڈر سے لرزہ و ترساں نظر آتے ہیں۔

اُن کی قوتِ تدبیر، منصوبہ بندی اور فہم وفراست کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے سیکڑوں سال سے جزیرۃ

العرب میں آباد انتہائی تیز طرار، مکّار اور وسائل سے مالا مال یہودی قبائل کو بھی اطاعت پر مجبور کر دیا ہے۔اُن کے جاہ وجلال کی یہ کیفیت ہے کہ اُن کے سامنے کسی کو بھی حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

لہٰذا تمھارے اور تمھارے قبیلے کے لیے بہترین مشورہ یہ ہے کہ اتنی عظیم شخصیت کے ساتھ معرکہ آرائی کا خیال دل سے نکال دو، کیوں کہ ہمارے سننے میں یہ بات آئی ہے کہ آسمانی طاقتیں ہر قدم پر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دیتی آرہی ہیں۔

لیکن مالک بن عوف تو ایک متکبر اور مغرور نوجوان تھا۔اُس نے جوانی کے جوش میں آزمودہ کار اور زمانے کے نشیب وفراز کو نہایت احسن انداز میں سمجھنے والے سردار دُرید بن صمہ کی کسی نصیحت کو قبول کرنے یا اُس کی رائے کو کوئی اہمیت دینے کی بجائے اُلٹا اُسے طعنہ دیا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اُس کی عقل کو زنگ لگ چکا ہے۔اُس کے اعصاب جواب دے چکے ہیں اور اب وہ کوئی صحیح اور پختہ فیصلہ کرنے کی حالت میں نہیں رہا۔

مشترکہ قبائل کے تمام سرداروں نے مالک بن عوف کی جانب سے اپنائی گئی حکمتِ عملی کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے نزدیک سردار مالک بہادری کے ساتھ درست فیصلے کرنے والا ایک دلیر اور نڈر قائد ہے۔

سردار دُرید بن صمہ نے جب خرد باختہ، بیگانۂ عقل اور جہالت پر مبنی فیصلے ہوتے دیکھے تو اُس نے مایوسی کے عالم میں کہا کہ میں اپنے گھر واپس جانا چاہتا ہوں۔(1)

مکّہ کی عظیم الشان فتح کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے اطمینان بخش اور سپاس گزار ماحول میں ابھی مکّہ ہی میں مقیم تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بنوہوازن، بنوثقیف اور اُن کے حلیف قبائل کے بڑے بڑے اجتماعات اور اُن کی جانب سے جلد ہی مکّہ پر حملے کی اطلاعات پیش کی گئیں۔

ان اہم ترین خبروں کی جب تصدیق ہوگئی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدودِ حرم کے احترام کے پیشِ نظر، کہ یہاں خون خرابہ نہ ہو، لشکرِ اسلام کو متحدّہ قبائل کے مشترکہ لشکر کے خلاف انھی کے زیرِ تسلّط علاقوں میں پہنچ کر جنگ کرنے کا فیصلہ فرمالیا اور پھر جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے پیش قدمی کی تاریخ بھی مقرر فرما دی گئی۔

جب لشکرِ اسلام مشترکہ لشکروں کے ساتھ مقابلے کے لیے روانہ ہوا تو اُس میں مدینہ کے دس ہزار مجاہدین کے علاوہ مکّہ سے بھی دو ہزار افراد شامل ہوگئے۔(2)

پیش قدمی

سنہ 8 ہجری کی 6 شوال بہ مطابق 28 جنوری سنہ 631ء تاجدارِ کائنات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:438/2۔کتاب المغازی للواقدی:887/3۔دلائل النبوۃ للبیھقي:122/5

2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:440/2

بنواُمیّہ کے خاندان سے تعلّق رکھنے والے اکیس سالہ نوجوان عتاب بن اسید کو مکّہ کا پہلا گورنر مقرر فرمایا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکرِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے وادیِ اوطاس کی جانب پیش قدمی فرمائی، جہاں بنوہوازن اور متحدہ قبائل اپنے ہزاروں جنگ جوؤں کے ساتھ جاں نثارانِ اسلام سے مقابلے کے لیے جمع ہوچکے تھے۔(1)

سامانِ حرب کی اتنی فراوانی کے ساتھ اب تک مسلمانوں کا کوئی لشکر کبھی کسی مہم کے لیے روانہ نہیں ہوا تھا۔ اسلامی فوج میں شامل بعض حضرات کو اپنے لشکر کی یہ کثرتِ تعداد، شان وشوکت اور جاہ وجلال دیکھ کر فخر اور غرور کا احساس ہونے لگا۔ اُنھوں نے اپنی باتوں میں اس یقین کا اظہار کیا کہ مکّہ کی طرح حنین میں بھی وہ دشمنوں کی مزاحمت کو بڑی آسانی کے ساتھ کچل دیں گے لیکن اللہ ربّ العظیم وبرتر کی بارگاہ میں لشکرِ اسلامی میں شامل ان افراد کی خود پسندی اور تکبرانہ انداز کو پسند نہیں فرمایا گیا، چناں چہ ان کلماتِ تکبر اور بے جا فخر و مباہات کی وجہ سے حنین کے اس معرکے کے ابتدائی لمحات میں لشکرِ اسلام کو دقت آمیز حالات اور کٹھن ترین آزمائش سے گزرنا پڑا۔

لشکرِ اسلام میں شامل بعض حضرات کی اس سوچ کے متعلّق اللہ ذُوالجلال والاکرام نے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝۲۵

(التوبہ 25:9)

اور جنگِ حنین کا دن یاد کرو جب تمھاری کثرت نے تمھیں ناز میں مبتلا کر دیا تھا، پھر وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تمھارے لیے تنگ ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

گویا اُنھوں نے کامیابی کا سبب اپنی تعداد کو سمجھا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کامیابی کا دارومدار صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام کی نصرت اور اعانت پر ہے۔ معرکۂ بدر میں بے سروسامانی اور افواج کی تعداد انتہائی کم ہونے کے باوجود قریش کے لشکرِ جرّار پر مسلمانوں کی عظیم الشّان فتح اس کی روشن مثال ہے۔

مشکل لمحات

30 جنوری سنہ 631ء کو جب کہ سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا اور صبح کا اندھیرا قدرے باقی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکرِ اسلام کے ساتھ وادیِ حنین کے قریب اُس مقام پر پہنچ گئے، جہاں سے مجاہدینِ اسلام نے وادی میں داخل

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 889/3۔ السنن الکبریٰ للبیھقي۔ رقم الحدیث: 8707

ہونا تھا۔

اس مقام سے آگے متحدہ قبائل کی لڑاکا فوج تھی جس نے رات کی تاریکی میں اپنے پہلے سے تیار کیے گئے منصوبے کے تحت وادی کی گزرگاہوں کے دشوار گزار راستوں اور تنگ درّوں کی دونوں جانب خفیہ مورچے بنا لیے تھے، جہاں اُن کے آزمودہ کار اور ماہر تیر انداز پہاڑیوں، گھاٹیوں اور چٹانوں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔

لشکرِ اسلام جب وادی کے نشیب میں انتہائی تنگ گزرگاہوں سے آگے بڑھ رہا تھا تو متحدہ افواج کے سربراہ نے طے شدہ حکمتِ عملی کے تحت لشکرِ اسلام کو بغیر کسی مزاحمت کے کافی دور آگے تک پیش قدمی کرنے کا موقع دیا۔ لشکرِ اسلام میں شامل مکّہ سے تعلّق رکھنے والے دو ہزار ناتجربہ کار نوجوانوں کے ہراوّل دستے کو دشمنوں کی اُس چال کا مطلق احساس نہ ہوا کہ متحدہ لشکر کے لڑاکا دستے چٹانوں کی آڑ میں گھات لگائے بیٹھے ہیں، جب کہ اسلامی فوج میں شامل فوجیوں کی اکثریت تو جیت کے یقینی تصور کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

صبح کے دھندلکے میں شب کی تاریکی ابھی باقی تھی جب بنی سلیم اور اہلِ مکّہ کے سپاہیوں پر مشتمل لشکرِ اسلام کے اگلے دستے پوری طرح دشمنوں کی زد میں آ گئے تو اُس وقت خفیہ جگہوں پر چھپے ہوئے مخالف فوج کے ہزاروں تیر اندازوں نے اپنے سپہ سالار مالک بن عوف کی للکار پر آنِ واحد میں چاروں طرف سے یلغار کرتے ہوئے اُن دستوں پر تیروں کی بارش کر دی۔

اُدھر ان کے لڑاکا فوجیوں اور گھڑسوار دستوں نے بھی پوری طاقت اور شدّت کے ساتھ مجاہدینِ اسلام پر یک بارگی ہلّہ بول دیا۔ اس ناگہانی اور غیر متوقّع یلغار سے اسلامی فوج ابتدائی لمحات میں ہی شدید دباؤ کا شکار ہو گئی۔ آناً فاناً پورے لشکر میں کھلبلی مچ گئی، کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اسلامی لشکر میں شامل چند سپاہی زخمی ہوئے اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے۔

باقی لشکر بنو ہوازن کی فوجوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے پریشان ہو کر پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔

لشکرِ اسلام کی پسپائی پر خوشی کا اظہار کرنے والے کلدہ بن اُمیّہ نے کہا:

اے مکّہ کے لوگو! اب اسلامی لشکر کا جادو کبھی نہیں چل سکے گا۔

آج کا دن ان لوگوں کے سحر کا آخری دن ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

اے کلدہ! اسلامی لشکر کو فتح ہو گی یا شکست، اس کا فیصلہ تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

ایسے معاملات تو اللہ ذُوالجلال والاکرام کے دستِ قدرت میں ہوتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ اسلامی لشکر کو وقتی طور پر پسپا بھی ہونا پڑے

لیکن اے کلدہ! یاد رکھنا! آخری فتح جاں نثارانِ اسلام کی ہی ہوگی۔(1)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے مثال استقامت

ذکرِ بہادری ہو بھلا کس حساب میں
اکمل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کہ خدا کی کتاب میں
رہتے تھے سب سے آگے دفاعی محاذ پر
لکھا ہوا ہے صاف مغازی کے باب میں
رہتا تھا سب سے آگے رسالہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا
ہمت تھی کس میں روکتا حملہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

بنو ہوازن اور اُن کے حلیف قبیلوں کے لشکر نے حکمتِ عملی کے تحت جو اچانک حملہ کیا، اس کی وجہ سے اسلامی فوج کے ہراوّل دستوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اُس وقت دائیں بائیں اور سامنے سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ ایسے میں مسلم سپاہیوں کا ایک دوسرے سے رابطہ، لشکر کی ترتیب اور صف بندی بالکل ختم ہو چکی تھی اور بنو ہوازن کے حملہ آور چاروں جانب سے پیش قدمی کر رہے تھے۔

ان دگر گوں حالات، نازک ترین لمحات اور ہلاکت خیز صورتِ حال میں بھی اسلامی لشکر کے سربراہ کی حیثیت سے سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کردار غیر معمولی انداز میں نمایاں اور ممتاز رہا۔ میدانِ جنگ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ نہایت نامساعد حالات کے باوجود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ اقدس پر پریشانی کے کوئی آثار نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ صرف پورے عزم، استقلال اور اطمینان کے ساتھ، بلکہ ہمیشہ کی طرح شان دار اور برقرار رہنے والی بے نظیر شجاعت، غیر متزلزل استقامت، بے مثال جرأت، زبردست یقین اور اللہ پر کامل بھروسا کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں ہزاروں دشمنوں کے سامنے بلند قامت پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے۔

جنگ کے ان مشکل ترین مراحل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا زاد بھائی اور جاں نثار حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث نے فوراً اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری کی لگام تھام لی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا:

کون ہے؟

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام :2/46-444۔ کتاب المغازی للواقدی: :3/910۔ صحیح بخاری رقم الحدیث :4315 دلائل النبوۃ للبیھقی :5/128

ابنُ اُمِكَ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دادی محترمہ کا بیٹا۔

عین اُس وقت چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی رکاب پکڑ رکھی تھی۔

جنگ کے اُس گھمبیر ماحول میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رُخِ انور نہ صرف دشمن کی جانب تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزید پیش قدمی فرماتے ہوئے کفّار کی جانب بڑھے اور دشمن کو پورے وقار اور جلال کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میں اللہ کا سچا نبی ہوں اور فخرِ بنی ہاشم، جناب عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

اُدھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھگدڑ اور بدنظمی کا شکار ہو کر بھاگتے ہوئے مسلمان جنگ جوؤں کو آواز دے کر استقامت کی تلقین کی اور فرمایا:

اے جماعتِ مہاجرین! اے انصار کی جماعت! اے اللہ کے بندو! کدھر جا رہے ہو؟

میری طرف آؤ! میں یہاں ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ ہوں۔ میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔

میری طرف پلٹ آؤ! میں اللہ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔(1)

حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ جو دراز قد، فربہ جسم اور کافی بلند و بالا آواز کے مالک تھے، آزمائش کی اس گھڑی میں وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اُن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو "یامعشر الانصار" اور "یااصحاب الشجر" کہہ کر آواز دیں۔

حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کی گرج دار آواز پوری وادی میں گُونج اُٹھی۔ جب یہ پُر اثر اور سحر آفریں پکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کانوں تک پہنچی تو اس کا فوری نتیجہ سامنے آ گیا۔ درخت کے نیچے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر موت کی بیعت اور عقبہ کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا عہد کرنے والے تمام جاں نثار اور غلام اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بلاوا آنے پر فوراً پلٹ پڑے اور دیوانہ وار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔

تنگ درّہ، محدود گنجائش اور انبوہِ کثیر کی وجہ سے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے اُونٹوں اور گھوڑوں کا رُخ میدان کی طرف سے موڑنا دشوار نظر آیا تو اللہ کے اُن سپاہیوں نے اپنی چمک دار تلواروں اور درازانّی والے نیزوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا، سواریوں کو وہیں چھوڑا اور ایک نئے عزم و ارادے، جوش و خروش اور والہانہ انداز کے ساتھ یہ کلمات ادا کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں حاضری دینے کے لیے دوڑ پڑے:

لبیك یا رسول اللہ! لبیك!

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 445/2

لبیك یا رسول اللہ ! لبیك !

ہم حاضر ہیں یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ہم حاضر ہیں !(1)

شورِ تکبیر سے تھر تھراتی زمیں
جنبشِ جیشِ نصرت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

جنگ کے آغاز میں جب اسلامی لشکر کے سپاہیوں کو پسپا ہونا پڑا تو اُس وقت بارہ ہزار کی فوج میں سے صرف خاص رفقا اور خاندان کے افراد کی ایک چھوٹی سی جمعیت ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہ گئی تھی، جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ بن حارث، حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بن حارث، اُمِّ سلیم رضی اللہ عنہا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید اور حضرت ایمن رضی اللہ عنہ بن عبداللہ شامل تھے۔(حضرت ایمن بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی دن میدانِ جنگ میں جامِ شہادت نوش کیا تھا)۔(2)

گنتی کے یہ چند جاں نثار پوری استقامت، جذبۂ ایمانی، دل جمعی، ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب حصار بنا کر کھڑے تھے۔ ان نازک لمحات میں حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کی گرج دار آواز نے ایک نئی رُوح اور ولولہ پیدا کر دیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پشیمان ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ اپنے ثابت قدم، جراَت و ہمت اور شجاعت کے پیکر، بہادروں کے بہادر اور شہسواروں کے شہسوار پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف واپس آنا شروع ہو گئے۔

ذرا سی دیر میں ایک سو کے قریب مجاہدینِ اسلام میدانِ جنگ میں دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور جلد ہی واپس لوٹنے والے جاں نثارانِ اسلام کی تعداد سات سو تک پہنچ گئی۔ تتر بتر اور منتشر مجاہدینِ اسلام آن کی آن میں منظم ہو کر نہایت جوش و خروش اور نئے ولولے کے ساتھ دشمنوں کے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور میدانِ کارزار میں جم کر لڑنا شروع کر دیا۔

اب سُورج بھی طلوع ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی متواتر اور ایک کے بعد ایک میدانِ جنگ میں پہنچ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کفّار پر برق رفتار مجاہدین کے تُند و تیز حملوں کی رفتار بڑھنے لگی، یہاں تک کہ میدانِ جنگ کے ایک بہت بڑے حصّے میں لڑائی کا رنگ بدل گیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ فریقین میں معرکہ سخت در سخت ہوتا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چمکنے والی شعلہ بار تلواریں دشمنانِ اسلام کی تلواروں سے ٹکرانے لگیں۔ یہ جنگ کا بڑا نازک لمحہ تھا۔

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 443/2 2۔ صحیح بخاری۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 132/5۔ رقم الحدیث: 1776

رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز میں فرمایا:

اے اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثارو! بلند ہمتی سے کام لینا۔
اب جنگ کی بھٹّی پوری طرح گرم ہو چکی ہے۔
دشمن پر صبر کے ساتھ سخت اور بہادرانہ حملہ کردو۔
اے سُورۂ بقرہ کی تلاوت کرنے والو!
مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا!
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فتح و نصرت،
عصمت کی حفاظت اور اعانت کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے،
ان شاء اللہ! وہ ضرور پورا ہوگا۔ اے اللہ! ہم پر اپنی استعانت نازل فرما۔(1)

بنو ہوازن کو شکست

سرکارِ دو عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان الفاظ نے جاں نثارانِ اسلام کے دلوں میں ایک ایمان افزا روح پھونک دی۔ خوں ریز اور گھمسان کی اس معرکہ آرائی میں اب وہ بے خوف ہو کر بڑی بے جگری اور سرفروشی کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما ہو رہے تھے۔ باطل سے دو بدو جنگ کرنے والے ان جاں بازوں کے نزدیک اللہ کی راہ میں موت اور جامِ شہادت کا نوش کرنا ہی اصل زندگی تھی۔ خاص طور پر انصار سے تعلّق رکھنے والے نوجوانوں کے ایک گروہ نے عشقِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرشار ہو کر انتہائی استقامت اور استقلال کے ساتھ دشمنانِ اسلام کا مردانہ وار مقابلہ کیا، پھر جب آمنے سامنے کی جنگ خوف ناک مرحلے میں داخل ہوگئی،

تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

مجھے ایک مٹھی کنکریاں دو!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریاں اپنے دستِ مبارک میں لے کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

شاهت الوجوه

یا اللہ! ان کے چہرے پامال ہو جائیں!

پھر فرمایا:

وانهزموو ربّ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردگار کی قسم! کافر شکست کھا گئے ہیں۔(2)

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:628/3۔کتاب المغازی للواقدی:899/3۔صحیح مسلم۔رقم الحدیث:1775

2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:449/2

اور ان کنکریوں کو متحدہ قبائل کے لشکروں کی جانب پھینک دیا۔ ان مٹھی بھر کنکریوں کا پھینکنا تھا کہ دشمن کے ہر سپاہی نے محسوس کیا کہ اُس کی آنکھیں گرد و غبار سے بھر گئی ہیں۔ آناً فاناً جنگ کا نقشہ بدلنا شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے متحدہ قبائل کے لڑاکا سپاہیوں کی ہمت دم توڑتی نظر آنے لگی۔ ان کے جنگ جوؤں کی تیزی سُستی میں اور مقابلے کی طاقت کمزوری میں بدل گئی۔

اُس دن جاں نثارانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرکہ آرائی کے انداز کو دیکھ کر دشمنوں کو یہ یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی کامیابی کا حصول ناممکن ہے، لہٰذا اب اگر جنگ وجدل کو مزید جاری رکھا گیا تو انجام کار تباہی و بربادی اُن کا مقدر بنے گی اور وہ سب موت کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں گے۔

یہی ہوا کہ چند لمحوں بعد جب قبیلہ بنی مالک سے تعلّق رکھنے والا لشکر کا لحیم شحیم علم بردار عثمان بن عبداللہ بھی مارا گیا تو اپنے بہادر کا یہ عبرت ناک حشر دیکھ کر کافروں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بدحواس ہو کر مختلف سمتوں میں راہِ فرار اختیار کرنے لگے۔ یوں اللہ پاک نے ان کی تدبیروں کو ناکام بنا دیا اور وہ اپنے ستّر بہادروں کی لاشیں چھوڑ کر میدانِ کارزار سے ایسے بھاگے کہ انھیں اپنے اہل وعیال اور قیمتی املاک کا بھی ہوش نہ رہا۔(1)

اللہ رحیم و کریم کی عنایت و نوازش اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لازوال استقلال و استقامت کی بدولت بنو ہوازن اور ان کے حلیف قبائل کو ذلّت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا اور مشترکہ لشکروں کا جواں سال سپہ سالار مالک بن عوف دہشت زدہ ہو کر میدانِ جنگ سے طائف کی جانب بھاگ گیا۔ اس کی اہلِ خانہ اور قیمتی املاک کے ساتھ میدانِ جنگ میں آنے کی حکمتِ عملی بالکل ناکام ہو گئی۔

عورتوں کی گریہ وزاری اور بچوں کی چیخ وپکار بھی اُن نام نہاد بہادروں کو فرار کا راستہ اختیار کرنے سے نہ روک سکی۔ ایک گروہ نے نخلہ کی طرف راہِ فرار اختیار کی اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ بھگوڑوں کا تیسرا گروہ حصولِ پناہ کے لیے اپنے اہلِ خانہ اور قیمتی ساز وسامان کے ساتھ اوطاس کے مقام پر پہنچ گیا۔

اس طرح جہاں دیدہ سردار دُرید بن صمہ کی کہی ہوئی یہ بات درست ثابت ہو گئی کہ:

شکست کھا کر بھاگنے والے سپاہی کو کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

فرزندانِ اسلام کا عزم وحوصلہ رنگ لایا اور ظہر کی اذان سے پہلے ہی معرکۂ حنین ختم ہو گیا۔ جنگ کی ابتدا میں پیش آنے والی مشکلات کے باوجود اللہ ذُوالجلال والاکرام نے اپنے فضل و کرم سے اہلِ اسلام کو سرفراز اور سربلند فرما دیا۔ اوطاس کی جانب فرار ہونے والے بھگوڑوں کے خلاف تادیبی کارروائی کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ابوعامر اشعری کی قیادت میں مجاہدینِ اسلام کے ایک دستے کو فوراً روانگی کا حکم جاری فرمایا لیکن وہاں دشمن کے خلاف جنگی کارروائی کے دوران جب حضرت ابوعامر اشعری شہید ہو گئے تو لشکر کی قیادت

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 3/16-915۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث: 4323

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے خود سنبھال لی اور بہترین منصوبہ بندی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے جلد ہی دشمنوں کو شکست فاش سے دو چار کر دیا۔(1)

اس معرکے میں چوبیس ہزار اُونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی کے علاوہ چھے ہزار عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔(2)

مالِ غنیمت کی تقسیم

مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تازہ تازہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والے قریش کے سرکردہ افراد کی تسلی و تشفی اور دل جوئی کی خاطر اُن کی توقعات سے بھی زیادہ حصّہ عطا فرمایا، تاکہ اُن کے دلوں میں اسلام کی محبت راسخ اور تعلّق مضبوط ہو جائے اور اس کے ساتھ اُن کے دلوں میں یہ یقین بھی پختہ ہو جائے کہ اسلام ہی وہ بابرکت دین ہے جس کے قبول کرنے سے دنیا و آخرت کی تمام کامیابیاں اور کامرانیاں اس شخص کا مقدر بن جاتی ہیں، چناں چہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اُونٹ عطا فرمائے تو سردار ابوسفیان نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری درخواست ہے کہ میرے بڑے بیٹے یزید
کو بھی اس مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا جائے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس اوقیہ چاندی اور سو اُونٹ اُس کے بڑے بیٹے یزید کو بھی عطا فرما دیئے۔ ابوسفیان نے پھر درخواست کی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا بیٹا معاویہ بھی یہاں موجود ہے،
اسے بھی کچھ مرحمت فرما دیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس اوقیہ چاندی اور سو اُونٹ اس کے بیٹے معاویہ کو بھی عطا فرما دیئے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اتنا غیر معمولی فضل و کرم اور رحمت و رافت دیکھ کر ابوسفیان کا دل ایمان کی روشنیوں سے دمک اُٹھا اور وہ بے اختیار کہنے لگا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں۔
ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنے بہترین جنگ لڑنے والے تھے،
پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری اختیار کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت بردبار
اور معاف فرمانے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت و بخشش اور عطا و عنایت کی اس

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 116/2

2۔ کتاب المغازی للواقدی: 945/3۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد 116/2

کائنات میں کوئی نظیر نہیں ہے۔
آپ ﷺ اللہ کے بندوں پر نظرِ کرم فرماتے ہیں،
اللہ ربّ العزت آپ ﷺ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔(1)
اس کے بعد آپ ﷺ نے سردار صفوان بن امیّہ کو سو اُونٹ عطا فرمائے تو اُس نے بھی گزارش کی:
یا رسُول اللہ ﷺ! سو اُونٹ مزید عنایت فرما دیجیے!
آپ ﷺ نے اُسے سو اُونٹ مزید عطا فرما دیئے۔
اُس نے پھر گزارش کی:
یا رسُول اللہ ﷺ! سو اُونٹ کی مہربانی مزید فرما دیں!
آپ ﷺ نے اُسے سو اُونٹ مزید عطا فرما دیئے۔(2)

رسُول اللہ ﷺ نے قریش کے سرکردہ راہنما حکیم بن حزام کو بھی سو اُونٹ عطا فرمائے تو اُنھوں نے بھی مزید سو اُونٹ عنایت فرمانے کی درخواست کی، چناں چہ اللہ کے حبیب رحمۃ للّعالمین رسُولِ کریم ﷺ نے حکیم بن حزام کو بھی سو اُونٹ مزید عطا فرما دیئے۔

اس طرح رسُول اللہ ﷺ اُس دن بے شمار لوگوں کو اپنے کرم اور عطا سے نوازتے رہے۔

انصار کے نوجوانوں میں بے چینی

مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت مدینے کے جاں نثار اور خدمت گزار نوجوان بھی انعام واکرام کے خواہش مند تھے لیکن جب اُنھوں نے یہ منظر دیکھا کہ رسُول اللہ ﷺ ہر قسم کی شفقت اور عنایت صرف قومِ قریش پر فرما رہے ہیں تو انصار کے یہ نوجوان اس عدم توجہ پر اپنی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے:

> یہ بڑی تعجب خیز حکمتِ عملی ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے بڑے بڑے انعامات اور تحفے تحائف عنایت کرنے کے لیے اپنی قوم اور قبیلے کے انھی لوگوں کو منتخب فرمایا ہے جنھوں نے زندگی کے ہر موڑ پر آپ ﷺ کی مخالفت کی تھی اور ہمیں مالِ غنیمت میں سے تھوڑا سا حصہ بھی عطا نہیں فرمایا، حالانکہ ان کافروں کے مقابلے میں جب بھی کٹھن حالات، مشکل ایام یا شدید جنگ کا مرحلہ آیا تو ہم ہی آپ ﷺ کے مبارک قدموں میں اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لیے سب سے آگے ہوتے رہے، حتیٰ کہ اس جنگ میں بھی سب سے شدید قتال ہم نے ہی کیا ہے کہ ابھی تک ہماری تلواروں پر دشمنوں کا خون موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارے دل اس وجہ سے افسردہ ہیں کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے اس اہم موقع پر رسُول اللہ ﷺ ہر قسم کی عنایت اور

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 493/2
2۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 116/2

مہربانی صرف اہلِ مکّہ پر فرما رہے ہیں اور ہمیں کسی بھی بخشش اور اعزاز کا مستحق نہیں سمجھا گیا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے انصار کے سرفروشوں کے چہروں پر چھائی ہوئی اداسی اور افسردگی کی خبریں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائیں تو آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے معاملے کی وضاحت طلب فرمائی۔ اُنھوں نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

ہمارے دانش مند، باشعور اور معتبر لوگوں کی طرف سے مالِ غنیمت کے لیے کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا گیا، البتّہ کچھ دل گرفتہ اور نافہم نوجوانوں نے اپنے جذبۂ جاں نثاری کا ذکر کر کے مالِ غنیمت میں کوئی حصّہ نہ ملنے پر اپنی دل گیری کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ساتھ عدم توجہ کا معاملہ فرمایا اور قومِ قریش کے ساتھ التفات کا انداز اپناتے ہوئے انھیں بے شمار انعامات سے نواز دیا ہے۔

اس آگاہی کے بعد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کو حکم دیا کہ انصار کے نوجوانوں اور بزرگوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے، چناں چہ انصار سے تعلّق رکھنے والے تمام معززین ایک جگہ جمع ہو گئے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر ایک جذباتی اور نفسیاتی انداز اختیار کرتے ہوئے ایک ایمان افروز اور حسنِ فصاحت و بلاغت سے بھرپور خطاب کا آغاز فرمایا:

اے جماعتِ انصار! تم لوگوں کی طرف سے مجھ تک ایک نئی بات پہنچی ہے
کہ مالِ غنیمت کے لیے اپنائی گئی حکمتِ عملی کے متعلّق تم لوگ آسودہ خاطر
نہیں ہو اور اس وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی آزردگی کا اظہار کر رہے ہو۔
یہ بات سب کو معلوم ہے کہ میری تمھارے ہاں آمد سے پہلے
تم لوگ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے اور گمراہ تھے۔
تمھاری حالت ایسی تھی جیسے کوئی اندھیرے میں راستہ تلاش کر رہا ہو۔
پھر اللہ ذُوالجلال والاکرام نے میرے وسیلے سے
تمھیں رُشد و ہدایت عطا فرمائی اور سیدھا راستہ دکھایا،
جب کہ تمھاری جمعیت منتشر اور یک جہتی ختم ہو چکی تھی،
دونوں قبیلے ایک دوسرے کے سخت حریف اور خون کے پیاسے تھے۔
اللہ تعالیٰ نے میرے سبب تمھارے دلوں کو جوڑ دیا

اور تمھیں اتّحاد اور اتّفاق کی نعمت عطا فرمائی،
تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت ومحبت ڈال دی
اور تم لوگ اُخوت کے بابرکت رشتے میں بندھ کر بھائی بھائی بن گئے۔
کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم لوگ تہی دست، نادار اور حاجت مند تھے،
پھر میرے صدقے سے اللہ نے تمھیں جنت کی بشارت کے ساتھ
مال ودولت سے بھی سرفراز فرمایا۔
تم لوگوں کو پریشانیوں کا سامنا تھا،
پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو آرام و آسائش عطا فرمائی۔

خطاب مبارک کے دوران انصار پشیمانی کی حالت میں سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔
ان کی یہ حالت دیکھ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم لوگ کوئی بات کیوں نہیں کرتے؟
میرے خطاب کے جواب میں تم بھی تو اپنے احسانات بیان کر سکتے ہو۔

انصار نے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم کیا عرض کریں؟
بلاشبہ اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم پر لامحدود عنایت، مہربانی،
فضل وکرم اور نوازشیں ہیں۔

انصار کی جانب سے خود سپردگی کی کیفیت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی اپنے اندازِ خطابت کو تبدیل کرتے ہوئے فرمایا:

اے انصار کی جماعت! اگر تم چاہتے تو تم اس بات کا دعویٰ کر سکتے تھے،
پھر ہر جگہ تمھارے اس راست دعوے کی توثیق کی جاتی اور یقیناً میں بھی
اس حقیقت کی تائید کرتا، وہ یہ کہ جب دوسرے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
اعلانِ نبوّت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی
دل وجان سے تصدیق کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی حامی و ناصر نہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بے سروسامان تھے، تب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح سے معاونت کی اور سر آنکھوں پر بٹھایا،
جب ان ہی مکّہ کے سرداروں نے قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی
کوشش کی تو آزمائش کی اس گھڑی میں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت اختیار کی

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاقت بنے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غم زدہ اور دل شکستہ تھے
تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل جوئی کی اور شریکِ غم بنے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا شہر
اور گھر بار چھوڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسائل میں گھرے ہوئے تھے تو مشکلات کے اس دور میں
ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت کی،
اپنے پاس رکھا اور رہنے کے لیے گھر دیئے۔ اگر تم اپنے دعوے میں اس طرح کی باتیں
کرتے تو میں بھی تمھارے ان احسانات کی تصدیق کرتا۔

اس پر سب انصار نے یک زبان ہو کر عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی احسان نہیں،
بلکہ اللہ ربّ العزت اور اس کے رسُولِ محترم و مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر احسان فرمایا ہے
جس کی وجہ سے ہم دنیا میں بھی صاحبِ عزت اور قابلِ احترام کہلائے
اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی ہر قسم کی کامیابی اور کامرانی ہمارا مقدر بنے گی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

اے انصار کی جماعت!
تم لوگ دنیا کی اس چند روزہ متاع کے لیے اپنے دل میں دکھ محسوس کر رہے ہو،
بلکہ تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ سردارانِ قریش کو شاید بغیر کسی وجہ کے بہت زیادہ نواز دیا گیا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ مجھے تمھارے مستحکم اسلام اور مضبوط ایمان پر کامل اعتماد ہے لیکن مکّہ
کے ان سرداروں نے جہالت اور گمراہی میں ایک طویل زندگی گزار دی ہے۔
اب یہ لوگ بُت پرستی سے تائب ہو کر اور کفر کو چھوڑ کر نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں
اور ابھی ان کا اسلام بھی آپ لوگوں کی طرح پائیدار نہیں ہے،
اس لیے میرے دل میں یہ بات آئی کہ تحفے تحائف دے کر
ان کی دل جوئی اور تالیفِ قلب کا اہتمام کیا جائے،
تاکہ ان کے دلوں میں اسلام پختہ ہو جائے اور یہ لوگ مخلص اور پکے مسلمان بن جائیں۔
میری صرف اتنی خواہش ہے کہ یہ لوگ بت پرستی سے پیچھے ہٹ جائیں،
تاکہ جہنم کی آگ میں اوندھے منہ نہ پھینک دیئے جائیں۔
یاد رکھنا! میرے اس عمل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
انھیں تم لوگوں پر کوئی فوقیت حاصل ہے

یا تمھاری نسبت میں اُن لوگوں کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔
حقیقت یہ ہے کہ مجھے تمھارے اٹل، مصمّم اور کبھی نہ لڑکھڑانے والے ایمان
اور اسلام پر مکمل یقین ہے۔
مختصر سے وقفے کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
اے جماعتِ انصار!
کیا تم لوگ اس بات کا اشتیاق رکھتے ہو کہ نئے مسلمان ہونے والے تو اُونٹ اور بکریاں
لے کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں، جب کہ آپ لوگ اپنے گھروں کو لوٹیں
تو اللہ کا رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی آپ کے ساتھ ہو!
اُس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے،
اگر کسی وادی میں تمام لوگ ایک راہ پر چلتے اور انصار دوسرے راستے پر چلتے
تو میں انصار کا راستہ اختیار کرتا۔(1)
یہ تحسین آفرین اور دل نشین کلماتِ طیبات سُن کر انصار پر رقت طاری ہوگئی۔ فرطِ عقیدت و محبت سے ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور وُہ اتنا روئے کہ ان کے چہرے آنسوؤں سے تر ہو گئے اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے:
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہم اللہ اور اس کے معظم و محترم رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے کی گئی
مالِ غنیمت کی تقسیم اور بخشش پر دل و جان سے راضی اور مطمئن ہیں۔
پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:
اے انصار کی جماعت! قسم ہے اللہ ذُوالجلال والاکرام کی
جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر ہجرت نہ ہوتی
تو میں بھی انصار کی جماعت کا ہی ایک فرد ہوتا۔
اس تقریرِ پُرتاثیر کے بعد اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار کے لیے دعا فرمائی:
یا اللہ!
رحم فرما انصار پر، ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر!
اس لیے کہ انصار میرے ہیں اور میں انصار کا ہوں۔
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُور اندیشی، فہم و فراست، قادر الکلامی اور دلوں کو چھو جانے والے اس حسین و جمیل اندازِ

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:3779-4337-4332-4331-4330

خطابت سے جاں نثارانِ اسلام کے دل خوشی و مسرّت سے لبریز ہو گئے اور محبانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینوں میں ٹھنڈک پڑ گئی اور وہ اپنے آپ کو روئے زمین پر سب سے زیادہ خوش قسمت قوم تصور کرنے لگے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاودانی رفاقت، محبت اور شفقت ہمیشہ انھیں حاصل رہے گی۔(1)

اس مہم میں کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کرنے کے بعد تاج دارِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ۲۷ ذیقعدہ 8ھ ہجری کو مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمھارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

تجلیوں کے کفیل تم ہو مرادِ قلبِ خلیل تم ہو
خدا کی روشن دلیل تم ہو یہ سب تمھاری ہی روشنی ہے

ہم اپنے اعمال جانتے ہیں ہم اپنی نسبت سے کچھ نہیں ہیں
تمھارے در کی عظیم نسبت متاعِ عظمت بنی ہوئی ہے

1۔ کتاب المغازی للواقدی:958/3

انتقال پُر ملال سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے بڑی صاحب زادی سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر جناب ابوالعاص بن ربیع جنگِ بدر میں کفّار کی جانب سے لڑنے کے لیے آئے تھے لیکن حق و باطل کی اِس جنگ میں مشرکینِ مکّہ کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کے ستّر کے قریب افراد قتل ہوئے اور اتنے ہی لوگوں کو جنگی قیدی بنا کر مدینہ بھیج دیا گیا۔ ان اسیرانِ جنگ میں سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر اور اُمّ المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن ہالہ کے فرزند جناب ابوالعاص بن ربیع بھی شامل تھے۔

پھر جب بہت سے دوسرے متاثرہ افراد کی طرح سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے رفیقِ حیات کی آزادی کے لیے اپنے زیرِ استعمال زیورات مدینہ بھیجے تو اُن زیورات میں وہ گراں قیمت ہار بھی شامل تھا جو سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقعے پر اپنی والدۂ محترمہ اُمّ المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے تحفے میں ملا تھا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اپنی وفاشعار اور غم گسار اہلیۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اس نشانی کو دیکھا تو دل میں اپنی شریکِ حیات کے ساتھ گزارے ہوئے زندگی کے تمام خوش گوار لمحات کی یادیں تازہ ہو گئیں اور اِس جذباتی صورتِ حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھیں بے اختیار اشک بار ہو گئیں۔

جنگ کے اُصول وضوابط کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اپنی پیاری بیٹی کا ہار واپس کرنے کے لیے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مشورہ کر لیا جائے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر پر تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> اگر تم لوگ پسند کرو تو زینب رضی اللہ عنہا کے قیدی کو یوں ہی چھوڑ دو، تاکہ میری بیٹی کے اس ہار کو واپس کر دیا جائے جو اُس کی جنت مقام والدہ کی یادگار ہے۔(1)

جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواہش کے احترام میں سرِ تسلیم خم کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی جناب ابوالعاص بن ربیع سے یہ اقرار بھی لے لیا گیا کہ مکّہ پہنچ کر وہ اپنی اوّلین فرصت میں سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیجنے کا بندوبست کریں گے، چناں چہ مکّہ پہنچتے ہی عمدہ عادات وخصائل اور شریفانہ طبیعت کے مالک جناب ابوالعاص بن ربیع نے اپنے وعدے کی پاس داری کرتے ہوئے مکمل رازداری اور حفاظت کے ساتھ سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھیجنے کے انتظامات مکمل کر لیے لیکن افسوس کہ کسی طرح اس نازک معاملے کی

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 653/1۔ سنن ابی داوٗد۔ کتاب الجہاد۔ رقم الحدیث: 2692

اطلاع مشرکینِ مکّہ تک پہنچ گئی جس کے نتیجے میں آداب وتمدن سے ناآشنا اور غیر مہذب افراد کے ایک گروہ نے برانگیختہ ہوکر سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ہجرت کے اس مبارک سفر کو بہ زورِ طاقت روکنے کا اعلان کردیا۔

چوں کہ یہ معرکۂ بدر کے صرف ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے اور اُس وقت اہلِ مکّہ کے دلوں میں اس شرم ناک شکست کا غم بالکل تازہ تھا، اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب اپنے شوہر کے بھائی جناب کنانہ بن الربیع کے ہمراہ مکّہ سے روانہ ہوئیں تو غیظ وغضب سے مغلوب جفا کار مشرکین کی ایک جماعت نے تعاقب کرتے ہوئے ذی طویٰ کے مقام پر بی بی جی کے کارواں کا راستہ روک لیا اور دھمکی دینے لگے کہ جنگِ بدر میں قومِ قریش کا جو نقصانِ عظیم ہوا ہے، اُس کی وجہ سے ہم یہ بالکل برداشت نہیں کرسکتے کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیٹی کو خیریت کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دے دیں۔

اُن کینہ پرور لوگوں میں بدبخت ہبار بن الاسود سب سے زیادہ اشتعال میں نظر آرہا تھا، چناں چہ جب وہ دشمنِ خدا شدید برانگیختگی کی حالت میں اپنا نیزہ لہراتا ہوا آگے بڑھا تو جس اُونٹ پر سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا سوار تھیں، وہ بدک گیا۔ جس کے نتیجے میں بی بی جی اُونٹ کی پشت پر سے نیچے سنگلاخ زمین پر گر کر شدید زخمی ہو گئیں۔ مزید پریشانی کی بات یہ ہوئی کہ بی بی جی اُن دنوں اُمید سے تھیں۔ افسوس کہ ضربِ شدید کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کا حمل ساقط ہوگیا۔ اگرچہ اس دل فگار حادثے کے کچھ ہی دنوں بعد سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں اپنے عظیم المرتبت بابا جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں لیکن اس حادثے کے بعد اُن کی طبیعت پھر کبھی سنبھل نہ سکی۔ (1)

کئی سال تک اُس تکلیف دہ آزار کو برداشت کرتے کرتے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ عفت مآب اور پیکرِ صبر و رضا دخترِ نیک اختر صرف اکتیس سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

بہترین تربیت سے آراستہ، پاکیزہ عادات، پسندیدہ اخلاق اور گھرداری میں ماہر سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا اپنے جلیل القدر، عالی مرتبت اور بزرگ و برتر بابا جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انتہائی تابع فرمان، اطاعت شعار اور خدمت گزار بیٹی تھیں۔ والدۂ محترمہ کے ساتھ آغازِ اسلام ہی میں اسلام قبول کرنے کا اعزاز حاصل کرنے والی فضیلت مآب سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا دین اور تقویٰ میں بھی بلند مقام پر فائز تھیں۔

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا، اُمّ المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ المومنین حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے بیری کے پتوں

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 1/55-654

سے جوش دیئے گئے پانی سے طاق عدد میں تین بار یا پانچ بار آپ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور سب سے آخر میں آپ رضی اللہ عنہا کے جسدِ خاکی کو کافور کی خوشبو لگائی گئی۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا! میری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو اچھی طرح کفن پہنانا!

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ اپنی مبارک چادر اندر بھیجی کہ کفن پر ڈال دی جائے، تا کہ اللہ کی رحمتیں میری پیاری بیٹی کو اپنی آغوش میں لے لیں۔ انتہائی حساس دل کے مالک اور صاحبِ استقلال و استقامت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جنازہ خود پڑھائی اور مدینہ منورہ میں موجود تمام مسلمان نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے۔(1)

جب حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ اشک بار آنکھوں کے ساتھ اپنی اہلیۂ محترمہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اُتار رہے تھے تو اُس وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حزن و ملال اور رنج و غم کی کیفیت میں اپنی پیاری بیٹی کے الوداعی لمحات کو بڑی افسردگی کے ساتھ دیکھ رہے تھے اور مبارک آنکھوں سے متواتر آنسو بہ رہے تھے۔

تدفین کے اُس غم زدہ ماحول میں رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نورِ نظر کے اپنے شوہر کے ساتھ نیک سلوک اور عمدہ برتاؤ کے متعلّق ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

میری پیاری بیٹی زنیب نے اپنے شوہر کے ساتھ وفاداری نبھائی
اور اُس کی آزادی کے لیے اپنا بیش قیمت ہار مدینہ بھیج دیا۔

مکّہ سے مدینہ آتے ہوئے جو افسوس ناک حادثہ سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی شہادت کا سبب بنا، اُس سانحے کا ذکر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میری پیاری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو میری جانب ہجرت کے اُس سفر میں
بڑے سخت مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔(2)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

میری یہ بیٹی تو نیکی اور پاکیزگی کا پیکر تھی۔

بی بی جی کے جان لیوا مرض اور دوسرے دُکھوں اور پریشانیوں کو یاد کرتے ہوئے فرمایا:

زینب رضی اللہ عنہا میری سب سے اچھی بیٹی تھی جس نے میری محبت میں بہت غم برداشت کیے۔

1۔صحیح بخاری۔کتاب الجنائز۔رقم الحدیث:1253۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:28-29/8

2۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:518/2۔دلائل النبوۃ للبیھقی:156/3

سنہ ۸ ھ کی اُس اداس شام میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی پیاری بیٹی سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا ذکرِ خیر فرما رہے تھے تو اُس عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے۔

راحت جانِ سلطان ہر دو سَرا
نورِ چشم جناب حبیبِ خدا
عین لختِ دل سرورِ انبیاء
سیّدہ زینب جگر پارۂ مصطفےٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

مظہرِ مصدر ذاتِ ربِّ قدیر
جن کے دیکھے سے ہوتے ہیں روشن ضمیر
ماہِ توحید کے نجم ہائے منیر
خونِ خیر الرّسل سے ہے جن کا خمیر
اُن کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

بی بی جی سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات

جنگِ بدر کے بعد بی بی جی سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا، اُمّ المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور بی بی جی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئیں تو نہایت افسوس کہ ان قابلِ احترام شخصیات کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے ہی سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما چکی تھیں۔(1)

جب پیاری بیٹی کی بے وقت جدائی کا غم کچھ کم ہوا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے عثمان رضی اللہ عنہ!

تمھارے اعلیٰ اخلاق، پسندیدہ عادات اور گھر والوں کے ساتھ بہترین سلوک
کی وجہ سے جبرئیل امین علیہ السلام ابھی ابھی اللہ ذوالجلال والاکرام کا یہ فرمان
لے کر میرے پاس آئے ہیں کہ میں اپنی دخترِ نیک اختر اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنی مرحومہ
بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا والے حق مہر کے برابر ہی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کردوں۔

اے عثمان رضی اللہ عنہ!

اپنی لختِ جگر کے مستقبل کے متعلّق میری رضا بھی اللہ کی رضا کے ساتھ ہے۔(2)

اللہ ربُّ العزت کی جانب سے آنے والے اس مبارک پیغام کے بعد ربیع الاوّل سنہ تین ہجری میں اپنی کنیت کے ساتھ مشہور سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقدس نکاح کی رسم انتہائی سادگی کے ساتھ انجام دی گئی۔(3)

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس عظیم عزت افزائی اور اتنا بڑا اشرف پانے پر کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دو صاحب زادیاں یکے بعد دیگرے اُن کے نکاح میں آئی ہیں، خوشی و مسرت سے سرشار ہو گئے۔

خوش نصیب، خوش خصال اور بلند اقبال سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انھیں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے ''ذوالنورین'' کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا گیا، یعنی آپ رضی اللہ عنہ وہ واحد شخصیت ہیں جن کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دو صاحب زادیوں کے ساتھ نکاح کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔(4)

لیکن افسوس کہ ہجرت کے نویں سال شعبان کے مہینے میں، جب کہ سیّدہ بی بی اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی خوشگوار

1۔المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔رقم الحدیث:6717
2۔اسد الغابہ:374/7۔المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔رقم الحدیث:6859
3۔المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔رقم الحدیث:6857
4۔معرفۃ الصحابہ لابی نعیم:1952/4

ازدواجی زندگی کو ابھی چھے سال ہی گزرے تھے کہ وہ بھی انتقال فرما گئیں۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔(1)

آپ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین اس طرح کی گئی کہ پھوپھی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنتِ عبد المطلب، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس اور حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے مطابق سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو بیری کے پتوں سے جوش دیئے گئے گرم پانی سے غسل دیا، پھر اُن کے سر کے بالوں میں کنگھی کر کے کافور کی خوشبو لگائی گئی۔(2)

اس کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ اپنی چادر مبارک گھر کے اندر بھیجی کہ اسے بی بی جی کے کفن پر ڈال دیا جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی تو اُس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد بھی نمازِ جنازہ میں شریک تھی۔(3)

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیّدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بی بی جی کے جسدِ خاکی کو قبر میں اُتارا۔ انھیں جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> بی بی جی سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے وصال پر میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پیاری بیٹی کی قبر کے پاس بیٹھے دیکھا تو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے موتی جیسے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے اور مقدس لبوں پر دعائیہ کلمات تھے۔(4)

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

موتی جو بھی گرا آنکھ نمناک سے
کر دیئے اُس نے پیدا گہر خاک سے
پار ہائے صحف غنچۂ ہائے قدس
اہلِ بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام

1۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:31/8
2۔ایضاً
3۔سبل الہدیٰ والرشاد:358/8
4۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:31/8

فرزندِ محترم سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رحلت

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تیسرے صاحب زادے سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ ۸ ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کی والدۂ محترمہ کا نام سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا تھا۔ انتہائی دل کش شکل وصورت، کھلتا ہوا رنگ، گھنگریالے بال اور متناسب اعضا کے مالک فرزندِ محترم کی پیدائش پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت مسرّت کا اظہار فرمایا۔(1)

پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کیا گیا۔ کھانے کی عام دعوت کے علاوہ شہر کے تمام غریب غربا کو بھی صدقہ و خیرات سے نوازا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے برکت کے لیے اپنے جدِّ امجد، بزرگ و برتر، ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسمِ مبارک پر اپنے فرزندِ ارجمند کا نام بھی ابراہیم رضی اللہ عنہ رکھا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دودھ پلانے کے لیے اپنی ایک صحابیہ اُمِّ سیف بنتِ زید انصاریہ کو مقرر فرمایا۔ وہ نیک بی بی اس خدمت کی ادائیگی کے لیے سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئی۔ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کا گھر مدینہ کے مضافات میں تقریباً ایک کوس کے فاصلے پر ایک بستی ''عالیہ'' میں تھا جو اب ''مشربہ ابراہیم'' کے نام سے مشہور ہے۔(2)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر روز عصر کے بعد اپنے پیارے بیٹے سے ملنے پیدل چل کر اُن کے گھر تشریف لے جاتے اور اپنی شفقت ومحبت سے اُن کو نوازتے۔ اُن کا چاند سا مکھڑا اور موہنی صورت دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔

فرزندِ سعید کے آنے سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا گھر خوشیوں کا گہوارہ بن چکا تھا۔ ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عمر اب سترہ ماہ کے قریب تھی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے نورِ نظر پر بہت زیادہ التفات فرماتے، انھیں گود میں کھلاتے اور کبھی اُن کے چہرے کے ساتھ اپنا چہرۂ مبارک لگا کر اُن کے لمس سے لطف اندوز ہوتے۔

ہنس مکھ اور ہر دل عزیز سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ نے بیٹوں اور بیٹیوں کی وفات کے بعد اپنے جلیل القدر عظیم المرتبت اور بزرگ و برتر بابا جان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے خلا کو پُر کر دیا تھا لیکن قدرت کے اپنے فیصلے اور حکمتیں ہیں۔

افسوس کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے خوشی ومسرّت اور دل کو بہلانے کا یہ عرصہ تقریباً اٹھارہ ماہ تک محدود رہا۔ فرزندِ محترم شدید بیمار ہو گئے۔ کسل مندی اور خستگی روز بروز بڑھتی گئی اور جلد ٹھیک ہونے کی توقعات معدوم ہونے لگیں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں اُمِّ سیف انصاریہ کے گھر سے اُن کی والدۂ محترمہ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیج دینے کا حکم دیا۔

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 5/3
2۔ ایضاً: 1/108۔ 1/390

بیماری کے اس عرصے کے دوران سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدۂ محترمہ اور خالہ سیرین بھرپور توجہ کے ساتھ اپنے نورِنظر کی خدمت گاری میں مصروف رہیں لیکن مرض لمحہ بہ لمحہ شدّت اختیار کرتا گیا۔ پھر اُنھوں نے محسوس کیا کہ فرزندِ جمیل پر نزع کا عالم طاری ہے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اس گھمبیر صورتِ حال کے متعلق پیغام پہنچایا گیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس افسوس ناک اور تکلیف دہ خبر کو سن کر بہت زیادہ غمگین ہوئے، چناں چہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ہمراہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں تشریف لائے تو اُس وقت صاحب زادے اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہے تھے اور دمِ آخر قریب آچکا تھا۔

جان کنی کی اس کیفیت کو دیکھ کر رسُولِ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے لختِ جگر کو گود میں اُٹھا لیا۔ موت و حیات کی اس کشمکش میں جب جگر گوشۂ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سانس لینے کی رفتار لمحہ بہ لمحہ کم ہونے لگی تو یہ دیکھ کر شفیق و مہربان بابا جان کا نرم و نازک دل رنج و غم سے بھر آیا اور مبارک آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

میرے پیارے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ!
میں اللہ کے حکم کو تجھ سے نہیں روک سکتا۔

جب یہ الفاظ پیارے بیٹے کی والدۂ محترمہ اور خالہ جان نے سنے تو وہ بھی بے اختیار رونے لگیں۔ ننھے ابراہیم رضی اللہ عنہ نے اپنے جلیل القدر، عظیم المرتبت اور بزرگ و برتر بابا جان سرکارِ دوعالم پیغمبرِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گود میں ہی اللہ ذُوالجلال والاکرام کے حکم پر لبیک کہا۔

وہ معصوم ابراہیم رضی اللہ عنہ جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خوش دلی فرمایا کرتے تھے اور جو ابھی اپنے ایامِ رضاعت کی مدت بھی پوری نہ کر سکے تھے کہ اچانک ایک دن سب کو داغِ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لیے اپنے خالقِ حقیقی کے پاس چلے گئے جہاں سے کسی کو واپس نہیں آنا۔

غم کے اس دل گداز موقع پر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل افسردہ اور آنکھیں اشک بار تھیں۔ اُن غم زدہ لمحات میں پیکرِ صبر و رضا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

بے شک! ہر چیز کی مالک اللہ ذُوالجلال والاکرام کی ذاتِ بابرکات ہے
اور ہم سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
اے میرے پیارے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ!
ہم سب جانتے ہیں کہ موت کا وعدہ برحق اور سچ ہے اور یہ ایک ایسی گزرگاہ ہے جس سے
بالآخر ہر فرد کو واسطہ پڑے گا۔ بلاشبہ پیچھے رہ جانے والے پہلے چلے جانے والوں

سے جا ملیں گے اور یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اپنے پیارے بیٹے کی اس الم ناک موت پر بہت زیادہ بے چین اور بے تاب ہو جاتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُکھ اور غم کی اس شدید کیفیت میں زبانِ مبارک سے یہ کلمات بھی ادا فرمائے:

اے ابراہیم رضی اللہ عنہ! تمھاری رحلت کا الم بہت شدید ہے اور دِل سوگوار ہے۔

میرے پیارے بیٹے!

تمھاری دائمی جدائی سے آنکھیں اشک بار اور قلب ملول و مغموم ہے۔ یہ دُکھ کے لمحات ہم پر بہت بھاری ہیں لیکن ہم اپنی زبان سے صرف وہی کلمات ادا کریں گے جن کلمات کو ہمارا پروردگار پسند فرماتا ہے۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بڑے ادب سے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو رونے سے ممانعت فرمائی ہے۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اشک بار آنکھوں کے ساتھ فرمایا:

اے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ!

یہ تو سراسر رحمت کے آنسو ہیں اور یہ محبت اور شفقت کی نشانی ہیں۔

اے عوف کے بیٹے! غم کے وقت آنسو ایک قدرتی اَمر ہیں۔

میں نے اظہارِ حزن و ملال سے کبھی کسی کو نہیں روکا،

میں تو آہ و بکا اور ماتم کرنے سے منع کرتا ہوں۔

چلّانا، چہرہ نوچنا اور گریبان پھاڑنا یہ شیطان کے کام ہیں اور میں اس بات سے بھی منع کرتا ہوں کہ مرنے والے کی ان خوبیوں کا ذکر کر کے گریہ زاری کی جائے جو اس میں موجود ہی نہ ہوں۔

اے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ!

میری آنکھوں میں آنسو تو اپنے بیٹے کے ساتھ دِلی محبت اور شفقت کا فطری اظہار ہیں۔

اے ابن عوف!

جو شخص دوسروں پر لطف و کرم اور رحم نہیں کرتا، وہ خود

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 1303۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 1/11-109

بھی دوسروں کے رحم وکرم اور مہربانیوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدۂ محترمہ سیّدہ ماریہ رضی اللہ عنہا اور اُن کی خالہ جان سیرین کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لیے جنت میں اُسے دودھ پلانے اور کھلانے والی آیا موجود ہے۔(1)

مرحوم بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بی بی اُمِّ بردہ نے غسل دیا اور ایک چھوٹی سی چارپائی پر عالی المرتبت فرزند سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جنازہ جنت البقیع میں لے جایا گیا۔ کثیر تعداد میں مسلمان بھی قبرستان پہنچ گئے۔(2)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کو قبر میں اُتارا۔ قبر تیار ہونے کے بعد اُس کو درست کرنے اور قبر پر پانی چھڑکنے کے عمل میں خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حصہ لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی قبر کے پاس ایک سرسبز کھجور کے سائے میں قبر کے سرھانے بطور علامت ایک شناختی نشان قائم کیا گیا تھا۔(3)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قبر کو درست کرنا اور اُس کی شکل وساخت کو بہتر بنانے کا ہمارا یہ عمل میّت کے لیے تو کسی فائدے یا نقصان کا باعث نہیں بنتا لیکن اس سے غم زدہ خاندان کو تسلی وتشفی اور اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے شخص کو پسند فرماتا ہے جو ہر کام کو نہایت اچھے اور مضبوط طریقے سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔(4)

اس دنیائے فانی سے ہر شخص کی رخصت ایک غیر متزلزل حقیقت ہے لیکن روانگی کا یہ عمل قرابت داروں اور پیاروں کے لیے انتہائی افسردگی اور رنج والم کا باعث بن جاتا ہے۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی میں کئی دفعہ ایسے دُکھ بھرے لمحات سے گزرنا پڑا۔

تین بیٹوں اور تین بیٹیوں نے اللہ ذُوالجلال والاکرام کے بلاوے پر اِس دنیائے بے ثبات کو الوداع کہا، مگر صدمے اور غم کے ہر دل گداز موقعے پر رحمتِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے صبر وتحمل اور استقامت کے ساتھ اللہ کی رضا پر راضی رہے۔

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر سورج گرہن

زمانۂ جاہلیت سے اہلِ عرب کے ذہنوں میں یہ عقیدہ موجود تھا کہ جب کسی بڑے آدمی کی وفات ہو یا کوئی عظیم حادثہ پیش آجائے تو چاند یا سُورج کو گرہن لگ جاتا ہے۔ اِتّفاق سے جس دن سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:6195۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:111/1 2۔امتاع الاسماع:338/5
3۔ایضاً:39/5-338 4۔الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:1868/4

ہوئی، اُس دن سُورج کو گرہن لگ گیا جس سے بعض سادہ لوح مسلمانوں نے کہنا شروع کر دیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیارے بیٹے کی وفات کے حادثے پر سورج بھی کالا پڑ گیا ہے۔

لوگوں کے تبصرے کا یہ انداز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پسند نہ آیا، چناں چہ صدمۂ عظیم اور بے پناہ غم کی حالت میں ہونے کے باوجود مسلمانوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنے اور اصلاحِ عقیدہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوراً مسجد نبوی میں تشریف لے آئے اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ:

لوگو!

یقیناً سورج اور چاند اللہ ذُوالجلال والاکرام کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کے جینے یا مرنے سے اِن کو گرہن نہیں لگتا۔ یہ واقعات اپنے اپنے وقت اور ضابطے کے تحت ہوتے رہتے ہیں، البتہ ایسے موقعوں پر مسلمانوں کو چاہیے کہ نماز پڑھیں، صدقہ خیرات کریں، اللہ ذُوالجلال والاکرام سے خوب دعائیں مانگیں اور استغفار کریں، یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔(1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

چرچا ہے جن کے نام کا دونوں جہاں میں
الفت ہے ہمارے دل میں اِسی خاندان کی
رہتا ہے ان کے نام کا تصور جو ہر گھڑی
رحمت ہے ہم پہ خاص یہ پروردگار کی

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:1060

باوقار سفرِ آخرت

سیّد المرسلین خاتم النّبیین احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعے پر اپنے آخری خطبے میں حجاجِ کرام سے یہ دریافت فرمایا:

لوگو! اللہ ربّ العزت کے ہاں تم سے میری نسبت سوال کیا جائے گا
تو تم کیا جواب دو گے؟

حجاجِ کرام نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کی خیر خواہی فرماتے
ہوئے اللہ ذوالجلال والاکرام کا بابرکت پیغام پورے اہتمام اور استقامت کے
ساتھ ہم تک پہنچا دیا اور اس عظیم الشان پیغام کی تبلیغ کا حق بھی بطریقِ احسن واکمل
ادا فرما دیا۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اُٹھاتے ہوئے فرمایا:

اے اللہ! گواہ رہنا!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلماتِ مبارک تین بار دہرائے۔(1)

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تاریخی اور اثر انگیز خطبۂ حجۃ الوداع کے فوری بعد جبرئیل علیہ السلام سورۃ المائدہ کی تیسری آیت کے ساتھ تشریف لائے جس میں اللہ کے پسندیدہ دین کے مکمل ہونے اور اپنی نعمتوں کے پورا ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

(المائدہ:3)

آج ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پورا فرما دیا ہے اور دینِ اسلام کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے پسند فرمایا ہے۔

اللہ ذُوالجلال والاکرام جب دینِ اسلام کے متعلّق اپنی پسندیدگی اور اس کے مکمل ہونے کا اعلان فرما رہے تھے تو اُس وقت دینِ اسلام عظمت وجلالت کے نقطۂ عروج کی جانب اپنے سفر کا آغاز کر چکا تھا اور لوگ فوج در

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4403

فوج اسلام قبول کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔

اسلام کی انھی کامیابیوں کو حجۃ الوداع کے دوران نازل ہونے والی سورۃ النصر میں بیان کیا گیا تھا۔

اس سورۂ مبارکہ کا نزول سفرِ آخرت سے تقریباً اکیاسی دن قبل، ایامِ تشریق کے وسط میں، منیٰ کے مقام پر ہوا:(1)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ (سورۃ النصر)

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

جب اللہ کی مدد اور فتح پہنچ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق شامل ہو رہے ہیں تو اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی تسبیح بیان فرمائیں! حمد کے ساتھ اور اس سے مغفرت کی دعائیں مانگیں! بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کر نے والا ہے۔

سورۃ المائدہ کی اس آیت میں دینِ اسلام کے مکمل ہونے کی خوش خبری تھی اور سورۃ النصر میں اسلام کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا اعلان تھا۔ اِس سورۃ مبارک اور آیتِ کریمہ کے نزول سے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضائے الٰہی کو سمجھ گئے کہ خالقِ حقیقی سے ان کی ملاقات اور اس جہانِ فانی کو خدا حافظ کہنے کا وقت اب بہت قریب آ پہنچا ہے۔

بنی نوع انسان کے جس مقدّس انقلابِ فکر اور تزکیۂ باطن کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور اللہ کریم کی جانب سے ذمّے لگائے گئے مشن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس احسن انداز کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچایا، وہ بجائے خود ایک ایسا فقید المثال کارنامہ تھا کہ تاریخ عالم جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تیئس سال قبل انتہائی کٹھن حالات میں شروع ہونے والی اشاعتِ اسلام کی یہ عظیم ترین دعوت ہزار ہا رکاوٹوں، اَن گنت رخنہ اندازیوں اور متعدد جنگوں کے مسلّط کیے جانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدا داد صلاحیتوں، بے مثال استعدادِ کار اور اَن تھک جدوجہد کی وجہ سے کامیابی سے ہمکنار ہو چکی تھی۔

طوفان خیز آزمائشوں اور ناقابلِ برداشت آلام و مصائب کا سامنا کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس ثابت قدمی، جان فشانی اور پُرجوش جذبے کے ساتھ تبلیغ کا فریضہ انجام دیا اور اندھیروں میں بھٹکنے والے گمراہ لوگوں کو خدائے عظیم اور صراطِ مستقیم کی طرف آنے کی دعوت دے کر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح ایک عظیم الشان اسلامی انقلاب کی بنیاد رکھی، اُس نے بالآخر باطل کو سرنگوں کر دیا اور حق نے اتنے واضح انداز میں فتح حاصل کی کہ دینِ

1۔ صحیح بخاری۔ سلوۃ الکئیب بوفاۃ الحبیب، ص:90

اسلام کا پرچم پورے جزیرۃ العرب پر لہرانے لگا۔

سچ تو یہ ہے کہ اللہ ذُوالجلال والاکرام کا آخری پیغام لوگوں تک پہنچا کر، سیدھے راستے کی جانب اُن کی راہنمائی کر کے صداقت، امانت اور دیانت کا درس دے کر، روحانی پاکیزگی اور حلال وحرام کی پہچان کرا کے، عربی اور عجمی، گورے اور کالے اور آقا وغلام کے امتیاز کو ختم کر کے، انسانیت کی فلاح وبہبود اور اُمت کی خیرخواہی کا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام وکمال ادا فرمادیا۔

نیکی اور بھلائی کا کوئی کام ایسا نہیں تھا جس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو تلقین نہ فرمائی اور خلافِ تہذیب و ناشائستہ افعال میں شامل کوئی ایسا عمل نہیں تھا جس کی نشان دہی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو ممانعت نہ فرمائی ہو۔

نبیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کمزروں کے رفیق، غریبوں کی جائے پناہ، یتیموں کے سرپرست اور مسکینوں کے مددگار، ہمارے آقا و راہبر پیغمبرِ آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حکمت و دانائی سے بھرپور جدوجہد سے لوگوں کے ذہن، سوچ، معاشرتی حدود وفرائض، اقدارِ حیات، ریاست کی ذمّے داری وعمل داری، حتیٰ کہ جنگ کے آداب تک بدل کر رکھ دیئے۔ معاشرے کو تباہ کرنے والی صدیوں سے رائج رسموں، نام نہاد طریقۂ عبادات، گمراہ کن اعتقادات اور فرسودہ تصوّرات کو نیست ونابود کر دیا۔

اس طرح آخر کار پورے عرب میں پھیلے ہوئے بے شمار قبائل کے سرداروں اور عجم کے سرکردہ افراد نے نہ صرف بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر اللہ ذُوالجلال والاکرام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا بلکہ اسلام قبول کرنے کا اعزاز حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کا اظہار کرنے لگے۔

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہالت اور تاریکی کی راہوں میں بھٹکنے والے صحرانشینوں کو دنیا وآخرت میں کامیابی اور ظفریابی کا وہ روشن راستہ دکھایا جس پر چلنے سے گروہوں میں بٹے ہوئے اور منتشر لوگوں کی سوچ اور عمل کا انداز یکسر بدل گیا اور وہ لوگ ذلتوں اور رسوائیوں کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگے۔

بہترین اخلاقی تعلیم وتربیت اور ایک مضبوط مرکز کے بعد اہلِ اسلام، اقوامِ عالم میں ایک نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ سے برسرِ پیکار رہنے والے قبائلِ عرب کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور کردار وعمل سے رفاقت واپنائیت، ایثار وقربانی اور عدل وانصاف کا ایسا درس دیا کہ اُن کے درمیان صدیوں سے جاری تنازعات اور عداوتیں تھوڑے ہی عرصے میں اُلفت ویگانگت کے بابرکت رشتوں کے روپ میں بدل گئیں۔ اتنی خوب صورت اور شان دار تبدیلیوں کے نتیجے میں چند عشروں کے اندر ہی مدینہ کی چھوٹی سی شہری حکومت پورے جزیرہ نمائے عرب پر اپنا اقتدارِ اعلیٰ قائم کرنے میں کامیاب ہوچکی تھی۔

ان تمام کامیابیوں کے باوجود اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کے مقدس مشن کی تکمیل اوراقوامِ عالم کوحیرت زدہ کردینے والی اپنی کارکردگی پرکسی فخر کا اظہار کرنے کی بجائے نہایت تواضع اور انکسار کے ساتھ اپنے سفرِ آخرت کی تیاری شروع فرمادی۔ چناں چہ اس عالمِ ناپائیدار میں اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری چند ماہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ توجہ اوردل جمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، تسبیح وتحمید اوراللہ ربّ العزت کے انعامات کاشکریہ ادا کرنے میں مصروف ہوگئے۔

کئی امور کے متعلّق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت آموز گفت گو، احکامات و فرمودات اور پھر ذکرِ الٰہی اورسجدہ وسلام میں گہری مصروفیت دیکھ کر یہ احساس اور اندازہ ہونے لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے باوقار انداز میں اللہ ذُوالجلال والاکرام کے بلاوے پر لبیک کہہ دیا ہے اور اب عنقریب اپنے پروردگار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات متوقع ہے۔

اس سے پہلے حجۃ الوداع کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجاجِ کرام کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

اے لوگو!

میری بات غور سے سنو!

شایداس مقام پرآپ لوگوں سے دوبارہ ملاقات نہ ہوسکے،

اس لیے مجھ سے حج کے احکامات اور آداب اچھی طرح سیکھ لو!(1)

قربانی والے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے تریسٹھ اُونٹوں کی قربانی دی۔(2)

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا زیادہ وقت عبادات، ذکرِ الٰہی اور دعائیں مانگنے میں گزارنے لگے۔(3)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ہر سال رمضان المبارک میں آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے لیکن سنہ 10 ہجری کے اپنے آخری رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس یوم کا اعتکاف فرمایا۔(4)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں رئیس الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ایک بار قرآنِ پاک کا دور فرمایا کرتے تھے لیکن دس ہجری کے رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآنِ حکیم فرقانِ حمید کے دو دور مکمل فرمائے۔(5)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا تو وقتِ رخصت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔سنن ابی ماجہ،رقم الحدیث:3023
2۔صحیح مسلم۔رقم الحدیث:1218
3۔صحیح مسلم۔رقم الحدیث:484
4۔صحیح عندالالبانی۔رقم الحدیث:2466۔سنن ابی داؤد۔
5۔صحیح بخاری۔کتاب فضائل القرآن۔قبل حدیث:4997

نے انھیں مختلف انتظامی امور پر تاکید کرنے کے بعد فرمایا:

اے معاذ رضی اللہ عنہ!

آئندہ سال جب آپ مجھ سے ملنے کے لیے آئیں

تو شاید مجھ سے آپ کی ملاقات نہ ہو سکے،

بلکہ ہو سکتا ہے کہ واپسی پر آپ اس مسجد اور میری آخری آرام گاہ

کے پاس سے گزریں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ جاں نثار خادم مفارقت کے روح فرسا تصور سے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

اے معاذ رضی اللہ عنہ!

میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو صاحبِ تقویٰ

اور پرہیزگار ہوں گے، چاہے وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں۔(1)

علالت کا آغاز

ہجرت کا گیارھواں سال اور ماہِ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے۔

یہ گرمیوں کے دن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک جاں نثار صحابی کے جنازے میں شرکت کے لیے قبرستان ''البقیع'' میں تشریف لے گئے۔ مرحوم کی تجہیز و تکفین اور مغفرت کی دعاؤں کے بعد گھر واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طبیعت کی ناسازی کو محسوس کرنے لگے۔ تکلیف کا آغاز پہلے سر مبارک میں شدید درد اور پھر اس کے ساتھ تیز بخار بھی شروع ہو گیا۔ بخار کی حدّت اتنی زیادہ تھی کہ جس رومال سے سرِ مبارک کو باندھ رکھا تھا، اس کے اُوپر ہاتھ رکھنے سے بھی تپش محسوس ہوتی تھی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کی خبر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں تشویش اور فکر مندی پیدا ہو گئی، کیوں کہ تریسٹھ سال کی عمرِ مبارک میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان بلکہ یوسف جمال نظر آتے تھے۔ چہرۂ اقدس کی تر و تازگی اور روشن جبیں نمایاں تھی اور چمک دار سیاہ بالوں میں ابھی صرف سات آٹھ بال ہی سفیدی مائل نظر آتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ باوضو رہتے اور ضرورت محسوس ہونے تک کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ کھانے میں بھی ہمیشہ اعتدال کا خیال فرماتے۔ عظیم ترین مقصد کے حصول میں نہ صرف خود بھی ساری زندگی پوری جانفشانی اور مستعدی کے ساتھ کوشاں رہے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی صفائی، جفاکشی اور مشقت کا شوق دلاتے رہتے تھے۔

1۔ رقم الحدیث: 242۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 193/4۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: 405/5

یہی وجہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو یہ غم ناک خبر جاں نثارانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے نہایت پریشانی کا باعث بن گئی۔

اسلام کی سربلندی کے لیے کی جانے والی اپنی تیئس سالہ جدوجہد کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کش مکشِ حیات کے سنگین مراحل، اذیت ناک آزمائشوں، اَن گنت شدائد اور بے شمار مشکلات کا سامنا فرمایا تھا مگر اس تمام عرصے میں کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا تھا کہ مصائب کی شدّت یا مسائل کی کثرت کے باعث حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جوش وجذبے اور استقلال و استقامت میں کوئی کمی دیکھی گئی ہو لیکن اب تیز بخار اور شدید سر درد کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام سرگرمیاں معطل ہو کر رہ گئیں۔ اپنے محبوب آقاؐ کی اس تکلیف کو دیکھ کر جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، کیوں کہ طبیعت کی اتنی شدید ناسازی پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی انجانے خوف کے تحت بے چین اور بے قرار نظر آنے لگے، حتیٰ کہ مملکتِ روم کے خلاف فوجی کارروائی کی غرض سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہونے والا مجاہدینِ اسلام کا لشکر بھی یہ تشویش ناک خبر سُن کر مدینہ شہر کی حدود سے چند میل دور جرف کے مقام پر ٹھہر گیا۔

علالت کی پہلی شب

ماہِ صفر کے آخری ایام کا ذکر ہے کہ ایک شب نصف رات کے قریب طبیعت ناساز ہونے کے باوجود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے آزاد کردہ خدمت گار 'ابومویہبہ' کو ساتھ لے کر بقیع میں مدفون جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ الوداعی ملاقات اور دُعائے مغفرت کے لیے تشریف لے گئے۔ قبرستان کے وسط میں کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہلِ مقابر کو اپنے مختصر خطاب میں فرمایا:

اے جنّت البقیع میں آسودہء خواب ساتھیو!
السّلامُ علیکم!
اس وقت تم جس حال سے گزر رہے ہو،
تمھاری یہ کیفیت بہ قیدِ حیات لوگوں کی حالت سے بہت بہتر ہے
کہ اللہ نے تمھیں بہت سی آزمائشوں سے محفوظ رکھا ہے اور تم ان
پریشانیوں سے بھی دور ہو جن کا آنے والے دور میں لوگوں کو سامنا کرنا پڑے گا۔
تاریک رات کے مختلف حصوں کی طرح فتنے یکے بعد دیگرے اُمت کی جانب
بڑھ رہے ہیں۔ ایک فتنہ ابھی ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے اور بعد میں

آنے والا ہر فتنہ پہلے والے سے زیادہ سخت اور نقصان دہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین بار ہاتھ اُٹھا کر دنیا سے رخصت ہو جانے والے ساتھیوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی:

اے ہمارے پروردگار!
بقیع الغرقد والوں کو بخش دے (آمین)!

پھر اہلِ بقیع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

تم لوگوں کے پاس تو اللہ کریم کا وعدہ آ چکا ہے،
بے شک ہم بھی تم سے جلد آ ملنے والے ہیں۔

اہلِ بقیع کے لیے بخشش اور مغفرت کی دعا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے کاشانۂ مبارک پر واپس تشریف لے آئے۔(1)

علالت کی دوسری شب

طبیعت ناساز ہونے کے دوسرے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوۂ اُحد کے مقام پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشرکینِ مکّہ کے خلاف جنگ میں شہید ہونے والے اُن غیر متزلزل انداز میں وفا شعاری کا مظاہرہ کرنے والے جاں فروشوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی جن کی عظیم شہادتوں نے اللہ کے پسندیدہ دین کو اتنی عزت و آبرو اور جاہ و جلال عطا فرمایا کہ بالآخر پورے جزیرۃ العرب کے پہاڑ، صحرا اور وادیاں اللہ اکبر کی صدائے بازگشت سے گونج اُٹھیں۔ خصوصی الوداعی نماز ادا فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُحد کی جنگ میں اپنے جاں نثاروں کی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہونے کی حالت، بے بسی کی شہادت اور مردانہ وار قربانیوں کو یاد کر کے نہایت ہی دل گداز انداز اور رقت انگیز کیفیت میں سر بہ سجود ہو کر کافی دیر تک اپنے ربّ کریم، الرحمٰن و رحیم سے حصولِ رحمت کی دعائیں مانگتے رہے۔ میدانِ جنگ میں اپنے ساتھیوں کی ثابت قدمی اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے اُن کی سرفروشی اور فداکاری کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

اُس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُحد کے شہیدوں کو اس انداز سے خدا حافظ کہا جیسے کوئی شفیق ہستی، مہربان سرپرست اور برگزیدہ قائد دنیا سے رختِ سفر باندھتے وقت اپنے گھرانے کے افراد اور قریبی ساتھیوں سے الوداعی کلمات ادا فرما رہے ہوں۔ میدانِ اُحد سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف لائے اور منبرِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر رونق افروز ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

1۔ رقم الحدیث: 72-871۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 642/2۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔

میں تمھارا پیش رو ہوں
اور دارالبقا کی جانب تم لوگوں سے پہلے رخصت ہو رہا ہوں
تا کہ میں بارگاہِ ربّ العزت میں تم لوگوں پر شہادت دوں۔
اس وقت میں اس مقام سے حوضِ کوثر کو اپنے رو بہ رو دیکھ رہا ہوں۔
مجھے دنیا میں ہر قسم کے آرام و آسائش اور زمین کے تمام خزینوں اور دفینوں کی
چابیاں پیش کی گئیں اور اس کے ساتھ حیاتِ جاوداں کا اختیار عطا کیا گیا ہے
لیکن میں نے اپنے پروردگار کے ہاں حاضری اور وہاں کی نعمتوں کو پسند فرمایا ہے۔
اے لوگو!
جو کوئی اپنے دل میں یہ تمنا رکھتا ہے کہ
حوضِ کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا موقع ملے تو اُسے چاہیے کہ
اپنے ہاتھ اور اپنی زبان کو غلط استعمال سے روک کر رکھے!
واللہ! مجھے اس بات کا یقین ہے کہ
تم میرے بعد صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام کی عبادات کرو گے
اور اُس بزرگ و برتر ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے
لیکن میرے دل میں اس بات کا خوف موجود ہے
کہ تم لوگ اپنی دنیاوی خواہشات اور مال و متاع جمع کرنے کے شوق میں
ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی دوڑ میں لگ جاؤ گے
اور اس طرح آپس کی اس چپقلش اور مقابلے کی وجہ سے
تمھارا یہ بابرکت اتحاد اور اتفاق انتشار کا شکار ہوجائے گا
اور تم اسی طرح تباہ ہوجاؤ گے جس طرح پہلی قومیں برباد ہوگئی تھیں۔(1)

حلال اور حرام کے متعلّق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ مقدس

کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا حکم میرے ساتھ منسوب نہ کیا جائے!
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
میں نے تمھارے واسطے وہی چیزیں حلال کی ہیں
جنھیں اللہ ربّ العزت نے اپنی مقدس کتاب قرآن حکیم میں حلال قرار دیا ہے

1۔رقم الحدیث:6590۔صحیح بخاری۔صحیح مسلم۔رقم الحدیث:2296

اور صرف اُن اشیا کے حرام ہونے کا اعلان کیا ہے
جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں حرام قرار دیا ہے۔
لوگو!
اپنے طویل سجدوں میں پاک پروردگار کی شان وشوکت اور بزرگی و برتری کا
کثرت سے ذکر کیا کرو!
کیوں کہ سجدے کی حالت میں بندہ اللہ کے نزدیک تر ہوتا ہے
جس سے دعاؤں کی قبولیت کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

خانۂ اقدس میں تشریف آوری

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ حیثیت شوہر عدل وانصاف کے اعلیٰ ترین معیار کو برقرار رکھتے ہوئے باری باری امہاۃ المومنین کے گھروں میں قیام فرمانے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

جنگِ اُحد کے شہدا سے الوداعی ملاقات اور پھر مسجدِ نبوی میں بھرپور خطاب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید ضعف اور کسل مندی محسوس کرنے لگے تھے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مقرر کردہ دستور العمل کے مطابق اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے، کیوں کہ طبیعت سنبھل نہیں پا رہی تھی بلکہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ سر میں درد اور بخار کی تپش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس لیے اپنی بڑھتی ہوئی تکلیف کو دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جملہ ازواجِ مطہرات کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر طلب فرمایا اور اُن کے سامنے طبیعت کی بحالی تک تمام اُمہات المومنین کے گھروں میں طے شدہ نظام الاوقات کے مطابق جانے کا سلسلہ موقوف کر کے صرف سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام پذیر ہونے کی اپنی رغبت کا اظہار فرمایا۔

مزاج شناس ازواجِ مطہرات نے فوراً ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ناسازیِ طبیعت کے ان ایام میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام اور سکون محسوس کریں
وہاں قیام فرمایئے!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل صحت اور تندرستی ہی ہماری آرزو اور تمنّا ہے۔
ہم سب اپنی بہن سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزاج پُرسی،
تیمارداری اور خدمت کی سعادت حاصل کر لیا کریں گی۔ (1)

1۔ رقم الحدیث: 4450۔ صحیح بخاری۔ فتح الباری: 141/8

مزاجِ اقدس میں بے قراری، تیز بخار اور بہت زیادہ جسمانی کمزوری کے باعث رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے قدم مبارک زمین پر رکھنے اور چلنے میں دِقت محسوس ہو رہی تھی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے کندھوں کا سہارا لے کر یہ مشکل تمام یہ مختصر سا فاصلہ طے کر کے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے تک تشریف لائے، پھر اسی گھر میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی حیاتِ طیّبہ کے آخری ایّام بسر فرمائے۔

اس طرح یہ نیک بختی اور اقبال مندی اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی کہ وقتِ آخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت گزاری اور تیمار داری کی سعادت انھیں حاصل ہوئی۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے

مسجد میں خطاب

مرض کی ابتدا ہی میں تیز بخار اور سرِ مبارک میں شدید درد شروع ہو گیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بڑھتی ہوئی علالت اور تکلیف کی شدّت کو دیکھ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے چین، بے قرار اور اُداس نظر آ رہے تھے۔

ایک روز یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچی کہ مسلمان کسی الم ناک حادثے کے خوف سے بہت پریشان ہیں۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

سب تعریفیں اللہ ربّ العزت کے لیے ہیں،

اُس بزرگ و برتر کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اے لوگو!

مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم لوگ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جدائی کو تعجب خیز واقعہ سمجھ کر فکر مندی کا اظہار کر رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی نبی کی وفات میں نئی بات کیا ہے؟ اللہ ذُوالجلال والاکرام کی جانب سے جتنی بھی نیک ہستیوں کو نبوّت اور رسالت کے منصب پر فائز فرمایا گیا، اُن میں سے کوئی بھی اپنی اُمت کی راہنمائی کے لیے اُن کے درمیان ہمیشہ موجود نہیں رہا۔ آخر میں بھی تو ایک نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں۔ اب آپ لوگ اس بات کو اچھی طرح جان لیں کہ میرا اس دنیا کو الوداع کہنے کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور پھر جلد ہی تم بھی مجھ سے آملو گے۔

اے لوگو!

میں کسی کے حق کے بوجھ کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتا۔ میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ اطاعت گزار شخص وہ ہے جو اپنا واجب الادا حق میرے دنیا کو الوداع کہنے سے پہلے

مجھ سے وصول کر لے۔ اگر میری ذات سے کسی کو کوئی دُکھ پہنچا ہو یا کسی کا کچھ مالی نقصان ہو گیا ہو تو میں اُس کے رنج کا ازالہ کرنے اور مالی نقصان کی دادرسی کے لیے یہاں موجود ہوں۔ اگر کسی کو مجھ سے کوئی جسمانی تکلیف پہنچی ہو تو وہ بھی حق رسی کے لیے میرے پاس آجائے، میں تدارک کے لیے حاضر ہوں۔ وہ اس بات سے بالکل خوف زدہ نہ ہو کہ میں اس عمل کا بُرا مانوں گا یا اپنے دل میں کوئی رنجش یا عداوت رکھوں گا۔ سوچ کا یہ انداز نہ میری طبیعت اور مزاج میں ہے اور نہ یہ اَمر میرے مقام و مرتبے کے مطابق ہے کہ میں اس طرح کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ دوں۔

اے لوگو!

مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ اگر کوئی اپنے کسی استحقاق کا اظہار کرتا ہے تو اُس کا وہ حق اُسے ادا کر دیا جائے، تا کہ جب میری اپنے پروردگار سے ملاقات ہو تو دنیاوی زندگی کے میرے تمام معاملات صاف ہوں اور کسی کا کوئی حق میرے ذمّے واجب الادا نہ ہو۔

اے مسلمانو!

اللہ تبارک وتعالیٰ تم سب کو اسلام پر زندہ رکھے! تم سب پر اپنی رحمتیں اور فضل و کرم نازل فرمائے! تمھیں ہر قسم کے فکر و تردّد اور ضرر رسانی سے محفوظ و مامون رکھے! آسودہ حالی، تسکین خاطر اور سکونِ قلب عطا فرمائے! تمھارے رزق اور کاروباری معاملات میں برکت عطا فرمائے! اپنی نظرِ کرم سے بلند مرتبہ و مقام، صحت و سلامتی اور رفعت و افلاک سے اقبال مند فرمائے!(1)

اے عباد اللہ!

میں تمھیں اپنے تمام معاملات میں اللہ ذوالجلال والاکرام کی اطاعت اختیار کرنے اور صالح اعمال کرنے کی وصیّت کرتا ہوں اور تم لوگوں کو پاک پروردگار کی پناہ اور محافظت میں دیتا ہوں، وہی تم پر نگہبان ہو! اس کائنات میں تمام اُمور اُس قادرِ مطلق کے حکم سے جاری ہوتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں کے بارے میں نہایت شفیق اور مہربان ہے لیکن اگر کسی کام کے سرانجام پانے میں دیر لگ رہی ہو تو جلدی کا رویّہ نہ اپناؤ اور صبر سے کام لو! کیوں کہ اللہ ربّ العزت کسی شخص کی طبیعت میں بے چینی اور اضطراب کی بنا پر اپنے فیصلے تبدیل نہیں فرماتے۔ بے شک، میں تم لوگوں کو بڑے واضح انداز میں جہنّم سے ڈرانے والا اور جنت کی

1۔ دلائل النبوۃ للبیھقی: 180/7

خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں، کیوں کہ یہی میرا منصب ہے کہ میں نذیر اور مبین ہوں۔

لوگو!

اللہ کی بستیوں میں، اُن کے نیک بندوں کے ساتھ رعونت اور اکڑ کے ساتھ پیش نہ آنا! نہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنا! اور نہ کبھی نافرمانی جیسے روّیے کو اختیار کرنا! بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہر وقت تمھارے سامنے ہونا چاہیے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (سورۂ قصص:83)

وہ جو آخرت کا گھر ہے اور جو وہاں کی نعمتیں ہیں، وہ ہم اُن لوگوں کو عطا فرمائیں گے جو اللہ کی زمین پر اپنی بڑائی اور برتری کی خواہش نہیں رکھتے، نہ فساد پھیلانا چاہتے ہیں اور اللہ کا خوف اختیار کرنے والے اطاعت گزاروں اور اُس کے حکم سے بال برابر تجاوز نہ کرنے والوں کے لیے نیک انجام کی خوش خبری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خطاب میں یہ بھی فرمایا کہ

الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین

کیا غرور و تکبر کا رویّہ اختیار کرنے والوں کے لیے جہنم میں کافی جگہ نہیں ہے۔

آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

تم سب پر سلامتی ہو اور اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو یہاں موجود نہیں ہیں اور قیامت تک سلام اللہ کے اُن تمام بندوں پر جو اسلام قبول کر کے میری اطاعت اختیار کریں گے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات کے لیے اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے۔(1)

وصال سے پانچ دن پہلے

رحلت سے پانچ روز قبل سر میں شدید درد اور بخار میں شدّت کی وجہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی طبیعت میں صبح ہی سے بہت زیادہ کمزوری اور ناتوانی محسوس فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تخفیفِ مرض کے لیے مدینہ کے مختلف کنوؤں سے سات مشکیزے ٹھنڈا پانی منگوا کر غسل فرمایا۔ اس تدبیر سے کچھ تازگی اور شگفتگی کا احساس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کا ارادہ فرمایا، چناں چہ سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے۔(2)

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 197/2 — 2۔ رقم الحدیث: 5714-198۔ صحیح بخاری

خطاب

ممبر پر جلوہ افروز ہونے کے بعد حسبِ معمول آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو!

سابقہ زمانے میں کچھ قومیں ایسی گزری ہیں جنھوں نے اپنے انبیا اور نیک کردار لوگوں کی قبروں کی پرستش شروع کر دی تھی۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ ذوالجلال والاکرام کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے اور سخت عذاب ان کا مقدر بنے گا۔

دیکھو!

میں تم لوگوں کو ہمیشہ اس غلط عمل سے منع کرتا رہا ہوں۔ آج پھر یہ وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد تم ایسا نہ کرنا۔(1)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اگر میری طرف کسی کی کوئی واجب الادا رقم ہو جو ابھی تک ادا نہ ہو سکی ہو، وہ کھڑا ہو جائے، میں اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہوں اور اگر میں نے کسی سے کوئی تلخ بات کہہ دی ہو یا کسی کو مجھ سے کوئی رنج پہنچا ہو تو وہ میرے پاس آئے، میں اُس کی دل جوئی کرنا چاہتا ہوں۔(2)

اوّلین مہاجرین کے بارے میں خیر اور بھلائی کی وصیت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

جن لوگوں نے ہجرت میں پہل کی تھی، اُن کے ساتھ ہمیشہ اچھے طرزِ عمل سے پیش آنا!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاجرین کو بھی اللہ سے ڈرنے، صالح اعمال پر کاربند رہنے، آپس میں اُخوت ومحبت، مہربانی اور نیک سلوک کرنے کی نصیحت فرمائی۔

انصار کے لیے اپنی شفقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو!

میں انصار کو اُن کی اخلاص مندی اور وفاداری کی وجہ سے اپنے دل کے قریب سمجھتا ہوں اور تم لوگوں کو بھی یہ وصیّت کرتا ہوں کہ میرے انصار کے ساتھ خیر، بھلائی اور حُسنِ سلوک کا معاملہ رکھنا، کیوں کہ اُنھوں نے آپ لوگوں کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کے کاموں میں دل کھول کر ساتھ دیا تھا۔ انصار میرے گھر کے افراد کی طرح ہیں۔ یہ میرے رازداں رفیق،

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 185/2
2۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: 179/7

بھروسے کے مصاحب اور نہایت بااعتماد معاون و مددگار ہیں۔ہجرت کے بعد مدینہ آمد پر ان لوگوں نے میرا حد سے زیادہ اکرام کیا۔یہ مدینہ کے جاں نثار ہی تھے جنھوں نے اللہ کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑنے والوں کو ایک محفوظ مرکز فراہم کیا۔ان نیک سرشت ساتھیوں نے ہجرت کے موقع پر مدینہ میں آپ لوگوں کی باعزت رہائش کے لیے اپنے گھروں میں وسعت اور گنجائش پیدا کی،اپنی زمینوں اور باغات کی پیداوار میں شریک کرکے آپ لوگوں کو حصّے دار بنایا،مدینہ کی مشکلات کو آسان بنانے کے لیے تم لوگوں کا قدم بہ قدم ساتھ دیا، یہاں تک کہ اس اضافی ذمّے داری کی وجہ سے کئی حضرات کو تہی دستی اور عسرت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

خبردار!

ان مہمان نواز اور وفا شعار لوگوں پر کبھی برتری جتانے کی کوشش مت کرنا اور نہ کبھی جور و جفا اور خود خواہی کا مظاہرہ کرنا،کیوں کہ اِن وفا شعاروں نے عقبہ کی بیعت میں کیے گئے اپنے عہد و پیمان کو دل و جان سے نبھایا ہے۔اب انصارِ مدینہ کے استحقاق کو فوقیت دینا تمھاری ذمّے داری ہے۔تم میں سے جو کوئی بھی کسی بڑے عہدے پر فائز ہو،وہ ان کے نیک کردار اور بھلے لوگوں کے اچھے کاموں اور خوبیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھے!اسلام کی سربلندی کے لیے ان کی خدمات کو کبھی نہ بھلائے!ان کی نیکیوں کو قبول کرے اور ان کے معززین کا اکرام کرے!اگر اِن میں سے کسی سے کوئی خطا یا غلطی ہوجائے تو اس پر کسی سخت ردِعمل کی بجائے مہربان طبیعت کے ساتھ صرفِ نظر کرے!(1)

آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ:

جس کو اپنی کسی کمزوری یا غلط عادت کا خوف لاحق ہو،وہ اپنے لیے دُعا کرا لے!اِس پر بہت سے اصحاب رضی اللہ عنہم نے دعائے خیر کے لیے اپنی درخواستیں خدمتِ اقدس میں پیش کیں۔

وصال سے چار دن پہلے

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی شدید علالت کے ابتدائی دنوں کے دوران گیارہ روز تک ادائے نماز کے لیے مسجد میں تشریف لاتے رہے لیکن وصال سے چار روز قبل بروز جمعرات کو،بیماری نے ایسا غلبہ پالیا کہ کئی بار کی کوشش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف نہ لے جاسکے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو آخری نماز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں ادا کی،وہ نمازِ مغرب تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝ تلاوت فرمائی تھی۔(2)

1۔رقم الحدیث:3800-3799۔صحیح بخاری
2۔رقم الحدیث:308۔سنن ترمذی۔اسنادہ صحیح عندالالبانی

چناں چہ نمازِ عشا کی امامت کے لیے آپ ﷺ نے اپنے اوّلین ہم نشین اور جاں نثار رفیقِ سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی امامت میں نماز پڑھائیں۔حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نرم دل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب ادائے نماز کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کے مصلّے پر کھڑے ہوئے تو اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔آپ ﷺ کی عدم موجودگی کے احساس سے غم زدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی رقت طاری تھی اور وہ نماز کے دوران اپنی صفوں میں کھڑے رو رہے تھے۔رسُول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ملال انگیز کیفیت اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ سترہ نمازوں کی امامت کا فرض نبھایا۔پہلی نماز عشا جمعرات کی رات اور آخری نماز فجر کی تھی جو پیر کی صبح پڑھائی گئی۔(1)

وصال سے دو دن پہلے

وصال سے دو دن پہلے جب رسالت مآب ﷺ نے اپنی طبیعت میں کچھ افاقہ محسوس کیا تو سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے کے ساتھ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے مسجد میں تشریف لے آئے۔اُس وقت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت میں ظہر کی نماز شروع ہوچکی تھی۔

دورانِ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ محسوس ہوا کہ رسُول اللہ ﷺ ادائے نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے آئے ہیں تو اُنھوں نے اپنے دل میں یہ ارادہ کیا کہ وہ جائے امامت سے پیچھے ہٹ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفوں میں شامل ہوجائیں لیکن رسالت مآب ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شانے کو اپنے مبارک ہاتھ سے اشارتاً دباتے ہوئے یہ ہدایت فرمائی کہ:

ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ اپنی جگہ پر کھڑے رہیں۔

آپ ﷺ، سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔اب تاجدارِ کائنات ﷺ کی امامت میں وہ نماز شروع ہوگئی جس کی اقتدا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کررہے تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تکبیرات کی اقتدا میں نماز ادا فرما رہے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔اس طرح یہ روح پرور، یادگار، اور بابرکت نماز بہ خیروخوبی مکمل ہوئی۔(2)

مسجد میں خطاب

نماز کے بعد حضور نبی کریم ﷺ آخری مرتبہ منبرِ رسُول ﷺ پر جلوہ افروز ہوئے۔آپ ﷺ نے ربِّ ذُوالجلال والاکرام کی حمد وثنا کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختصر خطاب فرمایا:

اے لوگو!

اللہ ربّ العزت نے اپنے ایک بندے کو اس بات کا اختیار عطا فرمایا ہے کہ وہ یا تو حیاتِ

1۔صحیح بخاری، رقم الحدیث:687　　2۔صحیح بخاری، رقم الحدیث:687-664

جاودانی، دنیاوی آرام و آسائش اور اُس کی نعمتوں میں سے جس چیز کی بھی خواہش کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ انھیں عنایت فرما دیں گے یا پھر اللہ ذُوالجلال والاکرام کے پاس آخرت کے جو انعامات ہیں، اُن کا انتخاب کر لے۔ اللہ کے اُس بندے نے بارگاہِ ربِّ کریم کے ہاں کے انعام و اکرام اور اس کی دائمی رفاقت کو پسند فرمالیا ہے۔

یہ خطبہ سُن کر حاضرینِ کرام میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیرینہ ساتھی، صاحبِ راز و نیاز اور واقفِ اسرار جناب سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ بات تو نبی آخر الزمان آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی پاک ذات کے متعلّق فرما رہے ہیں۔ اُسی وقت اُن پر رقت طاری ہوگئی، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ اپنے جاں نثار رفیق کو غم زدہ دیکھ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں صبر و استقلال اختیار کرنے کی تلقین فرمائی، پھر اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

جتنے لوگوں کے دروازے مسجدِ نبوی کے صحن کی جانب کھلتے ہیں، وہ سب بند کر دیئے جائیں، صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے۔

سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اللہ کی راہ میں جدّ و جہد کے دوران میرے صاحبِ نظر رفیق ابوبکر رضی اللہ عنہ کا میرے ساتھ وفاداری، عقیدت اور مالی ایثار کا جو معاملہ رہا ہے، میں اُن کی خدمات اور رفاقت کا ممنون اور احسان مند ہوں۔

یہ میرے بہترین ہم نشین، قابلِ اعتماد معاون و مددگار اور عمدہ ترین صلاح کار ہیں۔ اگر میں اپنی اُمت میں کسی کو دوست بنانے کا مجاز ہوتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے۔ اب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلامی اُخوت کا جو تعلّق ہے، وہ دنیاوی رشتوں سے زیادہ مضبوط ہے۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزید فرمایا:

اے لوگو!

آگاہ ہو جاؤ!

رکوع و سجود اور عبادت کے قابل صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات بابرکات ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے اس خلافِ حقیقت عمل پر اللہ کی مار کہ اُنھوں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کے مزارات اور یادگاروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، رقم الحدیث: 3654

دیکھو! میری بات کو یاد رکھنا!

کہ تمھیں اللہ کے غضب کو دعوت دینے والے کسی عمل کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔(1)

اپنے اس آخری خطاب کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ علالت میں شدت لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ چہرۂ مبارک پر تکان، بے چینی اور بے قراری کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

ایک دن پہلے

رفیقِ اعلیٰ کی جانب روانگی سے ایک دن قبل سیّد المرسلین رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا کہ:

میرے تمام غلاموں کو آزادی کا پروانہ جاری کر دیا جائے!(2)

حیاتِ طیبّہ کے دوران لاکھوں دینار مخلوقِ خدا میں تقسیم فرمانے والے شہنشاہِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر میں اُس دن کُل سرمایہ صرف سات دینار تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اے عائشہ رضی اللہ عنہا!

میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ جب میری اپنے پروردگار سے ملاقات ہو تو میرے گھر میں دولت و ثروت کا کوئی معمولی سا حصہ بھی موجود ہو۔

چناں چہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ سات دینار بھی مدینہ کے غریب اور مسکین مسلمانوں میں تقسیم فرما دیئے۔(3)

حیاتِ مبارکہ کا آخری عمل

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں سلام پیش کرنے، تیمارداری اور مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے۔ اُس وقت اُن کے ہاتھ میں ایک تازہ سبز مسواک تھی۔ سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسواک کی جانب پسندیدگی کی نظر سے دیکھا تو ادا شناس رفیقۂ حیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فوراً سمجھ گئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسواک کی خواہش رکھتے ہیں۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

کیا میں اسے نرم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کروں؟

1۔ صحیح بخاری، رقم الحدیث: 4443
2۔ رقم الحدیث: 2739۔ صحیح بخاری۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 241/2
3۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 182/2

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ نے فوراً ہی اپنے دانتوں سے مسواک کو خوب نرم کر کے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کی۔طبیعت بہت زیادہ مضمحل اور نڈھال ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت عمدہ انداز میں اپنے دانت صاف فرمائے اور مسواک واپس سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں دے دی۔(1)

اس طرح اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیاوی حیاتِ طیبہ کی آخری سنّت مبارک دانتوں کی صفائی فرمانا تھی۔

رخصت کی شبِ آخر

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وصال سے ایک دن پہلے کی رات میری زندگی کی ایک طویل اور نہ ختم ہونے والی رات تھی۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں بہت زیادہ بے چینی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار کروٹیں بدل رہے تھے۔تھوڑی دیر بعد نیند سے بیدار ہوجاتے اور استفسار فرماتے:

اے عائشہ رضی اللہ عنہا!

کیا صبح ہوگئی ہے؟

اور میں ہر بار عرض کرتی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

ابھی صبح نہیں ہوئی۔

پھر جب صبح ہوگئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دینے کے بعد گھر کے دروازے پر حاضر ہوئے اور حسبِ معمول عرض کیا:

السلام علیکم یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں

نماز کا وقت ہوگیا ہے،تشریف لائیں۔

رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخار میں شدّت اور غنودگی کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز پوری طرح نہ سن سکے تو دریافت فرمایا:

اے عائشہ رضی اللہ عنہا!

کون آیا ہے؟

1۔رقم الحدیث:4451۔صحیح بخاری۔

میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

بلال رضی اللہ عنہ آئے ہیں اور نماز کے لیے درخواست کر رہے ہیں۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بخار میں اتنی زیادہ شدت آچکی تھی اور نقاہت کا یہ عالم تھا کہ مسجد میں جانا اب ممکن نہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے عائشہ رضی اللہ عنہا!

اپنے ابّا جان سے کہیں کہ وہ نماز پڑھا دیں۔

آخری دیدار

خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

پیر کا دن اس جہانِ فانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا آخری روز تھا۔ صبح کی اذان کے تھوڑی ہی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت سنبھلنا شروع ہوگئی۔ بخار کی حدّت اور سر مبارک میں درد کی شدت بھی کم ہونا شروع ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرے سکون محسوس کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد صبح کی نماز کا آغاز ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس پردے کے پاس تشریف لائے، جو اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اور مسجدِ نبوی کے درمیان حد کو تقسیم کرتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے پردہ ہٹایا تو اُس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت اہتمام، اخلاص اور ذوق وشوق کے ساتھ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ اپنی نگاہِ رحمت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز میں باجماعت شرکت، اُن کا انہماک و اشتیاق اور اپنی عظیم تعلیمات کا یہ حسین و دل کش اور مقدس منظر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل مطمئن، آنکھیں ٹھنڈی اور چہرۂ انور معمول سے زیادہ روشن و تاباں ہوگیا کہ اب پُرخلوص جاں نثاروں کی ایک ایسی جماعت منظم ہوچکی ہے جو اپنے جلیل القدر اور عظیم المرتبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے دی گئی تعلیمات، ہدایات اور سنّت کے مطابق اپنے پروردگار کے حضور دست بستہ کھڑے ہو کر حقِ بندگی ادا کر رہی ہے۔

نماز کے لیے صف بندی کا یہ دل آویز منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل میں طمانیت اور شادمندی محسوس کر کے ایک مسرّت آمیز تبسم فرمایا، کیوں کہ اتنی عظیم اور شاہکار ظفرمندی کا اگر تقابل کریں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ آج تک کسی پیامبرِ حق کے داعی کو اتنی بڑی کامیابی کا عُشرِ عشیر بھی حاصل نہ ہوسکا تھا۔

سیّدُ الانبیا تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردے کے پاس سے یہ روح پرور منظر دیکھ رہے تھے کہ سیّدنا صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ نے خیال فرمایا کہ شاید نبی کریم ﷺ نماز کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔اس خیال کے آتے ہی اُنھوں نے اپنے آقا و مولا، امام الانبیا ﷺ کے احترام میں جائے امامت سے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا اور دیگر عاشقانِ رسُول ﷺ کے اداس دل بھی خوشی و مسرّت سے کھل اُٹھے۔قریب تھا کہ اُن کی توجہ بٹ جاتی اور وہ بے تاب ہو کر آپ ﷺ کے شوق دیدار میں آگے بڑھتے کہ عین اُس وقت اپنے جاں نثاروں کے دلی جذبات کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک کے اشارے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ اطمینان کے ساتھ اپنی نماز مکمل کریں۔(1)

کائنات کی سب سے زیادہ پُرکشش اور حسین و جمیل شخصیت نے کچھ دیر کے لیے اپنے تابندہ و درخشندہ چہرۂ اقدس کی ایک جھلک دکھا کر پردہ چھوڑ دیا اور اپنے کمرے میں واپس تشریف لے گئے۔اُس وقت آپ ﷺ کے رُخِ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ نمایاں نظر آ رہی تھی۔جلال و جمال اور تجلیات سے معمور چہرۂ انور کے اس الوداعی دیدار اور آخری زیارت کا انتظام کیا جانا اللہ ذوالجلال والاکرام کی جانب سے رسالت مآب ﷺ کے پروانوں کے لیے ایک انعام تھا۔

12 ربیع الاول سنہ 11 ہجری بہ روز پیر اہلِ اسلام اور جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے شدید ابتلا اور صدمۂ عظیم کا وقت قریب تر آ پہنچا تھا۔جیسے جیسے سورج کی شعاعیں بلند ہو رہی تھیں،جسم مبارک میں شدید درد اور تیز بخار کی وجہ سے طبیعت میں بے چینی اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

اسی اثنا میں پیاری بیٹی سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خیریت معلوم کرنے حاضر ہوئیں۔آپ ﷺ نے انھیں نہایت محبت اور شفقت سے خوش آمدید کہا۔نقاہت کے سبب آپ ﷺ کھڑے ہو کر اپنی نور العین کا اُس طرح استقبال نہ کر سکے جیسا کہ آپ ﷺ کا ہمیشہ سے معمول رہا تھا۔اپنے جلیل القدر،عظیم المرتبت اور شفیق و مہربان بابا جان کی شدید علالت اور بے چینی دیکھ کر بی بی جی سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پریشان ہو گئیں اور بے ساختہ یہ کلمات ادا فرمائے:

واکرب اباہ

اے پروردگار!

میرے ابّا جان کو سخت تکلیف ہے۔

رسالت مآب ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے بی بی جی کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا:

اے میری پیاری بیٹی!

آج کے بعد تمھارے بابا جان پر کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔(2)

1۔صحیح بخاری،رقم الحدیث:4448

2۔سنن ابن ماجہ،رقم الحدیث:1629

بی بی جی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور سینۂ مبارک سے لپٹ کر رونے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت محبت و شفقت سے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اے پیغمبرِ اسلام کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا!

اسلام میں جزا اور سزا کی بنیاد خود انسان کے ذاتی عمل پر ہے۔

اللہ کے پاس ہمیشہ اپنے نیک اور پسندیدہ اعمال بھیجنا!

اے میری پیاری بیٹی!

تقویٰ اختیار کرنا!

اور جب میں اس دنیا کو الوداع کہوں تو صبر کرنا اور یہ پڑھنا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

کیوں کہ کسی بھی دُکھ اور تکلیف کی گھڑی میں اس مقدس کلمہ کو ادا کرنے سے متاثرہ شخص کو صبر و قرار اور تسکینِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

کچھ لمحے کے وقفے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا فرمائے:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انعام فرمایا۔(1)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بی بی جی سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے کان میں نہایت آہستہ آواز میں فرمایا:

میری پیاری بیٹی!

میں اس بیماری سے صحت یاب نہ ہوسکوں گا۔

بی بی جی کی معصوم آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

ایک بار پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کان میں نہایت آہستگی کے ساتھ یہ بات کہی:

میری پیاری بیٹی!

جنت میں میرے پاس آ ملنے والی خاندان کی سب سے پہلی فرد آپ ہوں گی۔

اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں ایک اور خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا:

اے میری نورِ نظر!

تجھے اللہ ذوالجلال والاکرام نے بہشتِ بریں میں

میری اُمت کی تمام خواتین کا سردار بنادیا ہے۔(2)

1۔صحیح بخاری، رقم الحدیث:4435

2۔صحیح بخاری، رقم الحدیث:4433-3624

طبعاً احتیاط پسند اور سنجیدہ مزاج سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا ''سیدۃ النساء العالمین'' کے عظیم الشان خطاب کی بشارت سن کر اشک بار آنکھوں کے ساتھ مسکرا دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خوب پیار کیا اور اُن کا خیال رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

اپنی قابلِ احترام ازواجِ مطہرات کو بھی طلب فرمایا۔ اُن کے ساتھ گھریلو معاملات پر تبادلۂ خیال کیا اور کئی اہم امور کے متعلّق اُن کی راہنمائی فرمائی، پھر انھیں پورے عزت و وقار اور صبر و استقلال کے ساتھ اللہ کو یاد رکھنے اور بغیر ضرورت گھروں سے باہر نہ نکلنے کی تلقین فرمائی۔

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ وہ مغموم اور افسردہ نظر آئے تو اُن کا سر اپنی گود مبارک میں رکھ لیا۔ اُن کو پیار کیا اور انھیں کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی نصیحت فرمائی۔

پھر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ غنی کو بلایا اور کچھ دیر تنہائی میں اُن کے ساتھ گفت گو فرمائی۔(1)

روم جانے والے لشکر کے مقرر کیے گئے سالار حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید بھی سلام پیش کرنے کے لیے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ پہلے تو اُنھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت ہاتھوں کو چوما، پھر جھک کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اقدس کو بوسہ دیا۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک آسمان کی جانب بلند فرما کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیں اور کئی مرتبہ ان کے سر پر پیار اور شفقت سے ہاتھ پھیرا۔(2)

الوداع

وصالِ پُرملال کے آخری لمحات قریب تر آتے جا رہے تھے۔ بخار میں تیزی اور درد کی شدت میں اضافے کی وجہ سے ہر آنے والے لمحے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت گرتی جا رہی تھی، کمزوری، ناتوانی اور ضعف کے غلبے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چلنا پھرنا اور آنا جانا پہلے ہی موقوف ہو چکا تھا۔

وقتِ واپسی آخرت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سرِ مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھ کر بستر پر لیٹ گئے۔ قریب ہی ٹھنڈے پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے تاب اور بے قرار ہو کر بار بار اپنے متبرک ہاتھ کو پیالے کے پانی سے تر کرتے، چہرۂ اقدس اور سرِ مبارک پر پھیرتے اور یہ کلمات ادا فرماتے:

اے پروردگار!

موت کی سختیوں پر میری اعانت فرما!

بخار کی تپش اور درد کی شدت کے باعث رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی رنگت کبھی سرخ اور کبھی سفید نظر آنے لگتی۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سیاہ دھاری دار چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ بے قراری کے عالم میں اس

1۔ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 112۔ اسنادہ صحیح عند الالبانی
2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 651/2

چادر کو کبھی اپنے چہرۂ انور پر ڈال لیتے اور جب طبیعت گھبرانے لگتی تو اُسے چہرۂ اقدس سے ہٹا دیتے۔
اضطراب کی اس کیفیت میں زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اللھم فی الرفیق الاعلیٰ

بے شک! سب سے اعلیٰ اور برتر رفیق اللہ تبارک و تعالیٰ ہیں۔

چند لمحوں بعد یہ فرمایا:

لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک موت سختی اور تکلیف کے ساتھ ہے۔(1)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الصلوۃ الصلوۃ وما ملکت ایمانکم

میں تم کو نماز کا خیال رکھنے اور اپنے ماتحت، زیرِ دست اور کمزور لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔(2)

جب سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کا آغاز ہوا تھا، اُس وقت سے کیفیتِ مرض میں کبھی شدّت آجاتی اور کبھی کافی حد تک افاقہ محسوس ہونے لگتا تھا لیکن عظیم صدمہ و ملال اور شدید رنج و غم والے دن سفرِ آخرت کی مقررہ ساعت بالکل قریب آ پہنچی تو اُس روز طلوعِ آفتاب کے بعد ہر آنے والے لمحے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اضطراب اور بے قراری میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔

چند لمحوں کے توقّف کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ کو اُونچا کیا تو اُس وقت حق کی ترجمان زبانِ اقدس پر یہ کلمات تھے:

مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ

ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انعام فرمایا۔

تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ دوبارہ اُوپر اٹھایا اور فرمایا:

اللھم فی الرّفیقِ اَلاعلیٰ

بے شک! سب سے اعلیٰ اور بزرگ و برتر رفیق اللہ ذوالجلال والاکرام کا ساتھ ہے۔

سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری بار اپنے بابرکت ہاتھ بلند کیے اور فرمایا:

فی الرفیق الاعلیٰ

اب اور کوئی نہیں، صرف اپنے پروردگار کی رفاقت چاہتا ہوں۔(3)

1۔صحیح بخاری، رقم الحدیث:4449 2۔دلائل النبوۃ للبیھقی:205/7 3۔ایضاً:206/7۔صحیح بخاری:4440-4435

ان کلمات کی ادائیگی کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُوپر اُٹھا ہوا مبارک ہاتھ نیچے کی جانب جھک گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک، پُرانوار اور مقدّس روح اپنے رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کے لیے عالمِ قدس کی جانب روانہ ہوگئی۔

۱۲ ربیع الاوّل کو ہی اس مقدس ہستی، بدرِ کامل، ماہتابِ درخشاں، نیئرِ تاباں اور نورِ حق نما نے اس عالمِ رنگ و بو میں جلوہ نمائی کی تھی۔ وہی ہستئ کامل، سیّد المرسلین، خاتم النّبیین، سرورِ دنیا و دیں، مقصودِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی نبوی ذمّے داریوں کو درجۂ کمال تک پہنچا کر اور اللہ ذُوالجلال والاکرام کا آخری پیغام احسن انداز میں اپنی اُمّت کے سپرد کر کے عالمِ بالا کی جانب رخصت فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ

رنج والم کے اس عظیم سانحے کے بعد مدینہ منورہ غروبِ آفتاب سے قبل ہی شام کا تاریک منظر پیش کر رہا تھا۔ فرقت اور وصال کی اس درد انگیز اور رُوح فرسا گھڑی میں ہر آنکھ اشک بار تھی۔ سارے شہر کی فضا رقت آمیز، آہ وزاری سے معمور اور غمِ جدائی سے بھری ہوئی تھی۔

یہ عظیم المیہ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری بہ روز پیر، دوپہر کے وقت
تاریخ کی پیشانی پر رقم ہوا تھا۔(1)
یہی دن، تاریخ اور وقت تھا کہ جب مکّہ سے ہجرت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے
اس دیار میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔(2)
یثرب کے نام سے موسوم یہ خطۂ زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کے ساتھ ہی مدینۃ النبی،
یعنی شہرِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہلانے لگا تھا اور آج اسی شہرِ مقدس کو خیر باد کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
اُس ارضِ گلزار میں تشریف لے گئے جو روزِ ازل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منتظر تھا۔
اس باوقار سفرِ آخرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارك وسلم

اے پاک پروردگار!
اپنے حبیب خاتم النّبیین رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اپنی رحمتیں،
برکتیں اور فضل و کرم نازل فرما!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل اور اصحاب رضی اللہ عنہم کو بے شمار انعامات اور برکات عطا فرما!
ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں حاضری کا شرف عنایت فرما!

1۔ فتح الباری لابن حجر: 129/8
2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 590/1

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ہمیں سرفراز فرما (آمین)!

تاجدارِ کائنات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر ایک عرب شاعر کے تاثرات

ایک شخص اپنے بھائی کو جب کسی دُکھ میں دیکھتا ہے
تو یہ کہتا ہے کہ
اے میرے عزیز بھائی!
آج جس غم کا تجھے سامنا ہے،
اس پر اپنے آپ کو صبر کے ساتھ ثابت قدم رکھو
اور مضبوط رہو!
اور یہ حقیقت جان لو کہ انسان فانی ہے،
بے شک یہاں سدا رہنے کا اختیار کسی کے پاس نہیں ہے۔
اس لیے باوقار لوگوں کی طرح اوّلین لمحات میں صبر اختیار کرو!
اور جب کبھی کوئی دُکھ یا مصیبت تجھے مغموم اور دل گرفتہ کر دے
تو اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دُکھوں اور صدموں کو یاد کر کے
اپنی تکلیفوں اور غموں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کا راستہ اختیار کرو!

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ اپنے غم کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

مجھے سیّد المرسلین امام النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی پر گہرا رنج ہے۔
یہ دُکھ اتنا بڑا ہے کہ جس قدر بھی اس کا اظہار کریں، وہ بہت ہی کم ہے۔
اس المیے کی شدّت اتنی زیادہ ہے کہ کائنات کا ہر ذی روح رو رہا ہے۔
آج تو آسمان پر فرشتے اور ناموسِ اکبر جبرئیل علیہ السلام بھی روئے ہیں۔
اے میرے وطن کے قابلِ احترام لوگو!
جب ملاقات کے لیے اللہ ذوالجلال والاکرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس
طلب فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بِلا تامل اس دعوت پر لبیک کہا۔(1)

اس دل فگار سانحے پر اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے تاثراتِ غم

اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

1۔ الاکتفاء: 68/2

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی تو ہماری تمام اُمیدوں اور آرزوؤں کا مرکز تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوری انسانیت کے لیے ایک مہربان راہنما تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت سراپا نیکی اور بھلائی تھی۔
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
اس کائنات کی سب سے خوب صورت ہستی کے فراق پر صرف میں ہی
نہیں رو رہی بلکہ یہ تو اتنا بڑا صدمہ ہے کہ آج ہر شخص غم زدہ، دل گرفتہ اور
مغموم نظر آرہا ہے اور یہ سب لوگ اپنے رنج وغم کے اظہار کے لیے اشک فشانی
اور گریہ زاری کر رہے ہیں۔(1)

چچازاد بھائی ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث کے تاثراتِ غم

اُس دکھ بھری رات میں بہتے آنسو، اشکِ ملال اور گریۂ غم،
کچھ بھی ہمارے بس میں نہ تھا۔
جب یہ اطلاع ہم تک پہنچی کہ اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحلت فرما گئے ہیں
تو اس دردناک خبر سے میری نیند اُڑ گئی اور میرے دل کو ایک نہ ختم ہونے والے غم نے گھیر لیا۔
بے شک یہ صدمہ بہت ہی بڑا اور ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ اَلم انگیز رات بڑی
مشکل سے ختم ہوئی۔ دراصل مصیبت زدہ کی رات ہمیشہ بڑی طویل ہوتی ہے۔(2)

بی بی جی سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے تاثراتِ غم

میرے پیارے ابّا جان نے اللہ ذُوالجلال والاکرام کی دعوت پر لبیک کہا
اور جنت الفردوس میں تشریف لے گئے۔
جس نے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضۂ مبارک کی خوشبو سونگھ لی،
پھر عمر بھر اُسے کوئی دوسری خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں۔(3)

روضۂ مبارک پر ایک دیہاتی سردار کی حاضری

السّلام ُعلیکم یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
میں اپنے چہرے کی سیاہیاں، سینے کی ویرانیاں اور گناہوں کا بوجھ لے

1۔ الاکتفاء:65/2 2۔ ایضاً:62/2 3۔ ایضاً

کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے

اللہ ذوالجلال ولاکرام کے دربار میں سفارش کی درخواست کروں گا تا کہ

میرا پروردگار میری بخشش فرمادے لیکن افسوس کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

خدمتِ اقدس میں سلامِ عقیدت پیش کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

پھر اُس نے یہ شعر پڑھے جو روضۂ پاک کے ستون پر بھی لکھے گئے:

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے درمیان تھے تو ساری کائنات پاک ہوگئی تھی

اور ہر جگہ خوشبو ہی خوشبو تھی، پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور میدانوں کے سبزہ زاروں میں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمین کے اندر گئے تو زمین کا اندر بھی پاک ہوگیا اور ہر طرف خوشبو پھیل گئی۔

میری جان اس روضۂ مبارک پر قربان جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آرام

فرما رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جُود و کرم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہی تو ہے جن کی شفاعت کی وجہ سے پلِ صراط

پر ہمارے قدم جمیں گے، ورنہ وہاں پر تو بڑے بڑے منہ کے بل گرا دیئے جائیں گے۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

میرا دامن خالی ہے اور مجھے بس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کا ہی آسرا ہے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت مجھے مل گئی تو میں پل کے اُس پار ہوں گا۔

اگر مجھ گناہ گار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت نہ مل سکی تو میں منہ کے بل گروں گا۔

میرا درود و سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا رہے۔

جب تک ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یاد کرتے رہیں گے،

اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہم پر نازل ہوتی رہیں گی۔

یہ کہہ کر سردار نے اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھا

اور اپنے گھوڑے کی جانب چل دیا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعرِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اے محترمہ سیّدہ آمنہ کے فرزندِ ارجمند!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکرِ خیر بابرکت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک پاک دامن خاتون نے خوش بخت ساعت میں جنم دیا۔

اللہ ذوالجلال والاکرام نے جو عزت و احترام اور مقام و مرتبہ ہمیں عطا فرمایا ہے،

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم !

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارک کی مہربانی اور نوازش سے ہے۔

بے شک !

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک ذات تو نورِ مجسم ہے۔

اُس بے مثل ہستی کے درخشندہ و تابندہ وجودِ مقدس نے تمام روئے زمین کو روشن کر رکھا تھا۔

جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے نور سے رشد و ہدایت حاصل کی اور پھر اُس نے اطاعت گزاری اور فرماں برداری اختیار کی تو وہ یہاں کی رسوائی اور آخرت کی خواری سے بچ گیا۔

جب اللہ کی جانب سے عطا فرمائی گئی عظیم نعمت اور بزرگ و برتر شخصیت ہم سے جدا ہوگئی تو اس الم ناک حادثے کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثاروں کو مدینہ کی آسودہ حال اور سرسبز و شاداب سرزمین اب ویران اور سنسان دکھائی دینے لگی ہے۔

اللہ ذوالجلال والاکرام نے اپنی ساری کائنات میں آج تک ایسی کوئی ہستی پیدا ہی نہیں کی جس نے ایک پست اور جہالت میں ڈوبی ہوئی قوم کو آسمان کی بلندیوں سے ہمکنار کر دیا ہو۔ ہمسایوں کا خیال رکھنے اور کمزوروں کو سہارا دینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

اپنے بے مثال نور سے تمام عالم کو منور کرنے والے اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات عدل و انصاف، رشد و ہدایت اور راہنمائی کا سرچشمہ تھی۔

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کی کوتاہیوں کو درگزر فرمانے والے اور خطاکاروں کی جانب سے پیش کی گئیں طلبِ معافی کی درخواستوں کو منظور فرمانے والے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے زیادہ نیک سیرت، پاک طینت، روشن مقال اور خوش خصال تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے عہد و پیمان اور ذمّے داریوں کو نہایت احسن انداز کے ساتھ ادا فرمانے والے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دریا دلی، فیاضی اور سخاوت میں مقامِ اُولیٰ پر فائز تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسی مہربان اور عنایت فرمانے والی شخصیت تھے،

جو اپنے احسان اور کرم کو جتاتے نہیں تھے۔
بے شک رحلت کی اُس اداس رات نے سراپا ہمدردی، غم خواری، تحمل
اور برداشت کی حامل شخصیت کو ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دیا ہے۔
اس وقت اہلِ مدینہ حزن وملال اور رنج وغم کی کیفیت میں ہیں، اس لیے کہ
ان کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو کہ تمام انبیا کے سردار ہیں، اب اُن کے درمیان
نہیں ہیں، لیکن مدینہ شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابندہ، درخشندہ اور تاابد قائم
رہنے والی یادگاریں موجود ہیں کہ جن کی پہچان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ذات کے
ساتھ وابستہ ہے۔ سب سے پہلے تو مسجدِ نبوی میں وہ جگہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع وسجود
کرتے اور نماز ادا فرماتے تھے، حرمت والی وہ جگہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبر تھا
اور وہ مقدس گھر جس میں اللہ کا نور نازل ہوتا تھا۔
اے میرے بھائی!
میری آنکھوں کو یہ کیا پریشانی لاحق ہوگئی ہے کہ انھیں نیند نہیں آرہی۔
میری آنکھوں کو دُکھ یہ ہے کہ انھیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب نہیں ہورہا۔
وصال والے دن ہمارے بہادر اور مضبوط دِل والے بھی کمزور پڑ گئے تھے۔
رحلت کی افسوس ناک خبر پر اُس دن آسمان رویا، زمین روئی
اور مدینۃ النبی میں موجود ہر شخص رویا۔
اللہ ذوالجلال والاکرام کی قسم!
اب میری جتنی بھی زندگی باقی ہے، اس تمام عرصے کے دوران بڑی
بے تابی اور بے قراری کے ساتھ میری آنکھوں سے آنسو چھلکتے رہیں گے۔
بزرگ وبرتر ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے
اور اس شہرِ مقدس پر بھی اپنی برکتیں نازل فرمائے جس میں ایک عظیم ترین
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، راہبر و راہنما اور راست گو شخصیت کا روضۂ مبارک ہے۔
اس کائنات کے خالق ومالک: اللہ ذُوالجلال والاکرام اس کے اطاعت
گزار اور عبادت گزار فرشتے اور اللہ کے نیک اور پاک باز بندے پورے
خلوص اور محبت کے ساتھ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجتے ہیں۔(1)

1۔ الاکتفاء: 74/2

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ؕ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ؕ

جنتیں جس کے روضے سے لوٹیں بہار
چاند سورج تصدّق ہوں لیل و نہار
دیکھنے کو کوئی جس کے ہو بے قرار
آئیں جبرئیل جس کے لیے بار بار
اُس پہ بے حد درود اُس پہ بے حد سلام

جس کی عظمت کے صدقے وقارِ حرم
جس کی زلفوں پہ قربان بہارِ حرم
نوشۂ بزمِ پروردگارِ حرم
شہریارِ ارم تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

میرے آقا و مولا پہ دائم درود
سب کے ملجاء و ماویٰ پہ دائم درود
نورِ عرشِ معلّیٰ پہ دائم درود
شبِ اسرا کے دولہا پہ دائم درود
نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

اظہارِ عقیدت ومحبّت

جتنے تارے ہیں اُس چرخِ ذیجاہ کے
جس قدر ماہ پارے ہیں اُس ماہ کے
جانشین ہیں جو مردِ حق آگاہ کے
اور جتنے ہیں شہزادے اُس شاہ کے
اُن سب اہلِ مکانت پہ لاکھوں سلام

حبیب خالقِ اکبر رسُولِ اعظم و آخر
کہ جس نے عشق کو بخشا شعورِ ذات کا عرفاں

نہیں ہے عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کے ان میں کوئی
جو نعمتیں بھی ملی ہیں میرے خدا سے مجھے

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ربیع

مدینہ منورہ میں آباد خاندانِ بنو حارث سے تعلّق رکھنے والے ایک سعید نوجوان حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو بیعتِ عقبہ کے روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی قوم کا نقیب مقرر فرمایا تھا۔ ہجرت کے بعد اُخوّت کے بابرکت عمل میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھائی قرار پانے والے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بڑے صاحبِ ثروت، دریا دِل اور صاحبِ ادراک صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔(1)

قبیلۂ خزرج کے یہ ممتاز سردار اپنی فہم و فراست اور حکمت و دانائی، مدّبرانہ دوراندیشی اور رازداری کی اعلیٰ ترین صلاحیت کی وجہ سے سرورِ کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلسِ مشاورت کے سب سے اہم رکن بھی سمجھے جاتے تھے۔ قریش کی جانب سے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے ارادے سے متعلّق حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خط ملنے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے پہلے باہمی مشاورت اور تبادلۂ خیال کے لیے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے تھے۔(2)

بے شمار صفات کے مالک، نڈر اور بے باک حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جنگِ بدر میں بے مثال جرأت اور جواں مردی سے کفّارِ مکّہ کا مقابلہ کیا اور اب جنگِ اُحد میں بھی اُن کی طرف سے دِلیری اور دِلاوری کے کارنامے دیکھنے میں آرہے تھے۔ وہ بڑی ثابت قدمی، بے جگری اور جاں بازی کا مظاہرہ کررہے تھے اور اس وقت تک اُن کو نیزے، تیر اور تلوار کے درجنوں زخم آچکے تھے جن میں سے کئی زخم بہت شدید تھے۔ اُن کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خون میں نہائے ہوئے ہیں۔ بالآخر زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ نڈھال ہو کر گر پڑے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کوئی مجاہد جائے اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خبر لائے کہ
میرے وہ عزیز رفیق کس حال میں ہیں؟
کیوں کہ جب میں نے اپنے اس بہادر فداکار کو آخری بار دیکھا تھا
تو اُن پر نیزوں کے ساتھ ساتھ تیروں اور تلواروں سے بھی حملے کیے
جارہے تھے۔
اُن سے ملاقات ہو جائے تو انھیں میرا اسلام کہیں
اور کہیں کہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کی خیریت دریافت فرمائی ہے

1۔ معرفۃ الصحابہ ابی نعیم: 1248/3
2۔ کتاب المغازی للواقدی: 204/1

کہ اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟

چناں چہ اُس عالی مرتبت مجاہد کی تلاش میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے۔ اُنھوں نے پہلے تو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو شہیدوں کے درمیان تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ مردِ مجاہد نظر نہ آئے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آواز میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغامِ اقدس اُن تک پہنچانے کی کوشش شروع کردی:

اے سعد رضی اللہ عنہ!

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور آپ کی خیریت دریافت فرمائی ہے۔

میرے بھائی!

اگر آپ سن رہے ہیں تو مجھے جواب دیں کہ اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر اُس وقت نزع کی حالت طاری تھی اور وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ جیسے ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آئے ہوئے پیغام کی آواز اُن کے کان میں پڑی تو اُس سچے عاشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی مشکل سے اپنی ہمت کو اکٹھا کیا اور انتہائی دھیمی آواز میں بولے:

اے ابنِ کعب رضی اللہ عنہ!

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟

ابنِ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت سے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

مجھے تیر، تلوار اور نیزوں کے بے شمار زخم آئے ہیں۔

ایسے لگتا ہے کہ یہ سعد رضی اللہ عنہ کی آخری سانسیں ہیں۔

شاید اب میں چند ہی گھڑیوں کا مہمان ہوں

اور میرا اپنے خالقِ حقیقی کے پاس جانے کا وقت آ گیا ہے۔

اے ابنِ کعب رضی اللہ عنہ!

بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک جاں نثار غلام کا ہدیۂ سلام پیش کرنا

اور میری جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں

یہ بات بھی عرض کرنا کہ

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میں اس وقت جنت کی خوشبو کو اپنے قریب محسوس کر رہا ہوں۔
حقِ باری تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی نبی علیہ السلام کو اُن کی اُمت کی جانب
سے دی گئی قربانیوں اور اخلاص کی وجہ سے جو جزائے خیر عطا فرمائی جاتی ہے،
ہم بارگاہِ ربُّ العزت میں دُعا گو ہیں کہ تمام نبیوں سے زیادہ اللہ ذُوالجلال والاکرام
ہماری اور تمام اُمت کی طرف سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
بہترین ثواب اور افضل ترین اجرِعظیم عطا فرمائے (آمین)!(1)

اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف سیدھے راستے کی جانب بڑے خوب صورت الفاظ اور بہترین انداز میں ہماری راہنمائی فرمائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کی ادائیگی کے دوران کسی بھی نبی علیہ السلام سے زیادہ دُکھ، درد اور تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

اے ابنِ کعب رضی اللہ عنہ!
میری قوم سے تعلّق رکھنے والے میرے ساتھیوں، دوستوں
اور میرے خاندان کے تمام افراد کو میرا سلام کہنا اور انھیں میرا یہ
پیغام بھی پہنچانا کہ اگر حریف فوج میں سے کوئی بد بخت تکلیف پہنچانے
کی نیّت سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچنے کی کوشش کرے
یا آپ لوگوں کو خدانخواستہ صاحبِ جلالت وعظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
عزت وحرمت اور وجاہت ومنزلت میں کسی بھی سبب سے کسی بے ادبی کا اندیشہ
محسوس ہو تو اُس وقت اگر آپ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت میں
اپنی جانیں فدا کرنے میں کسی سُستی کا مظاہرہ کیا تو روزِ حساب اللہ ربّ العزت کے
نزدیک تمھاری طرف سے دی گئی کسی بھی دلیل اور حجت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔
اے میری قوم!
اپنی زندگی کے تمام معاملات میں ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہنا
اور اس بات کو ہر وقت یاد رکھنا کہ ہم نے بیعتِ عقبہ میں اللہ کے برگزیدہ پیغمبر
اور نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک عہدِ وفا باندھنے کے ساتھ یہ حلف بھی اُٹھایا تھا کہ
اگر کبھی کوئی ابتلاء یا امتحان کا وقت آ گیا تو ہم لوگ بِلا تامل اپنی جانیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر قربان کر دیں گے۔

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 2/95-94

اے میری قوم کے بہادرو!
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں میں اپنی جانوں کے تحفے پیش کر کے
اپنے کیے ہوئے وعدوں کو ہر حال میں پورا کرنا۔

ان ایمان افروز الفاظ کے ساتھ ہی جامِ شہادت نوش کرنے والے اطاعت گزار خادم اور شہیدِ وفا کی روح اپنے خالقِ حقیقی سے ملاقات کرنے عالمِ بالا کی جانب پرواز کرگئی۔(1)

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

اپنے عاجز غلاموں کا سینے سلام
بے نوا تشنۂ کاموں کا سینے سلام
خاتم الانبیاء ہو سلام آپ پر
یا رسُولِ خدا ہو سلام آپ پر

ملاقات کے بعد ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا سلامِ عقیدت اور اُن کی گزارشات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیں

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار کے لیے بڑی دردمندی، غم گساری اور رِقّت آمیز لہجے میں یہ دعا فرمائی:
اے ربُّ العزت!
آپ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے راضی ہو جائیے! اُس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیے
اور میرے اس خدمت گزار کو شرفِ ملاقات عطا فرمائیے (آمین)!
اس لیے کہ زندگی کی گہما گہمی ہو یا اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے کا وقت ہو،
ہر حالت میں اُس نے اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت،
تعظیم و تکریم، خیر خواہی و جاں نثاری اور بیعتِ عقبہ پر وفاداری کا حق ادا کر دیا ہے۔(2)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے فرمائے گئے ان مبارک الفاظ کے ساتھ ہی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ اُن خوش قسمت ترین لوگوں میں شامل ہو گئے جن کے لیے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی دُعا فرمائی۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ اسی دوران ایک چھوٹی عمر کی بچی بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اُس کا استقبال کیا، بڑی مہربانی اور شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اُس کی دل جوئی کے لیے اپنی چادر زمین پر بچھا دی۔

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 78-79/3
2۔السیرۃ الجلیلہ: 334/2

اس شخص نے دریافت کیا:

یا امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ آپ کی بیٹی ہے؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ میرے صاحبِ عظمت وفراست اور صاحبِ قدر و منزلت بھائی سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔

مدّبرانہ دور اندیشی کے مالک اور فدائیت اور جاں نثاری میں بے نظیر حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عظیم الشان مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے۔(1)

رسُولِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ جمیل سے اپنی روح کو منزّہ اور دل کو منوّر کرنے والے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعتِ عقبہ کی شب اپنی قوم کا نقیب مقرر فرمایا تھا۔

نیکی اور بھلائی کے پیکر حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا شمار اُمتِ مسلمہ کے اُن معزز اور محترم افراد میں ہوتا ہے جن کے دِلوں میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ونفسِ اطہر کے لیے عشق کی شمع روشن تھی اور جنھوں نے اُحد کے دن آقائے نامدار تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑے والہانہ اور سرفروشانہ انداز میں محافظت کرتے ہوئے اپنی جانیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کر دیں تھیں۔

رحمتِ دوعالم خیرِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دی اور یہ اعزاز دوبارہ عطا فرمایا کہ جب روزِ حساب ہوگا تو اُس وقت بھی سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ ہی میرے نقیب ہوں گے۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

1۔السیرۃ الحلبیہ :334/2

حضرت وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس

جنگِ اُحد سے کچھ دن پہلے مزنیہ قبیلے سے تعلّق رکھنے والے حضرت وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس تجارت کے سلسلے میں مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ جب واپس پہنچے تو آدھے سے زیادہ شہر خالی نظر آیا۔ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ اُنھوں نے کسی سے پوچھا کہ:

یہ سب لوگ کہاں گئے ہیں؟

تو اُس نے بتایا کہ:

حملہ آور قریش کی فوجوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اہلِ اسلام کا لشکر
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بابرکت قیادت میں اُحد کے میدانِ جنگ میں پہنچ گیا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی حضرت وہب رضی اللہ عنہ بڑی تیزی کے ساتھ مقامِ جنگ پر پہنچے، نہایت ادب و احترام کے ساتھ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلامِ عقیدت پیش کیا اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی۔ وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اپنے دل میں جو بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے، یقیناً آج اس کے اظہار کا موقع آ گیا تھا۔

جنگ کے آغاز میں ہی مجاہدینِ اسلام نے زبردست دباؤ کے بعد کفّار کے لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا لیکن دوپہر کے بعد خالد بن ولید نے جب لشکرِ اسلام پر عقب سے حملہ کر دیا تو میدانِ جنگ کی صورتِ حال یک دم تبدیل ہو گئی۔ صف بندی ٹوٹ جانے سے مجاہدینِ اسلام انتشار کا شکار ہو کر بکھر گئے۔ ان نازک ترین لمحات میں کہ جب دفاعی صورتِ حال انتہائی گھمبیر نظر آ رہی تھی اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اردگرد موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بھی انتہائی کم رہ گئی تھی، کفّار نے ان حالات کو اپنے حق میں نتیجہ خیز بنانے کے لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پوری شدّت کے ساتھ یلغار کر دی۔ حملہ آور لمحہ بہ لمحہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب تر پہنچنے کی جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔

مشرکینِ مکّہ کو اتنا قریب دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

کون ہے
جو اِن بدبخت کافروں کو آگے بڑھنے سے روک دے؟

آزمائش کی اس گھڑی میں حضرت وہب رضی اللہ عنہ بِلا تامل اُٹھے اور استدعا کی:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس خدمت کا موقع مجھے عنایت فرمایا جائے۔

اجازت ملتے ہی اس جانباز نے بہت قریب پہنچ جانے والے ان کافروں پر تیروں کی بارش کر دی اور زوردار مقابلہ کرتے ہوئے دشمنانِ اسلام کی اس جماعت کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس مقابلے کے اگلے ہی لمحے ایک گھڑ سوار دستہ حملے کی نیت سے آگے آتا نظر آیا تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کون ہے

جو اِن روسیاہ لوگوں کو ہمارے قریب آنے سے روک دے؟

اس حکم پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے فرماں بردار حضرت وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس فوراً آگے بڑھے اور حملہ آوروں کے مقابل ڈٹ گئے اور اس زور دار انداز میں مقابلہ کیا کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد بھی مشرکینِ مکّہ کا ایک اور گروہ یلغار کرتا ہوا آگے بڑھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا:

کون ہے

جو اِن سرکش اور بے آبرو لوگوں کا مقابلہ کرے؟

اس مرتبہ بھی حضرت وہب رضی اللہ عنہ کی آواز فضا میں بلند ہوئی۔

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان!

میں ان ناہنجار لوگوں کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں!

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہب رضی اللہ عنہ خوش ہو جاؤ!

تمھارے لیے جنّت کی خوش خبری ہے۔

بشارت کی اس خبر سے سرشار ہو کر یہ مجاہد بڑی بے خودی اور شیفتگی کے عالم میں یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے:

اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!

میں نے جو عہد اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا تھا،

آج اُس عہد کے پورا کرنے کا دن آ گیا ہے۔

اِس سر کو اُن کے در پر کٹا کر رہوں گا

یہ آرزو ہے اس دِلِ پُر اضطراب میں

اُٹھوں گا عاشقانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب
لکھا گیا ہے میری شفاعت کے باب میں

اس کے بعد اُنھوں نے اپنی چمکتی دمکتی تلوار کو ہوا میں لہرایا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے دشمنانِ اسلام پر جھپٹ پڑے۔ وہ ایک حیرت انگیز منظر تھا جب وہ دشمنوں سے لڑتے اور انھیں دھکیلتے ہوئے دُور تک ان کی صفوں کے اندر گھس گئے تو لشکرِ اسلام میں شامل ہر مجاہد اُن کی اِس جرأت اور بہادری کو دیکھ کر عش عش کر اُٹھا اور خود سالارِ اعظم اللہ کے حبیب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس عاشقِ صادق کے لیے خصوصی دُعا فرمائی:

اے خدائے ذُوالجلال والاکرام!

میرے اس جاں نثار پر رحم فرما!

اللہ کا یہ سپاہی اس دوبدو جنگ میں نہایت پامردی کے ساتھ ایمانی جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کرتا رہا، یہاں تک کہ اس خوں ریز جنگ میں انھیں تیروں اور تلواروں کے بے شمار زخم آئے اور بالآخر وہ نڈھال ہو کر گرے اور شہادت کے عظیم مرتبے اور بلند مقام پر فائز ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی
کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اُس نے پایا انھی کے جگر میں

حضرت وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس کی شہادت کے بعد بزدل دشمنوں نے ان کا اِس بری طرح مثلہ کیا کہ قریب سے بھی اُن کی شکل وصورت کو پہچاننا مشکل ہو رہا تھا لیکن اس عظیم مجاہد کو جب لحد میں اُتارا جا رہا تھا تو اس دوران رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفسِ نفیس وہاں موجود تھے اور غم و اندوہ کی کیفیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے جسدِ خاکی کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:

اے وہب رضی اللہ عنہ! میں تم سے راضی ہوں اور اللہ ربّ العزت
سے دعا گو ہوں کہ وہ تم سے راضی ہو جائے!

حضرت وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس کی اُس دن کی کارکردگی پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے آج تک کسی بہادر کو میدانِ کارزار میں وہب رضی اللہ عنہ جیسی دلاوری، ثابت قدمی اور والہانہ فدائیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جیسی بہادری ہمارے اس دلیر ساتھی نے اُحد کے دن دکھائی تھی۔ میرے کانوں میں اُن مقدّس کلمات کی صدا آج بھی گونج رہی ہے جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی زبانِ مبارک سے حضرت وہب رضی اللہ عنہ کو جنّت کی بشارت دے رہے تھے۔

اس فدائے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے آج تک جتنے بھی سرفروشانِ عقیدت ومحبت کو شہادت کا درجہ حاصل کرتے دیکھا ہے، اُن سب شہادتوں میں سے ہمارے قابلِ احترام بھائی وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس کی شہادت سب سے زیادہ مہتم بالشّان اور لائقِ تحسین ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کے اس روشن چراغ، نڈر اور بے باک مجاہد کی اُس دن کی شان دار کارگزاری، بے مثال جاں نثاری اور باوقار شہادت کو میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گا، کیوں کہ یہ عدیم النظیر مناظر میری زندگی کے یادگار لمحات کا حصہ بن چکے ہیں۔ میری تمنّا ہے کہ میری کتابِ اعمال بھی وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس جیسی ہو اور جب روزِ شمار آئے تو میری کتابِ حساب میں بھی وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس جیسے قابلِ رشک اعمال درج ہوں! (آمین) (1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

ہزار خانۂ دل میں ہے روشنی کا ہجوم
چراغِ عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تو کچھ بھی نہیں

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/75-274

حضرت اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا

قبیلۂ خزرج کے خاندان ''بنی مازن'' سے تعلّق رکھنے والی ایک قابلِ احترام خاتون نسیبہ رضی اللہ عنہا بنت کعب، جن کی کنیت اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا تھی، وہ اپنے خاوند زید رضی اللہ عنہ بن عاصم کے ساتھ اُن تہتر خوش نصیب افراد میں شامل تھیں جو عقبہ کی رات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بیعت کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دینے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ اس نیک خصلت اور روشن دل خاندان نے اُس وقت اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا جب اسلام کا نام لینا بھی پریشانیوں اور مصیبتوں کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔(1)

یہ صاحبِ ایمان، فطرتاً بہادر اور ہمت کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرنے والی خاتون اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا غزوۂ اُحد کے روز صبح ہی سے لشکرِ اسلام میں شامل مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمی مسلمانوں کی مرہم پٹی کرنے کی ذمّے داری کو بڑے احسن انداز میں نبھا رہی تھیں، جب کہ اُن کے شوہر زید رضی اللہ عنہ بن عاصم اور دونوں بیٹے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دے رہے تھے۔

ہر لمحہ گزرنے کے ساتھ جنگ کے نتائج مکمل طور پر مسلمانوں کے حق میں آتے جا رہے تھے لیکن دو پہر کے بعد جب خالد بن ولید نے اُحد کے عقب سے اسلامی لشکر پر حملہ کیا تو جنگ کی صورتِ حال میں یک دَم تبدیلی آ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے لشکرِ اسلام دونوں طرف سے مشرکینِ مکّہ کے گھیرے میں آ گیا، جس کے نتیجے میں صف بندی ٹوٹ گئی۔ لشکرِ کفّار میں شامل جنگ جُو، یہ دیکھ کر کہ اسلامی مورچوں میں ہر طرف انتشار، ابتری اور افراتفری کا عالم ہے، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہونے کے لیے ہر جانب سے آگے بڑھنے لگے۔ اسلامی محاذ کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے پانی کے مشکیزے کو ایک طرف پھینکا اور اپنی تلوار کو بے نیام کر کے بڑی تیزی کے ساتھ اُن بلند حوصلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی چھوٹی سی جماعت میں شامل ہو گئیں جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حصار میں لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافظت میں جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔

اُس پُرعزم اور باہمت خاتون نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کا فرض ادا کرتے ہوئے نہایت بہادری، بے جگری اور پامردی کے ساتھ رسوائے زمانہ کافر ابنِ قمیہ کا مقابلہ کیا، تاکہ وہ بدبخت اپنے مذموم ارادوں کو پورا کرنے کے لیے مزید آگے نہ بڑھ سکے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوبدو لڑائی کے دوران خاتونِ اُحد کا اپنا کندھا بھی زخمی ہو گیا۔ ایک بزدل اور ناہنجار مشرک نے اُن پر تلوار سے وار کرنے کی کوشش کی۔ شیر دل اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے اُس کے شدید وار کو اپنی ڈھال پر روکا اور پھر پوری ہمت

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 303/8

کے ساتھ اپنی تلوار سے جوابی وار کیا جس سے اس کے گھوڑے کی ٹانگ کٹ گئی اور وہ سرکش حملہ آور مع اپنے گھوڑے کے زمین پر آ گرا۔

اُس وقت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے فرزند سے فرمایا:

اے عبداللہ رضی اللہ عنہ!

جلدی سے اپنی والدۂ محترمہ کی مدد کو پہنچو!

عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی ماں جی کی مدد کے لیے آگے بڑھے لیکن وہ کافر میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو خبر ملی کہ اُن کا دوسرا بیٹا بھی زخمی ہو گیا ہے تو وہ بڑی تیزی کے ساتھ وہاں پہنچیں، جلدی سے اُس کے زخم کو باندھ دیا اور کہا:

میرے پیارے بیٹے! جلدی سے اُٹھو اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دفاع کے لیے

اپنی زندگی کے آخری سانس تک دشمن کے ساتھ جنگ کرو!

اُس دن کی لڑائی میں خود اُس عالی مرتبہ خاتون کو تیرہ زخم آئے تھے اور کندھے کا زخم تو اتنا شدید تھا کہ اُس کا علاج سال بھر جاری رہا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی اُس دن کی تابناک کارگزاری، جاں نثاری اور سرفروشی کو دیکھ کر فرمایا:

اے اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا!

کون ہے جو تجھ جیسا حوصلہ، ہمت اور طاقت رکھتا ہو۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے حوصلہ افزائی کے اس انداز کو دیکھ کر اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ درخواست پیش کر دی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہمارے لیے دُعا فرمایئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں بھی ہمیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت گزاری، فرماں برداری اور قربت کا شرف عطا فرمائے (آمین)!

شفیق ومہربان، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کاروانِ اسلام کے اس مجاہد خاندان کے حق میں یہ دُعا فرمائی:

یا ربُّ العالمین!

اس حوصلہ مند اور سعادت مند گھرانے کو جنت میں

میری رفاقت عطا فرما!

یہ مبارک کلمات سن کر اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو بے پایاں مسرت کا احساس ہوا اور بے اختیار اُنھوں نے یہ الفاظ کہے:

اتنی بڑی نعمت عطا ہو جانے کے بعد اب میرے نزدیک کسی

بڑے سے بڑے دُکھ، پریشانی یا مصیبت کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔(1)

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک دن اُن کی خدمت میں کثیر مقدار میں بھیجے گئے مالِ غنیمت کے ساتھ بہت سی نفیس اور عمدہ چادریں بھی شامل تھیں۔ اُن میں ایک چادر تو بہت زیادہ قیمتی تھی۔

وہاں پر موجود ایک شخص نے کہا:

یا امیر المومنین!

آپ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔

یہ بہت اچھی بات ہوگی

اگر آپ رضی اللہ عنہ یہ قیمتی چادر اُس کی نفاست پسند بیوی صفیہ بنتِ عبید کو تحفتاً عطا فرمادیں۔

اس بات کو سن کر امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!

میں صفیہ رضی اللہ عنہا کے مقابلے میں اس قیمتی چادر کے تحفے کے لائق

اپنی لائقِ تعظیم بہن اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو سمجھتا ہوں۔

اس لیے کہ جنگِ اُحد میں دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹ جانے والی ہماری

اس بہن کی ملتِ اسلامیہ میں قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ بہت بلند ہے،

کیوں کہ ابتلا اور آزمائش کی اُس گھڑی میں اس عظیم خاتون کی غیر معمولی

جاں نثاری، سرفروشی اور مجاہدانہ کارگزاری کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے تحسین آمیز کلمات ارشاد فرماتے ہوئے میں سن چکا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

اُحد کے دن میدانِ کارزار میں، جب ہمیں دِقت طلب اور تکلیف دہ

حالات کا سامنا تھا، اُس وقت میں جب بھی اپنے دائیں یا بائیں،

جس طرف بھی نظر اُٹھا کر دیکھتا تو نسیبہ رضی اللہ عنہا بنتِ کعب بڑی ثابت قدمی

اور بہادری کے ساتھ میرا دفاع کرتے اور دشمنوں سے لڑتے ہوئے

مجھے سب سے آگے نظر آتی تھیں۔

چناں چہ اس محترم، مکرم اور برگزیدہ ہستی کی خدمت میں تحفہ پیش کرنے کے لیے خود امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور اُس قیمتی چادر کا تحفہ پیش کرتے

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 8/5-304۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/271

ہوئے فرمایا:

اے میری محترم بہن!

اتنی قیمتی چادر کا تحفہ صرف ''خاتونِ اُحد'' ہی کے لیے زیبا ہے جس نے اُحد
کے دن کمال شجاعت، استقامت اور دِلاوری کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی تھی۔ اُن خدمات کا اعتراف کرنے کے لیے
ہم سب آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔
ہماری درخواست ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ یہ تحفہ قبول فرما کر ہماری عزت افزائی فرمائیں!(1)

ہماری دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُس قابلِ احترام اور قابلِ تقلید صحابیہ رضی اللہ عنہا پر اپنی کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے (آمین)!

سبحان اللہ العظیم

عاشقانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے دل کی صدا
سبز گنبد کے سائے میں گھر چاہیے
ہاتھ اُٹھتے ہی بر آئے ہر مُدعا
وہ دُعاؤں میں میری اثر چاہیے

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 271/1

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

وحی کے نزول کے پہلے ہی ہفتے میں اسلام قبول کر کے قافلۂ ایمان میں شامل ہونے اور عشرہ مبشرہ میں شمار کیے جانے کا شرف اور اعزاز حاصل کرنے والے خوش نصیب سیّدنا حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بن عثمان: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے شوق اور رغبت دلانے سے مکّہ کے اس حسین نوجوان نے صرف سولہ سال کی عمر میں کاروانِ اسلام میں شامل ہونے کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے اسلام قبول کرنے پر بڑی مسرّت کا اظہار فرمایا۔ عملی زندگی میں اپنے اہل و عیال کا خیال رکھنے، بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اس لحاظ سے بھی بڑے خوش نصیب تھے کہ انھیں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ''طلحہ الخیر'' اور ''طلحہ الفیاض'' جیسے معزز القاب بھی عطا فرمائے گئے تھے۔

اسلام لانے کے بعد اُن کی والدۂ محترمہ صعبہ بنت الحضرمی کے اشتعال دلانے پر خاندان کے تمام افراد اُن کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آنے لگے۔ ایک روز قبیلے والوں نے اُن کے دونوں ہاتھوں کو کمر کے پیچھے رسیوں سے باندھ کر خوب مارا، تاکہ وہ اپنے آباء و اجداد کے مذہب کو دوبارہ اختیار کر لیں لیکن عالی ہمت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اس ظلم اور زیادتی کو بڑی جرأت، حوصلے اور استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ سخت ترین آزمائش کی اس گھڑی میں بھی وہ پورے جوش اور ولولے کے ساتھ اسلام پر قائم دائم اور ثابت قدم رہے۔

اعلانِ نبوت کے چند روز بعد ہی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرنے والے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد کے وقت تقریباً بتیس سال کے ہو چکے تھے۔ اس حوصلہ مند نوجوان نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک پر جو بیعت کی تھی اور جو عہدِ وفا باندھا تھا، الحمد للہ اُحد کے دن وہ اس امتحان پر پورے اُترے اور اپنے عہد کا حق ادا کرنے میں کامیاب رہے۔

غزوۂ اُحد کے اُس نازک مرحلے پر، جب خالد بن ولید کے عقب سے کیے گئے حملے کی وجہ سے جنگ نہایت شدت اور ہولناک سختی کے ساتھ دوبارہ شروع ہو گئی تو مجاہدینِ اسلام اپنی صف بندی کی ترتیب کو قائم نہ رکھ سکے اور افراتفری کا شکار ہو کر بکھر گئے۔ لشکرِ اسلام کی کمزور صورتِ حال سے فائدہ اُٹھا کر دشمن نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب پہنچنے کے لیے ہر طرف سے زوردار حملے شروع کر دیئے۔ دشمنوں کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روکنے کے لیے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اُس روز ایک سچے اور وفادار غلام کی حیثیت سے اپنی ذمّے داری کو پوری طرح سے نبھانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور بڑی جرأت مندی اور جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دشمنوں کے درمیان ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے۔

جنگ کے دوران جناب طلحہ رضی اللہ عنہ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں اور پتھروں کو اپنے جسم پر روکتے رہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت میں سربکف ہو کر آگے پیچھے، دائیں بائیں چاروں طرف نظر رکھے ہوئے تھے اور سرفروشانہ عقیدت ومحبت اور والہانہ فداکاری کے جذبے کے ساتھ حملہ آوروں کے خلاف نبرد آزما تھے۔ گھمسان کی اس جنگ کے دوران لشکرِ کفّار کے تیر انداز نہایت قریب آ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو ہدف بنانے کی کوشش کر رہے تھے، جب کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بڑی تیزی کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب آنے والے تیروں کو اپنے ہاتھوں سے روک رہے تھے جس سے اُن کا ایک ہاتھ اتنا شدید زخمی ہوا کہ بالآخر بیکار ہو گیا۔(1)

سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اُحد کی جنگ کے نازک ترین لمحات میں جب لشکرِ اسلام افراتفری کا شکار ہو کر بکھر گیا تھا تو سب سے پہلے میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لوٹ کر آیا تو مجھے مخاطب کر کے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ابوبکر رضی اللہ عنہ! اپنے چچازاد بھائی طلحہ رضی اللہ عنہ کو سنبھالو!(2)

اس وقت تک مضبوط اعصاب کے مالک اور صبر وثبات کے پیکر سیّدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا سارا جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا لیکن وہ حفاظت کا حق ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ نقاہت محسوس کرنے لگے تھے اور اب تو اُن کے لیے کھڑا ہونا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ ان تمام مشکلات کے باوجود جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چٹان پر چڑھنے میں دِقت محسوس ہوئی تو اطاعت شعار اور فرماں بردار طلحہ رضی اللہ عنہ فوراً نیچے بیٹھ گئے اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر اُٹھا لیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چٹان پر پہنچنے کے بعد اپنے ارادت مند غلام کی آج کی خدمت گزاری کو سراہتے ہوئے بڑی شفقت سے فرمایا:

طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے جنت واجب ہو گئی ہے۔(3)

جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کے زخموں سے خون بہت زیادہ بہہ رہا تھا اور ہر لمحے اُن کی نقاہت بڑھتی جا رہی تھی۔ بالآخر وہ خود کو سنبھال نہ سکے اور نیم بے ہوشی کے عالم میں نیچے گر گئے لیکن اس کے باوجود یہ فدائے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اتنے زیادہ فکرمند تھے کہ جب چہرے پر پانی چھڑک کر انھیں ہوش میں لایا گیا تو اُنھوں نے سب سے پہلے یہ پوچھا:

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 3724
2۔ کتاب المغازی للواقدی: 247/1
3۔ سنن ترمذی۔ رقم الحدیث: 1692۔ اسنادہ حسن عند الالبانی

ما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے انھیں بتایا کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل خیریت اور عافیت سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے ہی مجھے تمھاری خبر گیری اور طلبِ خیریت کے لیے بھیجا ہے۔

جب یہ بابرکت الفاظ زخموں سے نڈھال اُس عاشقِ صادق نے سنے تو اپنی ساری تکلیف بھول کر مطمئن ہو گئے اور بولے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

ہر دُکھ اور پریشانی کے بعد آسانی اور راحت کے لمحات بھی آتے ہیں۔(1)

اُس صورت نوں میں جان آکھاں
جان آکھاں کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی میں شان آکھاں
جس شان تو شاناں سب بنیاں

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی اُس دن کی تابندہ و رخشندہ کارکردگی کو سراہتے ہوئے فرمایا:

جو شخص کسی زندہ شہید کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہو
تو اُس کو چاہیے کہ وہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔(2)

مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طلحہ رضی اللہ عنہ: خیر اور بھلائی کا دوسرا نام ہے۔

اُحد کے دن اُنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو سچا کر دکھایا۔ اُس روز کی خدمت گزاری، جاں نثاری اور کارگزاری کے صلے میں اُن کے ساتھی بھی ہمیشہ انھیں پیار سے ''صاحبِ اُحد'' کے لقب سے یاد کرتے۔

فاتحِ ایران سیّدنا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد کے معرکے میں جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان دار

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 255/1
2۔ سنن ترمذی۔ رقم الحدیث: 3739

کارکردگی پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

گھمسان کی جنگ کے دوران جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جانیں نچھاور کر رہے تھے، اُس دن جان کی بازی لگانے، جرأت، شجاعت اور دِلاوری میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اپنے سب ساتھیوں پر سبقت لے گئے تھے۔ جنگ کے ہول ناک لمحات میں کئی صحابہ رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے آگے جاتے تھے اور پھر لشکرِ کفّار کے زبردست دباؤ کی وجہ سے پیچھے آجاتے تھے لیکن عالی ہمت، حوصلہ منداور صبر و استقلال کی دولت سے مالا مال ہمارے محترم بھائی جناب طلحہ رضی اللہ عنہ جنگ کے آغاز سے لے کر اختتام تک پوری وارفتگی اور شیفتگی کے عالم میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جنگ کے خون ریز لمحات میں جب کافروں کی فوج کا ایک جتھا حملہ آور ہونے کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب بڑھا تو اُن کو روکنے کے لیے میں اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ایک زبردست مقابلے کے بعد بالآخر اُن دشمنانِ دین کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ بالکل اُنھی لمحات میں سر پر موت کا نشان یعنی سرخ پٹی باندھے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کافروں کی ایک دُوسری جماعت کے ساتھ مقابلے میں مصروف تھے۔ اس دوران تیروں کی بارش برساتا ہوا کافروں کا ایک گروہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب بڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس بدبخت جتھے کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے کمال مہارت سے پسپا کر دیا۔ اس نازک موقعے پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اکیلے ہی چاروں طرف سے حملہ آور مشرکوں کی تلواروں کا مقابلہ بڑی بے جگری سے کر رہے تھے۔ وہ اتنا جم کر لڑے کہ بالآخر دشمنوں کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب رہے۔(1)

جنگ کے بعد ایک مجلس میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُحد میں جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان دار کارکردگی کو سراہتے ہوئے فرمایا:

جنگِ اُحد کا دن تو مکمل طور پر طلحہ کے نام رہا تھا۔(2)

روشن دل، صاحبِ فراست اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسِ مشاورت کے اہم رکن حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی قابلِ احترام زندگی، بے مثال جدوجہد اور لازوال کارنامے تا قیامت جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 256/1
2۔ سبل الھدی والرشاد: 199/4

مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جس کی خوشبو سے رستے مہکنے لگیں
جس پہ جی جان کونین صدقے کریں
عطر کی جا عرق جس کا حوریں ملیں
جس کے جلوئے سے مرجھائی کلیاں کھلیں
اُس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

تاریخِ اسلام میں اعلیٰ و ارفع مقام ومرتبہ حاصل کرنے والے زید رضی اللہ عنہ بن سہل، جن کی کنیت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھی، انصار کے قبیلے بنونجار کے خاندان عمرو بن مالک سے تعلّق رکھتے تھے اور نہایت فیاض، مہمان نواز، نڈر اور بے باک شخصیت کے مالک تھے۔ مدینہ منورہ کے اس مشہور شہسوار اور ماہر تیر انداز کو بیعتِ عقبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کا نقیب مقرر فرمایا تھا۔ ولولوں اور جذبوں سے بھرپور یہ عظیم المرتبت شخصیت اُن چمکتے دمکتے روشن ستاروں کی فہرست میں شامل تھی جنھیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانہ بشانہ جنگِ بدر میں حصّہ لینے کا شرف اور اعزاز حاصل ہوا تھا۔(1)

یومِ اُحد کے اُن نازک لمحات میں جب مجاہدینِ اسلام اپنی جمعیت کو منظم نہ رکھ سکے تو اُس موقعے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مشرکینِ مکّہ نے بڑے زور دار حملوں کے ساتھ سرورِ عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب یلغار کرنی شروع کر دی۔ اُن ہولناک حالات میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب موجود تھے، وہ تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت میں پوری جرأت، ہمت اور استقامت کے ساتھ لشکرِ کفّار کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اُن مشکل لمحات میں دادِ شجاعت دینے والے ان جنت مقام خوش نصیبوں میں عرب کے مشہور کمان دار، نڈر اور بے باک مجاہد جناب ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

یہ بلند ہمت مردِ مجاہد پوری دلیری اور دِلاوری کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت میں جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ دشمن کے آگے بڑھنے والے ہر فوجی کو نشانہ بنا بنا کر اس پر تیر برساتے اور ساتھ ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد دفاع کا حصار قائم کرتے ہوئے مشرکینِ مکّہ کی جانب سے آنے والے تیروں کو بڑی مہارت اور بہادری کے ساتھ اپنے ہاتھوں پر روکتے۔ اُس دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد و پیش ہونے والی خون ریز معرکہ آرائی میں جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی کارگزاری نہایت زبردست رہی تھی، چناں چہ جب بھی کوئی صحابی رضی اللہ عنہ تیروں کا ترکش لیے اُدھر سے گزرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے:

اے اللہ کے نیک بندے! اپنے ان تیروں کو طلحہ رضی اللہ عنہ کے قریب رکھ دو!

مضبوط اور طاقت ور جسم کے مالک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تیر چلانے سے پہلے فلک شگاف آواز اور پُرجوش نعروں کے ساتھ مشرکین کو للکارتے، پھر اپنی کمان کو پورا کھینچ کر دشمنوں کی طرف تیر چلا دیتے۔ جب کوئی تیر صحیح نشانے پر لگتا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی مہارت کی تعریف فرماتے۔ اس خون ریز معرکے کے دوران جب کبھی رسُول

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 383/3

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ زیادہ بلند ہو کر میدانِ کارزار کا جائزہ لینا چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں سینہ سپر جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نہایت فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کرتے:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ اُوپر نہ اُٹھیے!
اللہ نہ کرے کہ کہیں دُشمن کی طرف سے چلایا گیا کوئی تیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جائے۔(1)

جب دُشمن، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاعی حصار کو توڑنے کے لیے تیروں اور تلواروں کے ساتھ تند و تیز یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے تو اُن نازک اور خطرناک لمحات میں بھی، بغیر کسی ڈر اور خوف کے، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جاں نثار ساتھی کا چہرہ جوشِ شجاعت اور شوقِ شہادت سے تمتما رہا تھا۔ وہ پروانوں کی طرح اپنی جان سے بے پروا ہو کر ایک وارفتگی اور شیفتگی کے عالم میں کافروں کے خلاف تیر اور تلوار کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔ وہ دشمنوں کے حملوں کے سامنے سینہ تان کر لڑتے ہوئے اپنے اُن دِلی جذبات کا اظہار پورے جوش اور ولولے کے ساتھ کرتے جاتے تھے:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ اور میری جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں!
میرا سینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر نثار ہونے کے لیے حاضر ہے۔(2)

شیر دل حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اُحد کی جنگ میں اس قدر شدّت کے ساتھ تیراندازی کی کہ اس دوران اُن کی دو تین کمانیں بھی ٹوٹ گئیں، کیوں کہ وہ کمان کو پوری طاقت کے ساتھ خوب کھینچ کر تیر چلاتے تھے۔ اس دوران خود اُن کے بازو پر اتنے زخم آئے کہ ایک ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا۔

جملہ غزوات میں شامل جناب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے جذبۂ سرفروشی، استقلال اور استقامت کی تحسین کرتے ہوئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میدانِ کارزار میں برسرِ پیکار فوجیوں کا حوصلہ اور ہمت بڑھانے کے لیے کسی بھی لشکر میں بلند اور دبنگ آواز کے مالک ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جیسے پُرعزم جنگ جُو کی موجودگی سو لڑاکا سپاہیوں سے بھی زیادہ فائدے مند اور ہمت افزا ثابت ہوتی ہے۔(3)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نبی کے عشق نے ممتاز کر دیا ورنہ
ہزار پھرتے ہیں دنیا میں پوچھتا ہے کوئی

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:3811 2۔ایضاً 3۔مسند احمد۔رقم الحدیث:13604

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نہ عصبیت کی نہ نفرت کی بات کرتے ہیں
ہم اہلِ دل ہیں محبت کی بات کرتے ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمتِ عالم کے ماننے والے
ہمیشہ پیار محبت کی بات کرتے ہیں

نہیں ہے یاد اگر عفو و درگزر کی مثال
تو آؤ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کرتے ہیں

حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا

یثرب سے مکّہ کی طرف سفر کے دوران والدۂ محترمہ بی بی جی سیّدہ آمنہ کے انتقال پُرملال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم والدِ محترم اور والدۂ ماجدہ: دونوں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے تو حضرت بی بی آمنہ کی نیک سیرت، پاک طینت اور انتہائی قابلِ احترام کنیز اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا ابتلا اور آزمائش کی اس گھڑی میں چھے سالہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی حفاظت میں لیے بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ بقیہ سفر طے کر کے مکّہ مکرمہ پہنچ گئیں۔(1)

اس سانحۂ عظیم کے بعد اس مہربان خاتون نے اپنی پوری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دیکھ بھال، پرورش اور بے لوث خدمت کے لیے وقف فرما دی۔ والدِ محترم حضرت عبداللہ کی طرف سے وراثت میں ملنے والی یہ کنیز، جن کا اصل نام "البرکۃ" تھا، مُلکِ حبشہ سے تعلّق رکھنے والی خاتون تھیں اور نہایت حلیم الطبع شفیق اور جی جان سے پیار کرنے والی طبیعت کی مالک تھیں۔(2)

بچپن سے لے کر جوانی تک وہ ایک ماں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت گزاری اور خبر گیری کا فرض ادا کرتی رہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہلا دُھلا کر کپڑے پہنانا اور کھانا کھلانا، سب اُنھوں نے اپنے ذمّے لے رکھا تھا۔ ان شان دار خدمات کے صِلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں اپنی شادی مبارک کے موقعے پر آزادی کا تحفہ عطا فرمایا۔

دو ہجرتوں کا اعزاز حاصل کرنے والی خاتون اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی عبید رضی اللہ عنہ بن زید کے ساتھ ہوئی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام اُنھوں نے ایمن رکھا تھا اور اِسی کنیت کی وجہ سے وہ اُمِّ ایمن پکاری جانے لگیں۔(3)

عبید رضی اللہ عنہ بن زید کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کی دوسری شادی کے متعلّق فکر مند رہتے تھے۔

ایک دن، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف فرما تھے،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ ایک ایسی خاتون اُس کی بیوی بنے

جو اہلِ جنت میں سے ہو تو وہ اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا سے شادی کر لے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان سنتے ہی جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خادمِ خاص حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ نے اُن کے ساتھ شادی کا اعلان کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں جلد ہی ایک بڑے نصیبوں

1۔ عیون الاثر: 47/1　2۔ صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: 1771　3۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 179/8

والا بیٹا اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید عطا فرمایا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی خیریت معلوم کرنے کے لیے اکثر اُن کے گھر تشریف لے جایا کرتے اور اُن کی ہر ضرورت اور خواہش پوری فرما دیا کرتے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلِ مبارک میں یہ خیال ہمیشہ رہتا تھا کہ آسائشِ حیات کی تمام نعمتیں انھیں میسّر ہوں۔(1)

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس مہربان آیا کا ذکر ہمیشہ بہترین الفاظ میں فرمایا کرتے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں اور اِن کی اولاد کو اپنے اہلِ خانہ میں شمار فرماتے۔

ایک دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں رونق افروز تھے۔ باادب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد بھی اس مجلسِ خیر و برکت میں موجود تھی کہ اتنے میں ایک ضعیف اور سادہ سی خاتون وہاں تشریف لائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ مبارک جب حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا پر پڑی تو ہمیشہ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً کھڑے ہو گئے اور ''ماں جی، ماں جی'' کہتے ہوئے اُس معزز اور محترم خاتون کا استقبال فرمایا، اُن کے لیے اپنی چادر مبارک کو زمین پر بچھا دیا اور پھر نہایت عزت و احترام اور قدر و منزلت کے ساتھ اپنی ''ماں جی'' کو بیٹھنے کی دعوت دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

یہ اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا ہیں اور یہ ہمارے خاندان کی آخری اہم ترین فرد ہیں
اور میری حقیقی والدۂ محترمہ کے بعد میری ماں جی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دور میں اس باہمت، بابرکت اور جنت مقام خاتون کا انتقال ہوا۔(2)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

بانہیں کہ جیسے ارض و سماوات کا حصار
محفوظ جس میں ہو گیا انسان کا وقار
دنیا کے بے سہاروں نے پایا جہاں سکوں
پایا جہاں زمانے کے حالات نے قرار
گویا جہاں پناہ تھا حلقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
انسانیت نے پایا سہارا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

1۔ السیرۃ الحلبیہ: 77/1
2۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 624/4۔ رقم الحدیث: 6911۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔

رضاعی والدۂ محترمہ بی بی ثویبہ

سب سے پہلے والدۂ ماجدہ سیّدہ آمنہ خاتون نے اپنے نورِ نظر کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد سات روز تک دودھ پلانے کی یہ سعادت اور شرف ابولہب کی خوش قسمت کنیز بی بی ثویبہ کو حاصل ہوا۔ اُن دنوں اُن کا شیر خوار بیٹا مسروح بھی اپنی نیک صفت والدہ کی گود میں پرورش پا رہا تھا۔ بی بی ثویبہ نے آپ ﷺ کے چچا جان سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن الاسد مخزومی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو بھی دودھ پلایا تھا۔(1)

اگرچہ بی بی ثویبہ کے ہاں نبیِ کریم ﷺ کے دودھ پینے کا دورانیہ بہت تھوڑے دنوں کا رہا، لیکن اُن کے دل میں آپ ﷺ کے لیے اُنس و محبت ہمیشہ کے لیے راسخ ہو چکی تھی، چناں چہ انھیں جب بھی موقع ملتا، وہ ملاقات کے لیے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جاتیں۔

خود رسالت مآب ﷺ اس خدمت کے صلہ میں نہ صرف نہایت لطف و کرم اور حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آتے، بلکہ انھیں تحفہ و تحائف اور سوغات و عطیات سے بھی نوازتے رہتے تھے۔

اُمّ المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی بی بی ثویبہ کو ہمیشہ نہایت وقعت و منزلت کی نگاہ سے دیکھتیں اور ممنونیت کا اظہار کرتی تھیں۔ چنانچہ جب بھی وہ کاشانۂ اقدس میں سلامِ عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتیں تو تمام اہلِ خانہ اُن کا انتہائی اکرام و احترام فرماتے تھے، کیوں کہ انھیں رسُول اللہ ﷺ کے گھرانے میں ماں جی کا رُتبہ حاصل تھا۔(2)

ہجرت کے بعد بھی رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی رضاعی والدۂ محترمہ کے ساتھ نوازش و کرم کے سلسلے کو جاری رکھا۔ آپ ﷺ انھیں مدینہ سے نقد رقم، کپڑے اور تحفے و تحائف بھیجا کرتے تھے۔

سات ہجری میں جب آپ ﷺ خیبر کی شان دار فتح کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے تو بی بی ثویبہ کے انتقال پُر ملال کی اطلاع آپ ﷺ تک پہنچائی گئی۔ یہ الم ناک خبر سن کر آپ ﷺ بڑے افسردہ ہوئے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ

کچھ عطیات بی بی ثویبہ کے بیٹے مسروح کو بھیجنے کا انتظام کیا جائے

تو وہاں پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ وہ بھی وفات پا چکے ہیں۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

بی بی ثویبہ کے گھرانے کا کوئی قریبی فرد یا بھائی بند حیات ہے؟

1۔ دلائل النبوۃ ابی نعیم الاصبہانی: 157/1

2۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 87/1

تاکہ اُس کے ساتھ اچھا سلوک اور احسان کا معاملہ کیا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

کافی عرصہ ہوا، اُن کے تمام قریبی عزیز و اقارب بھی اس دنیائے فانی سے رخصت فرما چکے ہیں۔(1)

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

سیدھی سیدھی روش پہ کروڑوں درود
سادی سادی طبیعت پہ لاکھوں سلام
جانبِ دل کشش پہ کروڑوں درود
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

رضاعی والدۂ محترمہ سیّدہ حلیمہ سعدیہ

بی بی ثویبہ کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضاعت کا یہ عظیم شرف قبیلۂ بنی سعد بن بکر کی ایک باعزت، باوقار اور تحمل مزاج خاتون بی بی حلیمہ بنتِ ابوذویب کے حصے میں آیا۔ایک دیانت دار، مخلص اور خوش خصال گھرانے سے تعلّق رکھنے والی یہ نیک طبع خاتون صبر و برداشت اور بُردباری و حلم میں بھی انتہائی ممتاز تھیں۔سیّدہ بی بی حلیمہ سعدیہ کے صحرائی گاؤں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تقریباً پانچ سال تک قیام پزیر رہے تھے۔اس دوران بی بی حلیمہ اور اُن کے گھرانے کے ہر فرد نے نہایت شفقت و محبت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت و نگہداشت کا فرض ادا کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی کم سنی میں اپنی رضاعی والدۂ محترمہ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے، حتیٰ کہ سعید اور نیک اطوار بیٹوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی گھر کے حالات کا احساس کرتے ہوئے صرف پانچ سال کی عمر میں منع کرنے کے باوجود بی بی جی کی بکریوں کو چراگاہ تک لے جانا شروع کر دیا تھا۔اپنی حیاتِ مبارکہ میں جب بھی حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ملاقات بی بی حلیمہ یا اُن کے گھرانے کے کسی فرد سے ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہایت ادب واحترام اور خندہ پیشانی کے ساتھ اُن کا استقبال فرمایا کرتے۔

اُس سال مکّہ اور اِردگرد کے علاقوں میں بارشیں نہ ہونے سے قحط اور خشک سالی کی صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ پریشانی کی اس حالت میں سیّدہ بی بی حلیمہ اپنے دل کی بات عرض کرنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہلی مرتبہ حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی عمر رسیدہ رضاعی والدۂ محترمہ کے خیر مقدم کے لیے نہایت خوشی و

1۔دلائل النبوۃ للبیھقي:131/1

مسرّت کے ساتھ آگے بڑھ کر استقبال فرمایا اور ''میری امی جان! میری امی جان!'' کہہ کر اُن سے لپٹ گئے، پھر اُن کی عزت افزائی کے لیے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا دی تا کہ وہ اس پر تشریف فرما ہوں۔(1)

سیّدہ بی بی حلیمہ نے اپنے علاقے میں آنے والی شدید خشک سالی اور جانوروں کی ہلاکت کے ساتھ گھر میں مشکل حالات اور گزر اُوقات میں تنگی کے متعلّق مطلع کرتے ہوئے عرض کیا کہ آج کل ہمارے گھر میں افلاس کا ڈیرا ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُمّ المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُن کا ماں باپ جیسا ادب و احترام کرتے ہوئے اُن کی بڑی خاطر مدارات کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کھانے پینے کی چیزوں سے لدا ہوا ایک اُونٹ اور چالیس بکریوں کا ایک ریوڑ عطا کرتے ہوئے بڑی عزت وتکریم کے ساتھ روانہ فرمایا۔(2)

جنگِ حنین کی فتح کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعرانہ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، اس دوران سیّدہ بی بی حلیمہ کی بہن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور یہ غم ناک اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی کہ بی بی حلیمہ سعدیہ فوت ہوگئی ہیں۔

دُکھ کی اس خبر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد صدمہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

اُن کے اطوار کو اعلیٰ کردار کو
نرم گفتار کو سب کے غم خوار کو
قبول ہمارا سلام ہو

1۔السیرۃ الحلبیہ:151/1 2۔سبل الھدی والرشاد:383/1

رضاعی بہن محترمہ بی بی شیما کی عزت افزائی

جنگِ حنین میں اسیر ہونے والے چھے ہزار جنگی قیدیوں میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضاعی والدۂ محترمہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی لختِ جگر بی بی شیما بنتِ الحارث بھی شامل تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے عرصۂ رضاعت کے دوران بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مقیم تھے تو اُن دنوں بی بی شیما ننھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اور دیکھ بھال میں اپنی والدہ کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہلاتیں، کپڑے بدلتیں، کھانا کھلاتیں اور سیر کرانے کے لیے باہر لے جاتیں۔ اگر گرمی زیادہ ہوتی یا راستہ لمبا ہوتا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کبھی بانہوں میں اور کبھی کندھوں پر اُٹھا لیتیں۔ وہ کھیلنے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ساتھ دیا کرتی تھیں۔ رات کو سوتے وقت اکثر اپنے پیارے بھائی جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اشعار کی صورت میں اپنی محبت اور نیک تمناؤں کا اظہار اس طرح کرتیں:

اے ہمارے پروردگار!
ہمارے بھائی جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو طویل زندگی عطا فرما!
یہاں تک کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خوب صورت جوانی دیکھوں!
پھر میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنی قوم کا معزز و محترم سردار
اور ایک طاقت وَر حکمران بنتے دیکھوں!
اے اللہ پاک!
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دشمن اور حاسد بالآخر شرمندہ و شرم سَار ہوں!
اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو ابدالآباد تک برقرار اور پائیدار رہنے والی عزت عطا فرما (آمین)!(1)

قیدیوں کی نگرانی پر مامور مجاہدوں میں سے کسی کے تلخ رویّے کے جواب میں ستّر سالہ بی بی شیما آگے بڑھیں اور مجاہدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

آپ لوگ میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں، کیوں کہ میں آپ لوگوں کے آقا (رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی (رضاعی) بہن ہوں۔

نگران فوجی بی بی کی اس بات کو سچ تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئے، کیوں کہ ہر کوئی جانتا تھا کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے والدین کے اکلوتے فرزندِ ارجمند ہیں لیکن جب بی بی شیما کو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضری کا

1۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: 206/8

موقع دیا گیا تو اُنھوں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی والدۂ محترمہ بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی شیما ہوں۔

چوں کہ ایک طویل عرصے کے بعد ملاقات ہوئی تھی اور اب جب کہ وہ بڑھاپے کی عمر میں بھی داخل ہو چکی تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انھیں پہچاننے میں دشواری محسوس ہوئی، چناں چہ بی بی شیما نے وہ نشان دکھایا جو بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھیلتے ہوئے اُن کے کندھے پر لگا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخم دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ بی بی شیما کی اس نشان دہی پر عرصہ پرانا منظر نامہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کے سامنے تازہ ہو گیا اور اُس زمانے کی بہت سی باتیں یاد آ گئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہا کرتے تھے اور بی بی شیما بھی اپنی والدہ کی طرح ان کی خدمت میں لگی رہتی تھیں۔

یہ دیکھ کر کہ اپنی گود میں کھیلانے والی شفیق بہن آج زیرِ حراست قیدی کی حیثیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لائی گئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی تعظیم کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے، پھر اپنے ہاتھ سے اپنی چادر مبارک بچھائی اور نہایت احترام کے ساتھ انھیں بٹھایا اور اس اتفاقیہ ملاقات پر انتہائی مسرّت کا اظہار فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی دیر تک اپنی رضاعی بہن کے ساتھ بچپن کے واقعات اور گزرے ہوئے خوش گوار لمحات کو یاد فرماتے رہے۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بی بی شیما سے دریافت فرمایا:

اے میری بہن!

اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ اگر آپ اپنے بھائی کے پاس قیام کرنا چاہیں،
تو مجھے حد درجہ خوشی ہو گی۔ آپ کو یہاں ہر طرح کا آرام و آسائش میسّر ہو گا
اور اگر آپ اپنے عزیز و اقارب اور قوم میں واپس جانا چاہتی ہیں، تو یہ آپ پر منحصر ہے۔
ہم بڑی عزت و توقیر اور اہتمام کے ساتھ آپ کو رخصت کر دیتے ہیں،
بلکہ اگر قیدیوں میں سے آپ کسی کو رہا کرانے کی خواہش رکھتی ہیں،
تو ہم اُس کا بھی انتظام کر دیں گے۔

بی بی شیما نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

میری درخواست ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے گھر اور قبیلے میں
واپس جانے کی اجازت مرحمت فرما دیں لیکن جانے سے پہلے میں کلمۂ شہادت

پڑھ کر اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔

آپ ﷺ نے از حد شفقت و مہربانی کا اظہار کرتے ہوئے انھیں بہ کثرت مویشی، تحفے تحائف اور انعامات سے سرفراز فرمایا اور اس طرح اپنی اُمت کے سامنے اپنی رضاعی بہن کے ساتھ حُسنِ سلوک کی شان دار مثال قائم کی اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر کے انھیں اُن کی قوم میں واپس بھیج دیا۔(1)

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
وصف جس کا ہے آئینۂ حق نما
اُس خدا ساز طلعت پہ لاکھوں سلام

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 914/3

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ

فطرتاً سلیم الطبع اور پسندیدہ عادات واطوار کے مالک حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ، شمالی عرب کے ایک معزز خاندان بنی کلاب کے رئیس حارث بن شرحبیل کے لختِ جگر، اپنی والدۂ محترمہ سعدیٰ بنتِ ثعلبہ کے ہمراہ ایک قافلے میں شامل اپنی ننھیال جارہے تھے کہ راستے میں تہامہ کی جانب سے آئے ہوئے بنی قیس بن حاشر سے تعلّق رکھنے والے ڈاکوؤں کے ایک طاقت ور گروہ نے رات کے وقت اُن کے خیموں پر دھاوا بول دیا۔ اُن راہ زنوں نے یہ اَلم ناک زیادتی بھی کی کہ مال ومتاع کی لوٹ مار کرنے کے علاوہ کچھ لوگوں کو یرغمال بنا کر اپنے ساتھ لے گئے۔

اُن میں آزاد پیدا ہونے والا ایک آٹھ سالہ معصوم زید بن حارثہ بھی شامل تھا۔ بنی قیس بن حاشر کے ان بے رحم حملہ آوروں نے قیدی بنائے گئے کئی افراد کو طائف کے قریب عکاظ کے میلے میں غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ ان میں یہ کم سن بچہ بھی تھا جس کو حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی جان حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھیج دیا۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معصوم زید کی گھر آمد پر بڑے مشفقانہ انداز میں فرمایا:

پیارے بیٹے! آج سے تم ہمارے گھر کے فرد ہو۔

اور پھر اپنے بچوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

یہ حارث اور ہند تمھارے بہن بھائی ہیں۔

پھر جب سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی مکّہ کی معزز ومحترم شخصیت اور اُبھرتے ہوئے ممتاز تاجر جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ سے ہوگئی تو اُنھوں نے اپنے اس سعادت مند، ادب و آداب سے آراستہ اور نہایت تابع فرمان خادم کو نئی ذمّے داری سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

زید بیٹے!

آج سے تم نے صرف اپنے آقا جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معاملات کا خیال رکھنا ہے۔(1)

اس طرح یہ خوش نصیب لڑکا اُس سراپا رحمت وشفقت اور مہربان ہستی کی خدمتِ اقدس میں آ گیا جنھیں چند سال بعد اللہ ذُوالجلال والاکرام کی طرف سے نبوت و رسالت جیسا بلند رتبہ ومقام عطا ہونے والا تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کو اولاد ہی کی طرح عزیز رکھتے، چناں چہ بہت زیادہ شفقت ومحبت اور تمام گھریلو آسائشیں اور

1۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 1/386-3/29

آسانیاں ملنے کے بعد زید کی اُداس زندگی تو گویا خوشیوں سے بھر گئی تھی۔

بلند اقبال زید کو اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ماں جی کی شفقت کے ساتھ ساتھ حضور نبیِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے باپ کا پیار بھی مل گیا تھا، لہٰذا اب اُسے اپنے خاندان، دوست احباب اور وطن کی یاد بالکل نہیں آتی تھی۔

صدیوں سے رائج دستور کے مطابق اس برس بھی حج کا فرض ادا کرنے، بیت اللہ شریف کی زیارت اور تجارت کی غرض سے عرب کے اطراف واکناف سے مختلف قبیلوں سے تعلّق رکھنے والے قافلے مکّہ مکرمہ آئے ہوئے تھے۔ اسی دوران بازار سے گزرتے ہوئے زائرین میں سے قبیلہ بنی کلاب کے ایک شخص نے زید بن حارثہ کو پہچان لیا۔

دعا سلام کے بعد زید نے اُس سے پوچھا:

محترم چچا!

میرے ماں باپ اور بہن بھائی کیسے ہیں؟

اُس نے زید کو بتایا کہ:

راہ زنوں کی دست بُرد کے بعد جب یہ لُٹا پُٹا قافلہ وطن واپس پہنچا تو تمھارا باپ تمھاری ماں کو اکیلا دیکھ کر اپنے اوسان کھو بیٹھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا، جیسے اُس کی زندگی سے تمام خوشیاں اور رونقیں اُس سے دُور ہوگئی ہوں۔ وہ تمھاری تلاش اور جست جُو میں ریگستانوں اور صحراؤں کی چلچلاتی دھوپ میں سفر کرتا ہوا ملک کے ہر کونے میں پہنچا لیکن اُسے کامیابی نہ مل سکی۔

اُس شخص نے مزید بتایا کہ:

اپنے نونہال کے فراق میں گریہ زاری سے تمھاری والدہ کی آنکھیں شدید متاثر ہو چکی ہیں۔ اپنے لختِ جگر کی جدائی میں تمھارے باپ کا بُرا حال ہے۔ وہ اپنے جذبۂ محبت اور غم کا اظہار اکثر فی البدیہہ اشعار میں کرتا رہتا ہے۔

اس کے بعد اُس شخص نے جنابِ زید کو ان کے والد کے کچھ اشعار بھی سنائے:

میں اپنے نورِ نظر کے فراق میں ہر وقت روتا رہتا ہوں۔
مجھے کچھ پتا نہیں کہ میرا زید کس حال میں ہے۔
کیا میرا بیٹا زندہ ہے، کہ میں اُس کے لوٹ آنے کی آس رکھوں
یا وہ موت کی وادی میں گم ہو چکا ہے۔
خدا کی قسم! میں یہ بات نہیں جانتا

لیکن میں تو اب صرف اس اُمید کے ساتھ زندہ ہوں کہ
شاید کبھی اُس سے ملاقات ہو جائے۔
اے کاش! مجھے کوئی شخص یہ بات کہے کہ میرا لختِ جگر گھر واپس آ سکتا ہے
تو میں تمام دنیا کے خزانوں کے عوض اُس کے حصول کو افضل سمجھتا۔
پیارے زید کی بہت سی خوب صورت یادیں ہمیں رُلاتی ہیں۔
سُورج اپنے آغاز کے وقت اُس کی یادوں کو تازہ کر دیتا ہے
اور غروبِ آفتاب کے بعد جب رات کے اندھیرے گہرے ہو جاتے
ہیں اور ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں
تو وہ زید کی حسین یادوں کو اور بھی خوب صورت بنا دیتی ہیں۔
اپنی آہ و زاری اور نالہ و فریاد سے اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ
اپنے پیارے بیٹے کی مفارقت کے غم کو برداشت کرتے زمانہ بیت چکا ہے۔
مجھے میری زندگی کی قسم!
میں اپنے بیٹے سے ملنے کی خواہش میں بغیر کسی تھکاوٹ یا اُکتاہٹ کے
ہر اُس جگہ پہنچوں گا جہاں مجھے اُس کے ملنے کا یقین ہو۔
بے شک میں اپنے لختِ جگر کی تلاش میں اُس وقت تک
اپنی کوششیں جاری رکھوں گا،
جب تک میرے طاقت ور اُونٹ آگے بڑھنے سے عاجز نہ آ جائیں،
حتیٰ کہ میں زندگی کی بازی ہار جاؤں اور مجھے موت آ جائے۔
یہ دنیا فانی ہے، یہاں کسی ذی روح کو قرار نہیں۔
بالآخر ہر شخص کو قضا کا مزہ چکھنا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ انسان کی توقعات اور آرزوئیں اُسے اکثر
فریب دیتی ہیں۔

زید اپنے والد کی حالتِ زار، بے قراری اور بے تابی کی کیفیت سن کر غمگین اور اُداس ہو گیا۔ اُس نے اپنے خاندان سے جدائی، وطن سے دُوری اور ہجر و فراق کا حال لکھ کر اپنے والد کی خدمت میں بھیج دیا:

میرے گھر والوں کو خبر ہو کہ میرے دل میں آپ لوگوں سے ملاقات
اور اپنے وطن سے محبت کا جذبہ ہر وقت متلاطم رہتا ہے۔

اگرچہ میں اپنے خاندان اور اپنے اُس شہر سے بہت دور ہوں
جہاں میں پیدا ہوا تھا لیکن میں بڑا ہی خوش قسمت ہوں کہ
میں اللہ کے متبرک، امن والے اور پسندیدہ شہر مکّہ میں رہتا ہوں
جہاں اللہ کا بابرکت گھر ہے۔
آپ لوگ میری جدائی کے غم میں دل گیر اور رنجیدہ نہ ہوں
اور نہ میری تلاش میں صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانیں۔
خدا کی قسم!
میں ایک انتہائی شریف اور کریم خاندان میں زندگی بسر کر رہا ہوں
جو پشت ہا پشت سے معزز و محترم ہے
اور میرے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
سردارانِ قریش کی تمام اہم شخصیات سے زیادہ صاحبِ عزت وعظمت،
قابلِ فخر اور عظیم ترین ہیں،
اس لیے اے میرے ابا جان، امی جان اور اہلِ خاندان!
میری خیریت اور خوشیوں کے بارے میں آپ لوگ کسی طرح کا اندیشہ
نہ کریں اور اطمینان رکھیں (شکریہ)۔

اُس شخص نے اپنے ہم وطن جناب زید کو واپس چلنے کی دعوت دی لیکن اُنھوں نے صاف انکار کر دیا۔

وطن واپس جا کر اُس زائرِ حرم نے جب جناب حارثہ کو اُن کے فرزندِ ارجمند کی خیریت اور سلامتی کا مژدہ جاں فزا سنایا تو پورے گھرانے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اپنے لختِ جگر کی خیریت کی اطلاع ملتے ہی جناب حارثہ بن شرجیل اپنے بھائی کعب کو ساتھ لے کر بڑی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت میں مکّہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اُنھوں نے بہت سے تحفے تحائف اور معاوضے کے طور پر کافی رقم بھی اپنے ساتھ لے لی۔ روانگی کے وقت کئی قسم کے وہم وگمان اور اندیشوں نے اُن کے دل ودماغ کو گھیر لیا کہ نہ معلوم کیسے لوگ ہوں جن کے ساتھ اپنے بیٹے کی آزادی کے معاملات طے کرنا پڑیں گے اور نہ جانے وہ زید کی آزادی کا کتنا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔

مکّہ پہنچ کر اُنھوں نے لوگوں سے جناب محمدؐ بن عبداللہ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ پردیسیوں کی خوش قسمتی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس وقت حرم میں ہی تشریف فرما تھے۔ دونوں بھائی دھڑکتے دل اور اُمید افزا خواہش کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اُنھوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحیم وکریم شخصیت اور روشن جبین سے مزیّن چہرۂ مبارک دیکھا تو اُن کو اطمینان ہو گیا کہ ہماری مراد یقیناً بر آئے گی۔

ابتدائی دعا سلام کے بعد حارثہ بن شرجیل نے عرض کیا:

اے عبد المطلب کے قابلِ احترام فرزندِ ارجمند!

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی قوم کے سردار اور صاحبِ جلال وعظمت سردار عبد المطلب کے سعادت مند صاحب زادے ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حرم پاک کے رہنے والے ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ کے مقدس گھر کے جوار میں رہنے کا اعزاز حاصل ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیت اللہ شریف کے نگران اور نگہبان بھی ہیں۔

ہم نے سنا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دل گرفتہ اور افسردہ خاطر لوگوں کے غم گسار ہیں اور رنج وغم میں مبتلا اور مصیبت میں گرفتار افراد کی دست گیری فرماتے ہیں مہمانوں کو کھانا کھلانا اور اُن کی عزت افزائی کرنا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا شعار ہے۔

ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں اپنے جگر گوشے کی آزادی کی درخواست لے کر حاضر ہوئے ہیں جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس رہ رہا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سے حُسنِ سلوک اور احسان کا معاملہ فرمائیں گے، کیوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) احسان فرمانے والے ہیں۔

ہماری طرف سے زید کی آزادی کے لیے حسبِ طلب معاوضہ بھی حاضر ہے۔

زید کے بہن بھائیوں اور والدہ کے لیے اُس کی جدائی کا غم ناقابلِ برداشت ہو چکا ہے۔

اے ابنِ ہاشم!

ایک دل فگار اور قابلِ رحم گھرانے کی طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں صرف ایک عرض ہے کہ ہماری اس درخواست کو قبول فرمالیجیے۔

حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں آپ لوگوں کے حزن وملال، جذبات اور احساسات کو بڑی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔

آپ اطمینان رکھیں،

آپ لوگوں کو اپنے فرزند کی آزادی کے لیے کوئی معاوضہ دینے کی ضرورت نہیں،

البتہ ایک بات کا ضرور خیال رکھیں کہ زید اب بالغ ہو چکا ہے

اور وہ اپنی زندگی کی منصوبہ بندی اور ارادوں کا خود مالک ومختار ہے۔

اس لیے ہم سب کے لیے یہ بات زیادہ مناسب ہوگی کہ

خود زید سے اُس کے مستقبل کا فیصلہ پوچھ لیا جائے۔
اگر وہ آپ لوگوں کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کرے
تو ہم اُسے نہیں روکیں گے۔
آپ لوگ خوشی خوشی اُسے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں، لیکن اگر
وہ خود ہی آپ لوگوں کے ہمراہ جانے کی بجائے ہمارے ساتھ رہنا پسند کرے
تو پھر آپ کو بھی اُس کا فیصلہ خوش دلی سے قبول کر لینا چاہیے۔

یہ بات سُن کر دونوں بھائیوں کے چہرے خوشی سے دمک اُٹھے کہ ہمیں ایک فراخ دل، بامروّت اور فیض بخش شخصیت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔

اُنھوں نے عرض کیا:

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے تو انصاف سے بھی بڑھ کر احسان کا سلوک فرمایا ہے۔
ہمیں یقین ہے کہ ہمارا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو جائے گا۔

چناں چہ زید کو پیغام بھیجا گیا کہ وہ جلدی سے حرم میں پہنچے۔ زید آئے اور آتے ہی اپنے والد اور چچا سے گلے ملے۔ دس سالہ مفارقت کے بعد دلوں کو چھو لینے والے ملاقات کے یہ لمحات بڑے ہی خوش منظر اور خوش گوار تھے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

زید!
ان حضرات کے ساتھ تمھارا کیا تعلّق ہے؟

زید نے عرض کیا:

جی یہ میرے ابا جان اور یہ میرے چچا جان ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

زید!
یہ مہمان تجھے اپنے وطن واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں۔
ہماری طرف سے تمھیں دونوں باتوں پر مکمل اختیار ہے۔
اگر تم اپنے بزرگوں کے ساتھ جانا چاہو
تو ہماری طرف سے تمھیں ایسا فیصلہ کرنے کی مکمل آزادی ہے،
لیکن اگر حسبِ سابق ہمارے گھرانے کا ایک فرد بن کر
ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔

جاں نثار، وفادار اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار زید نے ایک لمحے کے لیے بھی موجودہ صورتِ حال پر غور و فکر کرنا مناسب نہ جانا اور فیصلہ کن انداز میں عرض کرنے لگے:

میرے پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!
میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس رہنا ہے۔
میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسی مہتم بالشان، بلند مرتبہ اور مہربان ہستی سے
ایک پل کی جدائی کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔
اب یہ کاشانۂ رحمت ہی میرا حقیقی گھر ہے
اور آپ لوگ ہی میرے ماں باپ ہیں۔

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

زید کا یہ عجیب و غریب اور خلافِ توقع فیصلہ اُس کے والد اور چچا کے لیے زبردست حیرانگی کا باعث بنا۔ اُن کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُن کا فرزندِ دل بند اس طرح کا اعلان کرے گا۔ وہ تو اس یقین کے ساتھ یہاں آئے تھے کہ اپنے عزیز از جان فرزند کو ساتھ لے کر وطن واپس جائیں گے۔ سارا خاندان کئی سال تک جس کی جدائی میں تڑپتا رہا ہے، اب اگر اللہ نے موقع دیا ہے تو اُس لختِ جگر نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت و محبت پر اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اہلِ خاندان کے ساتھ اپنے تعلّق اور رفاقت کو بے دریغ قربان کر دیا ہے۔
اس ناقابلِ یقین صورتِ حال کو دیکھ کر جناب زید کے والدِ محترم نے حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

اے جانِ پدر!
ہمیں تمھاری اس بات نے رنج و غم میں مبتلا کر دیا ہے
کہ تم آزادی کی بجائے غلامی کی زندگی کو ترجیح دے رہے ہو۔
ہم نے تیری تلاش میں ملک عرب کا کونہ کونہ چھان مارا۔
خاندان کا ہر فرد تیری جدائی میں روتا رہتا ہے لیکن تو ماں باپ،
خاندان اور وطن کے ساتھ اپنے اٹوٹ رشتوں کی کوئی پروا کیے بغیر
دیارِ غیر میں اپنے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ساری زندگی گزار
دینا چاہتا ہے۔
بِلاشبہ ہم سب کے لیے یہ ایک تعجب خیز، بلکہ حد سے زیادہ
افسوس ناک صورتِ حال ہے۔

زید نے جواب میں کہا:

بابا جان!
جتنی شفقت، کرم اور لاڈ پیار مجھے اپنے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملا ہے
اور جو حیرت انگیز صفات اور غیر معمولی بھلائیاں
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ گرامی قدر میں موجود ہیں،
میں اُن تمام لائقِ تعریف اوصاف کا عینی شاہد ہوں،
اس لیے میرے لیے اب یہ ناممکن ہے کہ
میں ایک لمحے کے لیے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جدا رہوں۔
اگر مجھے ہزار آزادیاں بھی ملیں تو میں وہ سب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی
ذاتِ اقدس کی غلامی پر قربان کر دوں گا۔
میرے پیارے ابا جان اور قابلِ احترام چچا جان!
اب میری ایک ہی آرزو ہے کہ میں اپنی اس حیاتِ مستعار کو
اپنے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبارک قدموں پر نثار کر دوں۔

عقل والوں کے نصیبوں میں کہاں ذوقِ جنوں
یہ عشق والے ہیں جو ہر چیز لٹا دیتے ہیں

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کی اس جاں نثاری اور وفاداری سے بہت زیادہ مسرور ہوئے اور کمال شفقت اور فرطِ محبت سے ان کو گلے لگایا، پھر اُن کا ہاتھ پکڑا اور اُنھیں صحنِ کعبہ میں لے گئے اور اپنی قوم کے سامنے زید کی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اے جماعتِ قریش!
یہاں موجود سب لوگ اس بات کے گواہ رہیں کہ زید آج سے
میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں۔

زید کے والدِ محترم حارثہ بن شرجیل اور چچا کعب بن شرجیل نے دیکھا کہ زید کے لیے تو یہاں نہایت اُنس و عنایت، نوازش و کرم اور ہمدردی و مہربانی کا ماحول ہے اور ہمارا فرزندِ ارجمند تو انتہائی مہربان، شفیق اور کریم ہستی کے سایۂ رحمت میں ہے اور اب جب کہ وہ مکّہ مکرمہ کے معزز و محترم اور انسان نواز گھرانے بنی ہاشم کا ایک فرد بھی بن چکا ہے تو اس اطمینان بخش صورتِ حال سے خوش ہو کر وہ لوگ وطن واپس روانہ ہو گئے۔(1)

☆ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ وہ واحد صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جن کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ صرف اُن کا نام نامی

1۔ الطبقات الکبری لابن سعد: 31/3

اور اسمِ گرامی ہی کا ذکر صحیفۂ آسمانی قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے۔

☆ طائف کے مشکل ترین سفر میں بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی کا شرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل رہا۔

☆ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک بار حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کسی طویل سفر کے بعد مدینہ واپس آئے تو اُس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ کسی نے آ کر بتایا کہ زید رضی اللہ عنہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری کے لیے آ رہے ہیں، اتنی دیر میں زید رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قمیض پہنے بغیر ہی تیزی کے ساتھ دروازے کی جانب چل دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا اور اُس کی پیشانی پر بوسے دیئے۔(1)

☆ جنگِ موتہ میں بحیثیت سپہ سالار دُشمن کی جانب سینہ تان کر آگے بڑھنے والے حضرت زید رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعزیت کے لیے اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ اُن کی سب سے چھوٹی بیٹی روتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی تو قلبِ گداز کے مالک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

اس موقع پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یہ ایک دوست کے لیے ایک دوست کی طرف سے

محبت و شفقت کے جذبات کا اظہار ہے۔(2)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغازِ علالت سے ایک دن قبل حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے فرزند اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کو ایک مہم کا امیرِ لشکر مقرر فرمایا تو بعض منافقین نے اتنی چھوٹی عمر میں اُن کے امیر بنائے جانے پر تبصرے شروع کر دیئے۔ اس بات کا علم ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت رنجیدہ ہوئے، چناں چہ طبیعت کی خرابی اور بخار کی شدّت کے باوجود سر پر رومال باندھ کر مسجد میں تشریف لائے

اور ارشاد فرمایا:

لوگو!

مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگوں نے

1۔ تاریخِ دمشق: 360/19

2۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 34/3

اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے متعلّق ناسمجھی کی باتیں کی ہیں۔
یہ کوئی نئی بات نہیں، کیوں کہ اس سے پہلے اسامہ رضی اللہ عنہ کے باپ زید رضی اللہ عنہ کے امیر مقرر ہونے پر بھی تم میں سے کچھ لوگوں نے اختلافِ رائے کا اظہار کیا تھا۔
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
زید رضی اللہ عنہ (اپنی قابلیت کی بنیاد پر) قیادت اور سیادت کے اس منصب کے لائق تھا اور اُس کے بعد اُس کا باصلاحیت بیٹا بھی امارت کے مقام کے لیے نہایت موزوں انتخاب ہے۔
زید رضی اللہ عنہ بھی ہمیں سب سے زیادہ محبوب تھا اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا اسامہ رضی اللہ عنہ بھی ہمیں سب سے زیادہ پیارا ہے۔(1)

سبحان اللہ العظیم

کرتے ہیں جہاں والے میری عزت وتکریم
اعزاز یہ مجھ کو درِ احمد ﷺ سے ملا ہے
دیکھے ہے مجھے پیار کی نظروں سے زمانہ
یہ فیض ہے میری خدمت کا یہ غلامی کا صلہ ہے

1۔کتاب المغازی للواقدی:119/3

نابینا صحابی عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مکتوم

ایک روز قریش کے کچھ مقتدر سردار اور اکابرینِ مکّہ متنازع معاملات پر مذاکرات کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش فرمائیں اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

اس بات چیت کے دوران اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مکتوم، جو آنکھوں سے نابینا تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آغازِ اسلام ہی میں اُن کے سینے کو اسلام کے نور سے منوّر فرما دیا تھا (بعد میں انھیں سیدنا معصب رضی اللہ عنہ بن عمیر کے ہمراہ ہجرتِ مدینہ میں بھی اوّلیت حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا)، وہ بھی کسی مسئلے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے راہنمائی لینے کی غرض سے خانۂ کعبہ پہنچ گئے۔

عین اُس وقت، جب کہ سرکارِ دوعالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سردارانِ مکّہ کے درمیان نہایت متین اور متوازن ماحول میں مکالمہ اور مذاکرہ جاری تھا، تب عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مکتوم نے بھی قرآنِ حکیم کی کوئی سورت سیکھنے یا کسی اور معاملے کی وضاحت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کردی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اے عبداللہ!

ابھی ٹھہر جائیں اور کسی مناسب وقت کا انتظار کریں۔

لیکن ابنِ مکتوم نے دوبارہ گزارش کی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو علم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرمایا ہے،

اُس علم کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں۔

چوں کہ اس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی تمام تر توجہ سردارانِ قریش ہی پر مرکوز رکھنا چاہتے تھے، لہٰذا اس اہم موقع پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابنِ مکتوم کی جانب سے یہ مداخلت نامناسب معلوم ہوئی اور ناپسندیدگی کے اثرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک پر بھی ظاہر ہوئے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سردارانِ مکّہ کے ساتھ بات چیت کے دوران ابنِ مکتوم کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا تو اس صورتِ حال پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سُورۂ عبس نازل ہوئی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ترش رُو ہوئے اور بے رخی برتی،
اس بات پر کہ آنکھوں سے معذور ایک شخص
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کوئی بات پوچھنے آ گیا تھا۔

گو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مکتوم کے ساتھ تلخی کا اظہار اُن کے مسکین، عاجز یا بے بصر ہونے کی وجہ سے نہیں فرمایا تھا بلکہ بات دراصل آدابِ گفت گو کی تھی کہ جس کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک پر شکن آ گئی۔ایسا اس لیے ہوا کہ اُس وقت سردارانِ مکّہ کے ساتھ سوال وجواب اور بحث وتمحیص اپنے عروج پر تھی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سردارنِ قریش کے مختلف اعتراضات کا جواب نہایت مسکت براہین وشواہد کے ساتھ دے رہے تھے اور اپنے دل میں یہ تمنّا بھی رکھتے تھے کہ ان سرداران میں سے کوئی ایک مسلمان ہوجائے تو اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوگی، اس لیے اتنے اہم موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ اپنی توجہ کسی دوسرے مسئلے کی جانب مبذول فرمائیں لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مکتوم نے سنجیدہ ماحول میں جاری اس گفت وشنید کو بار بار منقطع کرنے کی کوشش کی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی بات کا جواب دینے سے اعراض فرمایا۔

اس پر اللہ ذُوالجلال والاکرام کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشفقانہ عمل کی یاد دہانی کرائی گئی کہ:

غیر مستحق، بے پروا اور مغرور لوگوں کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توجہ کے وہ لوگ زیادہ مستحق ہیں
جو اپنے دل میں اللہ کا خوف رکھتے ہیں اور جن میں قبولِ حق کی آمادگی پائی جاتی ہے۔(1)

اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مکتوم کے ساتھ ہمیشہ بہت زیادہ شفقت و مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔وہ جب بھی رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کا پُرتپاک استقبال فرماتے اور اُن کے لیے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا دیتے، اُن کی بے حد عزت، تکریم اور دل داری کرتے ہوئے فرماتے:

اے ابنِ مکتوم! خوش آمدید!
کیوں کہ آپ کی وجہ سے میرے پروردگار کی طرف سے میرے لیے خصوصی پیغام آیا تھا۔(2)

اُن کے مقام ومرتبہ اور قدردانی کا یہ عالم تھا کہ ہجرت کے بعد جب کسی جنگی مہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود تشریف لے جاتے تو اپنی غیر حاضری میں اکثر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مکتوم کو ہی مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا کرتے تھے۔ نیابت کا یہ اعزاز انھیں ۱۳ مرتبہ حاصل ہوا تھا۔(3)

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 363/1　2۔السیرۃ النبویہ علی ضوء القران والسنہ: 325/1
3۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 158/4

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اس طرح کا نمایاں احترام اور عزت افزائی بہت کم صحابہ رضی اللہ عنہ کے حصّے میں آئی۔لشکرِ اسلام کے جلیل القدر علَم بردار حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مکتوم جنگِ قادسیہ میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔(1)

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ عَلٰٓی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکۡتَ عَلٰٓی اِبۡرَاھِیۡمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ط

آپ کی شفقتوں سے پہلے
مجھے کون جانتا تھا
آپ کے اکرام نے بنایا
میری زیست کو فسانہ

1۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:212/4

ایک پردیسی تاجر کی دل جوئی

ایک مرتبہ اِراش قبیلے سے تعلّق رکھنے والا ایک سوداگر اپنے اُونٹ فروخت کرنے کے لیے مکّہ آیا۔ سردار ابوجہل نے اُس سے دو اُونٹ خرید لیے لیکن جب اُس غریب الوطن تاجر نے قیمت ادا کرنے کے لیے کہا تو ابوجہل عذرِ بے جا اور بہانے بازی سے کام لینے لگا کہ کل صبح میرے گھر آجانا، تم کو رقم مل جائے گی۔

وہ تاجر جب صبح اُس کے گھر پہنچا تو کہنے لگا کہ شام کو آجانا، تمھیں رقم مل جائے گی۔ اس طرح صبح شام کے چکر میں دو ہفتے گزر گئے لیکن ابوجہل نے اُس پردیسی کے اُونٹوں کی قیمت ادا نہ کی۔

ایک دن وہ مظلوم تاجر سخت پریشانی اور دل شکستگی کے عالم میں اپنی آہِ دردناک سنانے بیت اللہ شریف پہنچ گیا، جہاں سردارانِ قریش کے مختلف گروہ اپنی الگ الگ مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ اُن میں سے ایک بڑی مجلس کے سامنے اُس اِراشی تاجر نے کھڑے ہو کر مدد کے لیے اپنی پکار میں اپنے ساتھ ہونے والے ظلم پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ:

یا معشر القریش!
شہر کے ایک جفا کار سردار نے مجھے ناانصافی کا نشانہ بنایا ہے۔
میں ایک ستم کیش، غریب الوطن اور بے یار و مددگار مسافر ہوں۔
میرا یہاں کوئی بھی اپنا نہیں ہے۔ آپ لوگ بڑے سردار ہیں۔
کیا کوئی ایسا صاحبِ فراست اور انصاف پرور سردار ہے جو مجھے
میرے اُونٹوں کی قیمت مکّہ کے طاقت وَر سردار عمرو بن ہشام
سے دِلوا دے جس نے میرا حق دبا لیا ہے۔

جب اس نالۂ دل خراش کی پکار ہو رہی تھی، اُس وقت آقائے نامدار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حرم میں تشریف فرما تھے۔ قریش کے سرداروں نے اُس اِراشی کی مدد کرنے اور اُس بے بس اور مجبور کا مسئلہ حل کرنے کی بجائے اُس مظلوم سے دل لگی کرتے ہوئے کہا کہ:

ابوجہل ایک بڑا سردار ہے۔
تجھے یہ رقم واپس دِلانے میں ہم تو تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتے
لیکن تم ایسا کرو کہ
وہ سامنے جو صبیح و خوش رنگ اور حسین و جمیل صاحب تشریف فرما ہیں،

وہ ہمارے شہر کی سب سے زیادہ باا ثر شخصیت ہیں۔
تم اپنا معاملہ اُن کی خدمت میں پیش کرو!
صرف وہی صاحب ایسی ہستی ہیں جو تم کو تمھارے اُونٹوں کی قیمت
مکّہ کے اس زور آور سردار سے دِلوا سکتے ہیں۔

بے چارہ پردیسی تاجر مکّہ کے کشیدہ حالات سے بالکل ناواقف اور بے خبر تھا اور نہیں جانتا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بُت پرستوں کے اُس سالار کے تعلّقات اور معاملات تو شدید ترین مخاصمت و عداوت کی سطح تک پہنچ چکے ہیں۔اس حقیقت کو سب جانتے تھے کہ خانۂ کعبہ میں بیٹھے سردار اس ستم زدہ پردیسی کو جو طنز آمیز مشورہ دے رہے ہیں، یہ تو محض ایک مذاق ہے۔

پریشان حال اِراشی تاجر بڑی توقع کے ساتھ انصاف اور امداد کے حصول کے لیے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی اور عمرو بن ہشام کے تاخیری حربوں کا ذکر کرتے ہوئے اِن الفاظ کے ساتھ یہ درخواست پیش کی کہ:

اے مکّہ کے عظیم سردار!
میری رقم واپس دلانے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میری مدد فرمائیں۔
اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنے فضل و کرم اور رحمتوں سے نوازے گا!

سرچشمۂ رحمت رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معذرت کرنا مناسب نہ سمجھا، چناں چہ اس بے سہارا اور مسکین سوداگر کی دل جوئی کی خاطر اُس مظلوم کو اپنے ساتھ لیا اور اُس بدفطرت سردار کے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فیصلہ سردارانِ قریش کے لیے بڑی حیرانی کا باعث بنا۔اُنھوں نے فوراً ایک آدمی پیچھے بھیجا تاکہ وہ یہ دیکھے کہ وہاں کیا معاملہ پیش آتا ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ابوجہل کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی تو عمرو بن ہشام نے اندر سے پوچھا:

مَن هذا ؟

کون صاحب؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑے باوقار لہجے میں جواب دیا:

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بن عبداللہ!

ابوجہل جب باہر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اپنی گھر آمد پر حیران رہ گیا۔
ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑے تحمل اور وقار کے ساتھ فرمایا:

اے ابنِ ہشام!

تم نے اس شخص سے جو اُونٹ خریدے ہیں،

اُن کی طے شدہ رقم ابھی اس شخص کو ادا کردو!

باطل پسند سردار کچھ لمحے خاموشی کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک کی جانب دیکھتا رہا، حتّیٰ کہ خوف سے اُس کے چہرے کا رنگ بدلنا شروع ہوگیا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ حوصلہ ہار بیٹھا ہے اور اُس کی ہمت جواب دے گئی ہے۔ بالآخر کوئی بات کیے بغیر وہ گھر کے اندر چلا گیا، پھر چند ہی لمحوں بعد واپس آ کر اُس نے دونوں اُونٹوں کی قیمت اُس پردیسی تاجر کو ادا کردی۔ اِراشی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شکریہ ادا کرتے اور دُعائیں دیتا ہوا خوش خوش اپنے وطن روانہ ہوگیا۔

قریش نے جو بندہ کسی متوقع خبر کے لیے بھیجا تھا، وہ بڑی تیزی کے ساتھ واپس وہاں پہنچا جہاں قریش کے سردار کسی دھما کے دار خبر کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

اُس مخبر نے واپس آ کر منتظر سرداروں کو پورا ماجرا سنایا کہ:

واللہ! آج میں نے وہ حیران کن منظر دیکھا ہے جس کا تم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ہوا یہ کہ عمرو بن ہشام نے جب دروازہ کھولا

تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنے سامنے دیکھتے ہی اُس کا رنگ بدل گیا

اور چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

میں نے دیکھا کہ خوف کے مارے اُس کا سارا جسم کانپ رہا تھا

اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اُسے حکم دیا

کہ وہ اس پردیسی تاجر کا حق فوراً ادا کردے

تو اُس وقت ابنِ ہشام مجھے ایک بے جان بُت کی طرح نظر آیا۔

خاموشی کے ساتھ گھر کے اندر گیا

اور اُونٹوں کی طے شدہ قیمت لا کر اُس پردیسی تاجر کے ہاتھ پر رکھ دی،

جو اپنی ڈوبی ہوئی رقم ملنے پر بڑا خوش ہوا

اور جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا شکریہ ادا کر کے اپنے وطن کی طرف روانہ ہوگیا۔

حرم میں موجود سردارانِ قریش یہ واقعہ سن کر حیرت میں پڑ گئے۔

پھر جب ابوجہل آیا تو بولے:

اے ابوالحکم!

تم پر بڑا افسوس ہے۔
تم تو بڑے بہادر سردار تھے۔
یہ آج کیا ہوا کہ ہمت ہار بیٹھے۔
جواب میں عمرو بن ہشام نے اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا:
ساتھیو! حقیقت یہ ہے کہ
جب میں نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ کو دیکھا
تو مجھ پر رعب طاری ہوگیا۔
میں اتنا خوف زدہ ہوا کہ میرے اعصاب جواب دے گئے۔
جب میں کوئی بات کہنے یا کرنے کے قابل ہی نہ رہا تھا
تو پھر میں کیا کرتا، سوائے اس کے کہ
اُس پردیسی تاجر کو دونوں اُونٹوں کی قیمت ادا کر دیتا۔(1)

سلام اُس پر کہ جو مطلوب و مقصودِ خدا ٹھہرا
سلام اُس پر کہ جو ٹوٹے دِلوں کا آسرا ٹھہرا
سلام اُس پر کہ جس کی پاک صورت پاک سیرت تھی
سلام اُس پر کہ جس کی زندگی خلق و مروّت تھی

عرش کے تاج والے پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ مجتبیٰ پہ کروڑوں درود

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 389-90/1

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ شفقت کا اظہار

غزوۂ بدر کے تاریخی موقع پر جب لشکرِ اسلام نے میدانِ بدر کی جانب اپنے سفر کا آغاز کیا تو قریشِ مکّہ کے مقابلے میں مجاہدینِ اسلام کے پاس نہ صرف سامانِ جنگ کی شدید قلت تھی، بلکہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے لشکرِ اسلام کے پاس سواریوں کی تعداد بھی انتہائی کم تھی۔

معرکۂ حق و باطل میں حصہ لینے والے تین سو تیرہ جاں نثارانِ اسلام کو یہ طویل سفر طے کرنے کے لیے صرف ۸۰ کے قریب اُونٹوں اور فقط دو گھوڑوں کی سہولت حاصل تھی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِس مشکل کو حل کرنے اور سفر کو آسان بنانے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ تین تین چار چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک ایک سواری میں باہم شریکِ سفر بنا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بھی اِسی اصول اور طریقۂ کار کے مطابق میدانِ بدر تک کا سفر طے فرمایا، چناں چہ اِس بابرکت سفر میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس اُونٹ پر سواری فرما رہے تھے، اُس اُونٹ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنا شریکِ سفر بنایا تھا۔

اِس عظیم ترین سفر کے دوران جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو دونوں رفیقانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدمتِ اقدس میں درخواست پیش کی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنا تمام سفر سواری پر ہی مکمل فرمائیں، ہم دونوں کو
یہ سفر پیدل طے کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہو رہی۔

عدل و انصاف کے پیکر، سراپا رحمت و شفقت، پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے مشفقانہ انداز میں فرمایا:

دیکھو!

نہ تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور اور توانا ہو اور نہ ہی پیدل چلنے میں تم
دونوں مجھ سے زیادہ استطاعت اور ہمت رکھتے ہو اور اِس بات کو بھی یاد
رکھو کہ جہاد کے راستے میں کی جانے والی جدوجہد کے بدلے میں
ملنے والے اجر و ثواب کا میں بھی اتنا ہی مشتاق اور آرزُومند ہوں،

جتنی تم دونوں اِس بات کی اللہ تبارک وتعالیٰ سے اُمید اور خواہش رکھتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عزیز القدر اصحاب رضی اللہ عنہم کے شانہ بہ شانہ تمام امور میں گہری دلچسپی اور پوری سرگرمی کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں سے ممتاز نظر آنے کے عمل کو کبھی پسند نہیں فرمایا، چناں چہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس یادگار اور مبارک سفر کو اپنے جاں نثار ساتھیوں کی زبردست خواہش اور پُر زور اصرار کے باوجود اپنی باری پر پیدل چل کر ہی مکمل فرمایا۔(1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

فلک نے دیکھا ہے ذرّوں کو کہکشاں بنتے
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف وعنایت کی بات کرتے ہیں
پہنچ سکا نہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کو
ہزار لوگ سخاوت کی بات کرتے ہیں

1۔الطبقات الکبری لابن سعد:2/15-16

حضور نبیِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کے بیٹے کی وفات پر تعزیتی خط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے رسُول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کے نام

السلامُ علیکم !

بے شک ہر تعریف کی حق دار صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے
جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

امابعد !

اللہ ربُّ العزت آپ کو اِس صدمۂ عظیم پر صبرِ جمیل اور ثوابِ کبیر عطا فرمائے اور
اللہ ذُوالجلال والاکرام آپ کو اُس کی عطا کردہ نعمتوں پر شکرگزاری کی توفیق عنایت فرمائے !
بے شک آپ کا یہ فرزند اللہ کا خوب صورت انعام تھا لیکن یہ ایک آفاقی سچ ہے کہ
ہماری زندگی، ہمارے اہل وعیال اور ہمارے اموال، سب کچھ
اللہ پاک پروردگار کی طرف سے بابرکت انعامات اور مستعار امانتیں ہیں۔
جب تک اللہ کی رضا ہو ، بندہ اِن نعمتوں سے خوشی ومسرت حاصل کرتا ہے
اور جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو اللہ اپنی نعمتیں واپس لے لیتا ہے۔
بندے کا فرض ہے کہ ربّ کریم خدائے رحیم کی عطا کردہ نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کرے
اور جب اِس کائنات کا خالق ومالک اپنی نعمت واپس لے تو پھر صبر سے کام لے۔
اگر کوئی یہ صبر اللہ کی رضا اور اجرو ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کرے تو اللہ
کی رحمتیں اُس پر نازل ہوں گی اور رشد و ہدایت اُس کا مقدر بنے گی۔

پس اے معاذ رضی اللہ عنہ !

اگر آپ اجرو ثواب کے خواہش مند ہیں تو صبر کا راستہ اختیار کریں۔
کہیں آپ اس صدمے پر پریشانی، بے تابی اور بے صبری کا اظہار کر کے
اللہ کے ہاں اپنے اجرِ عظیم کو ضائع نہ کر بیٹھیں۔

یاد رکھیں!
جو مقدر میں ہوتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے۔
آہ و بکا کا انداز اختیار کرنے سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا
اور نہ ایسا کرنے سے حزن و ملال کا مداوا ہوسکتا ہے۔
یقیناً روزِ حساب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے اُن کو،
جو دُکھ اور تکلیف پر صبر کا راستہ اختیار کرنے والے ہوں گے،
اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔
اے معاذ رضی اللہ عنہ! صبر کریں
اور اللہ ربُّ العزت کی جانب سے بے حساب اجر وثواب کے منتظر رہیں! (1)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

رہبرِ دین و دنیا پہ بے حد درود
شافع روزِ محشر پہ بے حد درود
ہم ضعیفوں کے ملجا پہ بے حد درود
ہم غریبوں کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔ رقم الحدیث: 324

حضرت سواد رضی اللہ عنہ بن غزیہ انصاری

17 رمضان کریم سنہ ۲ ہجری، صبح کا سہانا وقت اور مقدس دن جمعۃ المبارک تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بدر کے میدان میں لشکرِ کفّار کی صف آرا فوجوں کے سامنے فدا کارانِ اسلام کی صفوں کو، مضبوط تر کرنے کے لیے ایک خاص اہتمام، منفرد ترتیب اور جدید انداز کے ساتھ درست فرما رہے تھے، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔

میدانِ جنگ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک عاشقِ صادق کی جانب سے الفت و انسیت اور عقیدت و ارادت کا ایک دل آویز منظر دیکھا۔ وہ یہ کہ جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لشکرِ اسلام کی صف بندی کا انتظام و انصرام فرما رہے تھے کہ اِس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چلتے چلتے جب اُس جگہ پہنچے جہاں حضرت سواد رضی اللہ عنہ بن غزیہ انصاری، جو قبیلہ عدی بن نجّار کے حلیف تھے، وہ اپنے ساتھیوں سے ذرا آگے ہو کر کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنھیں تھوڑا پیچھے کرنے کے لیے اپنی چھڑی سے اُن کے پیٹ کو دباتے ہوئے فرمایا:

استوِیا سواد!

اے سواد رضی اللہ عنہ! صف کی سیدھ میں کھڑے ہو جاؤ!

چھڑی کے پیٹ کو چھوتے ہی حضرت سواد رضی اللہ عنہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت اور شیفتگی و فریفتگی کے اظہار کا ایک سنہری موقع میسّر آ گیا۔ اُنھوں نے فی الفور اِس خوش ترین موقعے سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو، صداقت، سچائی اور راستی کو

دنیا میں نافذ کرنے کے لیے اپنا رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث فرمایا ہے۔

بہ حیثیت پیغمبرِ اسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حق و انصاف اور عدل و مساوات کے علم بردار ہیں

لیکن یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ایک تکلیف پہنچی ہے،

وہ یہ کہ میرے پیٹ کو جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چھڑی سے دبایا تھا،

عین اُس جگہ مجھے شدید درد محسوس ہو رہا ہے۔

میرے نزدیک انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ
مجھے بھی بدلہ لینے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔

سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہی لشکر کے ایک سپاہی کی جانب سے کیے گئے اِس انوکھے مطالبے پر کسی غم و غصے کا اظہار فرمانے کی بجائے اپنے جاں نثار کے دعوے کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی چھڑی حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی۔

خود کو قصاص کے لیے پیش کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زِرہ کو ایک جانب کیا اور اپنی قمیض مبارک کو تھوڑا سا اُوپر اٹھاتے ہوئے فرمایا:

اے سواد رضی اللہ عنہ! اپنا بدلہ لے لو!

حضرت سواد رضی اللہ عنہ اپنے کانپتے جسم اور لرزتے ہونٹوں کے ساتھ آگے بڑھے، تھوڑا جھکے اور پھر جسمِ اطہر کے ساتھ لپٹ کر والہانہ انداز میں معطر و موقر شکم مبارک کو چومنا شروع کر دیا، پھر اُٹھے اور اپنی جگہ پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ میدانِ کارزار میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عاشقانہ ادا کے اِس بالکل نئے انداز کو بڑی حیرت، گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔

رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے اپنے اِس عاشقِ صادق سے فرمایا:

اے سواد رضی اللہ عنہ!
تمھارے دل میں اس عمل کا خیال کیسے آیا؟

حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
حالات یہ ہیں کہ
آج اِس میدانِ کارزار میں معرکۂ حق و باطل بپا ہونے والا ہے۔
موت و حیات کی اِس رزم گاہ میں شاید میرے نصیب میں آج
شہادت لکھی ہوئی ہو اور اِس طرح میری زیست کے یہ آخری لمحات بھی ہو سکتے ہیں۔
میں اپنے دل میں ہمیشہ سے یہ تمنا رکھتا تھا کہ اگر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ
قریب سے ملاقات کا موقع میسر آ جائے تو میں اپنی اُلفت و اَرادت کا اظہار
ضرور کروں گا، چناں چہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے ہٹنے کے لیے اپنی چھڑی
سے میرے پیٹ کو دبایا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قدرت کی طرف
سے اپنی دیرینہ آرزُوئے حیات کو پورا کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ اگر آج میری قسمت نے یاوری کی
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے مبارک اور مقدس جسم کو چھونے کی
اجازت عطا فرما دی تو پھر جہنم کی آگ میرے جسم کے کبھی قریب نہ آسکے گی۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکر گزار ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شفقت و مہربانی
اور دل نوازی سے اپنے اِس غلام کو اتنا عظیم الشان موقع عنایت فرمایا۔
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جانباز کی طرف سے عقیدت کے اِس منفرد انداز کو پسند فرماتے ہوئے اُس کے لیے خیر و برکت کی دُعا فرمائی۔(1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اپنی اُمت کا غم گسار آگیا ہے
رؤف آ گیا ہے ، رحیم آگیا ہے
غریبوں کی جاں کو، یتیموں کے دل کو
سکوں مل گیا ہے، قرار آگیا ہے

1۔معرفۃ الصحابہ ابی نعیم:1404/3

دیہاتی دوست

بنی اشجع کے زاہر رضی اللہ عنہ بن حرام مدینہ منورہ کے نواح میں ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے ہجرت کے ابتدائی زمانے میں ہی اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرلیا تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ جاں نثار واجبی رنگت اور معمولی شکل وصورت کے مالک تھے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جاں نثار کے ذرائع آمدن نہ صرف نہایت قلیل تھے بلکہ اکثر اوقات انھیں روزانہ کے گھریلو اخراجات پورے کرنے میں بھی مشکلات کا سامنا رہتا تھا۔

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ جب بھی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سلامِ نیاز پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت خندہ پیشانی سے انھیں خوش آمدید کہتے اور گلے لگاتے۔ اپنی بے بضاعتی کے باوجود وہ گاؤں سے لائے ہوئے تحفے، یعنی تازہ سبزیاں، پھل، ستّو اور شہد وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن تحفوں کو نہایت قدر افزائی کے ساتھ قبول فرماتے۔ پھر جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ شیدا وفریفتہ عاشق گاؤں واپس جانے کے لیے اپنے آقا علیہ السلام سے اجازت کے طلب گار ہوتے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے محبوب دوست کو شہر کے بہت سے تحفے دے کر رخصت فرماتے تھے۔

ایک روز اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے کہ زاہر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکائے مجلس سے اُن کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

زاہر رضی اللہ عنہ ہمارا دیہاتی دوست اور ہم اُس کے شہری دوست ہیں۔

سادگی، خلوص اور محبت کے اِس پیکر کا طریقۂ تجارت یہ تھا کہ وہ مختلف دیہات سے پھل، سبزیاں وغیرہ لاکر مدینہ منورہ کے بازار میں فروخت کرتے تھے۔

ایک روز خوش بخت زاہر رضی اللہ عنہ بازار میں کھڑے گاؤں سے لائی ہوئی اشیاء کی فروخت میں مصروف تھے کہ حسنِ اتّفاق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُدھر سے گزر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک نظر جب اپنے دیہاتی دوست پر پڑی تو اپنی شفقت کا اظہار کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی آہستگی کے ساتھ اُس کے پیچھے جاکر کھڑے ہوگئے اور پھر اپنے مقدس ہاتھ اُس کی آنکھوں پر رکھ دیئے۔ ایک لمحے کے لیے جنابِ زاہر رضی اللہ عنہ نے خوش گوار حیرت کے عالم میں سوچا کہ یہ بابرکت ہاتھ کس شخصیت کے ہوسکتے ہیں لیکن اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی عنبر اور گلِ احمر کی خوشبو سے جلد ہی انھیں یہ احساس ہوگیا کہ اتنے نرم وملائم اور معطّر ومؤقر مبارک ہاتھ تو

صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی ہو سکتے ہیں۔ جب انھیں یقین ہو گیا کہ میرے پیچھے تو خود آقائے دو جہاں نبی آخر الزماں بہ نفسِ نفیس موجود ہیں تو اُنھوں نے اس بابرکت موقعے سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ارادتاً اپنی کمر کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ اطہر کے ساتھ مس کرنا شروع کر دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفقت و محبت کے ساتھ زاہر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور دل لگی کے انداز میں فرمایا:

اے لوگو!

تم میں سے کون ہے جو میرے اس غلام کو خریدنا پسند کرے گا۔

زاہر رضی اللہ عنہ نے بھی عقیدت و ارادت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اس مال کی اچھی قیمت نہیں ملے گی،
کیوں کہ میرے جیسے غریب اور مسکین صورت اور کالی رنگت والے
غلام کو بہت کم قیمت پر بھی کوئی خریدنا پسند نہیں کرے گا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت مشفقانہ انداز میں فرمایا:

اے زاہر رضی اللہ عنہ!

تم اللہ کے ایک حکم بردار اور اطاعت گزار بندے
اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے
محبت کرنے والے ایک تابع فرمان، وفادار اور فداکار عقیدت مند ہو
اور اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تم سے انس و محبت رکھتے ہیں۔
یہ وہ خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی بارگاہ میں تم بہت زیادہ قیمتی ہو۔(1)

سبحان اللہ العظیم

اس کی قسمت پہ فدا سارے جہاں کی دولت
جس پہ ایک بار بھی آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ہو جائے
عرش کے تاج والے پہ ہر دم درود
ہم غریبوں کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ بے حد سلام
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

1۔ الشمائل المحمدیہ للترمذی: 143/1۔ رقم الحدیث: 229

ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال

اہلِ یمامہ کا سردار اور قومِ بنی حنیفہ کا سربراہ بڑے جاہ وجلال اور رعب داب والی شخصیت کا مالک تھا۔ مغرور، سرکش اور خود پسند ثمامہ بن اثال کی یہ عادت بن چکی تھی کہ وہ لوگوں کے ساتھ بات چیت میں ہمیشہ اکھڑ لہجہ اور تیز مزاجی کا رویّہ اختیار کرتا تھا۔ عرب کے بڑے بڑے بہادر اور دِلاور اس بے لحاظ اور بے مروّت سردار کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سردارانِ عرب کو اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے بھجوائے تھے، اُن میں ملک یمانہ کا یہ سردار ثمامہ بن اثال بھی شامل تھا۔ اس فریب خوردہ شخص نے بڑی رعونت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک خط کو پھاڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے سفارتی نمائندے کے ساتھ بھی نہایت توہین آمیز سلوک سے پیش آیا۔ اس واقعے کے بعد اس منہ زور اور سخت سردار نے اسلام کے خلاف دشمنی کو اپنا معمول بنالیا، یہاں تک کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کے منصوبے بنانے لگا (نعوذ باللہ)۔

اسی دوران اس نافرمان نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی شہید کر دیا۔ جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت افسردہ ہوئے۔ اس سانحے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بغاوت پر آمادہ سردار کے قتل یا گرفتاری کا حکم جاری فرمادیا۔

لیکن اتفاقاً ایک دن ایسا ہوا کہ نجد کی جانب جانے والی مسلم شہ سواروں کی ایک جماعت نے، جس کی قیادت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کر رہے تھے، دشمن کا جاسوس سمجھ کر بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرلیا اور مدینہ منوّرہ لا کر مسجدِ نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیا۔ اُس اکھڑ سردار کو گرفتار کر کے لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اُس کی پہچان نہیں تھی، چناں چہ جب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں نماز کی ادائیگی کے لیے تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گرفتار شخص کو دیکھ کر اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ تم لوگ تو ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے لے آئے ہو۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس زیرِ حراست سردار سے مخاطب ہوئے:

ثمامہ!

اس وقت کیا سوچ رہے ہو؟

اگر کچھ کہنا چاہتے ہو تو اجازت ہے، کہہ سکتے ہو۔

اُس جھگڑالو شخص نے اکڑی ہوئی گردن اور تلخ لہجے میں کہا:

میرا خون بہت قیمتی ہے۔
اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے قتل کر دیں گے تو میرا قبیلہ میرے خون کا بدلہ لے گا۔
اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری رہائی کے بدلے کسی معاوضے کے خواہش مند ہیں
تو میرا خاندان یہ معاوضہ ادا کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرے گا۔

موت اس کے اتنے قریب تھی لیکن اس کے باوجود وہ پورے ٹھاٹھ باٹھ طنطنے اور اکھڑ لہجے کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ اُس کے بات کرنے کے اس انداز کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

ثمامہ اپنی قوم کا سردار ہے۔
اس کا خصوصی خیال رکھیں۔
صبح شام اسے اچھی اُونٹنیوں کا دودھ پینے کے لیے پیش کریں،
تاکہ یہاں اسے کسی چیز کی کمی کا احساس نہ ہو۔

اگلے روز وہاں سے گذرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اُس سے دریافت فرمایا:

ثمامہ!
اب کیا سوچتے ہو؟

اُس گھمنڈی شخص نے پھر بڑے کُھردرے انداز میں جواب دیا:

اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو میں یقیناً اس کا مستحق ہوں،
کیوں کہ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معصوم صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو
بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا۔
اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری ذات کے بدلے کوئی معاوضہ چاہتے ہیں تو میرا
خاندان آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خواہش کے مطابق یقیناً اس معاوضے کی ادائیگی کر دے گا۔

آج پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی کسی بات کا جواب دینے کی بجائے اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور نماز کے لیے تشریف لے گئے۔

تیسرے روز جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے دریافت فرمایا:

ثمامہ!
آج کس انداز میں سوچ رہے ہو؟

لیکن اب اُس نڈر اور بے باک شخص کی کایا پلٹ چکی تھی۔ اس نے بڑے تحمل اور بردباری سے عرض کیا:

اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے ساتھ احسان فرمائیں گے

تو ایک ایسے شخص کے ساتھ کرم اور مہربانی فرمائیں گے

جو احسانات کا شکریہ ادا کرنا جانتا ہے۔

اُس وقت جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثمامہ بن اثال کو قتل کرنے یا عبرت ناک سزا دینے کا مکمل اختیار رکھتے تھے، لیکن رحمۃ للّعالمین حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفو و درگزر کا اظہار کرتے ہوئے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خون معاف فرما دیا اور اُسے رہا کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اے ثمامہ!

اب تم آزاد ہو۔

جہاں چاہو، جا سکتے ہو!

ثمامہ بن اثال حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کریمانہ اندازِ مہربانی اور حُسنِ سلوک سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ چوں کہ اس کی سرشت میں پیغامِ حق قبول کرنے کا جذبہ موجود تھا، اس لیے سلیم الفطرت سردار نے غلامیِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنے کے فیصلے میں ذرا بھی تاخیر نہ کی۔ وہ مدینہ منورہ کے نواح میں ایک چشمے پر گیا، غسل کیا اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر بلند آواز میں ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ'' کہا اور حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا شرف اور اعزاز حاصل کر کے دنیا و آخرت کی تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کا حق دار بن گیا۔

پھر اپنے قلب میں اور جذبات میں جو تبدیلی محسوس کی، اُس کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اس رُوئے زمین پر

میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھی

لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل کش شخصیت، خوش قامت اور برگزیدہ ذاتِ اقدس

مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رُخِ مبارک اس عالم کے تمام چہروں سے زیادہ حسین ہے۔

ہر دور دے شاہاں تو سرکار نرالے نیں
نبیاں تے رسُولاں دے سردار نرالے نیں
سرکارِ مدینہ دے لگے نیں قدم جھتے
طیباں دیاں اوگلیاں تے بازار نرالے نیں

واللہ!

مجھے مذہب اسلام کے ساتھ سب سے زیادہ عناد اور عداوت تھی

لیکن آج دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ اسلام میرے دل کے قریب ہے۔

اُمّتِ مسلمہ میں شامل ہونے سے پہلے اس شہر کے متعلّق

میں اپنے دل میں سب سے زیادہ بیزاری اور ناگواری محسوس کرتا تھا

لیکن آج یہ فردوسِ نظر شہر میرے نزدیک عروس البلاد کی طرح ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے شفقت بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے اُن کی گذارشات سنتے رہے۔

آخر میں اُنھوں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

آج میں بہت افسردہ ہوں، کیوں کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے میرے ہاتھوں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تھے اور میں نے اسلام اور

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کئی ناپاک منصوبے بھی بنائے تھے۔

سراپا رحم وکرم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ثمامہ رضی اللہ عنہ!

اپنے دل میں اطمینان رکھو!

کیوں کہ کوئی شخص جب اسلام قبول کر لیتا ہے

تو اللہ ذُوالجلال والاکرام اُس کے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

اسلام کے شہ سواروں نے مجھے اُس وقت گرفتار کیا جب میں

بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکّہ معظّمہ جارہا تھا۔

اب جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرمائیں گے، میں صرف اُسی پر عمل کروں گا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں عمرہ ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ مکّہ پہنچ کر جب وہ حرم میں داخل ہوئے تو اُنھوں نے دورِ جاہلیت کی رسُوم کی بجائے اسلامی طریقے سے تلبیات پڑھنا شروع کر دیں۔

قریش کے بہت سے لوگ انھیں ذاتی طور پر جانتے تھے۔

اُنھوں نے جب یہ معاملہ دیکھا تو ثمامہ رضی اللہ عنہ کو طعن و طنز کا نشانہ بناتے ہوئے کہا:

ثمامہ تمھاری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔
لگتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے دین سے منحرف ہو گئے ہو؟
اور اگر واقعی تم نے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ دیا ہے
تو پھر ہمارا مقابلہ کرنے یہاں کیوں آ گئے ہو؟

اُنھوں نے جواب دیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!
میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں جو اللہ کے
سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور میری یہ بات کان کھول
کر سن لو کہ اللہ کا پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال کے اس اعلان پر کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں، شدید ردِّ عمل کا اظہار کرتے ہوئے قریش کے نوجوان اُن کے ساتھ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے، بلکہ کئی مشتعل نوجوانوں نے تو انھیں گرفتار کرنے کی بھی کوشش کی۔ اُن کی اس گری ہوئی حرکت پر حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال نے برانگیختہ ہو کر یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ مکّہ شہر کے لیے وادیِ یمامہ سے گندم کی ترسیل بند کر دی جائے گی۔ چناں چہ جب وہ اپنے قبیلے میں واپس پہنچے تو اُنھوں نے حسبِ اعلان مکّہ شہر کو گندم کی ترسیل روک دی، حتیٰ کہ اُن اُونٹوں کو بھی واپس بلا لیا جو مکّہ شہر کے قریب پہنچ چکے تھے۔(1)

چوں کہ وادیِ یمامہ مکّہ شہر کے لیے گندم کی خریداری کا سب سے بڑا مرکز تھا، لہٰذا گندم کی رسد بند ہونے کے نتیجے میں مکّہ میں قحط پھیل گیا، یہاں تک کہ قریش کے بچے، بوڑھے، جوان اور خواتین خوراک کی کمی کی وجہ سے ہلاکت کے کنارے تک پہنچ گئے۔ صورتِ حال خراب ہو جانے پر اہلِ مکّہ سخت پریشان ہو گئے۔ اُنھوں نے نہایت اضطراب اور بدحواسی کے عالم میں ایک درخواست فوری طور پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بھیجی جس میں اُنھوں نے یہ التجا کی۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو سراپا رحم و کرم ہیں
اور بلاشبہہ سب سے زیادہ صلۂ رحمی کا خیال فرمانے والے ہیں۔
ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریب ترین رشتہ دار ہیں اور اس وقت حالت
یہ ہے کہ اہلِ مکّہ اناج کے ایک ایک دانے کو ترس رہے ہیں۔

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 4372

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم پر رحم فرمائیں اور اپنے جاں نثار رفیق
سردار ثمامہ (رضی اللہ عنہ) کو حکم فرمائیں کہ وہ گندم کی ترسیل پر عائد کی گئی پابندی کو اُٹھالے۔
اس عنایت پر ہم اہلِ مکّہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شکر گزار ہوں گے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچھلے بیس سال سے قریشِ مکّہ کے ہر ظلم اور زیادتی کو بڑے صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت فرما رہے تھے۔

سردارانِ قریش نے تین سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور ساتھیوں کا اتنا سخت مقاطعہ کیا تھا کہ شعبِ ابی طالب میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے ہاشمی خاندان کے بچے بھوک اور پیاس سے تڑپتے اور بلبلا اٹھتے تھے۔ ان دِل دوز مناظر اور صدمات پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

وہ مقدس شہر، جہاں اللہ کا بابرکت گھر تھا، اُسے بھی الوداع کہنا پڑا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو اس لیے شہید کر دیا گیا تھا کہ اُنھوں نے بتوں کی پرستش کرنے سے انکار کر دیا تھا اور خدائے واحد پر اپنے ایمان سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طرح طرح کے بدزبان اور منہ پھٹ لوگوں کی تلخ گفتاری کو برداشت فرماتے رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں (نعوذ باللہ)۔

جنگِ بدر، جنگِ اُحد اور جنگِ خندق کے موقعے پر اسلام اور اہلِ اسلام کو نیست و نابود کرنے کا عزم لے کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی گئی۔

اہلِ اسلام کے لیے بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ جیسی بابرکت عبادت کی ادائیگی میں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔

بدبخت اہلِ مکّہ کو اپنے یہ مظالم اور سب کارنامے یاد تھے لیکن جب خود انھیں مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا تو فوراً بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے، گویا جس طرح دورِ جہالت میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و امانت کے قائل تھے، اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و درگزر اور رحم دِلی پر یقین رکھتے تھے۔

چناں چہ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جان، مال اور عزت کے دشمنوں سے رحم و کرم، بخشش اور حسنِ سلوک کا معاملہ فرماتے ہوئے اپنے جاں نثار ثمامہ رضی اللہ عنہ بن اثال کو حکم بھیج دیا کہ اہلِ مکّہ کے لیے گندم روانہ کر دیں۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ملتے ہی ثمامہ رضی اللہ عنہ نے مکّہ شہر کو گندم کی ترسیل بحال کر دی۔(1)

رسولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید شفقت فرماتے ہوئے اپنی طرف سے بھی پندرہ سو اشرفیاں،

1۔ فتح الباری: 88/8

کھجوریں اور دیگر سامان خورد و نوش اہلِ مکّہ کے لیے روانہ فرمایا۔ صاحبِ عظمت وجلالت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور نفسِ اطہر پر لاکھوں درود و سلام کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کے خاکی جسم پر غلبہ حاصل کرنے کی بجائے اُس کے دل کو فتح اور روح کو تسخیر فرمایا:

رتبہ جن کا خیر البشر
قُربِ الٰہی جن کا گھر
نورِ ازل جن کی جبیں
لقب جن کا رحمۃ للّعالمین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث

فتح مکّہ سے کچھ دن پہلے سردارانِ قریش کے سفیر کی حیثیت سے سردار ابوسفیان بن حرب نے مدینہ کا دورہ کیا جو ناکام رہا۔اس کے بعد مکّہ میں بہت سے لوگ اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے تھے کہ جزیرۃ العرب میں برسرِ پیکار متحارب گروہوں میں مسلمان اب سب سے زیادہ طاقت ور حریف کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آچکے ہیں اور قریش کے لیے عرب میں اپنی قیادت اور سیادت کے مقام کو برقرار رکھنا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے کہ اسلام کا معاملہ ہر طرف استوار اور پائیدار نظر آنے لگا ہے، جناب ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بھی جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے کی بجائے اپنے دلوں کو اسلام کی روشنی سے رخشندہ و تابندہ کرنے کا عزم لیے اپنے گھروں سے نکلے اور مدینہ کی جانب چل دیئے۔

ابوسفیان، حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقیقی تایا جناب حارث بن عبد المطلب کے بیٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دودھ شریک بھائی تھے۔اُنھوں نے بھی بی بی سعدیہ حلیمہ کا دودھ پیا تھا۔نسبی اور رضاعی رشتے اور ہم عمر ہونے کی وجہ سے دونوں بھائیوں میں گہری اُلفت ومحبت اور بہترین دوستی بھی تھی، یہاں تک کہ ابوسفیان کو تو ایک لمحے کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جدا ہونا گوارا نہ تھا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچانے اور اپنی نبوّت کا اعلان کرنے کے لیے اپنے خاندان والوں کو کھانے کی پہلی دعوت پر بلایا تو ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی اُمیّہ نے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ یہ دونوں کم ظرف بھائی شدید مخالفت پر اُتر آئے اور برس ہا برس تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف فضول طرز کی شاعری اور دل آزار افسانہ سازی میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرتے رہے۔

ایک بار عبداللہ بن ابی اُمیّہ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی جان عاتکہ کے فرزند اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے باپ کی طرف سے بھائی تھے، سردارانِ قریش کے ایک اجتماع میں نہایت گستاخانہ لہجے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک احمقانہ بات کہہ دی کہ:

> اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آسمان سے تصدیق شُدہ کتاب اور پکی تحریر لے کر
> آجائیں اور چار فرشتے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ ہوں جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
> کی تصدیق کریں تو بھی میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اس دعوے کو حق تسلیم نہیں
> کروں گا کہ واقعی اللہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

اُن کی یہ تکلیف دہ اور غم زدہ کرنے والی باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت افسردہ ہوتے، یہاں تک کہ

ابوسفیان اور عبداللہ نے اپنے عظیم المرتبت اور صاحبِ عظمت بھائی کے دل کو دُکھ پہنچانے اور اسلام کے خلاف اپنی عداوت اور مخاصمت کے طرزِ عمل کو مسلسل بیس برس تک جاری رکھا۔ فتح مکّہ سے پہلے یہ ہر معرکے میں اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے عزم کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف اپنے قریبی رشتے اور گہری دوستی کی پروا کیے بغیر برسرِ پیکار رہے لیکن جب ان دونوں بھائیوں کو اپنی فروگزاشت اور خطاؤں کا احساس ہوا تو وہ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے کے لیے کسی مناسب موقعے کی تلاش میں سرگرداں نظر آ رہے تھے۔

عین اُس وقت جب دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل لشکرِ اسلام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظیم الشان قیادت میں مکّہ کی جانب رواں دواں تھا کہ ابواء کے مقام پر معافی کے خواست گار جناب ابوسفیان نے اسلامی لشکر کو آتے دیکھا۔ عرب کا یہ مشہور شہسوار فوراً اپنی سواری سے نیچے اُترا اور پیدل چلنے لگا، تاکہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سلامِ عقیدت پیش کرنے کا کوئی مناسب موقع مل سکے۔ جیسے ہی اُسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کے آثار نظر آئے، وہ بڑی تیزی کے ساتھ چل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رُوبرو جا کھڑا ہوا۔ اُس کے گزشتہ اعمال کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس سے انتہائی ناراض اور بے زار تھے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا رُخِ انور اس کی جانب سے پھیر لیا۔ کافی کوشش کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے دوبارہ جا کھڑا ہوا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

اب تک کی تمام کوششوں میں جناب ابوسفیان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا لیکن اُس نے اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کسی اچھے موقعے کی تلاش میں لشکرِ اسلام کے ساتھ سفر جاری رکھا۔

اگلی منزل پر جب لشکرِ اسلام نے پڑاؤ کیا تو اُمّ المومنین سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا، جو سارا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں کہ کس طرح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے کی رغبت اور شوق ظاہر کرنے والے نادم اور پشیمان بھائیوں سے گریز فرمایا ہے، تو اُنھوں نے ان دونوں کا قصور معاف کرانے کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور معافی کی درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ابوسفیان نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقیقی تایا جان جناب حارث بن عبدالمطلب کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نسبت دار ہے،

بلکہ وہ رضاعی بھائی کے رشتے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ وابستہ ہے۔

عبداللہ بن ابی اُمیّہ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دُہرا رشتہ ہے۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی صاحبہ کا بیٹا اور میرا باپ جایا بھائی ہے۔

یہ دونوں بدنصیب اپنے کیے پر شرم سار اور معافی کے طلب گار ہیں۔
میری درخواست ہے کہ ان کی غلطیوں کو درگزر فرمائیے!
اب یہ دونوں اسلام قبول کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں آنا چاہتے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کرم فرمائیے اور ان حرماں نصیب بھائیوں کو اپنے حضور حاضری
کی اجازت عطا فرما دیجیے!

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یہ میرے وہ بھائی ہیں جو مسلمانوں کی ایذا رسانی، اسلام کی تضحیک کرنے
اور تمسخر اُڑانے میں پیش پیش تھے۔
ابوسفیان شہر کے کوچہ و بازار میں لوگوں کو میرے بارے میں بے ہودہ
اور بے کار شعر سنایا کرتا تھا۔ دوسرا میرا پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابی اُمیّہ ہے
جس کی نامناسب، فضول اور لایعنی باتوں سے میں اپنے دل میں بے پناہ
رنج و غم محسوس کرتا تھا، لہٰذا میں ان لوگوں سے ملنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

جناب ابوسفیان کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں ان کے لیے رحم کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو وہ اتنا دل برداشتہ ہوئے کہ بھرائی ہوئی آواز میں اعلان کر دیا کہ:

خدا کی قسم!
اگر مجھے معافی نہ ملی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے اپنے دربار میں
شرف باریابی کی اجازت عطا نہ فرمائی،
تو میں اپنے چھوٹے بیٹے جعفر کا ہاتھ پکڑ کر تپتے ہوئے صحراؤں اور
ریگستانوں کی جانب نکل جاؤں گا
جہاں انجام کار ہم دونوں بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر
ہلاک ہو جائیں گے۔

جناب ابوسفیان کو اتنا مایوس دیکھ کر اُمّ المومنین سیّدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں دوبارہ درخواست گزار ہوئیں:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عفو و درگزر، جُود و سخا اور بخشش سے کئی دشمن فیض یاب ہو چکے ہیں،
تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تایا زاد بھائی اور پھوپھی زاد بھائی اس شفقت اور کرم کے حصول

میں کیوں ناکام و نامراد رہیں؟

اُمّ المومنین سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بڑے درد بھرے لہجے میں عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

اپنے ان بدنصیب اور محروم القسمت بھائیوں کو اپنے درِ دولت سے مایوس نہ لوٹائیے!

چناں چہ جب جناب ابوسفیان اور جناب عبداللہ کو اپنے گناہوں پر شرمندگی اور شرم ساری کا اظہار کرتے دیکھا تو رسولِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل بھر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت عطا فرمادی۔(1)

اب جناب ابوسفیان اور جناب عبداللہ یہ سوچ رہے تھے کہ پہلی ملاقات کے وقت ایسے کیا الفاظ ادا کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آزردگی اور رنجیدگی ختم ہوکر محبت وشفقت میں بدل جائے۔

اُن کی اس مشکل کو سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آسان فرمادیا اور کہا:

جب آپ لوگ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوں

تو چہرۂ مبارک کے رُوبرو ادب کے ساتھ کھڑے ہوکر وہ کلمات ادا کریں

جو بادشاہِ مصر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اُن کے دربار میں

حاضری کے وقت ادا کیے تھے۔

اس کے بعد سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اُن دونوں کو قرآن کی وہ آیات بھی یاد کرادیں۔

چناں چہ جب جناب ابوسفیان اور جناب عبداللہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے کر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝٩١ (سورہ یوسف)

خدا کی قسم!

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے

(اور اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں) کہ یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔

اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری خطائیں معاف فرمادیں گے۔

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی یہ تدبیر کامیاب رہی۔

جواب میں سرکارِ دوعالم رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:2/400-399۔کتاب المغازی للواقدی:2/812

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمھاری خطائیں معاف فرمائے!

اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

کلمۂ شہادت ادا کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد جناب ابوسفیان نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے فی البدیہ چند اشعار کہے:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی قسم!

اُس وقت میں کفر کا پرچم اس لیے بلند کیا کرتا تھا کہ ''لات'' کے لشکر
آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں پر غالب آجائیں۔ اُس زمانے میں
میری کیفیت اندھیری رات کے اس پریشان مسافر کی سی تھی جو تاریک
راہوں میں بھٹک جائے، پھر حیران و سرگرداں کھڑا ہو کر دیکھتا رہے کہ
منزل کدھر ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ خوش بخت لمحہ آگیا جب میرے دل
نے سیدھے راستے کی جانب پیش کی جانے والی ہدایت کو قبول کرلیا۔
میں نے از خود یہ ہدایت نہیں پائی بلکہ ایک ھادی اور راہنما نے میرا ہاتھ پکڑ کر
صداقت اور سچائی کی جانب میری راہنمائی فرمائی ہے۔
ایمان کی اس نعمت سے مجھے اُس مہربان ہستی نے روشناس کرایا ہے
جسے میں نے نہ صرف مشکل وقت میں چھوڑ دیا تھا، بلکہ اُن کے خلاف
تمام جنگوں میں برسرِ پیکار رہا لیکن اب میری زندگی کی صرف ایک تمنّا ہے کہ
میں اپنے کسی عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خوشی کا باعث بن سکوں۔ (1)

یہ اشعار سُن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد جناب ابوسفیان کے اسلام میں بڑا خلوص اور جاں نثاری آگئی۔ جب سے اُنھوں نے اسلام قبول کیا، عزت واحترام اور حفظِ مراتب کا خیال کرتے ہوئے کبھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی جانب بھرپور نظروں سے نہیں دیکھا، بلکہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تہذیب وشائستگی کے ساتھ سر جھکائے بیٹھے رہتے۔

جنگِ حنین میں بنو ہوازن کے اچانک حملے سے اسلامی لشکر میں بے چینی اور بے ترتیبی پھیل گئی۔ اُن مشکل ترین لمحات میں جب ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی، یہی برادرِ عزیز جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث

1۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: 1674-75/4

پوری دلیری، دلاوری اور جذبۂ سرفروشی کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ اگلے محاذ پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ اُن کی اس جرأت وشجاعت اور استقلال و استقامت کے مظاہرے پر اللہ کے حبیب رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن سے خوش اور راضی ہو گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی جب سرکارِ دوعالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خوش وخرم، کامیاب و کامران اور فائز المرام دیکھا تو اُن کے لیے مزید معافی کی درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ابوسفیان سے راضی ہوجایئے!

چناں چہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دُعا فرمائی:

یاربِّ کریم!

ابوسفیان کی میرے ساتھ کی گئیں تمام عداوتوں کو معاف فرما دیجیے!

اوراس سے راضی ہوجایئے!

پھر رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے برادرانہ شفقت سے ابوسفیان کو بلایا:

یا اخی ابو سفیان!

اے میرے بھائی ابوسفیان!(1)

یہ پیار بھرا خطاب سُنا تو جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث بڑی تیزی کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری کی جانب بڑھے اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رکاب میں رکھے مبارک پاؤں کو بار بار چومنے لگے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عقیدت واحترام کے اس جذبے کو دیکھتے ہوئے فرمایا:

ابو سفیان بن الحارث من شباب اهل الجنه

ابوسفیان بن حارث کا شمار جنّت کے جوانوں میں ہوتا ہے۔(2)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث کی زندگی مکمل طور پر تعلیماتِ اسلامی کے مطابق ڈھل گئی۔ اُنھوں نے اسلام کے ساتھ اپنے تعلّق کو تازیست بڑی خوبی وخلوص، ثابت قدمی اور اُنسیت کے ساتھ نبھایا۔

جب اُن کا آخری وقت آیا تو گھر والوں نے رونا شروع کر دیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر اُنھوں نے اہلِ خانہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

1۔امتاع الاسماع:357/1

2۔الاستیعاب:1675/4۔سبل الھدی والرشاد:135/11

اللہ گواہ ہے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، میں کسی غلط کام یا
گناہ کے قریب نہیں گیا، اس لیے میری تاکید ہے کہ میری موت پر کوئی نہ روئے!(1)
یہ الفاظ ادا کرتے ہی اُن کی پاکیزہ روح نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

جس کے جلوے زمانے میں چھانے لگے
جس کی ضو سے اندھیرے ٹھکانے لگے
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

1۔الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:1675/4

کلیدِ کعبہ

ہجرت سے کچھ دن پہلے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ شریف کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ:

اے عثمان! تھوڑی دیر کے لیے دروازہ کھول دو!

میں زیارت اور عبادت کے لیے خانۂ کعبہ کے اندر جانا چاہتا ہوں۔

سردارانِ مکّہ کے سخت دباؤ کی وجہ سے عثمان بن طلحہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مستحب خواہش کے جواب میں نہایت نامناسب انداز میں انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کے اس غلط رویّے کو بڑے صبر و ضبط اور تحمل و بردباری سے برداشت کرتے ہوئے فرمایا:

اے عثمان!

اس بات کو یاد رکھنا!

وہ دن ضرور آئے گا، جب اللہ کے اس بابرکت گھر کی چابی میرے اختیار میں ہوگی۔

لوگ اس کے حصول کے لیے میرے حضور اپنی خواہشات کا اظہار کریں گے

لیکن میں جسے مناسب سمجھوں گا، اُسے یہ چابی عطا کروں گا۔

حقیقت یہ تھی کہ امن اور سلامتی کے اس خوب صورت دین کو ایک دن غالب آنا ہی تھا لیکن عثمان اتنے دیدہ و بینا نہیں تھے کہ مستقبل میں ظہور پزیر ہونے والے واقعات اور اس کے نتیجے میں آنے والے اسلامی انقلاب کا اندازہ لگا سکتے، چناں چہ اُنھوں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی پر شدید ردِّ عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ دعویٰ درست ثابت ہوا تو پھر یقیناً وہ وقت

قومِ قریش کے لیے ذلّت و رسوائی اور تباہی و بربادی کا وقت ہوگا۔

اُن کی شان و شوکت اور اُن کی بزرگی و عظمت مٹی میں مل چکی ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے جلال، وقار اور متانت کے ساتھ فرمایا:

نہیں عثمان!

حقیقت یہ ہے کہ اُس دن قبیلۂ قریش کے لوگ شرف اور اعزاز

کے لحاظ سے شاد باد ہوں گے،
اُن کو سچی خوشی ملے گی اور وہ کامیاب وکامران ہوں گے۔(1)

چناں چہ دُنیا نے دیکھا کہ فتحِ مکّہ کے دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کی گئی پیشین گوئی حقیقت بن چکی تھی۔

بیت اللہ شریف کی چابی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس اور مبارک ہاتھوں میں تھی اور کئی معزز اور محترم شخصیات، جن میں سیّد نا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے ،رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درخواست گزار ہوئے کہ یہ بابرکت چابی انھیں مرحمت فرمائی جائے ،تاکہ سقایہ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی دربانی کا شرف بھی ہمیں حاصل ہوجائے لیکن ان میں سے کسی درخواست پر غور فرمانے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طلب فرمانے پر عثمان بن طلحہ پریشانی اور اضطراب کے عالم میں دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوگئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ شریف کے پرانے خادم کو چابی عطا کرتے ہوئے فرمایا:

اليوم يوم البر و الوفا

آج کا دن (اچھے برے ہر شخص کے لیے) بھلائی ،شفقت اور کرم فرمانے کا دن ہے۔

اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی بھی توثیق فرمادی کہ اس خدمت کا حق ہمیشہ کے لیے خاندان بنی عبدالدار کے پاس ہی رہے گا۔(2)

مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے عثمان!
یہ تمھارے لیے اللہ ذوالجلال والاکرام کا انعام ہے کہ بیت اللہ شریف
کی چابی رکھنے کے اس عظیم منصب کا اعزاز نسل درنسل تمھارے خاندان کے
پاس ہی رہے گا اور اگر کوئی وقت کا حاکم تمھارے خاندان سے یہ چابی لینے کی
کوشش کرے گا تو وہ سفاک اور جفاکار ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

اے عثمان!
اس مقدس گھر کی برکت سے تمھارے خاندان میں جو خوش حالی آئے،
اُسے تمھارے اہلِ خانہ نیکی اور بھلائی کے معروف اور پسندیدہ طریقوں
سے اپنے استعمال میں لائیں۔

1۔ کتاب المغازی للواقدی:837/2
2۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام:412/2

اس عظیم القدر احسان اور مہربانی پر عثمان بن طلحہ نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آج سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس دن کے فرمان کی سچائی کو اپنی
روشن آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

اے عثمان!

تم بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولنے سے انکار کر رہے ہو
لیکن ایک دن آئے گا جب اس چابی کا اختیار میرے پاس ہوگا
اور میں جسے چاہوں گا، اُسے عطا فرماؤں گا۔

صدقت یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان!

میں ایک دفعہ پھر گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اللہ کے سچے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔(1)

طبعاً شریف النفس اور امانت دار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ جب اس دارِ فانی کو الوداع کہہ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تو اُن کے بھائی اس منصب پر فائز ہوئے اور صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی نسل در نسل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ کے خاندان کو ہی بیت اللہ شریف کی پاسبانی کا شرف حاصل ہے۔

جس سے ظلمت کدے جگمگانے لگیں
جس کی نکہت سے مرجھائی کلیاں کھلیں
جس سے مردہ اُمیدوں کو جانیں ملیں
جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

1۔ کتاب المغازی للواقدی:838/2

عمیر رضی اللہ عنہ بن وہب

جنگِ بدر میں دنیاوی اسباب کی عدم دستیابی اور ہتھیاروں کی شدید قلّت کے باوجود جاں نثارانِ اسلام کی ایک چھوٹی سی تعداد نے مشرکینِ مکّہ کو جس عبرت ناک اور ذلّت آمیز شکست سے دوچار کیا اور جس طرح مکّہ کے متکبر سرداروں اور نام نہاد بہادروں کو موت کے گھاٹ اُتار کر اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا، اس تضحیک آمیز ہزیمت سے سارے جزیرۃ العرب میں قومِ قریش کے وقار اور احترام کو سخت دھچکا لگا اور وہ ذلّت و رُسوائی اور تحقیر کے اس گہرے داغِ ندامت کو کبھی فراموش نہ کر سکے۔

بدر کی جنگ میں مکّہ کے بڑے بڑے سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد سردار ابوسفیان نے شہر کے سر برآوردہ قائد اور ایک طاقت ور حکمران کی حیثیت سے حلف اُٹھاتے ہی سب سے پہلا حکم یہ جاری کیا کہ بدر میں مرنے والوں پر رونے دھونے، گریہ زاری اور ماتم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مکّہ کے رہنے والے ایک بوڑھے بت پرست سردار اسود کے تین جوان بیٹے زمعہ، عقیل اور حارث اس جنگ میں قتل ہو گئے تھے۔مصیبت کے مارے اس شخص کے لیے اپنے پیارے بیٹوں کے بچھڑ جانے کا غم ناقابلِ برداشت تھا۔حزن و ملال کی اس اَلم انگیز کیفیت میں اُسے لگتا تھا کہ اس کا جگر چھلنی اور کلیجہ پھٹ جائے گا۔اُس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے دل پر پڑے غم کے اس پہاڑ جیسے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے خوب گریہ و زاری اور آہ و بکا کرے لیکن اہلِ مکہ کو تو ہر قسم کے نالہ و فریاد سے منع کر دیا گیا تھا۔

سخت پابندی کے ایسے ماحول میں تمام متاثرہ افراد اپنے اپنے دُکھ اور غم کا اظہار کرنے کی بجائے ناقابلِ برداشت ضبط اور تحمل سے کام لے رہے تھے کہ اچانک اُس رات غم زدہ بوڑھے سردار کو ایک عورت کے رونے کی آواز سنائی دی۔اُس نے اپنے خادم کو دوڑایا کہ جلدی سے دریافت کر کے آئے کہ کیا مکّہ کی انتظامیہ نے رونے کی اجازت دے دی ہے؟

اُس نے واپس آ کر بتایا کہ ایک بوڑھی عورت کا اُونٹ گم ہو گیا ہے اور وہ اُس کے غم میں رو رہی ہے۔اس پر سردار اسود نے بے اختیار چند شعر کہے:

وہ بوڑھی عورت ایک معمولی اُونٹ کے گم ہو جانے پر رو رہی ہے
اور اُسے اپنے نقصان کے اس شدید صدمے سے نیند نہیں آ رہی۔
اے نیک بخت!
ہم مصیبت زدوں کا دل تو پہلے ہی رنج و الم سے بھرا ہوا ہے۔

اگر تجھے رونا ہی ہے
تو بدر میں ہلاک ہونے والے مکّہ کے بہادروں کا ماتم کر!
آہ بدر!
جہاں ہماری قسمت نے وفا نہ کی اور ہمارے نصیب ہار گئے،
جہاں ہماری عظیم قیادت کو پہلے تو بے دردی سے قتل کیا گیا،
پھر ہمارے بلند مرتبہ سرداروں اور رئیسانِ مکّہ کو
نہایت تحقیر کے ساتھ اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔
اگر تو رونا چاہتی ہے تو پھر میرے خوب صورت بیٹے عقیل کے لیے رو!
جرات مند، بے باک اور بہادر حارث کے لیے آہ وزاری کر،
جو ایک صف شکن شیر تھا یا پھر زمعہ کے فراق میں آنسو بہا،
جو قومِ قریش میں بے مثل تھا۔
اے بے وقوف عورت!
اپنے ایک اُونٹ کے گم ہو جانے پر کیوں روتی ہو۔
بدر میں قضاء کی بھینٹ چڑھ جانے والوں کا نام لیے بغیر بھی
ان پر اشک فشانی کر!
افسوس کہ وقت نے کیا پلٹا کھایا ہے کہ جنگِ بدر کی
وجہ سے نااہل لوگ شہر کے سربراہ بن گئے ہیں۔(1)

شہر کے اس سوگوار ماحول میں قریش کا ایک حیلہ باز اور زمانہ ساز بت پرست عمیر بن وہب اور اسلام کا ایک اور سخت ترین مخالف صفوان بن اُمیہ شہر سے باہر حجر کے مقام پر پہاڑیوں کے درمیان کہ جہاں ہر طرف سناٹا تھا، یہ دونوں چچا زاد بھائی غم زدہ ماحول میں اکٹھے بیٹھے بدر میں قتل ہونے والے اعلیٰ مقام کے حامل قریشی سرداروں اور اپنے پیاروں کے ذکر اور اُن کے کرب ناک انجام پر اپنے رنج وغم کا اظہار کر رہے تھے۔ صفوان کا باپ اُمیہ بن خلف بدر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

اپنے باپ کو یاد کرتے ہوئے صفوان نے کہا:
واللہ!
جنگِ بدر میں ہمارے ساتھ ہونے والے اُس ہولناک حشر کے بعد

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 648/1۔ کتاب المغازی للواقدی: 123/1

اب تو زندگی کے دن کسی خوشی اور مسرّت کے بغیر گزر رہے ہیں۔
سچی بات تو یہ ہے کہ اب ایسی بدمزہ اور بے کیف زندگی جینے کو دل نہیں چاہتا۔

عمیر نے جواب میں کہا:

صفوان!

میرا دل بھی اسلام اور (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قومِ قریش کی توہین کا بدلہ لینے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ بدر میں شکست کے بعد اب تو ہر شخص اپنی زندگی سے بیزار نظر آتا ہے، جب کہ میرا بیٹا اب بھی مسلمانوں کی قید میں ہے جسے انھوں نے فدیہ لیے بغیر رہا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

میرے مالی حالات روز بہ روز خراب ہوتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے مجھ پر قرض کا بوجھ بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر میں اس وقت اس قابل ہوتا کہ اپنے قرض کا بوجھ بہ آسانی اُتار سکتا اور مجھے اپنے بچوں کے مستقبل کی بھی فکر لاحق نہ ہوتی کہ انھیں اپنی زندگی میں کسی افلاس کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

اے صفوان!

اگر اُن کی دیکھ بھال کا کوئی معقول اور مستقل بندوبست ہو جائے تو میں (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شہید کرنے کے عزم کے ساتھ اسی وقت مدینہ روانہ ہو جاؤں، تاکہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان موجودہ کشیدگی اور عقائد کے اختلاف کا یہ خوف ناک باب ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے اور قریش کو اس ذہنی پریشانی اور قلبی اذّیت سے نجات مل سکے۔

اس نے مزید کہا:

اے صفوان!

میں نے سنا ہے کہ کسی کی خیریت معلوم کرنی ہو یا کسی کے گھر تعزیت
کے لیے جانا ہو تو جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کبھی کبھی بغیر کسی محافظ کے مدینہ
کی گلیوں میں اکیلے بھی آتے جاتے ہیں۔

جنگِ بدر میں اپنے باپ، بھائی اور چچا کے قتل کے باعث صفوان کے دل میں آتشِ انتقام تو پہلے ہی سے بہت شدّت کے ساتھ بھڑک رہی تھی، چناں چہ اس نے فوراً عمیر سے کہا کہ:

اگر تم قومِ قریش کی بے عزتی کا بدلہ لینے کا پکا ارادہ کر چکے ہو تو پھر میں نہ صرف تمھارا قرض ادا کر دیتا ہوں، بلکہ سواری کے لیے اُونٹ اور مدینہ جانے آنے کا تمام خرچ بھی کھلے دل کے ساتھ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم اپنے بچوں کی پرورش اور دیگر معاشی معاملات کے متعلّق بھی کوئی اندیشہ نہ کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان تمام ذمّے داریوں کو بڑے احسن انداز میں پورا کروں گا۔

تمھارے بچے میرے بچوں کے ساتھ ہی پرورش پائیں گے اور جو کچھ میرے پاس ہے، وہ تمھارے اہل و عیال کے لیے بھی حاضر ہے، تو اب جلدی سے مدینہ جانے کی تیاری کرو۔ اگر تم یہ کام کر گزرے اور ہمارا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا تو میں تمھیں اُونٹوں کی ایک بہت بڑی تعداد انعام میں دوں گا۔

اس پیش کش کے بعد دونوں نے قسم کھائی کہ ہم دونوں کے درمیان طے پانے والے اس معاہدے پر انتہائی راز داری کے ساتھ عمل درآمد کیا جائے گا اور اپنے ان ارادوں کے متعلّق کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی جائے گی، چناں چہ عمیر، اپنے چچا زاد بھائی صفوان کو الوداع کہہ کر گھر چلا گیا جہاں اُس نے پہلے تو اپنی تلوار کو اچھی طرح تیز کیا، پھر اس پر زہر کی پان چڑھائی اور اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

تیزی کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا جب وہ مدینہ میں وارد ہوا تو ایک جگہ اپنے اُونٹ کو باندھ کر تلوار گلے میں لٹکائے مسجدِ نبوی کی جانب بڑھنے لگا جہاں سرکارِ دوعالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جاں نثاروں اور فدا کاروں کے درمیان جلوہ افروز تھے۔

سب سے پہلے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر اس بدتہذیب اور بدفطرت شخص پر پڑی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> یہ تو مکّہ کا بدنام زمانہ بت پرست عمیر بن وہب ہے۔ اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ دشمن بدر کے میدان میں ہمارے خلاف آتشِ جنگ کو مزید بھڑکانے اور آگے بڑھ کر حملہ آور ہونے کے لیے اشتعال انگیز اشعار اور شعلہ بار جنگی ترانے بلند آواز میں پڑھ کر لشکرِ کفار کے جوش و جذبے کو بھڑکا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کی عزت و آبرو، نیک نامی اور وقار کے خلاف ہرزہ سرائی بھی کر رہا تھا۔ اس وقت بھی مجھے اس کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے۔ مسلمانوں کے لیے ہمیشہ دُکھ، تکلیف اور اذّیت کا باعث بننے والا مکّہ کا یہ نافرمان یقیناً کسی بری نیت اور غلط ارادے کے ساتھ یہاں آیا ہے۔

چناں چہ اپنے دل میں کسی بڑے خطرے کا احساس کرتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور اُسے اُس کی تلوار سمیت گردن سے پکڑ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور پیش کر دیا۔

رحمتِ عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمیر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق کے قبضے میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

> عمر رضی اللہ عنہ!
>
> نرمی اور تحمل اختیار کریں اور عمیر کو چھوڑ دیں!(1)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کی بجا آوری کرتے ہوئے سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُس کو چھوڑ دیا

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 126/1

اور مکّہ سے آئے ہوئے اُس ناقص العقل شخص نے قدیم رواج کے مطابق روایتی انداز اور الفاظ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام پیش کیا:

انعموصباحًا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی بہت زیادہ نعمتوں کے ساتھ صبح کریں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

اے عمیر!

اللہ ربّ العزت نے ہمیں پرانے انداز میں سلام کہنے کی بجائے

اس سے زیادہ بہتر اور خوب صورت الفاظ عطا فرمائے ہیں

اور وہ حسین وجمیل اور دلوں کو چھو جانے والے الفاظ ہیں:

السلام علیکم و رحمة اللہ وبرکٰته

ان الفاظ میں ہم ایک دوسرے کو سلامتی، رحمت اور برکت کی دعا دیتے ہیں۔

اہلِ جنت بھی اِنھی الفاظ میں ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی شفقت سے اُسے اپنے پاس بٹھالیا اور دریافت فرمایا:

عمیر!

تم کس غرض سے مدینہ آئے ہو؟

مکّہ کا یہ ذہین اور تیز فہم سردار اپنے چہرے پر معصومیت اور بھولے پن کی کیفیت طاری کرتے ہوئے عرض کرنے لگا:

میرا بیٹا جنگِ بدر کے قیدیوں میں شامل ہے،

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُسے رہا کرنے کا حکم جاری فرما کر

مجھ غریب الوطن کے ساتھ حسن سلوک فرمائیں!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:

عمیر!

اگر یہی وجہ ہے تو پھر اپنے ساتھ تلوار کیوں لیے پھرتے ہو؟

عمیر نے کہا:

ان بے کار تلواروں سے اگر کسی کارنامے کی توقع ہوتی

تو یہ بدر میں ہماری عزت وآبرو کی حفاظت نہ کرتیں؟

سرورِ عالم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عمیر!

جان کے خوف سے تم اصل بات کو چھپا رہے ہو۔
دیکھو کوئی بہانہ بنانے کی بجائے جو سچ ہے،
اُسے بیان کرو کہ کس ارادے کے ساتھ یہاں آئے ہو؟

عمیر نے عرض کیا:

میرا بیٹا جنگِ بدر کے قیدیوں میں شامل ہے، اُسے لینے کے لیے آیا ہوں۔

عمیر کو یقین ہو چلا تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری جوابی گفت گو سے مطمئن ہو گئے ہوں گے۔ وہ اپنے اور صفوان کے درمیان ہوئی بات چیت، عہد و پیمان اور طے شدہ معاملات کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن ناکام رہا۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے درمیان ہونے والے سازشی مذاکرات اور خفیہ منصوبہ بندی کا سربستہ راز ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

اے عمیر!

تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نے اور صفوان نے شہر سے باہر پہاڑیوں کے درمیان، جہاں ہر طرف ویرانی، خاموشی اور ہو کا عالم طاری تھا، بڑی افسردگی اور آزردگی کے ماحول میں پہلے تو بدر میں ہلاک ہونے والے اپنے عزیزوں اور پیاروں پر اپنے رنج وغم کا اظہار کیا، پھر جیسے ہی تم نے مجھے شہید کرنے کے متعلّق اپنے ارادے اور منصوبے سے صفوان کو آگاہ کیا تو اُس موقع پرست شخص نے تمھارے اس کارنامے کے بدلے میں فوراً ہی تجھ پر واجب الادا قرض کی ادائیگی اور عمر بھر کے لیے تمھارے اہل و عیال کی دیکھ بھال اور کفالت کی ذمّے داری اُٹھانے کا وعدہ کر لیا، لیکن تم دونوں یہ سازشی پلان بناتے وقت اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ اللہ ذُوالجلال والاکرام کی ذات والا صفات تو قادرِ مطلق ہے۔ وہ ہمارے تمام افعال اور اعمال کو برابر دیکھ اور سن رہا ہے۔

اے عمیر!

تم تو ایک بڑا معرکہ سر کرنے کی نیّت سے یہاں آئے تھے لیکن تم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور اب اس بات کو ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر لو کہ تم لوگوں کی طرف سے بنائے گئے اس قسم کے ناپاک منصوبوں کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ خود اللہ تبارک وتعالیٰ کی

ذاتِ بابرکات ہے۔

اُسی عظیم وکبیر ذات والا صفات نے تمھاری اس قسم کی غلط منصوبہ بندیوں سے مجھے اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے اور وہی مہتم بالشان ہستی میری نگہبانی اور پاسبانی فرمانے والی ہے۔

خاتم النّبیین رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک سے مکّہ میں تیار کی گئی خفیہ سازش کی تمام تفصیلات حرف بہ حرف سن کر حیرت زدہ عمیر کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اور اُسے یقین ہوگیا کہ اُس کی موت ہی اُسے یہاں لے آئی ہے۔ اُس کے ہاتھ کانپنے اور ٹانگیں لرزنے لگیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اُسے پریشانی اور سراسیمگی کی کیفیت میں دیکھا تو فرمایا:

عمیر! اطمینان رکھو!

کوئی تمھیں کچھ نہیں کہے گا۔

یہ بے مثال شانِ کرم، شفقت کا دل نشین انداز اور بردباری اور تحمّل کا حسین امتزاج دیکھ کر عمیر کی جان میں جان آئی، چناں چہ جب اُس کے اُوسان بحال ہوئے تو اپنی پیشانی سے ندامت کا پسینا پونچھتے ہوئے وہ عرض کرنے لگا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

آج میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے مثال عفو و درگزر، فیاضی و رواداری، تحمّل و بردباری جیسی پیغمبرانہ صفات کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا ہے۔

میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قربان!

مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور برحق نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور اللہ نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہمارے سربستہ رازوں اور ناپاک منصوبوں سے آگاہ فرمایا ہے، کیوں کہ میرے اور صفوان کے علاوہ اُس ویران اور سنسان جگہ پر کوئی تیسرا شخص موجود نہ تھا جس کو ہمارے اس خلافِ حق گٹھ جوڑ اور ہلاکت خیز منصوبہ بندی کی خبر ہوسکتی۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا فیضانِ نظر ہے کہ میرا دل ایمان کے نور سے منوّر ہوگیا ہے۔

میں کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔

اشھد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ ○

پھر اُس کے بعد عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

میں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر شرم سار ہوں اور دل کی گہرائیوں سے معافی کا
خواست گار ہوں۔ میری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشیں اور میرا اسلام لانا قبول
فرما کر مجھے اپنے غلاموں میں شامل فرمائیں۔
اس عظیم الشان نعمت کے مل جانے پر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے
بے پایاں فضل وکرم کا شکر ادا کرتا ہوں۔
اللہ ذوالجلال والاکرام نے مجھے اپنے خاص فضل اور کرم سے سیدھے
راستے پر چلنے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا انمول موقع عطا کیا ہے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

عمیر رضی اللہ عنہ آج سے تم لوگوں کا بھائی ہے۔
اِس کے آرام و راحت کا ہر طرح سے خیال رکھو!
اس کو دین کے مسائل اور قرآن کی تعلیمات سے آگاہ کرو!
اور اس کے فرزند کو بھی عزت کے ساتھ رہا کردو!(1)

جناب عمیر رضی اللہ عنہ کچھ دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد ایک روز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میں ایک عرصے تک پوری سفا کی، سخت گیری اور جور و جفا کے ساتھ اللہ کے اس نور کو بجھانے کی کوششیں کرتا رہا لیکن اب جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس کی اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں مکّہ واپس جا کر اللہ ذوالجلال والاکرام کے اس بابرکت پیغام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مقدّس اور محترم دعوت کو اپنی پوری طاقت اور جرأت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کروں۔ ممکن ہے کہ اُن بُت پرستوں اور گمراہ لوگوں کے دل اسلام کے نور سے منوّر ہو جائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ انھیں حق اور سچ کی راہ نصیب فرمادے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو مکّہ واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

اُدھر مکّہ کے سب سے بڑے سرمایہ دار سردار صفوان بن اُمیہ نے شہر بھر میں یہ مشہور کر رکھا تھا کہ جلد ہی تم لوگ بدر کے زمانۂ مصیبت کو بھول جاؤ گے، کیوں کہ مدینہ سے ایک ایسی خبر آنے والی ہے جو اہلِ مکّہ کے دلوں کو خوش کردے گی، چناں چہ صفوان اس اہم خبر کے انتظار میں روزانہ شہر سے باہر جاتا اور مدینہ سے آنے والے ہر

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 662/1

شخص سے پوچھتا کہ: ''تمھارے شہر میں کوئی ہنگامہ خیز سانحہ تو پیش نہیں آیا؟''

لیکن جب صفوان کو عمیر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے کی اذّیت ناک اور رُوح فرسا اطلاعات ملیں تو وہ فریب زدہ شخص اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔اس وحشت انگیز خبر سے مغرور اور متکبر صفوان کے ارمانوں اور آرزوؤں پر جیسے بجلیاں گر پڑیں، چناں چہ اُس کج اَخلاق شخص نے حق آشنا عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ صرف اپنے پرانے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات ختم کر دیئے، بلکہ لوگوں کو بھی اس بات پر اُکسانا شروع کر دیا کہ چوں کہ عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے، اِس لیے تم بھی اس کے ساتھ ہر قسم کا تعلّق، میل جول اور رابطے ختم کر دو!

لیکن قطعِ تعلّق اور عدم تعاون کی اُس شدید ترین مخالفانہ مہم کے باوجود عشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرشار بے خوف، بے باک اور بلند ہمت حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے مکّہ آ کر پوری آب وتاب اور عزمِ صمیم کے ساتھ اسلام کی دعوت واشاعت کا کام شروع کر دیا۔

ان کی اس مساعیِ جمیلہ سے بہت سے بت پرستوں کو اسلام کی خوب صورت تعلیمات اور حیات افروز ہدایات سے آگاہی ہوئی تو اُن کے دلوں سے اندھیرے دور ہونے لگے۔اس طرح مکّہ کے کئی افراد نے شہر کے سخت ترین مخالفانہ ماحول کے باوجود اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

فتحِ مکّہ کے موقعے پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن وہب ہی کی طرف سے پیش کی گئی رحم کی درخواست پر سرورِ عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سردار صفوان بن اُمیہ کو معاف فرما دیا تھا، حالانکہ اُس کا نام مجرموں کی اُس فہرست میں شامل تھا جن کے لیے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سزائے موت کا حکم جاری ہو چکا تھا۔(1)

بے ہنر و بے تمیز کس کو ہوئے ہیں عزیز
ایک تمھارے سوا تم پہ کروڑوں درود
تم ہوئے شفائے مرض خلقِ خدا خود غرض
خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروڑوں درود
سینہ کہ ہے داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ
طیبہ سے آ کر صبا تم پہ کروڑوں درود

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:662/1

سیّدنا سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو

صلح حدیبیہ کے وکیل

سردارانِ قریش نے اسلام کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہنے والے جناب سہیل بن عمرو کو صُلحِ حدیبیہ کے موقعے پر مذاکرات کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ مکّہ کے یہ معزز اور محترم سردار بڑے جہاں دیدہ سیاست دان، آزمودہ کار سفارت کار، فنِ مذاکرات میں انتہائی ماہر اور تقریر و خطابت میں اپنی مثال آپ تھے۔

فتحِ مکّہ کے بعد جب جناب سہیل بن عمرو کو اپنی سابقہ غلطیوں، کوتاہیوں اور لگاتار مخالفانہ طرزِ عمل کی وجہ سے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ شاید انھیں قتل کر دیا جائے گا تو اُنھوں نے ایک عبرت ناک انجام سے بچنے کے لیے اپنے مسلمان بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں اپنے لیے معافی اور امان کی درخواست پیش کی۔

سہیل بن عمرو کی بے شمار خطاؤں سے درگزر کرتے ہوئے اُس کی رحم کی درخواست پر رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ صرف اُنھیں امان عطا فرما دی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

تم میں سے جس کی سہیل سے ملاقات ہو، تو وہ نہ اُس کے ساتھ تلخ ترش لہجہ
اختیار کرے اور نہ ہی کوئی اُسے تیز نظروں سے دیکھے۔
مجھے اپنی حیات (طیبہ) کی قسم!
سہیل بڑا صاحبِ فہم و فراست، باشعور اور نیک طینت شخص ہے۔
مجھے یقین ہے کہ اس جیسا زیرک اور عالم فاضل انسان جلد ہی
اللہ کے پسندیدہ دینِ اسلام کو قبول کر لے گا۔

حضور نبیِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس مبارک گفت گو کی تفصیل جب جناب سہیل بن عمرو تک پہنچی تو وہ بے اختیار کہہ اُٹھے کہ:

اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
(پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) چھوٹی عمر میں بھی اسی طرح ہر کسی پر مہربانی
فرمایا کرتے تھے اور اب عمر کے اس حصے میں بھی وہ ہر ایک پر شفقت، نوازش اور

کرم فرمارہے ہیں۔(1)

رحم کی درخواست

فتحِ مکّہ کے موقعے پر جب حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکست خوردہ قریشانِ مکّہ سے اپنے خطاب کے دوران یہ استفسار فرمایا کہ:

اے قریش کے لوگو!

کیا آپ جانتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

وہاں پر موجود خوف زدہ اہلِ مکّہ کے اجتماع میں سے قومِ قریش کی نمائندگی کے لیے سردار سہیل بن عمرو آگے بڑھے اور عرض کیا:

(یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے کریم بھائی جناب عبداللہ بن عبدالمطلب

کے شفیق اور مہربان فرزند ہیں۔اس اجتماع میں حاضر ہر شخص کو یہ یقین ہے

کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ساتھ خیر اور بھلائی کا سلوک فرمائیں گے۔

اہلیانِ مکّہ کی جانب سے پیش کی گئی رحم کی اس درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفوو درگذر اور تحمل و بردباری سے کام لیتے ہوئے فرمایا:

اے برادرانِ قریش!

آج میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں

جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔

لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

آج تم لوگوں سے کوئی باز پُرس نہیں ہے۔جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو۔(2)

سرِ تسلیم خم کردیا

جب سہیل بن عمرو کی رُوح کو اللہ ذُوالجلال والاکرام نے نورِ اسلام کی تابندگی و درخشندگی سے جگمگا دیا تو وہ غزوۂ حنین کے بعد جعرانہ کے مقام پر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور سچے دل سے کلمۂ شہادت پڑھنے کا شرف حاصل کرنے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔

سیّدنا سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو اِس بات پر بڑا فخر کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ:

1۔المستدرک علی الصحیحین۔رقم الحدیث:5225،ص:317/3

2۔دلائل النبوۃ للبیھقی:58/5

مجھ سے پہلے میرے دو بیٹے، دو بیٹیاں اور ایک غلام اللہ کے پسندیدہ دین
اسلام کو قبول کر چکے تھے اور اس کے ساتھ وہ ہمیشہ اس بات پر افسوس کا اظہار
کیا کرتے کہ میں اسلام قبول کرنے میں اوّلیت کیوں حاصل نہ کر سکا۔

مکّہ کے اس فراخ دل، فیاض طبع اور معزز سردار کا اسلام بھی نہایت قابلِ تعریف رہا۔ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور نماز روزے کی بڑے ذوق وشوق سے پابندی فرمایا کرتے تھے۔

ایک عظیم پیشین گوئی

جنگِ بدر میں جن ستّر افراد کو قیدی بنالیا گیا تھا، اُن میں جناب سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو بھی شامل تھے۔ سیّدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق قریش کے اس ممتاز سردار سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو کے متعلّق ایک تجویز لے کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
مکّہ کا یہ شعلہ نوا مقرر ہمیشہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف تعصب
اور مخاصمت پر مبنی تقریریں بڑے جارحانہ انداز میں کیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
مجھے اس بات کی اجازت عنایت فرمائیں کہ میں اس کے اگلے دانت توڑ دوں،
تاکہ اس کی دُھواں دھار تقریریں کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اے عمر رضی اللہ عنہ!
کسی کی طبعی شکل وصورت کو بگاڑنے کی اجازت دینا پیغمبرانہ شان اور وقار کے خلاف ہے۔
اے عمر رضی اللہ عنہ!
اس کو معاف کر دو!
ہوسکتا ہے ایک وقت ایسا آئے کہ یہ سحر البیان خطیب کسی ایسے مقام
پر کھڑا ہو کر اپنی فصاحت وبلاغت اور شعلہ بیانی سے وہ کردار ادا کرے
کہ جس سے تمھارا دل خوش ہو جائے۔ (1)

جنگِ بدر کے تقریباً نو سال بعد حضور نبی کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اُمت کو الوداع کہہ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ افسوس، کہ جب یہ دل فگار خبر مکّہ پہنچی تو کچھ لوگوں نے علمِ بغاوت بلند کر کے بُت پرستی کی طرف واپس پلٹنے کا اعلان کر دیا۔ کئی باغیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقرر کردہ گورنر مکّہ عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید کو گرفتار

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 107/1۔ اسد الغابہ: 585/2

کرنے کی بھی کوشش کی تو اُس شریف النفس شخص نے پہاڑیوں کی جانب بھاگ کر اپنی جان بچائی۔(1)

شہر میں ہر طرف قیامت کا سماں تھا۔ اسلامی تاریخ کے ان مشکل ترین لمحات میں مکّہ کے بہادر سردار حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو نے قائدانہ کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُنھوں نے اپنی تلوار میان سے نکالی اور خانۂ کعبہ کے صحن میں ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں ایک ولولہ انگیز تقریر شروع کر دی کہ:

اے اہلیانِ مکّہ!
ہم وہ بدقسمت قوم ہیں جنھوں نے سب سے آخر میں اسلام قبول کیا
اور اب سب سے پہلے منحرف ہو رہے ہیں۔
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔
اُنھوں نے اپنا فرض بڑے احسن انداز میں ادا فرمایا
اور اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے
لیکن اللہ ذُوالجلال والاکرام کی ذاتِ بابرکات تو حیّ وقیوم ہے،
وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔
اب جب کہ اللہ کا دین مکمل ہو چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی
تعلیمات، ارشادات اور سنّت موجود ہے تو اب ہمارا فرض ہے
کہ ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیغام کو آگے بڑھائیں۔
اللہ ربُّ العزت کی قسم!
یہ دین، دنیا میں اسی طرح پھیلے گا
جس طرح چاند اور سورج کی روشنی پھیلتی ہے۔

پھر اُنھوں نے اپنی چمکتی دمکتی تلوار کو ہوا میں لہراتے ہوئے کہا:

اے مکّہ شہر کے لوگو!
میری بات کان کھول کر سُن لو!
اگر کسی نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس پیغام سے رُوگردانی
کرنے کی کوشش کی تو میں نے اور میرے ساتھیوں نے یہ عہد کیا ہے
کہ بغیر کسی امتیاز کے، ان بغاوت کرنے والے لوگوں کی، چاہے وہ
شہر کے سرکردہ لوگ ہوں یا مقتدر طبقے سے تعلّق رکھنے والے سردار

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 666/2

یا وہ مکّہ کے ممتاز تاجر اور عالی مرتبہ رئیس ہوں، اُن سب کی گردنیں کاٹ کر اُن کے جسموں سے جُدا کر دیں گے۔

سیّدنا سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو کی اِس جارحانہ اور دہشت زدہ کردینے والی تقریر اِس قدر موثّر ثابت ہوئی کہ مکّہ شہر میں پیدا ہونے والی افراتفری اور انتشار کا خاتمہ ہو گیا اور حالات بالکل معمول پر آ گئے، چناں چہ مکّہ شہر میں پھیلنے والی بغاوت اور فتنۂ ارتداد کا تدارک کرنے کے لیے سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو کی شان دار کارکردگی کی خبریں جب مدینہ منورہ پہنچیں تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق نے ان کے اس عظیم کارنامے پر بے ساختہ یہ الفاظ ادا کیے:

صدقت یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔(1)

یقین

جنگِ یمامہ میں سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو کے فرزندِ ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سہیل شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے تو اُنھوں نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ روزِ حساب میرا یہ شہید بیٹا
میری شفاعت کا باعث بنے گا،
کیوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی خاندان کا ایک شہید
اُس گھرانے کے ستّر افراد کے لیے بخشش کا ذریعہ بنتا ہے۔

شہادت

مکّہ کے اِس عظیم مدّبر پر اللہ ذُوالجلال والاکرام کا ایک اور احسان اور کرم یہ ہوا کہ جنگِ یرموک میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس سچے جاں نثار کو شہادت کے مرتبے سے سرفراز فرمایا۔(2)

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یونہی نگاہِ کرم رہے مجھ پر
کہ دل کو چین نظر کو قرار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے
میں جیسا ہونا تھا ایسا نہ ہو سکا لیکن
یہ نابکار بہت شرمسار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے

1۔ کتاب المغازی للواقدی:107/1۔ اسد الغابہ:585/2
2۔ اسد الغابہ:585/2

کعب بن زہیر

سحر البیان اور قادر الکلام شاعر کعب اور بجیر، دونوں عرب کے شہرہ آفاق شاعر زہیر کے فرزند تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں مشہور ہونے والے وہ سات قصائد، جنھیں معلّقات کہا جاتا ہے، اُن میں قبیلۂ مزینہ سے تعلّق رکھنے والے زہیر بن ابی سلمٰی کے قصیدے بھی تھے اور اُسے یہ اعزاز حاصل تھا کہ عام لوگوں کے پڑھنے کے لیے اُس کے قصیدے کو بھی بیت اللہ شریف کی مقدس دیوار پر لٹکایا گیا تھا۔ (1)

امر واقعہ یہ ہے کہ اس باصلاحیت گھرانے کے تمام افراد کو شعر و ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا، چناں چہ اپنے باپ زہیر کی طرح کعب کو بھی وِرثے میں مِلی شاعری کا عرب کی ہر محفل میں تذکرہ ہوتا تھا لیکن یہ اُس مشہور و معروف شاعر کی بدنصیبی تھی کہ وہ اللہ کی عطا کردہ اس صفت کو کسی اچھے مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے مسلم خواتین، اہلِ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف استعمال کیا کرتا تھا۔ جاہلیت کے اُس دور میں مکّہ میں مقیم دشمنانِ اسلام اُس کی بے ہودہ، بے معنی اور بے کار شاعری پر خوب خوب داد دیتے اور اُس کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔

فتح مکّہ کے موقعے پر اشتہاری قرار دیئے جانے والے کعب بن زہیر اور بجیر بن زہیر بہت سے دوسرے مطلوب افراد کی طرح قتل ہو جانے کے خوف سے مکّہ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور مقام ''البرق الغراف'' میں جا کر پناہ لی تھی۔ کچھ عرصہ گزرا تو بجیر کے دل میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی تو اُس نے اپنے بھائی کعب سے کہا:

بھائی!

ابھی تم اسی جگہ ٹھہرے رہو!

میں جنابِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اُن کے دین کی
تعلیمات اور اسلامی احکامات کے متعلّق خبر اور علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

چناں چہ سلیم الفطرت، روشن نگاہ اور صاحبِ فراست بجیر جب بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضری کے لیے مدینہ پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرم طبیعت اور تحمل مزاج شخصیت کا عکس اور پُرکشش چہرۂ مبارک کی پہلی جھلک دیکھتے ہی اُس کا دل نورِ اسلام سے منوّر ہو گیا۔ فی الفور کلمۂ شہادت پڑھا اور جاں نثارانِ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کر لی۔

1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 699/3

تبدیلیٔ مذہب کی یہ خبر جب سرکش اور سخت زبان کعب تک پہنچی تو اُس نے اپنے بھائی کے قبولِ اسلام اور مستقل قیامِ مدینہ کی اطلاع پر اُسے نادان، نافہم اور احمق قرار دیتے ہوئے نہ صرف اُس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ اپنے فی البدیہہ کہے ہوئے قصیدے میں اپنے بھائی بجیر کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہوئے لکھا:

اے بجیر! تم کون سے دین کی بات کررہے ہو؟

جس دین کے متعلّق نہ میں جانتا ہوں اور نہ میری ماں اور نہ ہی میرا باپ کچھ جانتے تھے۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ''صاحبِ قریش'' نے تیری کس دین کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔

بجیر خود بھی فنِ شعر گوئی میں خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اُس نے اپنے بڑے بھائی کعب کو یہ شعر لکھ کر روانہ کیے:

قیامت کے دن صرف اہلِ ایمان جنت کے حق دار ہوں گے اور جو لوگ جہالت
کی نشانی لات اور عزیٰ کی پرستش کرتے ہیں، وہ آگ میں پھینک دیئے جائیں گے۔
میرے باپ زہیر اور دادا اسلمی کے باطل دین کی اب میرے نزدیک
کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہے، اس لیے کہ میں صداقت، حقیقت اور راستی
کے حامل دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔(1)

مسلمان ہونے کے بعد جناب بجیر نے اسلام کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہنے والے اپنے بھائی کعب کو مدینہ سے ایک اور خط لکھا:

اے بھائی!

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کا مذاق اُڑانے، اسلام کی تضحیک اور مسلم خواتین کے متعلّق ہرزہ سرائی کرنے والے گستاخ شعرا، ابن زبعریٰ اور ہبیرہ بن ابو وہب کے ساتھ تمھارے خون کو بھی رائگاں اور باطل قرار دینے کے احکامات صادر فرما دیئے ہیں، چناں چہ صورتِ حال کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے ان دونوں بدتمیز، بے لگام اور تلخ گفتار شاعروں نے راہِ فرار اختیار کرلی ہے۔

اے کعب! دیکھ لو،

عرب کا ہر حصّہ اسلام کے نور سے منوّر ہو چکا ہے، حتّٰی کہ اہلِ طائف بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر چکے ہیں۔

میرے بھائی!

تو بھی سلامت رہ سکتا ہے اور اپنی موجودہ پریشانیوں سے نجات پا سکتا ہے لیکن اس کے لیے تیرے

1۔اسد الغابہ:351/1

پاس صرف ایک ہی راستہ بچا ہے، وہ یہ کہ ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر اپنی خطاؤں، لغزشوں اور جرائم سے توبہ کرو اور اسلام قبول کرنے اور معافی حاصل کرنے کے لیے رحم کی درخواست کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فوراً پیش ہو جاؤ۔ میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمتِ دو عالم ہیں۔ یقیناً تیری رحم کی درخواست کو اپنی شانِ کریمی کی وجہ سے قبول فرمالیں گے اور تجھے جان کی امان مل جائے گی، کیوں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول ہے کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کر کے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی پچھلی تمام فروگزاشت، کوتاہیوں اور گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

بجیر کے خط کا کعب پر بڑا اثر ہوا، کیوں کہ ان دنوں وہ اپنا خون مباح قرار دیئے جانے کے اعلان کے بعد سخت خوف اور پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر چھپنے کی کوشش کر رہا تھا، جب کہ اُس کے دشمن موقعے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُس کے خلاف بڑی خوف ناک خبریں پھیلا رہے تھے کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کعب کے قتل کا فرمان جاری ہو چکا ہے تو اس کے نتیجے میں اب یہ جلد ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔

اللہ کی زمین اپنی تمام تر وسعت اور فراخی کے باوجود کعب پر تنگ ہو چکی تھی۔ بالآخر اس نے اپنے بھائی کے مشورے پر عمل کر کے مدینہ منورہ جانے کا فیصلہ کر لیا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں ایک قصیدہ لکھا اور معافی کی درخواست کے ساتھ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کے لیے مدینہ منورہ پہنچ گیا(1)۔ شہر میں اُس نے اپنے ایک پرانے واقف کار دوست سے ملاقات کی اور اپنا مسئلہ بیان کیا۔ پروگرام کے مطابق اگلے روز دونوں نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے مسجدِ نبوی پہنچ گئے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد انصار سے تعلّق رکھنے والے کعب کے میزبان اور دوست رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جا کر بیٹھ گئے اور عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

کعب بن زہیر تائب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام پیش کرنا چاہتا ہے
اور وہ اپنی غلطیوں پر بڑا نادم ہے۔ وہ اپنی گزشتہ زندگی سے دست بردار ہو کر اور اللہ
کی وحدانیت اور رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کر کے مسلمان ہو چکا ہے
اور ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان کا خواست گار ہے۔
کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی معافی کی درخواست قبول فرمائیں گے؟

کعب کی گزشتہ خطاؤں سے درگزر فرماتے ہوئے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی معافی کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا تو کعب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ حضور سرورِ کائنات

1۔ سیر اعلام النبلاء: 152/2

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک اور مقدس ہاتھ میں دے دیا اور عرض کرنے لگا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
میرے جیسے نافرمان اور گناہ گار کے لیے یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف
سے عطا فرمایا گیا پناہ کا مقام ہے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس
میں حاضر ہوا ہوں کہ میری رحم کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں۔

پھر اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ اور ارفع شان میں اپنا بے مثال شہرت یافتہ نعتیہ کلام 'قصیدۂ بردہ' پڑھنا شروع کر دیا جو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں لکھ کر لایا تھا۔

نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سناتے ہوئے جب وہ اس شعر پر پہنچا:

بے شک رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ مینارۂ نور ہیں
جن کی روشنی میں سیدھے راستوں کی طرف راہنمائی حاصل کی جاتی ہے
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی تلواروں میں سے کھینچی ہوئی ایک بے نیام اور تیز تلوار ہیں
جو باطل کا سر قلم کرنے کے لیے ہر دم نیام سے باہر رہتی ہے۔
مجھے ڈرایا گیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے سخت ناراض ہیں
جس کی وجہ سے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرے قتل کا حکم صادر فرما دیا گیا ہے
لیکن میں تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلقِ عظیم اور
خصلتِ کریمہ کی بدولت عفو و درگزر کی اُمید رکھتا ہوں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اشعار کو پسند فرمایا اور اپنی پسندیدگی کے اظہار کے لیے اپنے جسمِ اطہر پر اُوڑھی ہوئی چادر مبارک (بردہ) کعب کو عطا فرما دی۔ اس مدحیہ کلام قصیدۂ بردہ شریف کی وجہ سے اُسے شہرتِ دوام حاصل ہوگئی۔

کعب کی خوش قسمتی کی یہ انتہا تھی کہ جب اُسے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مبارک چادر کا تحفہ عطا ہوا تو اس نے چادر مبارک کے اس خوب صورت اور مقدس اعزاز کو چوما اور اپنے سر پر رکھ لیا اور پھر عمر بھر تحفے میں ملی ہوئی اس مبارک چادر کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا اسلامی کردار بھی نہایت مثالی اور بہترین رہا۔(1)

جزاکم اللہ خیرا فی الدنیا و فی الآخرۃ

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جُرمِ خانہ خراب کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام:503/2۔ الاصابہ:444/5

وحشی بن حرب

مکّہ کے ایک رئیس جبیر بن مطعم کے غلام اور حربہ ہتھیار کے مشہور ماہر وحشی بن حرب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر دل چچا جان جناب سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو جنگِ اُحد میں نیزے کا شدید وار کر کے شہید کر دیا تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے عظیم سپہ سالار کی شہادت کا بدلہ لینے اور سیاہ دل و سیاہ صورت وحشی بن حرب کو قتل کرنے کے لیے ہر وقت موقعے کی تلاش میں رہتے تھے۔

وحشی بن حرب جس کی کنیت ابودسمہ تھی ،اُس نے خود سیّد الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دل دوز واقعے کی روداد اِس طرح بیان کی ہے۔

مقتولینِ بدر کا انتقام لینے والے قریشِ مکّہ کے لشکر کے ساتھ میں بھی پوری تیاری کر کے اُحد کے میدان میں پہنچ گیا۔شکار میں استعمال ہونے والے اپنے مُلک کے مشہور ہتھیار ’’چھوٹے نیزے‘‘ سے وار کرنے میں مجھے کمال مہارت حاصل تھی اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا تھا۔اس ’’چھوٹے نیزے‘‘ کو ہمارے وطن میں لوگ ’’حربہ‘‘ کہتے ہیں۔

اُحد کی رزم گاہ میں جب معرکے کا آغاز ہوا اور دونوں طرف کی فوجیں پوری شدّت کے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہوگئیں،تب میں بھی سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ بالآخر وہ موقع مجھے میسر آ گیا جس کے لیے میں لشکرِ کفار کے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔سرخ وسفید اور دراز قد جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کو میں نے پورے لشکر میں بڑی آسانی سے پہچان لیا۔اُس وقت وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے تلوار پکڑے، میدانِ کارزار کے عین درمیان میں پورے جوش و جذبے کے ساتھ دشمن کی صفوں کو تہس نہس کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جارہے تھے۔

سب سے پہلے اُنھوں نے کافروں کی فوج کے علم بردار عثمان بن طلحہ کا سر اپنی تیز دھار تلوار کے ایک ہی وار سے قلم کر دیا، اُس کے بعد مکّہ کا مشہور پہلوان سباع بن عبد العزیٰ کفار کی صفوں سے نکل کر آگے آیا اور اُنھیں دعوتِ مبارزت دی تو آنِ واحد میں اُسے بھی قصۂ ماضی بنا دیا۔مکّہ کے اُس مشہور جنگ جُو کو قتل کرنے کے بعد جیسے ہی سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو یہی موقع تھا جب میں نے اُن کو اپنے نشانے پر لیا اور پوری طاقت کے ساتھ نیزے کا ایک ایسا وار کیا جو سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی ناف کے ذرا نیچے لگا اور جسم کے پار ہو گیا۔اس حالت میں بھی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ایک غضب ناک اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح میری طرف بڑھنا چاہتے تھے لیکن زخم اتنا گہرا تھا کہ مضبوط اور طاقت وَر جسم کے مالک ہونے کے باوجود وہ لڑکھڑا کر گر پڑے اور اس طرح رسُول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب چچا، لشکرِ اسلام کے عظیم سپہ سالار اور بہادروں کے بہادر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

وحشی نے اپنے بیان میں مزید کہا:

چوں کہ سامنے آ کر اتنے دلیر اور دلاور شہسوار کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور طاقت کسی میں نہیں تھی، اسی لیے ایک ڈرپوک شخص کی طرح میں نے ایک چٹان کے پیچھے سے چھپ کر اُن پر وار کیا تھا۔ جب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں تو میں فوری طور پر اپنی جگہ پر واپس آ گیا، کیوں کہ میرے حصے کا کام ختم ہو چکا تھا۔

مجھے اسلام اور اہلِ اسلام سے کوئی ذاتی عناد نہ تھا۔ مجھے تو اپنی غلامی کی زنجیریں توڑنے اور آزادی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے صرف سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی شرط کو پورا کرنا تھا۔ جبیر بن مطعم کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے تحت اس کے علاوہ میری کوئی ذمّے داری نہ تھی اور نہ ہی میدانِ اُحد میں برپا ہونے والے اس معرکے کے نتیجے سے مجھے کوئی سروکار تھا۔ مکّہ واپس آنے کے بعد جبیر بن مطعم نے حسبِ وعدہ مجھے غلامی سے نجات کا اجازت نامہ جاری کر دیا۔ آزادی ملنے کے باوجود میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں مکّہ میں ہی مستقل قیام کروں گا۔

جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظیم الشان قیادت میں مجاہدینِ اسلام نے مکّہ فتح کر لیا تو بہت سے دوسرے مجرموں کی طرح وحشی بن حرب کو بھی اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا۔ مکّہ میں اسلام کی حکمرانی اور شہر کی سیاسی، انتظامی اور معاشرتی صورتِ حال تبدیل ہو جانے کے بعد وہ خوف زدہ ہو کر طائف بھاگ گیا لیکن اُس کی پریشانی یہاں پہنچ کر بھی ختم نہ ہوئی، کیوں کہ اب طائف کے لوگوں کا بھی اسلام کے متعلّق اندازِ فکر بدلنا شروع ہو چکا تھا اور اُن دنوں وہ لوگ اپنی مجلسوں میں اسلام قبول کرنے کے بارے میں باہم مشاورت کر رہے تھے۔ جلد ہی معززینِ طائف کی جانب سے یہ اعلان سامنے آیا کہ عن قریب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلامِ نیاز پیش کرنے کے لیے ایک نمائندہ وفد مدینہ بھیجا جائے گا۔

وحشی کہتے ہیں:

جب یہ خبر مجھ تک پہنچی تو گلے میں پڑنے والا پھندا اور موت کا منظر میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا، کیوں کہ ہر شخص جانتا تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب چچا جان اور اسلام کے ایک عظیم جانباز کے خون سے میرے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں۔ اُن دنوں اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کے ممکنہ نتائج کے متعلّق سوچ سوچ کر میری گھبراہٹ اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی، چناں چہ جان بچانے کی خاطر کبھی دل میں خیال آتا کہ شام چلا جاؤں اور کبھی سوچتا کہ یمن میں پناہ لے لوں۔ درحقیقت زمین اپنی ساری کشادگی کے باوجود میرے لیے تنگ ہو چکی تھی۔

میری یہ خستہ حالت دیکھ کر میرے ایک خیر خواہ نے مجھ سے کہا:

ارے تو ہلاک ہو جائے!

تو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پیش ہو کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان

کیوں نہیں کر دیتا۔
میں نے سنا ہے کہ جو شخص بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں
حاضر ہو کر یہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں
اور جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں
تو اللہ ذوالجلال والاکرام اُس کے گزشتہ سارے گناہوں کو،
چاہے وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، معاف فرما دیتا ہے
اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُس شخص کے ساتھ مشفقانہ روّیہ اپناتے ہیں،
اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی عزیز کے ساتھ کی گئی زیادتی اور ظلم
کا بدلہ لینے کی بجائے اللہ کے پسندیدہ دین کی سربلندی اور سرفرازی
کے عمل کو زیادہ پسند خیال فرماتے ہیں۔

وحشی بن حرب کہتے ہیں کہ:

اس طرح کی ہمت افزا باتیں سن کر میرے دل میں بھی اُمید کی ایک کرن پیدا ہو گئی کہ میرا جرم بھی ضرور معاف کر دیا جائے گا، چناں چہ مدینہ شریف جانے والے سردارانِ طائف کے وفد میں شامل ہو کر میں بھی امن، پناہ اور جان بخشی کی درخواست کے ساتھ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی میں نے اچانک کھڑے ہو کر بلند آواز میں کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کیا، وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجھے پہچان لیا اور وہ میری جانب اس ارادے کے ساتھ بڑھے کہ مجھے قتل کر دیا جائے، کیوں کہ جنگِ اُحد کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے خون کو رائیگاں قرار دے کر میرے قتل کے احکامات جاری فرما چکے تھے لیکن اب مجھے توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوئے دیکھا تو عالی حوصلہ، پیکرِ صبر و رضا، رحیم و کریم اور عفو و درگزر فرمانے والے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع کرتے ہوئے فرمایا:

دیکھو!
یہ شخص توبہ کر کے آ گیا ہے، اس لیے اب اسے کچھ نہ کہو!
کیوں کہ کسی کافر کے قتل کیے جانے کی بجائے
یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے۔

وحشی بیان کرتے ہیں کہ:

گو! میرے نام کے ساتھ مسلمانوں کے دلوں میں تلخ یادیں وابستہ تھیں لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اُنھوں نے فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا، سب لوگ پیچھے ہٹ گئے اور تلواریں میان میں کر لیں۔ اس کے بعد رسُول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے اپنے پیارے چچا جان کی شہادت کی لرزہ خیز داستان سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس چہرے پر رنج وغم، اندوہ وملال اور صدمے کی کیفیت کے آثار صاف نظر آنے لگے۔ دل دُکھانے والے اس واقعے کو سننے کے باوجود رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے اُس جرمِ عظیم کو معاف کر دیا اور میرے اعلانِ اسلام کو قبول کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابودسمہ! جب کبھی تم مجلس میں شرکت کے لیے آؤ تو میرے سامنے نہ بیٹھا کرو!

کیوں کہ تمھارا چہرہ دیکھ کر مجھے اپنے شہید چچا جان کے جسدِ خاکی کا حال یاد آ جاتا ہے

اور میں افسردہ ہو جاتا ہوں۔

وحشی کہتے ہیں کہ:

اُس روز کے بعد میں اس بات کی پوری احتیاط کرنے لگا تھا۔ لہٰذا جب کبھی میرا دل چاہتا کہ رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک مجلس میں حاضری کے لیے جاؤں تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ پیچھے یا ایک طرف ہو کر بیٹھتا تھا، تاکہ نگاہِ مبارک میرے اُوپر نہ پڑے۔ اب میں ہر وقت اس بات کا منتظر رہنے لگا تھا کہ کب مجھے دورِ جاہلیت میں کیے گئے اپنے جرم کی تلافی کا کوئی موقع ملے، چناں چہ رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال پُرملال کے بعد جنگِ یمامہ میں مجاہدینِ اسلام کے ساتھ مل کر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے مسیلمہ کذاب کے خلاف میں نے بھی جنگ میں حصہ لیا تھا۔

اللہ ربُّ العزت نے مجھے سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی غلطی کا کفارہ ادا کرنے کا بہترین موقع عطا فرما دیا، اس طرح کہ میں نے جس نیزے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب چچا جان اور خیر الناس سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اُسی نیزے سے خاکستری اُونٹ کی طرح بے ڈھنگے شرالناس اور فتنہ وفساد کے بدترین نمائندے مسیلمہ کذاب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اللہ ذُوالجلال والاکرام میرے اس نیک عمل کو قبول فرمائے (آمین)!(1)

خوار و بیمار، خطا وار و گناہ گار ہوں میں
رافع و نافع و شافع ہے لقب آقا تیرا
ایک میں کیا؟ اور میرے گناہوں کی حقیقت کیا
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
تو نے اسلام دیا، مقدس جماعت میں لیا
میری روح اور میرا جسم اب شکر گزار ہے تیرا

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:2/72-69۔کتاب المغازی للواقدی:1/286۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4072
دلائل النبوۃ للبیھقی:3/242

سیّدنا عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید، گورنر مکّہ

فتح مکّہ کے دن نمازِ ظہر کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر جب اذان دینے کا آغاز فرمایا تو بیت اللہ شریف کے دَر و دیوار اور وادیِ مکّہ کی فضاؤں میں وہ ایمان افروز کلمات گونجنے لگے جن میں اللہ کی بڑائی کا بیان ہے کہ:

صرف وہی ایک ذات عبادت کے لائق ہے اور اللہ ذُوالجلال والاکرام کی جانب سے اپنے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کو بلند فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت اور رسالت کا اعلانِ عام کیا گیا ہے۔

آج مقدس شہر کی ہواؤں اور حرم کے حصار میں گونجتی ہوئی اس اذان میں وہی مبارک کلمات ادا کیے جا رہے تھے جن پر آغازِ نبوّت کے ساتھ ہی اہلِ مکّہ نے تند و تیز مخالفت اور مخاصمت شروع کر دی تھی۔ ان شیریں الفاظ میں اقرارِ توحید و رسالت کے اظہار کے ساتھ اس بات کا بھی اعلانِ عام تھا کہ اسلام کے نور کی چمک اور دمک سے پوری وادیِ مکّہ اب رخشندہ و تابندہ ہوگی۔

اس لیے کہ:

حق آ گیا ہے، باطل مٹ گیا ہے اور باطل تو ہے ہی مٹنے والی چیز۔(1)

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ کلماتِ خیر و برکت ادا فرما رہے تھے، عین اُس وقت رئیسانِ مکّہ کی ایک چھوٹی سی جماعت، جس میں ابوسفیان بن حرب، حارث بن ہشام، عتاب بن اسید اور اس کا بھائی خالد بن اسید شامل تھے، وہ لوگ بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں بیٹھ کر اس بات پر بڑے تعجب، بلکہ اضطراب کا اظہار کر رہے تھے کہ ایک سیاہ فام حبشی کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھ کر بت پرستی کے خاتمے اور ایک اللہ کی عبادت کا اعلان کر رہا ہے۔ یہ منظر اُن کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اُن کے دلوں میں نام نہاد غیرت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اسلام کے سخت ترین دشمن عتاب بن اسید نے اپنے ساتھیوں سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

اللہ نے ہمارے باپ اسید کی لاج رکھ لی کہ ان ناپسندیدہ کلمات کو سننے سے پہلے ہی اُسے اپنے پاس بلا لیا۔ اگر آج وہ زندہ ہوتا تو پتا نہیں اُسے کتنا رنج پہنچتا۔

تھوڑی دیر بعد حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن لوگوں کی مجلس میں تشریف لائے اور بڑے تحمل اور بردباری سے اُن لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:417/2

تم لوگوں نے جو کچھ آپس میں کہا، وہ سب باتیں مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ ساری گفت گو بیان فرمادی جو اُن لوگوں کے درمیان بڑی رازداری کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ سنتے ہی سلیم الفطرت عتاب بن اسید بڑے ادب کے ساتھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

میں اسید کا بیٹا عتاب ہوں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور پھر اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک میں دے کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔(1)

ایمان کی دولت کے ساتھ اللہ ربُّ العزت کی جانب سے انھیں یہ انعام ملا کہ مکّہ کے بہت سے طاقت وَر سرداروں اور اربابِ فضل وکمال کو نظر انداز کرتے ہوئے روشن دل، تعصب سے بالاتر اور فیاضانہ روّیوں کے حامل ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں اس مقدس شہر کا نظم ونسق چلانے اور حج کے انتظامات کی دیکھ بھال کے لیے امیرِ مکّہ معظّمہ مقرر فرمادیا۔

عتاب رضی اللہ عنہ کو مکّہ کی امارت پر سرفراز فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان الفاظ میں اُسے نصیحت فرمائی:

اے عتاب رضی اللہ عنہ!

کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے تمھیں اللہ کے خصوصی بندوں
پر سر براہ مقرر فرمایا ہے، اس لیے کہ میری نظر میں تم اس ذمّے داری
کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب شخص ہو۔ میں تمھیں
اہلِ مکّہ کے ساتھ ہمیشہ بہتر سلوک اور بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان مبارک کلمات کو تین بار دُہرایا۔

قبیلۂ بنو اُمیّہ سے تعلّق رکھنے والے سیّدنا عتاب رضی اللہ عنہ اُس وقت صرف اکیس برس کے نوجوان تھے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیت المال سے اُن کا وظیفہ ایک درہم روزانہ مقرر فرمایا۔

اسلامی تاریخ کے اس کم عمر گورنر کی قناعت پسندی اور کفایت شعاری پر لوگ حیران ہوا کرتے تھے کہ صرف ایک درہم روزانہ پر وہ کس طرح نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ گزارا فرمالیا کرتے ہیں۔

دراصل یہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیضان تھا کہ جن کی نظرِ کرم نے انھیں منتخب فرمایا، چناں چہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عطا کردہ ولایت کے اس منصب کے بعد نوجوان عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید نے اپنی تمام زندگی ایک پرہیز گار، عبادت گزار اور صالح نوجوان کی حیثیت سے گزاری۔ اُن کے دل میں ایک بار جو نورِ ایمان کی شمع

1۔السیرۃ الحلبیہ :145/3۔ایضاً:413/2

روشن ہوئی تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے صادق الایمان اور راسخ العقیدہ مسلمان بن کر آسمانِ وقار پر جگمگاتے رہے۔

مکّہ کے اس ذہین اور جراٗت مند راہنما نے اپنی صلاحیتوں سے ثابت کیا کہ وہ ایک مثالی منتظم ہیں۔ امیر کی حیثیت سے نہ اُنھوں نے اپنے منصب کو دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور نہ ہی کسی سے کبھی کوئی تحفہ قبول فرمایا۔ لوگ اُن کی دیانت، امانت، سادگی، فضائل وکمالات اور بہترین حکمرانی کی مثالیں دیا کرتے تھے۔

فتح مکّہ کے دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید نے یہ کہا تھا کہ شکر ہے میرا باپ ان ناپسندیدہ کلمات کو سننے سے پہلے ہی فوت ہوگیا، ورنہ وہ یہ سب کچھ برداشت نہ کرسکتا، لیکن مکّہ معظّمہ کی ولایت کا منصب ملنے کے بعد اُنھوں نے کہا:

کاش! آج میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ دیکھتا کہ شفیق اور مہربان

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عطا اور عنایت سے اُس کا بیٹا اس شہرِ مقدس کا امیر بن گیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جناب عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید کو اسی منصب پر برقرار رکھا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رحلت کے دن صرف پچیس سال کی عمر میں جناب عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید بھی اس دینائے فانی کو الوداع کہہ گئے۔(1)

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

کفر میں جس نے چمکائے حق کے دیئے
جس سے دنیا و دیں سارے روشن ہوئے
جس کے چاند اور سورج نے صدقے لیے
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:500/2۔اسد الغابہ:549/3

فضالہ بن عمیر

مکّہ پر افواجِ اسلام کا قبضہ ہو جانے اور پھر قریش کے گروہ در گروہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے فضالہ بن عمیر کے دل میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے عداوت اور دشمنی کی آگ بڑی شدّت کے ساتھ بھڑک اُٹھی تھی، چناں چہ اُس نے اپنے بتوں کی توہین اور قبیلۂ قریش کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کرنے کا پختہ عزم کر لیا (نعوذ باللہ)۔

فضالہ بیان کرتے ہیں کہ:

فتح مکّہ کے دوسرے دن جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے پُرمسرّت ماحول میں بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے تو میں بھی اپنے کپڑوں میں خنجر چھپائے ایک خوف ناک ارادے کے ساتھ طواف میں شامل ہو گیا۔ میری کوشش یہ تھی کہ ایک بھرپور وار کرنے کے لیے آہستہ آہستہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب تر ہوتا جاؤں۔ طواف کے دوران جب میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت ہی نزدیک پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا:

کیا تم فضالہ ہو؟

میں نے عرض کیا:

جی! میں فضالہ ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

فضالہ!

تم اپنے دل کے ساتھ کیا باتیں کر رہے ہو

اور کس ارادے اور عزم سے طواف میں شامل ہوئے ہو؟

فضالہ کہتے ہیں کہ:

میں تو حیرت زدہ رہ گیا کہ کس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری اُن باتوں کو بھی سن لیا جو میں اپنے دل میں کر رہا تھا۔ میں فوراً آگے بڑھا اور اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے عرض کیا:

میں کسی غلط ارادے یا ناپاک نیّت کے ساتھ

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے قریب آنے کی کوشش نہیں کر رہا،

بلکہ میں تو اپنے دل میں اللہ ذُوالجلال والاکرام کی حمد و ثنا

اور تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے طواف کر رہا ہوں۔

یہ غلط، بے اصل اور جھوٹ کی بنیاد پر دیا گیا جواب سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت نرمی کے ساتھ فقط مسکرا دیئے اور پھر میری راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

فضالہ!

اپنے مکروہ منصوبے، گھناؤنے عزم اور اِتنے بڑے جھوٹ پر

اللہ رؤف و رحیم سے معافی کی درخواست کے ساتھ بخشش طلب کرو!

اِس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ شفقت میرے سینے پر رکھ دیا۔

مکّہ کے اِس نڈر، دلاور اور بے باک بہادر نے اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا:

اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس میرے سینے سے

ابھی جدا بھی نہیں فرمایا تھا کہ میرا بے چین اور بے قرار دل

پُرسکون اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے معمور ہو چکا تھا،

ان چند لمحات کے دوران میرے دل کی دنیا تو بدل چکی تھی۔

اب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا یہ عالم ہو گیا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے اِس کائنات کی سب سے زیادہ دل دار،

من موہنی اور محبوب شخصیت بن چکے تھے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف اور سعادت حاصل کرنے کے بعد جب فضالہ نہایت خوشی اور شادمانی کے عالم میں گھر کی جانب چلے تو راستے میں اُن کی ایک دیرینہ ہمدم و ہمراز اور خوش اندام و فردوس جمال دوست نے انھیں ایک دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ کچھ دیر بیٹھنے اور پیار و محبت کی باتیں کرنے کی دعوت دی لیکن فضالہ کا دل تو نورِ ایمان سے منوّر اور عشقِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار ہو چکا تھا، چناں چہ سخن طرازی پر کمال کی دست رس رکھنے والے فضالہ نے اپنی بدلتی ہوئی ذہنی سوچ اور کیفیت کا اپنے مشہور قصیدے میں اس طرح اظہار کیا ہے:

وہ دوشیزہ جو عرصۂ دراز سے میری دوست تھی،

مجھ سے کہنے لگی:

آؤ پہلے کی طرح بیٹھ کر عشق و محبت کی باتیں کریں۔

میں نے اُس سے کہہ دیا کہ ہرگز نہیں،

اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب ایسی باتوں سے منع فرما دیا ہے۔

کاش!

تُو پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قابلِ احترام
اصحاب رضی اللہ عنہم کو فتح مکّہ کے دن دیکھتی، جب بت توڑے جا رہے تھے
تو تجھ پر یہ بات واضح ہو جاتی کہ سچائی تو اب نکھر کر سامنے آئی ہے کہ
اللہ کے پسندیدہ دین کی روشنی سے وادیِ مکّہ منّور ہو چکی ہے
اور شرک کرنے والے وہ تمام مکروہ اور منحوس چہرے
رات کی تاریکیوں میں کہیں گم ہو چکے ہیں۔

فضالہ بیان کرتے ہیں:

جب میں گھر واپس پہنچا تو اپنے ساتھ پیش آنے والے آج کے واقعے کی تمام روداد اپنی اہلیہ کو سنائی تو وہ نیک بخت اتنا خوش ہوئی کہ بار بار کہتی کہ مجھے رحمۃ للّعالمین خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عفوو درگزر کی باتیں اور شفقت ومحبت کے وہ تمام واقعات دوبارہ سناؤ۔(1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم
اُس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے
اُس زُلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:417/2۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:584/3۔الروض الانف:241/7

ابو محذورہ رضی اللہ عنہ مؤذن بیت اللہ شریف

فتح مکّہ کے دن جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ خانۂ کعبہ کی چھت پر چلے جائیں اور اذان دیں۔ وادیِ مکّہ کی فضاؤں میں گونجنے والے یہ مُبارک کلمات اس بات کا اعلان تھے کہ اب جہالت کے دور کا خاتمہ ہو چکا ہے، جھوٹے خدا اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں، مغرور سردارانِ مکّہ اپنی تمام تر تخریبی منصوبہ بندی اور مکروہ سازشوں کے باوجود توحید و رسالت کے اِس عظیم الشان انقلاب کا راستہ نہیں روک سکے اور بالآخر پوری وادیِ مکّہ اسلام کے نور سے جگمگا اُٹھی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی تو اُسی وقت قریش کے کچھ نوجوان لڑکے، جو حرم کے قریب ہی کھڑے تھے، اُنھوں نے اذان کے الفاظ کو اُن کے ہی لہجے میں اُونچی آواز میں دہرانا شروع کر دیا۔ اُن شریر لڑکوں میں سے ایک کی آواز بلند ترین تھی۔ یہ نوجوان ابو محذورہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا چاہی لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کو حکم دیا کہ ان لڑکوں کو میرے پاس لاؤ۔

جب اُنھیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا تو خوف سے اُن کے چہرے زرد پڑ چکے تھے۔ اُنھیں یقین ہو چکا تھا کہ اب اُنھیں کسی سخت ترین سزا کا حکم سنایا جائے گا لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت نرم اور مشفقانہ لہجے میں اُن سے دریافت فرمایا:

تم میں سے کس لڑکے کی آواز سب سے بلند تھی کہ یہاں تک پہنچ رہی تھی؟

سب لڑکوں نے اپنے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

یہ ہے، ابو محذورہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس لڑکے کو روک لیا اور باقی سب کو جانے کی اجازت عطا فرما دی۔ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کھڑے ابو محذورہ کے ہاتھ لرز رہے تھے اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑی شفقت اور کرم کا اظہار کرتے ہوئے اُسے مخاطب کیا:

اے ابو محذورہ! ہمیں بھی اذان سناؤ!

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُسے اذان کے الفاظ بتاتے گئے اور وہ اپنی مخصوص آواز میں اُنھیں دہراتا گیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے اپنے قریب بلایا اور اُس کے سر، پیشانی اور سینے پر اپنا دستِ مبارک پھیرتے ہوئے یہ دُعا دی:

بارك الله فيك وبارك الله عليك

اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے تمام کاموں میں برکت عطا فرمائے!

اس کے ساتھ ہی اُسے کچھ درہم بھی عطا فرمائے۔اِس شفقت، کرم اور بابرکت دُعا کے بعد ابو محذورہ کے نصیب جاگ اُٹھے، دل کی کیفیت تبدیل ہو گئی، اسلام کے ساتھ اُن کی ناپسندیدگی عشق و محبت میں اور فاصلے قربت و رفاقت میں بدل گئے۔(1)

اُنھوں نے فوراً کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے اور یہ درخواست خدمتِ اقدس میں پیش کی:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے خانۂ کعبہ میں اذان دینے کے لیے مستقل طور پر مؤذّن مامور فرما دیں!

حضور نبیِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے بیت اللہ شریف میں مستقل مؤذّن کی حیثیت سے اُن کی تعیناتی کا حکم جاری فرما دیا۔اُس وقت اُن کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبۂ عقیدت و محبت کے تحت اپنی پیشانی کے اُس حصے سے ساری عمر بال نہیں کاٹے جہاں پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تھا۔

وہ اپنے انتقال تک بیت اللہ شریف کے مؤذّن کی حیثیت سے اپنا فرض بڑی خوش اسلوبی اور پوری ذمّے داری سے ادا کرتے رہے اور سنہ ۵۹ ھ میں مکّہ مکرمہ میں وصال فرمایا۔اُن کے بعد بھی اُن کی اولاد نسل در نسل بیت اللہ شریف میں اذان دینے کا فریضہ ادا کر کے مؤذّنِ بیت اللہ شریف کی وارث رہی۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی آواز اتنی دل کش، دل آویز اور پُر اثر تھی کہ لوگ اُن کی اذان کے لحن کی مثال دے کر قسم کھایا کرتے تھے۔ایک شاعر نے اُن کی خوب صورت اور دل میں اُتر جانے والی آواز کے متعلّق اپنے جذبات کا اظہار ان شاندار الفاظ میں کیا ہے:

ربِّ خانۂ کعبہ کی قسم! جس پر مقدس غلاف چڑھا ہوا ہے، قسم ہے اُن سورتوں
کی جو پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت فرمائیں!
اور قسم ہے ابو محذورہ کے اذان دینے کے انداز کی! میں اپنی بات کو ضرور پورا کروں گا۔(2)

جس کے تابع ہیں مقبولیت کے اُصول
منحصر جس پہ ہے رحمتوں کا نزول
وہ دعا جس پہ صدقے درودوں کے پھول
وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول
اُس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام

1۔دلائل النبوۃ لاصبہانی:179/1
2۔سیر اعلام النبلاء:118/3۔الاستیعاب:1752/4

جنگِ حنین کے بعد بنو ہوازن کے ایک نمائندہ وفد کی آمد

غزوۂ حنین میں کامیابی کے بعد جب کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا عمل مکمل ہو چکا تھا، قبیلۂ بنو ہوازن کے متاثرہ خاندانوں کی طرف سے چودہ سرکردہ معززین پر مشتمل ایک نمائندہ وفد نمازِ ظہر سے قبل عفوو درگزر کی درخواست کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ بنو ہوازن کے اشراف پر مشتمل اس وفد کی قیادت عرب کے نامور مقرر سردار ابوصرد، زہیر بن صرد اور جناب ابو برقان کر رہے تھے۔

جناب ابو برقان رضاعت کے رشتے سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا تھے۔ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں باریابی کے بعد وفد کے قائد نے پہلے اپنے قبیلے کی قبولِ اسلام کی خبر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کی، پھر نہایت دردمندانہ اور دِلوں کو چھو جانے والے انداز میں اپنی قوم کے ساتھ پیش آنے والے دُکھوں اور مصیبتوں کا حال بیان کیا۔ اس کے بعد خطیبِ عرب زہیر بن صرد نے انتہائی دل گداز اسلوب میں رضاعی رشتوں اور قرابت داری کا واسطہ دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنے اموال اور اہل وعیال کی واپسی کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

قریش کے ساتھ ہمارا نسبی تعلّق تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ننھیالی رشتے دار بھی ہیں۔ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قید میں ہمارے قبیلے کے وہ نیک سیرت بزرگ، روشن چہرہ خواتین، خدمت گزار بہنیں اور صاحبِ عزت وعظمت شخصیات موجود ہیں جنھوں نے بڑی شفقت ومحبت اور ذمے داری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کی تھی۔ ان قیدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ پھوپھیاں موجود ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے زانوؤں پر کھلایا تھا، وہ خالائیں ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی گودوں میں سلایا تھا، وہ باوقار اور کرم نگاہ مائیں بھی ہیں جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا دودھ پلانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

بے شک، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شیر خوارگی کے عرصے کے دوران دیکھ چکا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہایت صبر اور انصاف کے ساتھ دودھ پینے والے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دودھ چھوڑنے کی عمر تک پہنچے تو اہلِ قبیلہ نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہترین انداز میں دودھ پینا چھوڑ دیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھرپور خیر و برکت کے ساتھ جوانی کی بہاریں دیکھ لیں
تو ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا خوب صورت جوان پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں اَن گنت نعمتیں، اکرام اور بھلائیاں جمع ہو چکی ہیں۔
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ خانہ اور گھر کے لوگ ہیں
اور اس بات کو ہر کوئی جانتا ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین کفیل اور افضل ترین قرابت دار ہیں۔
اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست ہے کہ آزمائش اور اذیت میں مبتلا
ایسے آبرومند اور نیک نام گھرانوں کے افراد پر احسان فرمائیں
کہ گردشِ فلک سے جن کے مقدر کا ستارہ پراگندگی کا شکار ہو گیا ہے،
انقلابِ زمانہ سے جن کے خوش حالی کے دن اب غربت و افلاس میں بدل چکے ہیں!
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
اس وقت ہماری حالت ایک ایسی آفت رسیدہ اور پریشان حال قوم جیسی ہے
جن کی جماعت کا تغیّراتِ زمانہ نے شیرازہ بکھیر دیا ہو۔
ہم پر جو آفتوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں،
وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے مخفی نہیں ہیں۔
ایسے لگتا ہے کہ ہماری نسل مٹ جائے گی،
کیوں کہ اپنے معصوم بچوں، عفت مآب ماؤں اور نیک سیرت بہنوں کے ساتھ
ہمارا رابطہ کئی ہفتوں سے منقطع ہو چکا ہے۔
ہمیں قطعاً معلوم نہیں کہ وہ لوگ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔
یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
اس وقت ہمارا وفد یہ درخواست لے کر حاضرِ خدمت ہوا ہے کہ
ہم پر، ہمارے بچوں پر اور اُن برگزیدہ ماؤں پر،
جن کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پیا تھا، احسان فرمائیں!

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا کرم فرمایا ہے!
بِلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس کائنات کی ایک ایسی شفیق اور مہربان شخصیت ہیں
کہ جن کے احسان و کرم اور رحمت و شفقت کے لوگ بڑی آس اور
اُمید کے ساتھ منتظر رہتے ہیں۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق کے لیے نہایت بلند شان اور آن رکھنے والے
راہبر و راہنما ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جُود و کرم اور سخاوت سب سے بالاتر، اکمل اور افضل ہے۔
تدبر، تحمل اور بردباری جیسی صفاتِ جمیلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔
اب تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و درگزر اور صلۂ رحمی کی شہرت تمام عالم میں پھیل چکی ہے۔
اب ہماری ساری اُمیدیں، آرزوئیں اور تمنائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے وابستہ ہیں،
اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارفع و اعلیٰ کردار کی زینت ہوتا ہے۔
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ہم لوگوں کا تعلّق ذی مرتبت اور صاحبِ عزت گھرانوں سے ہے۔
ہم وفادار، اطاعت گزار اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے والی قوم ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ہماری یہ التجا ہے کہ ہمارے وہ
چھ ہزار معصوم بچے اور عفت مآب خواتین، جو کئی دنوں سے ہم سے جدا ہیں
اور وہ بہت زیادہ دُکھ، تکالیف اور صعوبتیں برداشت کر چکے ہیں، اُن لوگوں
کو ازراہِ احسان اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت مرحمت فرما دیں!
یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ہماری قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان احسانات کو کبھی فراموش نہیں کرے گی
اور ہم ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکر گزار اور فرماں بردار رہیں گے۔
پس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف سے پیش کی گئی رحم کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت
عطا فرمائیں!
اِس کارِ خیر کے بدلے میں اللہ ذُوالجلال والاکرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا و آخرت کی
تمام بھلائیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے گا۔

حالات پر گہری نظر رکھنے والے، جہاں دیدہ ،مدّبر اور قادرالکلام خطیب زہیر بن صرد کی طرف سے رسُول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بڑے عمدہ ،موثر اورنفیس انداز میں یہ عرض داشت پیش کی گئی تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

ماکان لی ولی بنی عبد المطلب فھولکم

جو خیروبرکت اور بھلائیاں میرے اور خاندانِ عبدالمطلب کے لیے ہیں،
وہ سب تمھارے لیے بھی ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے حمدوثناء کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو!
قبیلۂ بنوہوازن کے لوگ اسلام قبول کر کے تمھارے بھائی بن چکے ہیں۔
اب آپ لوگوں کو بھی چاہیے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کریں!

یہ ارشادِ مبارک سن کر جاں نثارانِ رسُول اللہ ﷺ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اورعرض کیا:

یارسُول اللہ ﷺ!
وہ تمام انعامات، جوآپ ﷺ کی طرف سے ہمیں عطا فرمائے گئے تھے،
اُس مال ومنال کے آپ ﷺ ہی مالک ومختار ہیں،جس کو چاہیں،عنایت فرمائیں۔

اس بابرکت ماحول میں رسالت مآب ﷺ کی جانب سے کی گئی یہ عنایت ،مہربانی اورشفقت بنوہوازن کے وفد اور اُن کے آفت رسیدہ قبیلے کے لیے خوشیوں کا باعث بن گئی۔(سبحان اللہ)(1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دین و دنیا دیئے مال و زر بھی دیا
حور و غلماں دیئے خلد و کوثر دیا
دامنِ مقصدِ زندگی بھر دیا
ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

1۔کتاب المغازی للواقدی:3/51-950۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:2307

حجۃ الوداع

ارکانِ اسلام میں سب سے پہلا بنیادی رکن کلمۂ توحید ہے، پھر نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے بعد جب پانچواں رکن حج سنہ ۹ ہجری میں فرض ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسی سال تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک حج وفد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکّہ مکرمہ روانہ فرمایا، تاکہ ایامِ جاہلیت میں اختیار کی گئی باطل حج رسومات کا خاتمہ کرکے اسے منزّہ اور پاک کیا جاسکے۔(1)

پھر اگلے سال (10 ہجری میں) حج کا موسم آتے ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے مقدس گھر کی زیارت اور ادائیگیِ حج کا ارادہ ظاہر فرمایا، تاکہ اُمت کے سامنے حج کے تمام مراحل کو اُن کی اصل روح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سنّت کے مطابق پوری شان اور وقار کے ساتھ ادا فرمایا جائے، کیوں کہ زمانۂ جاہلیت کے دوران حج میں بہت سی ایسی باطل رسومات شامل ہوگئیں تھیں جو اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں کے طریقے کے خلاف تھیں۔

اس مژدۂ جاں فزا کو اسلامی ریاست کے اطراف واکناف میں فوری طور پر پہنچا دیا گیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکّہ مکرمہ تشریف لے جانے والے ہیں، چناں چہ جب تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادۂ حج کی خبر لوگوں تک پہنچی تو اُنھوں نے بھی اپنی تمام مصروفیات ختم کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں ادائیگیِ حج کے لیے تیاری شروع کردی۔ چوں کہ ان لوگوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہونے کا تاریخی موقع مل رہا تھا، اس لیے سب لوگ اپنی خوش بختی پر ناز کرتے ہوئے اس سفرِ پُرسعادت میں شریک ہونے کے لیے مدینہ کی جانب چل دیئے۔

جوں جوں روانگی کی تاریخ قریب آنے لگی، صحراؤں اور وادیوں کے مکین، دیہات اور شہروں میں اقامت پزیر فرزندانِ توحید کے قافلے جوق در جوق مدینہ منورہ پہنچنا شروع ہوگئے۔ مدینہ میں اس سے پہلے کبھی اتنے بڑے پیمانے پر مہمانوں کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ شہر میں ہر طرف رونق ہی رونق اور خوشیوں کا سماں تھا۔ بازار خریداروں سے بھر گئے تھے۔ کھلے میدان میں لگے زائرین کے خیمے بڑا خوب صورت اور پُرشکوہ منظر پیش کر رہے تھے۔ مسلسل تیئیس سال تک اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں نے ہر قسم کی مخالفانہ کوششیں اور ہتھ کنڈے آزما کر دیکھ لیے تھے لیکن بالآخر عرب کی سرزمین اللہ کے نُور سے مَنوّر ہو کر رہی۔

عرب کے وہ قبیلے اور خاندان جو اسلام سے پہلے ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے، اب آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 68/4۔ زاد المعاد: 96/2۔ السیرۃ الحلبیہ: 360/3

کی پُرنور شخصیت اور پاک تعلیمات کی برکت سے ایک دوسرے کے لیے ابریشم کی طرح نرم تھے لیکن رزم حق و باطل میں اسلام کے دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو چکے تھے۔ آج وہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا اور راہنمائی میں حج کی ادائیگی کے لیے قافلۂ رحمت میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہونے پر شاداں و فرحاں نظر آرہے تھے۔

مدینہ سے روانگی

ہفتے کا دن تھا اور ذیقعدہ کے پانچ دن باقی تھے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفرِ حج کی تیاری شروع فرما دی۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اہلِ مدینہ اور بیرونِ شہر سے آئے ہوئے اللہ کے مقدس گھر کے مہمانوں کے ساتھ ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر اپنے جاں نثاروں کو لے کر پورے وقار اور شان وشوکت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔(2)

اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر مسرّت وانبساط کی کیفیت نمایاں نظر آرہی تھی۔ اُس کاروانِ نور میں جمیع اُمہات المومنین سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور ایک لاکھ سے بھی زائد اہلِ ایمان اللہ کے مقدس گھر کی زیارت اور طواف کی خواہش لیے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اُن سب کے چہرے بھی اس بابرکت کارواں میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہونے پر خوشیوں سے دمک رہے تھے۔(3)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کے تاثرات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فرزندانِ توحید کے اس عظیم الشان کارواں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے پیچھے، دائیں بائیں، جہاں تک بھی میری نظر پہنچتی تھی، اپنی سواریوں پر یا پیدل، لوگ ہی لوگ نظر آرہے تھے۔ ہر طرف انسانوں کا گویا ایک سمندر تھا جو پورے نظم وضبط کے ساتھ کعبۂ انور کی جانب گامزن تھا۔ اُس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان میں تھے۔(4)

عصر کے وقت تک اللہ تبارک وتعالیٰ کے گھر کے مہمانوں کا یہ مقدس قافلہ ذوالحلیفہ پہنچ گیا۔ اہلِ مدینہ کے لیے یہی مقامِ میقات ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شمعِ رسالت کے پروانوں نے یہ رات وادیِ عقیق کے میدان میں خیمے لگا کر گزاری۔ صبح کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

آج رات جبرئیل علیہ السلام میرے پروردگار اللہ ذُوالجلال والاکرام کی جانب سے یہ پیغام لے

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:1545
2۔زادالمعاد:97/2
3۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:166/8۔سنن ابی داوٗد۔رقم الحدیث:1797
4۔صحیح مسلم۔رقم الحدیث:1218

کر آئے ہیں کہ اس بابرکت وادی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرمائیں اور یہ اعلان فرمادیں
کہ حج اور عمرہ، دونوں ایک ساتھ ہو سکتے ہیں (1)۔ جو لوگ قربانی کے جانور اپنے ساتھ
نہیں لائے، وہ بیت اللہ شریف کا طواف، صفا و مروہ کی سعی کے بعد سر منڈوا لیں اور پوری
طرح حلال ہو جائیں۔ اس طرح وہ حج کو عمرہ میں تبدیل کر کے احرام کھول سکتے ہیں۔

ظہر کی نماز سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر قربانی کے جانوروں کو قلادہ پہنایا گیا اور اُن کے کوہانوں کو چیرے لگا کر شعار کے عمل کو مکمل کیا گیا (2)، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کے لیے غُسل فرمایا، بالوں میں تیل لگایا، کنگھی کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر اپنے ہاتھوں سے وہ خوشبو لگائی جس میں زریرہ اور کستوری شامل تھی۔ اس کے بعد دو سفید اَن سِلی ہوئی چادروں میں سے ایک چادر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہبند باندھا اور دوسری چادر اپنے جسم مبارک پر اوڑھ لی۔ (3)

نمازِ ظہر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اے اللہ کریم!
ہمارے اس حج کو مقبول بنادے اور اس کو ایسا بنادے کہ نہ اس میں ریا ہو،
نہ ظاہر داری اور نہ کسی فخر کا اظہار ہو۔

اسی وقت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی بلند آواز سے
تلبیہ کہنے کا حکم جاری فرمادیں کہ یہ حج کے شِعار میں سے ہے۔ (4)

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمے سے باہر تشریف لائے اور قصویٰ پر سوار ہو کر اللہ کے مقدس گھر کی جانب روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز میں تلبیہ ادا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی حج اور عمرہ: دونوں کا نام لے کر بلند آواز میں تلبیہ کے کلماتِ طیبات ادا فرماتے اور کبھی صرف حج کے لیے صدائے لبیک ادا فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں کاروانِ اسلام میں شامل زائرین ایک جیسا لباس پہنے ایک ہی منزل کی جانب رواں دواں تھے۔ ایک لاکھ سے بھی زائد شمعِ رسالت کے پروانوں کی بلند آواز میں تکبیرات کی صداؤں اور توحید کے ترانوں سے صحرا، پہاڑ اور وادیاں گونجنے لگیں۔

لبیك ! اللھم لبیك ! لبیك لا شریك لك لبیك !

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 1534
2۔ صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: 1243
3۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 5930
4۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم الحدیث: 2923۔ اسنادہ صحیح عند الالبانی

ان الحمد و النعمۃ لك و الملك ! لا شریك لك !

اے اللہ ہم حاضر ہیں ! اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں ! اے اللہ ہم حاضر ہیں ! بے شک تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہر طرح کی حمد اور تعریف تیرے ہی لیے ہے اور تمام نعمتیں تیری ہی عطا کردہ ہیں۔ تمام نعمتیں تیرے ہی فضل و کرم سے ہمیں عطا ہوئی ہیں اور ہر طرف تیری ہی بادشاہت ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت باسعادت میں قبیلوں کے سردار اور اُن کے خادم، آقا اور غلام، تاجر اور کسان، امیر اور غریب، پیدل اور سوار: سب بیت اللہ شریف کی زیارت کے شوق میں منزل کی جانب رواں دواں تھے۔ اِن ننگے سر اور احرام باندھے ہوئے خانۂ خدا کے مہمانوں کی زبان پر ایک ہی اعلان تھا اور وہ سب پورے جذبہ و شوق کے ساتھ اپنے اس عہد کی شہادت کا اظہار کر رہے تھے:

لبیك اللھم لبیك !

ہم حاضر ہیں۔ اے اللہ ! ہم حاضر ہیں۔

بلند آواز سے کلماتِ طیبات ادا کرنے کے متعلّق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا حج کی زینت ہے۔ (1)

جب فتح مکّہ کے لیے لشکرِ اسلام کی قیادت فرماتے ہوئے اللہ کے حبیب رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روانہ ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے راستے میں جن جگہوں پر نمازیں ادا فرمائی تھیں، حصولِ برکت کے لیے شمعِ رسالت کے پروانوں نے وہاں مسجدیں تعمیر کرا دی تھیں، چناں چہ اب حج کے اس مبارک سفر کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کی دل جوئی کے لیے ان تمام مساجد میں نماز ادا فرمائی۔ سفر کے آٹھویں دن تقریباً غروبِ آفتاب کے وقت جب یہ مبارک کارواں مکّہ کے قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذی طویٰ کے مقام پر ہی رات بسر کرنے کو پسند فرمایا، تاکہ سفر کی تھکاوٹ دور ہو سکے۔

4 ذوالحج کی صبح نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غُسل فرمایا اور احرام باندھا اور قصویٰ پر سوار ہو کر کعبۂ انور کی زیارت، طواف اور سعی کے لیے روانہ ہو گئے۔ (2)

جب مکّہ مکرمہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آمد کی اطلاع پہنچی تو ہاشمی خاندان کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری کی جانب دوڑ پڑے۔ اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے گھرانے کے کم سن اور معصوم بچوں کو اپنی طرف

1۔ مصنف لابن ابی شیبہ۔ رقم الحدیث: 15058

2۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 1573۔ جامع ترمذی۔ رقم الحدیث: 852

آتے دیکھا تو فرطِ محبت سے کسی بچے کو اُونٹ کے آگے اور کسی کو پیچھے سوار فرمالیا اور ان کو خانۂ کعبہ تک اپنے ساتھ لے کر گئے۔

جب بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑی تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

اے اللہ!

تُو سلامتی بخشنے والا ہے اور ہماری ہر سلامتی تیری ہی طرف سے ہے۔

اے ہمارے پروردگار!

ہمیں سلامتی کی زندگی عطا فرما!

اپنے اس گھر کی عزت و شرف، تعظیم و تکریم، شان و دبدبہ میں اور اضافہ فرما۔

اے اللہ!

جو لوگ حج اور عمرہ ادا کرنے کے لیے تیرے مقدس گھر میں حاضر ہوئے ہیں،

اُن کی تعظیم و تکریم، تقویٰ اور بھلائی، صالحیت اور نیک نامی میں اضافہ فرما! (آمین) (1)

مسجدِ حرام کے دروازے پر آپ ﷺ اُونٹنی سے نیچے اُتر آئے، پیدل بابِ سلام کے راستے مسجد میں داخل ہوئے اور حَجرِ اَسوَد کی طرف تشریف لے گئے، پھر بسم اللہ واللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے دونوں مبارک ہاتھ حَجرِ اَسوَد پر رکھے اور اُس کو بوسہ دیا۔

طواف مکمل کرنے کے بعد آپ ﷺ مقامِ ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ فرمایا:

تم مقامِ ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ! (سورہ بقرہ) (2)

وہاں دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کرنے کے بعد یہ دعا فرمائی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمائیں! ہمیں آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائیں! اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرمالیجیے! (3)

بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کے بعد رسالت مآب ﷺ سعی کے لیے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر تشریف لے گئے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدۂ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اپنے کم سِن بیٹے کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ کر سات چکر لگائے تھے۔

آپ ﷺ نے وہاں یہ آیت تلاوت فرمائی:

1۔ السنن الکبریٰ للبیھقي۔ رقم الحدیث: 9213

2۔ السیرۃ النبویہ واخبار الخلفاء للابن حبان: 394/1

3۔ مصنف عبد الرزاق۔ رقم الحدیث: 8965

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں پہاڑوں کے درمیان سات چکر لگا کر سعی کا عمل مکمل فرمایا۔(1)

مناسکِ حج کی ابتدا

9 ذی الحج کو دن کے آغاز کے ساتھ رحمتِ عالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میدانِ عرفات کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تھوڑی دیر کے لیے وادیِ نمرہ میں استراحت فرمائی جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آرام کے لیے خادمین نے اُونٹ کے بالوں سے بنا ہوا ایک خیمہ نصب کر دیا تھا۔

جب دن نصف النہار سے ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قصویٰ پر سوار ہو کر عرفات کے وسیع وعریض میدان کے درمیانی حصے میں تشریف لے گئے۔ پورا میدان تاحدِ نظر جاں نثارانِ احمد مجتبیٰ، غلامانِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں کی فضا موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اللہ ذُوالجلال والاکرام کی حمد وثنا اور صدائے لبیک کے کلماتِ طیبات ادا فرمانے سے متبرک اور مترنم ہو رہی تھی:

لبيك اللهم لبيك !

اے اللہ ہم حاضر ہیں! اے اللہ ہم حاضر ہیں!(2)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُمت سے خطاب

جبل الرحمت پر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک عظیم الشان، پُرجلال، یادگار، تاریخی اور امن وسلامتی کے منشور کا حامل شاہکار خطبہ بآوازِ بلند ارشاد فرمایا۔ خطبے کے آغاز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تحمید وتقدیس بیان کی اس کے بعد انتہائی اہمیت کے حامل اور اہم ترین انسانی حقوق کی نوعیت واہمیت کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا۔

ربیعہ رضی اللہ عنہ بن اُمیّہ بن خلف اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑے کئی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خطبے کے مبارک الفاظ کو بلند آواز سے دُہراتے جاتے تھے، تاکہ تمام حجاج کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک فرمان کو اچھی طرح سن اور سمجھ لیں اور اس سے راہنمائی حاصل کر کے وہ اپنی زندگیوں کو کامیابیوں سے ہم کنار کر سکیں۔ رحمتِ عالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خطبے کا آغاز انتہائی دل کش اور موثر ترین انداز میں فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب سے پہلے حاضرین سے دریافت فرمایا:

لوگو!

یہ کون سا مہینہ ہے؟

1۔ السیرۃ النبویہ واخبار الخلفاء للابن حبان: 395/1

2۔ سنن ابی ماجہ۔ رقم الحدیث: 4406

حجاج کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

بے شک اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

چند لمحے خاموشی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا یہ ذوالحج کا مہینہ نہیں ہے؟

شمعِ رسالت کے پروانوں نے بیک آواز عرض کیا:

جی ہاں، یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یہ ذوالحج کا مہینہ ہے۔

اس کے بعد آقائے نامدار تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:

آج کون سا دن ہے؟

جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا:

اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا آج حجِ اکبر کا دن نہیں ہے؟

لوگوں نے عرض کیا:

جی ہاں، یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آج حجِ اکبر کا دن ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے دریافت فرمایا:

یہ کون سا شہر ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیکّ آواز عرض کیا:

اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

چند لمحے توقّف کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا یہ بلدالحرام نہیں ہے؟

فرزندانِ توحید نے عرض کیا:

جی ہاں، یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یہ بلدالحرام ہے۔(1)

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4406

جب اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج کے دن، اس مہینے اور مقدس شہر مکّہ معظّمہ کا احترام و اکرام فرزندانِ توحید کے دلوں پر اچھی طرح نقش فرما چکے تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** اور اللہ کریم کی حمد و ثنا سے اپنے خطابِ مقدس کا آغاز فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔
ہم اُسی کی عظمت بیان کرتے ہیں اور اُسی کی مدد اور مغفرت کے طلبگار رہیں۔
وہ ہمیں حیات بخشتا ہے اور موت کے بعد ہمیں اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
ہم اپنے نفس اور اعمال کی غلطیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔
جسے اللہ ہدایت عطا فرمائے، اُسے کوئی گم راہ نہیں کر سکتا
اور جسے وہی ہدایت سے نہ نوازے، اُسے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔
میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور اِلٰہ نہیں۔
عبادت اور بندگی کے لائق صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔
وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں وہ ہر کام کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے۔
اُس کی شان بلند ہے اور مرتبہ عظیم ہے۔
اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اُس کی ذات نے باطل کی ساری مخالف قوتوں کو شکست سے دوچار کیا۔(1)

ان کلماتِ طیبات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ کے بندو!
میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور اُس کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہوں
اور اپنی گفت گو کی ابتدا اس بات سے کرتا ہوں جس میں سراسر بھلائی ہے
اور جو بات سب سے بہتر اور ہمارے لیے باعثِ خیر ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطاب فرمایا، وہ پوری انسانیت کے لیے آج بھی مشعلِ راہ ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ کے بندو!
میری باتیں اچھی طرح سے سن لو!
اس لیے کہ شاید آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی حج کے اجتماع

1۔ کتاب المغازی للواقدی:1115/3

اوراس مقام پر میری آپ کے ساتھ دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے۔(1)

گویا یہ فرمانِ قدسی آقائے نامدار تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اپنی اُمّت کے لیے ایک طرح کا اعلانِ الوداع تھا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطابِ مقدس میں انسانی جان و مال کی عزّت وتکریم اور احترام کے متعلّق ارشاد فرمایا:

اے لوگو!

تم پر ایک دوسرے کی جان ومال اور عزّت وآبرو اتنی ہی قابلِ احترام ہے

جیسے کہ آج کا یہ دن، یہ ماہ اور یہ شہر ہم سب کے لیے قابلِ احترام ہے۔

ان کی حرمت کو پامال کرنا قطعاً حرام ہے۔وہ دن ضرور آئے گا

جب تمھیں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

تب وہ تم سے تمھارے اعمال کی باز پُرس فرمائے گا۔(2)

اے لوگو!

کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟

حج کے اس اجتماع میں موجود جمِ غفیر نے بہ یک آواز اعلان کیا:

جی ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فرض ادا فرما دیا ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی جانب نظر اُٹھا کر فرمایا:

اے اللہ! گواہ رہنا!(3)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر حجاج کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوئے:

لوگو!

میری بات غور سے سنو!

جس شخص کے پاس کسی دوسرے کی امانت ہو اُس پر لازم ہے کہ وہ امانت

اُس کے اصل مالک تک بہ حفاظت پہنچا دے، کیوں کہ اُس شخص نے اُسے

امانت دار سمجھ کر اُس پر اعتماد کیا ہے۔(4)

یاد رکھو!

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:603/2
2۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:4406
3۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:1741
4۔مسند احمد۔رقم الحدیث:20695

جو شخص بھی جرم کرے گا، وہ اپنی غلطی کا خود ذمّے دار ہوگا۔
اب نہ بیٹا اپنے باپ کے کسی جرم کا ذمہ دار ہوگا
اور نہ کسی باپ سے اس کے بیٹے کے جرم کا بدلہ لیا جائے گا۔(1)
اے لوگو!
میری بات کو توجہ سے سنو اور اسے ذہن نشین کرلو!
جو شخص کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائے،
وہ سب مسلمانوں کا بھائی ہے۔
اس طرح تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی اور ایک برادری کی طرح ہیں۔
کسی مسلمان کے لیے بغیر اجازت اپنے بھائی کے مال سے کچھ بھی لینا حرام ہے،
سوائے اس کے جو اُس کا بھائی اپنی مرضی سے اور خوشی سے اُسے دے۔
تم لوگ اس طرح کا کوئی ظلم اور زیادتی اپنی جانوں پر نہ کرنا۔(2)
اے لوگو!
آج میں اسلام سے پہلے کے تمام باطل اعتقادات، اعمال اور
رسم و رواج کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔
زمانۂ جاہلیت کے تمام خون آج معاف اور بدلے ساقط قرار دیئے جاتے ہیں
اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے کم سن فرزند ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب
کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں جو قبیلۂ بنی سعد میں زمانۂ رضاعت کے لیے
بھیجا گیا تھا۔ اس معصوم کو بنو ہذیل کے افراد نے قتل کردیا تھا۔(3)
اے لوگو! غور سے سنو!
اللہ نے اپنا فیصلہ صادر فرما دیا ہے کہ سود حرام ہے،
اس لیے آج سے زمانۂ جاہلیت کے سُود کے تمام مطالبے
کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اس ضابطے کا اطلاق
اپنے چچا جان عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے سُود پر کرتا ہوں
جو دوسروں کے ذمّے واجب الادا ہے اور اسے باطل قرار دیتا ہوں۔
لوگو! یاد رکھنا!

1۔سنن ابی ماجہ۔رقم الحدیث:2669 2۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:604/2 3۔ایضاً

سُود ظلم ہے لیکن اصل رقم واپس لینے کا مطالبہ بالکل جائز ہے۔
نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ قیامت کے دن تم پر ظلم کیا جائے گا۔(1)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجاج کرام رضی اللہ عنہم سے مکرّر استفسار فرمایا:

کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا کر اپنا فرضِ منصبی ادا کر دیا ہے؟

لوگوں نے عرض کیا:

جی ہاں، یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت احسن طریقے سے اپنے فرائضِ رسالت ادا فرما دیئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر آسمان کی جانب نظریں اُٹھا کر عرض کی:

اے اللہ! گواہ رہنا۔(2)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مبارک خطاب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو!

بِلا شبہ شیطان مسلمانوں سے مایوس ہو چکا ہے۔
اب اُسے اس بات کی قطعاً توقّع نہیں رہی کہ اس شہر میں اب کبھی اُس کی پرستش کی جائے گی لیکن وہ اس بات پر بھی راضی ہو جائے گا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں یا تمھارے نزدیک کم اہم معاملات میں ہی تم اس کے کہنے میں آ جاؤ، لہٰذا تم ہر قسم کے شیطانی وسوسوں، بُرے خیالات اور فتنہ وفساد میں مبتلا کرنے والی غلطیوں سے اپنے عقیدے اور ایمان کی حفاظت کرنا۔(3)

اے اللہ کے بندو!
میں تم لوگوں کو عورتوں کے ساتھ بھلائی، حسنِ سلوک اور احترام سے پیش آنے کا حکم دیتا ہوں۔

لوگو!

اپنی بیویوں کے حقوق پورے کرنے کے سلسلے میں اپنے اللہ سے ڈرتے رہنا! وہ تمھارے پاس اللہ کی امانت ہیں۔
تم لوگوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو گواہ بنا کر اُن کو اپنے نکاحوں میں لیا ہے

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:604/2 2۔ایضاً۔ 3۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:604/2

اور اللہ کے کلمے کے ساتھ وہ تمھارے لیے جائز اور حلال ہوئی ہیں۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھیں اُن کا امین بنایا ہے۔
لوگو! میری بات سنو اور اسے یاد رکھو!
میاں بیوی آپس کے معاملات میں ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ
اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کے پابند ہیں!
بے شک تم اپنی بیویوں پر بہت سے حقوق رکھتے ہو،
اُسی طرح عورتوں کے بھی تم پر بہت سے حقوق واجب ہیں۔
کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال سے
اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے۔ تمھاری بیویوں کا یہ فرض ہے
کہ وہ اپنے شوہر کے سوا کسی غیر شخص کو اپنے قریب نہ آنے دیں،
خیانت کا کوئی کام نہ کریں اور تمھارے بستر کی حرمت کو برقرار رکھیں،
نہ کسی ایسے شخص کو گھر میں آنے کی اجازت دیں جسے اُس کا شوہر ناپسند کرتا ہو۔
خواتین پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ
کسی غلط کام کا ارتکاب نہ کریں، نہ کسی نامناسب بات اور بے حیائی
کے کام میں حصّہ لیں۔ اگر وہ کوئی ایسا کام کریں تو اللہ نے تمھیں اجازت
دی ہے کہ اُن کی اصلاح کے لیے اُن کو اپنے بستروں سے الگ کر دو!
تم کو بہت معمولی جسمانی سزا دینے کی بھی اجازت ہے
لیکن اس طرح کہ اُن کے جسم پر کوئی نشان نہ پڑے۔
اگر وہ اپنی غلط روش سے پیچھے ہٹ جاتی ہیں
اور پاک دامنی کے ساتھ وفادار رہنے کا عہد کرتی ہیں
اور دل وجان سے تمھاری اطاعت کرنے لگتی ہیں
تو پھر اُن کا تم پر یہ حق ہے کہ اُن کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ
اور رسم و رواج کے مطابق تم اُن کو بہترین لباس پہننے کے لیے دو
اور دستور کے مطابق عمدہ اور اچھا کھانا کھلاؤ، کیوں کہ وہ بہت سے
کاموں میں تمھاری رہینِ منّت اور زیرِ دست ہیں۔(1)

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:2/4-603

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار پھر دریافت فرمایا:

کیا میں نے اللہ کا پیغام آپ لوگوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے؟

ہزاروں فرزندانِ توحید نے پُرجوش اور بلند آواز کے ساتھ عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا فرما دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظریں آسمان کی جانب اُٹھائیں اور فرمایا:

اے اللہ!

آپ گواہ رہیں!(1)

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطابِ مبارک کے اگلے حصّے میں فرمایا:

اے لوگو! سنو!

اپنے غلاموں کا اپنے گھر کے ایک فرد کی طرح خیال رکھو!

انھیں حقیر مت سمجھو! انھیں وہی کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو!

اور انھیں ویسے ہی کپڑے پہننے کے لیے دو جیسے تم خود پہنتے ہو!

اگر اُن سے کوئی ایسی خطا سرزد ہو جائے جسے تم معاف کرنا پسند نہ کرو

تو اُن کو نہ اذیت دو اور نہ اُن کے ساتھ سخت برتاؤ کرو!

بلکہ بہتر بات یہ ہے کہ انھیں آزاد کر دو یا بیچ دو!

کیوں کہ وہ بھی تو اللہ ذوالجلال والاکرام کے بندے ہیں۔(2)

یاد رکھو!

اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے آزاد اور غلام: سب برابر ہیں۔

اے اللہ کے بندو!

جو ضامن ہو، اُس کا فرض ہے کہ ضمانت کی ذمّے داری کو پورا کرے۔

کوئی کسی سے قرض لے یا کوئی چیز اُدھار لے تو اُسے چاہیے کہ

اُسے اچھی حالت میں اور اچھے طریقے سے واپس کرے!

جب تمھیں کوئی تحفہ دے تو اُس کے بدلے میں تم بھی اُسے تحفہ دو!(3)

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 604/2
2۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث: 16409
3۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 396/4

لوگو! میری بات غور سے سنو!
اللہ تعالیٰ نے ہر وارث اور حق دار کا حصّہ خود مقرر فرما دیا ہے۔
اس بات کو یاد رکھنا کہ وصیت ایک تہائی سے زائد جائز نہیں۔
پھر تین دفعہ یہ بات دُہرائی کہ میں تمھیں پڑوسی کے
ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کی نصیحت کرتا ہوں!

یاد رکھو!
جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے
اور جو شخص اپنے آقا کے علاوہ کسی دوسرے کو آقا بتائے گا، اُس پر اللہ کی،
اُس کے فرشتوں کی اور اللہ کے نیک بندوں کی طرف سے لعنت ہے۔
ایسے شخص کے کسی نیک عمل کو اللہ کے ہاں کوئی قبولیت حاصل نہ ہوگی،
نہ اُس کے کسی اچھے عمل کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی بدلہ دیا
جائے گا۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم برادری میں مساوات قائم رکھنے کی نصیحت فرمائی اور حسب ونسب، قوم وقبیلہ اور رنگ و نسل کی تقسیم پر فوقیت کی زنجیریں توڑنے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو!
تمھارا پروردگار ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے۔
سارے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام خاک سے پیدا کیے گئے تھے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم لوگوں کو الگ الگ قوموں، قبیلوں اور خاندانوں میں اس لیے
بانٹ دیا ہے کہ تمھاری پہچان آسانی سے ہو سکے۔

اے قریش کے لوگو!
اللہ تعالیٰ نے تمھاری جہالت کے جھوٹے غرور، نسلی نخوت اور باپ دادا کے
کارناموں پر تمھارے فخر ومباہات: سب ختم کر ڈالے ہیں، اس لیے نہ کسی
عربی کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری اور فوقیت حاصل ہے۔
نہ کوئی گورا کالے سے اور نہ کوئی کالا گورے سے افضل ہے۔

خبردار!

1۔سنن ابن ماجہ۔رقم الحدیث:2712

خاندانی تفاخر، رنگ ونسل اور قومیت کی بنیاد پر کسی کو کسی پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے۔

فضیلت، فوقیت، برتری اور انتقام کے تمام دعوے، خواہ وہ خون کے ہوں یا مال ودولت کے، وہ سب میرے قدموں تلے روندے جاچکے ہیں۔

بے شک تم سب میں بزرگی، عزت اور فضیلت کا حق دار خدا کی نظروں میں صرف وہی ہے جس کے اعمال اچھے ہیں، جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور اپنے تمام معاملات میں ہمیشہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔(1)

لوگو!

اس بات کو غور سے سنو!

میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمھارے بعد کوئی اُمّت نہیں ہے۔

تم سب اپنے پروردگار کی عبادت کرنا!(2)

پانچ وقت کی نماز ادا کرنا!

ہر سال رمضان کے روزے رکھنا!

اپنے خدا کے گھر کا حج کرنا!

اپنے مال و دولت پر بروقت اور خوش دلی کے ساتھ زکوۃ ادا کرنا!(3)

جو لوگ تمھارے سربراہ بنائے گئے ہیں،

اگر وہ اللہ کی کتاب کے مطابق تمھاری قیادت کریں تو اُن کی اطاعت کرنا!

اگر تم کوئی مشورہ اُن کو دینا چاہتے ہو

تو پھر اُن کو خیر خواہی کے جذبے کے تحت نصیحت کرنا!(4)

لوگو! مان لو!

اپنے ہر عمل کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کرنا

اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔(5)

ایسا کروگے تو تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

اللہ اُس شخص کو اپنی رحمتوں سے نوازے جس نے میری بات کو غور

1۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث: 23489
2۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر: 404/4
3۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث: 22260
4۔ الطبقات الکبری لابن سعد: 141/2
5۔ کتاب المغازی للواقدی: 1103/3

سے سنا اور دوسروں تک پہنچایا۔

اے اللہ کے بندو!

میں تم لوگوں کو دو ایسی چیزیں دیئے جا رہا ہوں کہ اگر تم اُن پر مضبوطی سے

قائم رہو گے اور اُس پر عمل کرو گے تو آخر دم تک تم کبھی صراطِ مستقیم سے نہ بھٹکو گے،

اور وہ امرِ مبین یہ ہے:

آسان، روشن اور نہایت واضح اللہ کی کتاب قرآنِ حکیم:

جس میں حکمت، ہدایت اور روشنی ہے اور دوسری میری سنّت ہے

جس پر عمل کرو گے تو دنیا اور آخرت:

ہر دو مقام پر فلاح پاؤ گے۔

اے لوگو!

میری بات کو غور سے سنو!

اپنے بھائیوں کی خیر خواہی، عمل میں خلوص اور جماعت میں اتفاق،

یہ ہے وہ سیدھا راستہ جس پر چل کر تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی

جانب سے انعام کے حق دار ٹھہرو گے۔(1)

اپنے خطبۂ مبارک کے اختتام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے لوگو!

قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ تم لوگوں سے میری نسبت گواہی

طلب فرمائیں گے کہ میرا معاملہ تم سے کیسا رہا؟

کیا میں نے اللہ ربّ العزت کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا ہے؟

تو اُس وقت تم اس بات کا کیا جواب دو گے؟

ہزاروں فرزندانِ توحید اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا اعتراف کرنے کے لیے بالکل تیار تھے، چناں چہ شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانوں کی طرف سے بلند آواز کے ساتھ ایسا فوری اور پُرجوش جواب آیا کہ پوری وادی گونج اُٹھی:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ:

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 604/2

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ربّ کریم کا پیغام
☆ اس کے تمام احکامات کی تبلیغ
☆ اُمّت کی خیر خواہی
☆ اور فرائضِ رسالت کا حق پورے اخلاص سے ادا فرما دیا ہے۔
☆ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے پاس رکھی ہوئی امانتیں ادا فرما دیں۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔
☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھرے اور کھوٹے کو الگ کرنے کا فرض ادا فرمایا۔

اُس وقت آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انگشتِ شہادت آسمان کی جانب بلند فرمائی، پھر انگشتِ شہادت کو فرزندانِ توحید کی طرف جھکا کر زبانِ مبارک سے تین بار یہ کلمات ادا فرمائے:

اللھم اشھد o

اے اللہ!
آپ گواہ رہیں! میدانِ عرفات میں موجود یہ لوگ شہادت
دے رہے ہیں کہ میں نے آپ کا پیغام اِن تک پہنچا دیا ہے۔(1)

اس کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ میرا پیغام، تعلیمات اور احکامات اُن لوگوں
تک پہنچا دیں جو ہمارے ساتھ اس حج میں شریک نہیں ہو سکے۔
ممکن ہے کہ بہت سے غیر موجود لوگ میرے اس پیغام کی اہمیت کو
سمجھنے اور یاد رکھنے کی زیادہ اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہوں۔(2)

جب اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے خطبۂ مبارک سے فارغ ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام سورۂ مائدہ کی اس آیت کے ساتھ تشریف لائے جس میں تکمیلِ دین کی خوش خبری دی گئی تھی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

آج کے دن ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے دین کو مکمل فرما دیا۔ ہم نے اپنی نعمتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پوری کر دی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند فرمایا

1۔ صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: 1218۔ سنن ابن داؤد۔ رقم الحدیث: 1905۔ سنن ابی ماجہ۔ رقم الحدیث: 3074

2۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث: 20419

ہے۔(1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حجۃ التمام

اس حج کے دوران اللہ ربّ العزت کی طرف سے نازل ہونے والی آیتِ مبارکہ کے ذریعے تکمیلِ دین کی بشارت دی گئی کہ:

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
آج ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین مکمل کر دیا ہے
اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اپنی تمام نعمتیں پوری فرما دی ہیں۔

لہٰذا تکمیلِ نعمت کی اس مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری حج کو ''حجۃ التمام'' بھی کہتے ہیں۔

حجۃ الاسلام

آخری حج کے خطبے کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام، اللہ ذُوالجلال والاکرام کا یہ پیغام لے کر آئے کہ:

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند فرمایا ہے۔

تو اس آیتِ مبارک کی مناسبت سے اسے ''حجۃ الاسلام'' بھی کہا جاتا ہے۔

حجۃ البلاغ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو پیغام پہنچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے، ۲۳ سالہ جدّ وجہد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ تمام مقدس تعلیمات اور شرعی احکامات بڑے احسن انداز اور عمدہ اسلوب کے ساتھ اُمّت تک پہنچانے میں کامیاب رہے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری خطبۂ حج میں لوگوں کو مخاطب کر کے بار بار لفظ بَلّغت کا استعمال فرمایا، یعنی:

کیا میں نے اللہ کا پیغام آپ لوگوں تک پہنچا دیا ہے؟

جاں نثارانِ اسلام اور عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ یک وقت بلند آواز کے ساتھ عرض کرتے:

نشهد انك قد بلغت يا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم قیامت کے دن شہادت دیں گے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کی خیر خواہی کی اور تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔(2)

1۔ صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: 4407
2۔ کتاب المغازی للواقدی: 1103/3

اسی مناسبت سے اسے ''حجۃ البلاغ'' بھی کہتے ہیں۔

حجۃ الوداع

میدانِ عرفات میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے الوداعی خطاب میں یہ فرمایا تھا کہ:

اس مقام پر آپ لوگوں کے ساتھ شاید یہ آخری ملاقات ہے۔

پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی حج نہیں فرمایا۔

اس طرح اس آخری حج کی مناسبت سے اسے ''حجۃ الوداع'' بھی کہتے ہیں۔

سبحان اللہ العظیم یا ربَّ العالمین

اُن کی باتوں کی لذّت پہ لاکھوں درود
اُن کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام
جس میں نہریں ہے شیر و شکر کی رواں
اُس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام
اُن کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود
اُن کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام

تاثرات

اے کہ تیرا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں تیرے حسن کی زکوٰۃ
تیرے سلام کے لیے گلشنِ قدس کے طیور
گھوم رہے ہیں ڈال ڈال جھوم رہے ہیں پات پات
آنکھ کے اک اشارہ سے تونے معاً بدل دیئے
ذہن کے سب تصورات قلب کے سب تاثرات

تاثرات سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

(جبرائیل علیہ السلام کی غارِ حرا میں آمد اور اعلانِ نبوت کے اہم ترین موقع پر)

پندرہ سالہ روز و شب اور جلوت و خلوت کی رازدار، غم گُسار، وفا شعار، جاں نثار، شفیق اور نیک دل شریکِ حیات سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معصومیت، اخلاص، متوازن طرزِ زندگی، دل کش عادات، خوب صورت صفات، قلب و نگاہ کی پاکیزگی اور روح کی بلندی کی سب سے زیادہ عینی شاہد تھیں، دن کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ معصوم، مخلص اور محبت کرنے والا پایا۔

غارِ حرا میں جبریلِ امین کی آمد اور اللہ ذوالجلال والاکرام کی جانب سے رسالت جیسا عظیم الشان منصب عطا کیے جانے پر دانش مند، ذی فہم اور باشعور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اپنے سرتاج کے متعلق یہ یقین تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے اعلیٰ ترین حسنِ کردار، پائیدار اخلاقِ عالیہ، کامل ترین انسانی شرافت، پسندیدہ طرزِ عمل، عدل وانصاف اور احسان وکرم کی حامل شخصیت کو ہر آفت سے محفوظ فرمائیں گے، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہا نے اِس حیرت انگیز واقعہ کے دوران جبرئیل علیہ السلام کی آمد، نبوت کے عظیم الشان منصب پر فائز ہونے اور نازل ہونے والے کلامِ الٰہی کے ایک ایک لفظ کو پوری توجّہ سے سننے کے بعد بڑے باوقار اور مدّبرانہ انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی وتشفی کے لیے شان دار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامیابی کا یقین دلایا۔

پندرہ سالہ بابرکت ازدواجی رفاقت کے بعد سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے اِن کلماتِ خیر سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوّت کی عظیم الشان ذمّے داریوں کو سنبھالنے اور دعوتِ حق کی روشنی پھیلانے کے لیے بڑی ہمت افزائی ہوئی۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ عادات، فضائلِ کریم اور صفاتِ عالیہ کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار اِن الفاظ میں ادا فرمایا:

اے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

مجھے اللہ ذوالجلال والاکرام کی قسم!

- ☆ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہرگز رنج وغم میں مبتلا نہ کریں گے اور نہ کبھی اپنی رحمت اور فضل وکرم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور فرمائیں گے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک خیر اور بھلائی کا سرچشمہ ہے۔
- ☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہمان نواز ہیں اور خود اپنے ہاتھوں سے جانے انجانے مہمانوں اور بے ٹھکانا مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں

اور اُن کی خاطر مدارت اور عزت افزائی فرماتے ہیں۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رشتوں کو جوڑتے، اپنوں پر شفقت اور صلۂ رحمی فرماتے ہیں اور سب کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے کسوں، یتیموں اور مسکینوں کی دست گیری فرماتے ہیں اور ناتواں، نادار اور درماندہ افراد کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے مشکل وقت میں ان کے مددگار بنتے ہیں اور ان کی دل جوئی فرماتے ہیں۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلقِ خدا سے خوش اخلاقی سے پیش آنے اور درگزر فرمانے والے ہیں۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیک کردار، بلند فطرت اور بلند حوصلہ ہیں۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اچھی اور سچی بات کہتے ہیں۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قول کے پکے، وعدے کے سچے، صادق اور امین ہیں۔(1)

شمع تابانِ عرش آستانِ نبی
غم گسارِ نبی طبع دانِ نبی
راحتِ قلب و روح روانِ نبی
حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے چراغِ قمر جھلملائے
اُن عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:6982۔صحیح مسلم۔رقم الحدیث:160

تاثرات جناب مَیسرہ

(تجارتی سفر سے واپسی)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شام کی جانب تجارتی سفر انتہائی کامیاب اور خوش گوار تجربات کا حامل رہا۔ بحیثیت سربراہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ذمّے داری انتہائی محنت، ایمان داری اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دی۔ سامانِ تجارت کی خرید وفروخت میں منافع بھی توقع سے زیادہ ہوا۔ عفت مآب بی بی جی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب پہلی بار اپنے کاروبار میں اتنی برکت دیکھی تو حیرت زدہ رہ گئیں۔ اس سے پہلے کسی تجارتی سفر میں اتنا زیادہ منافع نہیں ہوا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جہاں دیدہ خادم مَیسرہ بھی اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھا۔ دورانِ سفر جب اُس نے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امانت دارانہ مزاج، پسندیدہ اخلاق، کمال تجارتی ادراک اور چھوٹے بڑے تمام معاملات کی احسن انداز میں تکمیل، راست گوئی، بلندی کردار، عاداتِ کریمانہ اور صفاتِ حمیدہ کا بڑے قریب سے مشاہدہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاکیزہ سیرت کے نقوش اُس کے دل پر ثبت ہو گئے۔

سفر سے واپسی پر اُس نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے نہایت شان دار الفاظ اور فصیح وبلیغ اسلوب میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلّق اپنے تجعب خیز مشاہدات وتجربات اور احساسات وتاثرات کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

بی بی جی!

مجھے آپ کے بہت سے تجارتی نمائندوں کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن اس بار میں اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے اتنی بابرکت، پُرعظمت، خوب صورت، دل کش اور ارفع و اعلیٰ کردار کی حامل شخصیت کے ساتھ سفر کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

مَیسرہ نے بڑے اثر انگیز الفاظ میں اپنے مشاہداتی تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا:

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مشکل اور دُشوار حالات میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں،
مصائب میں پُرسکون، ہجوم میں عالی وقار نظر آتے ہیں اور خرید وفروخت
میں راست گوئی، فہم وفراست اور مدّبرانہ دُور اندیشی سے کام لیتے ہیں۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نہایت حلیم الطبع تحمّل مزاج اور صبر وضبط کے مالک ہیں۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خاموشی میں وجاہت ومنزلت اور بات چیت میں انتہائی

نرمی اور دل آویزی ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دل ہر قسم کے اندیشوں، خدشہ و احتمال اور فکرِ فردا سے مبرّا و منزّہ ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کی عزت و حرمت، اُن کے رازوں کی حفاظت اور آبرو کا بہت خیال رکھتے ہیں۔
وہ جب بھی بات کرتے ہیں، مفید اور سعید بات کرتے ہیں۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتوں میں ایک شگفتگی اور دل کشی کا احساس ہوتا ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اندازِ نشست و برخاست اور معمولاتِ زندگی میں ایک خاص شانِ کریمی، وقار اور جلال ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حکمتِ عملی اور منصوبہ بندی میں رفعتِ افلاک اور لائحۂ عمل میں صحراؤں جیسی فراخی اور کشادگی ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ادراک و شعور اور عقل و دانش کے پیکر ہیں جو دن کی روشنی میں حسین اور رات کی تاریکی میں حسین تر نظر آتے ہیں۔
سچ تو یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے خوب صورت کردار میں فقید النظیر، لاکھوں میں ایک اور اپنی مثال آپ ہیں۔

تیرا جمال دِل نشیں، راحتِ جانِ عاشقاں
ذکرِ جمیل ہے تیرا، وِردِ زبانِ عاشقاں
کِس کی مجال پا سکے، حسنِ بیانِ عاشقاں
حاصل آرزوئے دِل، روح و روانِ عاشقاں
اے رونق بزمِ سروری، قبول ہمارا سلام ہو

تاثراتِ ابوطالب

یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے کہ ایک روز حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیّد نا حضرت علی رضی اللہ عنہ مکّہ سے باہر ایک وادی میں نماز ادا فرمارہے تھے۔حُسنِ اتفاق کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب بھی وہاں پہنچ گئے۔اُنھوں نے دیکھا تو پوچھا:

آپ لوگ کس دین کی پیروی میں یہ عبادت کررہے ہیں؟

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

چچا جان!

ہم لوگ اس وقت جو نماز ادا کررہے ہیں، یہ اللہ کے سچے،

روشن اور درخشاں مذہب اسلام کا ایک مضبوط ترین رکن ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آج تک جتنے بھی پیغمبر بھیجے ہیں،

وہ سب اِسی سچے دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔

ہمارے جدِّ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے اِسی پسندیدہ دین

پر عمل پیرا تھے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

چچا جان!

میں آپ کو اللہ کے اسی پسندیدہ اور مقبول ترین دین کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں۔

حضرت ابوطالب نے کہا:

اے میرے عزیز بیٹے!

میرے لیے یہ بڑا مشکل امر ہے کہ جس دین کی میرے آباؤاجداد تقلید کرتے رہے ہوں

اُس دین کو ترک کردُوں لیکن آپ لوگ اطمینان رکھیں،

جب تک میں زندہ ہوں، واللہ! میں آپ لوگوں کے ساتھ تعاون کرتا رہوں گا۔

جناب ابوطالب نے اپنے فرزند علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو اُنھوں نے بتایا:

ابا جان!

میں اللہ اور اُس کے رسُول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاچکا ہوں۔

میں نے تمام مشرکانہ رسومات سے منہ موڑ لیا ہے اور اِس وقت میں
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خدائے واحد کی عبادت میں مصروف ہوں۔

جناب ابو طالب پہلے ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے تمام معاملات سے سب سے زیادہ آگاہ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیک کرداری، راست گفتاری اور خلوت وجلوت کے سب سے زیادہ عینی شاہد تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ کے بہت بڑے مدّاح تھے۔

اُنھوں نے بتایا:

بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بچپن میں بھی پاک دامن، بہترین اخلاق
اور پاکیزہ ترین عادات کے مالک تھے۔
میں نے بچپن میں بھی کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کبھی ہنسی مذاق میں بھی کسی کی دل آزاری نہیں کی
اور نہ کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے میں نے خلافِ تہذیب
کوئی کلمہ سنا۔

جناب ابوطالب نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اے میرے پیارے بیٹے!
مجھے یقین ہے کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمھیں بھلائی کے سوا
کسی اور چیز کی طرف دعوت نہیں دیں گے،
لہٰذا جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت کی پیروی کرے گا،
اُس کا شمار سعادت مندوں میں ہوگا
اور جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے راستے پر چلے گا، وہ نجات پائے گا۔
اس لیے میرے بیٹے!
ہمیشہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دینا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہر بات پر عمل کرنا،
ان شاء اللہ کامیاب وکامران رہو گے۔(1)

آپ کے جو غلام ہو گئے | وہ خلق کے امام ہو گئے
آپ کا دیا جس نے بھی واسطہ | اُن کے سارے کام ہو گئے

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 247/1

تاثرات: عتبہ بن ربیعہ

ایک مرتبہ قریش کے اشراف واکابرین صحنِ حرم میں جمع ہوئے اور حسبِ معمول محفل لگا کر بیٹھ گئے۔ پھر ان کے درمیان اس موضوع پر بات چیت شروع ہوگئی کہ ہم لوگوں نے تمام تدبیریں کرلیں اور ہر قسم کی ترکیب کو بھی آزما کر دیکھ لیا ہے لیکن جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو ہر طرح کی تکلیفیں، سختیاں اور ظلم وزیادتی برداشت کرنے کے باوجود نئے دین کی تبلیغ واشاعت سے پیچھے نہیں ہٹ رہے۔ دُوسری طرف اسلام قبول کرنے اور ایمان کی نعمت سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ سردارانِ قریش کے اس اجلاس میں کافی غوروخوض اور بحث وتمحیص کے بعد یہ تجویز سامنے آئی کہ:

مستقبل میں پیش آنے والے خطرات کو کم کرنے اور اسلام کی ترقی کو روکنے کے لیے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بات چیت کرنے کی ایک اور کوشش کی جائے اور اس بار مذاکرات کے دوران اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اشتعال انگیز دھمکیاں دینے کی بجائے ماحول خوش گوار، مہذب اور پُرامن رہے، تاکہ بہتر نتائج حاصل کیے جاسکیں اور جب براہِ راست مذاکرات شروع ہوں تو ہمیں دورانِ گفت گو جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل کی بات ضرور معلوم کرنی چاہیے۔

منصبِ نبوت کی عظمت سے ناواقف سردار سوچ رہے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سرداری، بادشاہی یا کوئی خصوصی مرتبہ یا مال ودولت کے خواہش مند ہوں یا پھر قریش کی خوب صورت عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی تمنّا اپنے دل میں رکھتے ہوں۔ دورانِ مذاکرات اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تالیفِ قلب کے لیے کوئی ایسی راہ نکل آئے یا کوئی سمجھوتا ہوجائے جس کے نتیجے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسلام کی تبلیغ واشاعت کی ذمّے داری سے دست بردار ہوجائیں تو اس طرح وہ اس نئے مذہب کے بڑھتے ہوئے اثر و رسُوخ کو روکنے میں مکمل طور پر کامیاب ہوجائیں گے۔ مجلس میں گفت گو کے دوران شہر کے ایک معزز، صاحبِ ثروت اور قابلِ فخر سردار عتبہ بن ربیعہ نے سردارانِ قریش سے کہا:

دوستو!

اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں تو میں آپ کے نمائندے کی حیثیت سے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ شہر کے موجودہ مسائل پر بات چیت کا کوئی اہتمام کروں اور جماعت کی طرف سے انھیں کسی پُرکشش عہدے اور کچھ مالی منفعت کی پیش کش کرکے دیکھوں۔ دورانِ گُفت گُو اگر وہ کسی منصب کی خواہش کا اظہار کریں یا کوئی سہولت طلب کریں تو پھر مجھے یقین ہے کہ ان پُرکشش تجاویز کی بنیاد پر مصالحت اور

معاہدے کی کوئی راہ نکل آئے گی۔

اگر معاملات طے پا گئے تو اس کے بعد وہ اپنی تقریروں میں ہمارے معبودوں کی مذمت کرنا اور ہمارے مذہب کو بُرا بھلا کہنا چھوڑ دیں گے اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو بھی روک دیں گے۔ اس طرح ہماری اس کوشش سے شاید مکّہ دوبارہ امن اور چین کی راہ پر چل پڑے۔

ہم لوگ، جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں، دوبارہ ایک جماعت بن جائیں اور شہر کی رونقیں بحال ہو جائیں۔

تمام حاضرینِ مجلس نے اپنے اس سردار کی معقول رائے سے اتفاق کیا، کیوں کہ عتبہ بن ربیعہ کا شمار شہر کے صفِ اوّل کے محترم، سنجیدہ، متین اور دانا لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ خاندانی وجاہت، فصاحت وبلاغت، شجاعت و استقامت، شعر وشاعری اور سفارت کاری میں کامل مہارت رکھنے والی شخصیت کے حامل تھے۔

مجلس میں موجود لوگوں نے کہا:

اے ابوولید!
آپ زبردست دانش ور، انتہائی زیرک اور متحمل مزاج شخصیت کے مالک ہیں۔
ہمیں آپ پر اور آپ کی صلاحیتوں پر پورا اطمینان اور بھروسا ہے۔
ہمارے خیال میں آپ اس ذمّے داری کے لیے موزوں ترین شخص ہیں،
لہٰذا ہماری طرف سے آپ کو مکمل اختیار ہے کہ آپ جائیں اور
جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے مذاکرات کریں۔ ہمیں اُمید ہے کہ
آپ بات چیت کے ذریعے اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے
جس سے بالآخر ہماری موجودہ پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اپنے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کے بعد عتبہ بن ربیعہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبادت میں مصروف تھے، اس لیے کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ نماز مکمل فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عتبہ کی طرف متوجہ ہوئے تو اُس نے عرض کیا:

اے ہمارے قابلِ احترام بھائی کے بیٹے!
مکّہ شہر میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو جو مقام اور احترام حاصل ہے،
اُس میں تو کسی شخص کو کلام نہیں۔
بنو ہاشم کے پورے خاندان اور اپنے قریب ترین عزیز واقارب میں بھی
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بزرگ وبرتر اور عالی مرتبہ رکھتے ہیں،

حسب نسب میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک انتہائی باوقار، بااعتبار، معزز،
نہایت شریف اور بلند رتبہ گھرانے کے اہم ترین فرد ہیں۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حُسنِ اخلاق کا سارا شہر دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرتا ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی اس موجودہ جدوجہد سے پہلے نہ کبھی کسی کو
کوئی دُکھ پہنچایا اور نہ کبھی کسی کی دل آزاری کی تھی
لیکن اب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو نیا مذہب اہلیانِ مکّہ کو پیش کر رہے ہیں،
یہ ہم پر بہت گراں گزر رہا ہے۔
اس نئے مذہب کے جھگڑے نے قومِ قریش کی جماعت کو منتشر اور اس کے اتحاد کو
پارا پارا کر دیا ہے اور لوگوں کے دل ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں۔
دو حصوں میں بٹ جانے اور نااتّفاقی، تفرقہ اور دشمنیوں کے پیدا ہو جانے سے
قومِ قریش پریشانیوں میں مبتلا ہو چکی ہے۔
مسئلہ یہ ہے کہ
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نئے دین کی تبلیغ و اشاعت کے دوران ہر وہ بات کہہ جاتے ہیں
جس کے نتیجے میں ہمارے آپس کے تعلقات میں روز بروز کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہ صرف ہمارے عقل مندوں اور دانش وروں کو نادان اور گمراہ کہا،
بلکہ ساری قوم کو ہی احمق اور بے وقوف قرار دے دیا ہے۔
اس کے ساتھ ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے باپ دادا کے مذہب اور اُن کے معبودوں
کی توہین اور تذلیل کرتے ہیں اور ہمارے صدیوں پرانے عقائد، نظریات
اور رسومات میں سیکڑوں عیب نکالتے ہیں، ہمارے اگلے بزرگوں کو، جنھیں اس
دنیا سے رخصت ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں بھی کافر
اور جاہل قرار دیتے ہیں جس سے ہمارے دلوں کو شدید دُکھ اور تکلیف پہنچتی ہے،
چناں چہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس موقّف اور اندازِ تبلیغ پر اہلِ مکّہ کی طرف سے
سخت ترین ردِ عمل سامنے آیا ہے اور اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی
میں امن و امان کا مسئلہ پیدا ہونے سے سارے شہر کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں جن حالات سے دوچار کر دیا ہے،
اُس سے سارے عرب میں قومِ قریش کی رُسوائی ہو رہی ہے۔

پورے عرب میں کسی دوسرے شخص کو اپنی قوم کا اتنا نقصان کرتے ہوئے نہیں دیکھا
جتنا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کر رہے ہیں۔
ہم نے اب تک یہ سب دل آزار اور تکلیف دہ باتیں برداشت کی ہیں
لیکن اب میں اس اُلجھے ہوئے اور پریشان کن مسئلے کے حل کے لیے کچھ گزارشات
اور تجاویز آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔
میری درخواست ہے کہ
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری طرف سے پیش کی گئی ان تجاویز کو منظور فرما لیں۔
ہمیں اُمید ہے کہ
اس طرح ہمارے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان محاذ آرائی، دشمنی اور انتشار کی
موجودہ کیفیت ختم ہو جائے گی اور مصالحت اور مفاہمت کا کوئی راستہ نکل آئے گا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
اے ابو ولید! آپ اپنی بات کہیں، میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔

عتبہ بن ربیعہ کہنے لگا:
اے میرے محترم بھتیجے!
آج میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ اپنے دل کی بات کرنے آیا ہوں۔
اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس نئے مذہب کی تبلیغ بہت زیادہ امیر بننے کے لیے شروع کی ہے،
یعنی ہمارے ساتھ مخالفت کو اس قدر انتہا تک پہنچانے کا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا منشا و مقصد
مال و دولت کا حصول ہے تو ہم بڑی خوشی کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے
مال و دولت اور سونے چاندی کے انبار لگا دیتے ہیں
جس سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام عرب میں سب سے زیادہ مال دار شخص بن جائیں گے
اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوئی بلند منصب، قیادت کا اعزاز یا اقتدار کی خواہش رکھتے ہیں
تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں صاف صاف بتا دیں،
تاکہ ہم سب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سچے دل سے اپنا سب سے بڑا سردار اور بادشاہ تسلیم کر کے
مکّہ کا تاج و تخت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے کر دیتے ہیں۔
اُس کے بعد مکّہ اور اہلِ مکّہ کے تمام معاملات کے فیصلے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم کے تابع
فرمان ہوں گے

اور ہم کبھی بھی آپ (ﷺ) کے احکامات کی نافرمانی نہیں کریں گے۔
اگر آپ (ﷺ) مکّہ کی خوب صورت دوشیزاؤں کے ساتھ شادی کرنے کے خواہش مند ہیں
تو ہم لوگ قریش کے بڑے گھرانوں کی حسین ترین عورتوں سے آپ (ﷺ) کا نکاح کرانے
کے لیے تیار ہیں اور اگر آپ (ﷺ) کے پاس کوئی ہم زاد یا جنّات آتے ہیں
اور آپ (ﷺ) کو سوتے جاگتے میں واقعی کچھ عجیب نظر آنے لگا ہے
تو ہم اعلیٰ سے اعلیٰ حکیموں اور بہترین طبیبوں سے آپ (ﷺ) کا علاج کرا دیتے ہیں
اور مکمل صحت یاب ہونے تک آپ (ﷺ) کے علاج پر جتنا خرچ آئے گا،
اس رقم کی ادائیگی ہم کر دیں گے، آپ (ﷺ) بالکل فکر نہ کریں
لیکن ان تمام باتوں کے عوض ہماری طرف سے بس ایک ہی مطالبہ ہے کہ
آپ (ﷺ) نے جو راستہ اختیار کیا ہے، اُسے ترک کر دیں
اور اپنی تبلیغی ذمّے داریوں سے دست بردار ہو جائیں۔

عتبہ یہ باتیں کرتا رہا۔ اس دوران رسُول اللہ ﷺ خاموشی سے اُسے سنتے رہے۔
جب عتبہ نے اپنی بات ختم کر لی تو رسالت مآب ﷺ نے بڑے اطمینان اور تحمل سے فرمایا:

اے ابو ولید!
کیا آپ نے اپنی بات مکمل کر لی ہے یا ابھی مزید کچھ کہنا چاہتے ہیں؟

عتبہ نے عرض کیا:

میں نے اپنی تمام تجاویز آپ (ﷺ) کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دی ہیں
اور آپ (ﷺ) نے جس توجہ سے میری بات کو سنا ہے اس سے مجھے اُمید پیدا
ہو گئی ہے کہ آپ (ﷺ) میری ان تجاویز کو ضرور قبول فرمائیں گے۔

جب اعلیٰ عہدوں اور مالی مفادات کی ایسی ناقابلِ یقین پیش کشیں کی جائیں تو کسی شخصیت کے سیرت و کردار کے امتحان کا نازک ترین وقت یہی ہوتا ہے لیکن مکّہ کے ان عقل سے عاری اور نادان سرداروں کو یہ علم نہیں تھا کہ سرورِ عالم نبی محترم ﷺ تو ان دنیاوی عہدوں سے بلند و بالا اور ہر قسم کے مالی مفادات سے پاک اور بے نیاز شخصیت کے مالک ہیں، چناں چہ عتبہ کی پیش کی گئی گزارشات کے جواب میں آپ ﷺ نے بڑے باوقار انداز میں ارشاد فرمایا:

اے ابو ولید!
اب آپ میری بات سنیں!

حقیقت یہ ہے کہ میرے متعلّق آپ کا کوئی بھی گمان درست نہیں۔
آپ لوگوں کی طرف سے جو قیادت، سیادت اور حکومت کی پیش کشیں ہوئی ہیں،
میرے نزدیک ان سب کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔
میں مال ومنال اور حُسن و جمال کا آرزو مند نہیں ہوں،
نہ ہی ایسی خواہشیں میری منزل ہیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ پڑھ کر سورۃ حٰمٓ السجدہ کی تلاوت فرمائی:

حٰمٓ ۞١ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۞٢ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ
یَّعۡلَمُوۡنَ ۞٣ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ۞٤ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ
اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَفِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَیۡنِنَا وَبَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۞٥
قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡہِ
وَاسۡتَغۡفِرُوۡہُ ؕ وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۞٦ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ
کٰفِرُوۡنَ ۞٧ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۞٨ قُلۡ اَئِنَّکُمۡ
لَتَکۡفُرُوۡنَ بِالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَتَجۡعَلُوۡنَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ؕ ذٰلِکَ رَبُّ
الۡعٰلَمِیۡنَ ۞٩ وَجَعَلَ فِیۡہَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِہَا وَبٰرَکَ فِیۡہَا وَقَدَّرَ فِیۡہَاۤ اَقۡوَاتَہَا فِیۡۤ
اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ۞١٠ ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَ
لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ ۞١١ فَقَضٰہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِیۡ
یَوۡمَیۡنِ وَاَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَہَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ ٭ۖ وَحِفۡظًا ؕ ذٰلِکَ
تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۞١٢ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَۃً مِّثۡلَ صٰعِقَۃِ عَادٍ
وَّثَمُوۡدَ ۞١٣ .

میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

یہ پاک کتاب بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات پوری تفصیل کے ساتھ واضح طور پر اور صاف صاف بیان کردی گئی ہیں۔ یہ قرآنِ پاک عربی زبان میں ہے، تا کہ تم اس کو سمجھ سکو اور اس پرعمل کرو۔ یہ کلام خوش خبری دینے والا ہے اُن لوگوں کو جو نیک عمل کریں گے اور جو بُرے کام کریں گے، اُن کو یہ کلام جہنم سے ڈرانے والا ہے، پس لوگ نصیحت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اکثر تم میں سے یہ نصیحت سننا ہی نہیں چاہتے اور کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں بلا رہے ہیں، ہمارے دل اس حقیقت کے مخالف ہیں، ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں، ہمارے درمیان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنا کام کیے جائیں، ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ان سے کہو!

میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں ہاں! مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے

اور یہ کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے، سو تم اس پر ایمان لاؤ،

اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو!

اور بڑی تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جو شرک کرتے ہیں،

زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت کی زندگی سے انکار کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو ایمان لائیں گے اور بھلے کام کریں گے،

اُن کے لیے ایسا اجر ہو گا جو بے حد و حساب ہو گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ان سے کہو کہ

کیا تم اُس اللہ ذُوالجلال والاکرام کا انکار کرتے ہو

اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنا دیا۔

وہی تو پروردگارِ عالم ہے جو سارے جہان والوں کی پرورش کرنے والا ہے

اُس نے زمین کے اُوپر پہاڑ بنا دیئے اور اُس میں بڑی برکتیں رکھ دیں،

اس کے اندر سب طلب گاروں کے لیے اور ان کی طلب و حاجت کے مطابق ٹھیک انداز سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔

یہ سب کام چار دن میں ہو گئے، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا

جو اُس وقت محض دھواں تھا۔

اُس نے آسمان اور زمین سے کہا:

وجود میں آ جاؤ!

خواہ خوشی یا ناخوشی سے۔

دونوں نے کہا:

ہم آ گئے وجود میں فرماں برداروں کی طرح۔
تب اُس نے دو دن کے اندر سات آسمان بنا دیئے
اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا۔
آسمان کو ہم نے ستاروں کے ساتھ زینت دی اور اُسے خوب محفوظ کر دیا
اور یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے جس کا علم بھی کامل ہے
اور اقتدار بھی مکمل ہے۔ اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ
میں تم کو اُسی طرح کے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے خوف ناک عذاب سے
خبردار کرتا ہوں، جیسا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔

اس دوران عتبہ سکوت کی حالت اور محویت کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے زمین پر ٹیک کر اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان سنتا رہا۔

سجدہ کی آیتِ کریمہ پر پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ فرمایا۔

منفرد اندازِ بیاں، معجزانہ کلام کی تلاوتِ پاک بہ زبانِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر عتبہ بن ربیعہ کے جسم کا رُواں رُواں کانپ اُٹھا جب کہ اُس کا چہرہ تو حیرت کی تصویر بن چکا تھا۔ چناں چہ اُس نے صلۂ رحمی اور قرابت داری کا واسطہ دے کر یہ درخواست کی کہ براہِ مہربانی مزید تلاوت سے رُک جائیں، یعنی ان کلمات کو نہ دُہرائیں جو عذاب سے متعلّق ہیں۔

آقائے نامدار سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے ابو ولید!
نہ میں آپ لوگوں کے زر و مال کے متعلّق کوئی خواہش رکھتا ہوں
اور نہ مجھے اس کی ضرورت ہے، نہ حکومت اور اقتدار میری منزل ہے،
نہ میرا مقصد کوئی ذاتی اعزاز و اکرام یا کوئی مفاد حاصل کرنا ہے،
بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے
اور مجھے آپ لوگوں کی طرف اپنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا کر بھیجا ہے،
تاکہ آپ لوگوں کو نیک کاموں کے بدلے ثواب کی خوش خبری دوں
اور بُرے کاموں کی صورت میں اُس کے غضب سے ڈراؤں
اور بُرے انجام سے خبردار کروں، سو میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا
پیغام حق وصداقت آپ لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔

اگر آپ اس مخلصانہ نصیحت کو قبول کر لیں
تو اس میں آپ کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں ہیں۔
اگر آپ اللہ کے پسندیدہ دین کے اس عظیم الشان پیغام کو
تسلیم کرنے میں رُوگردانی کرتے ہیں تو پھر میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا،
یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ فرما دے۔
ابو ولید!
آپ نے میری بات سُن لی ہے۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔
آپ لوگوں کو اختیار ہے کہ اس پاک کلام کی دعوت کو پسند کریں یا منہ موڑیں۔

ایک انتہائی دل نشیں اور پُرنور خطاب سننے کے بعد عتبہ میں مزید کوئی بات کہنے کی ہمت نہ رہی۔ اللہ ذُوالجلال والاکرام کے پاک اور پُرتاثیر کلام کی عظمت نے اُسے مسحور کر دیا۔ وہ اُٹھا اور بھاری قدموں کے ساتھ چلتا ہوا سردارانِ قریش کی مجلس میں واپس پہنچ گیا۔

وہاں پر موجود لوگ اپنے سردار کی واپسی کے بڑی بے چینی سے منتظر تھے لیکن جب اُنھوں نے ابو ولید کو حیرت اور تعجب کے عالم میں واپس آتے دیکھا تو فوراً بھانپ گئے کہ ہمارا سردار وہ چہرہ لے کر واپس نہیں آ رہا جس صورت کے ساتھ یہ یہاں سے گیا تھا۔ اس کی جسمانی کیفیت، چہرے کے تاثرات اور چال ڈھال، سب کچھ بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔

جب وہ واپس مجلس میں آ کر بیٹھ گیا تو لوگوں نے کہا:
اے ابو ولید!
خیر تو ہے؟ تمھاری تو حالت ہی بدل گئی ہے۔

عتبہ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی ملاقات کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:
اے گروہِ قریش!
تم میرا حال کیا پوچھتے ہو!
اللہ کی قسم!
آج میں نے ایک سچے شخص سے ایک ایسا عظمت و شان والا کلام سنا ہے
جسے مستقبل میں بڑی اہمیت حاصل ہونے والی ہے۔
اس سے پہلے میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا حیات آفرین کلام کبھی نہیں سنا تھا۔

اُس اللہ کی قسم!

جس نے بیت اللہ شریف کو بنایا ہے، یہ کلام نہ تو شعر و شاعری ہے،

نہ یہ کسی افسانہ ساز کی ساحرانہ گفت گو ہے اور نہ اس کلام میں کوئی کہانت کا انداز ہے،

بلکہ یہ پاک کلام کچھ اور ہی چیز ہے۔

اس کلام کی فصاحت و بلاغت ہمارے روایتی ادب سے بہت ہی بلند ہے

اور اس کو سننے والا کسی دوسری ہی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

اے جماعتِ قریش!

میری بات مانو تو جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ مخالفت اور ٹکراؤ ختم کر دو،

کیوں کہ وہ مجھے اپنی بات میں سچے معلوم ہوتے ہیں۔

اُنھوں نے جس نئے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا آغاز فرمایا ہے،

اُس میں رکاوٹ نہ بنو۔

مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ جو کلماتِ طیبات میں آج سن کر آیا ہوں،

وہ اتنے طاقت ور اور پُر تاثیر ہیں کہ ان کے غیر معمولی اثرات مرتب ہو کر رہیں گے۔

جب میں تلاوتِ کلام پاک سن رہا تھا تو مجھے خوف محسوس ہوا

کہ جو کچھ عاد اور ثمود کے ساتھ ہوا، وہ ہمارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

واللہ!

اُس دین کی دعوت اور اس کلام کا مستقبل بڑا عظیم اور روشن ہے۔

میں یہ بات پورے وثوق سے کہنا چاہتا ہوں کہ

جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اس تحریک کا نتیجہ ضرور نکلے گا۔

عنقریب ہمارے ملک میں کئی بڑے واقعات رُونما ہوں گے

اور پھر ایک دن یہ امرِ عظیم سارے عالم پر چھا جائے گا۔

ایک لمحے کے لیے اگر تم فرض کرو کہ عرب کے دُوسرے قبائل کے ساتھ

جنگوں میں یہ تحریک اور قائدِ تحریک ختم ہو جائیں گے

تو اے گروہِ قریش!

تم لوگ اپنے بھائی کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کے الزام سے بچ جاؤ گے

اور اس طرح تم لوگ بغیر کسی پریشانی اور تکلیف کے اپنا مقصد حاصل کرنے

میں کامیاب ہوجاؤ گے لیکن اگر جناب محمد (ﷺ) باقی عرب پر
غالب آ گئے اور ان کی حکومت ہر جگہ قائم ہوگئی
تو اے قوم قریش!
ان کی نسبت سے ہم سب اقوامِ عالم میں سربلند، خوش بخت اور صاحبِ نصیب بن جائیں گے۔
ان کی بادشاہی ہماری بادشاہی اور ان کی عزت وعظمت ہمارے لیے بھی باعثِ عزت و وقار بنے گی۔
ان کی ذاتِ بابرکات کی وجہ سے ہماری قوم کا شمار دنیا کی خوش قسمت ترین اقوام میں ہوگا
اور ہم خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر عرب کے حکمران بن جائیں گے۔
عقل سے عاری، ہٹ دھرم اور سرکش سردارانِ قریش عتبہ کی بات سنتے ہی غصے میں آ گئے، اُسے برا بھلا کہا
اور اس کا یہ مخلصانہ اور مدّبرانہ مشورہ ماننے سے بالکل انکار کر دیا اور کہنے لگے:
اے ابو ولید!
ہمیں افسوس ہے کہ
جناب محمد (ﷺ) کی شخصیت کا جادو تم پر بھی چل گیا۔
عتبہ نے اُن لوگوں سے کہا:
آج کی ملاقات کے متعلّق میری جو رائے تھی، وہ میں نے نہایت مناسب الفاظ
اور بہترین انداز میں تم لوگوں تک پہنچا دی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حق کی اس دعوت
کے انکار کی صورت میں تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوسکتا ہے، آگے تمھاری مرضی کہ تم لوگوں
کو جو ٹھیک لگے، وہ کرتے رہو۔(1)

ٹھوکروں کے سوا اور پائے گا کیا
جس کی منزل کا کوئی نہ ہو راہنما
اپنی منزل پہ ہرگز نہ پہنچے گا وہ
ہاتھ میں جس کے دامن تمھارا نہیں

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:1/94-293۔دلائل النبوۃ للبیھقی:2/3-202۔دلائل النبوۃ لاصبھانی:1/221

تاثرات نضر بن الحارث

رسُول اللہ ﷺ کے اعلانِ نبوت کو جھٹلانے، اسلام مخالف سرگرمیوں میں سب سے زیادہ متحرک اور نبی کریم ﷺ کی اذیت رسانی میں پیش پیش قریش کا سب سے بڑا شیطان نضر بن الحارث، مکّہ کا ایک صاحبِ ثروت سردار، افواہ سازی کا ماہر، شعلہ بیان مقرّر اور بہت بڑا داستان گو شخص تھا۔ شہر کے اس عیار اور بدفطرت سردار کے دل میں ہر وقت اسلام، اہلِ اسلام اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کے خلاف نفرت، حسد اور بغض کی آگ جلتی رہتی تھی، حتیٰ کہ دعوتِ حق وصداقت کی اشاعت وتبلیغ میں رکاوٹیں ڈالنے اور بُت پرستی کے نظام کو درہم برہم ہونے سے بچانے کے لیے یہ شریر النفس شخص اپنی کنیزوں کو بھی استعمال کرتا تھا۔(1)

اس بداطوار اور فتنہ پرداز شخص کی باتیں رسُول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لیے ہمیشہ دُکھ، تکلیف اور دل آزاری کا باعث بنتی تھیں۔ یہ فساد پسند شخص ایک دفعہ ایران گیا اور وہاں سے فارسی ادب پر مشتمل بہت سی کتابیں اُونٹ پر لاد کر مکّہ لے آیا جن میں وہاں کے بادشاہوں کے حالات، قصّے کہانیاں اور اُن کے پہلوانوں رستم و سہراب اور اسفندیار کے متعلّق خیالی اور من گھڑت داستانیں شامل تھیں۔

مکّہ پہنچ کر اس خبیث النفس داستان گو نے اپنا معمول بنالیا کہ جب بھی رسالت مآب ﷺ کسی اجتماع میں لوگوں کو بتوں کی پرستش چھوڑنے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کی تبلیغ فرما کر واپس تشریف لے جاتے تو اس کے فوراً بعد یہ بد بخت اور گمراہ شخص اُس اجتماع کے سامنے اپنی داستان گوئی اور قصے کہانیوں کا بیان شروع کر دیتا اور لوگوں سے کہتا کہ ان کی نسبت میرے پاس سنانے کے لیے زیادہ پُرکشش اور مزیدار باتیں موجود ہیں۔ پھر وہ انھیں شاہانِ عجم اور رستم وسہراب کی جھوٹی کہانیاں، من گھڑت قصّے اور خیالی داستانیں مزے لے لے کر سناتا۔ اُس کی کنیزیں لوگوں کا دِل لبھانے کے لیے رقص پیش کرتیں۔ یوں وہ لوگوں کی توجہ اسلام سے ہٹانے اور اُن کو الجھن اور وسوسوں میں ڈالنے کی کوشش کرتا۔

ایک دن قریش کے بڑے بڑے سردار اور رئیس صحنِ حرم میں مجلس لگائے بیٹھے تھے اور یہ معاملہ زیرِ بحث تھا کہ اسلام کی روز بہ روز وسعت پزیر مقبولیت اور بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کس طرح کیا جائے، چناں چہ نام نہاد دانش وروں کی اس مجلس میں اس خطرے کو روکنے کے لیے بہت سی تجاویز پیش کی گئیں، جس پر بنی عبدالدار کے چالاک اور جہاں دیدہ سردار نضر بن الحارث نے قریش کے اس اجلاس میں کھڑے ہو کر ان الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا:

1۔ انساب الاشراف للبلاذری: 140/1

تم لوگ پیغمبرِ اسلام (ﷺ) کا مقابلہ کرنے کے لیے جس حکمتِ عملی پر عمل کر رہے ہو،
اس سے تم لوگوں کو کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔
بات وہ کرو جو سننے والوں کو سچ لگے اور لوگ یقین بھی کرلیں،
کیوں کہ جن باتوں کا تذکرہ تم کررہے ہو، ان میں سے کوئی بھی درست نہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ جنابِ محمد (ﷺ) جب تمھارے درمیان نو عمر تھے
تو وہ سارے شہر کی پسندیدہ ترین شخصیت اور ہر ایک کی آنکھ کا تارا تھے۔
سارے مکّہ میں سب سے زیادہ پُرکشش، خوش اخلاق اور خوش اطوار،
سب سے زیادہ صادق القول، امانت دار اور دیانت دار سمجھے جاتے تھے۔
بچپن سے نوجوانی اور جوانی سے لے کر اِس عمر تک ہم کوئی ایسی بات
ان کی شخصیت میں نہیں دیکھ سکے جس پر حرف گیری کی جاسکے،
تو آج جب کہ آپ (ﷺ) کی کنپٹیوں میں کچھ سفید بال نظر آنے لگے ہیں،
عمر کے اس حصّے میں جو پیغام وہ لوگوں تک پہنچارہے ہیں،
اُس پر تم لوگوں نے کہنا شروع کردیا ہے کہ وہ جادوگر ہیں!
واللہ! وہ جادوگر نہیں ہیں۔
ہم نے جادوگروں کو دیکھا ہے۔ اُن کو گرہیں لگاتے بھی دیکھا ہے
اور اُن کی جھاڑ پھونک سے بھی ہم آگاہ ہیں۔ مگر تم کہتے ہو کہ وہ کاہن ہیں!
نہیں! بخدا وہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کی تُک بندیاں سنی ہیں۔
وہ تو غیر واضح اور مبہم جملے بولتے ہیں۔
ہمیں کاہنوں کی الٹی سیدھی شعبدہ بازیوں، لچھے دار، گول مول
اور پُرفریب جملوں کا بھی علم ہے۔ تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہیں!
لیکن میرے ساتھیو! وہ شاعر بھی نہیں ہیں۔
ہم عرب کے رہنے والے ہیں
اور شعروشاعری کی تمام اصناف سے بڑی اچھی طرح واقف ہیں۔
سچی بات یہ ہے
کہ اُن کا یہ پاک کلام شاعری کی کسی مروّجہ صنف میں نہیں آتا۔
پھر تم یہ بھی کہتے ہو کہ وہ مجنون ہیں۔

واللہ! وہ مجنون بھی نہیں ہیں، کیوں کہ جنون میں جو کیفیات ہوتی ہیں
اور جو بے سروپا باتیں وہ لوگ کرتے ہیں، اُن تمام حالات وحرکات سے
ہم سب لوگ باخبر ہیں، جب کہ جناب محمد (ﷺ) نہایت متوازن، باوقار اور
سنجیدہ شخصیت کے مالک ہیں اور آپ (ﷺ) کا کلام تو حکمت و دانائی کا زبردست شاہکار ہے،
لہٰذا اے جماعت قریش!
تم لوگوں پر جو زبردست افتاد آن پڑی ہے
اور جس پریشان کن صورتِ حال کا تم لوگوں کو سامنا ہے،
اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوئی مضبوط حکمتِ عملی اپناؤ۔
اگر تم جیسے ذہین لوگ ابھی اس مسئلے کا کوئی حل نہ نکال سکے
تو پھر آگے چل کر تمھاری کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔
صرف باتیں بنا کر آپ لوگ عوام کو (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (ﷺ)
کی جانب متوجہ ہونے سے نہیں روک سکتے۔
اے گروہِ قریش!
خوب سوچو اور اپنی بے بسی کی اس حالت پر بار بار غور کرو!
یہ مسئلہ بہت ہی اہم ہے۔
بے شک تم لوگ ایک بڑی مشکل صورتِ حال میں گرفتار ہو چکے ہو۔
حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس اس پیچیدہ مسئلے کے حل کی کوئی تدبیر
نہیں ہے اور مجھے بالکل واضح نظر آ رہا ہے
کہ کامیابی بالآخر جناب محمد (ﷺ) کو حاصل ہوگی۔(1)

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا، تیری گلی سے جائے کیوں

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:1/300-299۔السیرۃ النبویہ لابن اسحٰق:1/201

تاثرات ولید بن مغیرہ

ایک مرتبہ جب حج کا موسم بہت قریب تھا اور حسبِ معمول ملک کے اطراف و اکناف سے زائرین بیت اللہ شریف اور حجاجِ کرام کے قافلوں کی مکّہ مکرمہ میں آمد متوقع تھی، اُن دنوں سردارانِ قریش اور معززینِ مکّہ حج کے انتظامات، زائرین کو خوش آمدید کہنے اور اُن کی مہمان داری کے لیے منصوبے بنانے کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی بہت زیادہ فکر مند تھے کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت کی خبر یقیناً اب تک دور دراز کے علاقوں تک پہنچ چکی ہوگی، لہٰذا ایامِ حج میں جب زائرین کے وفود شہر میں داخل ہوں گے تو یقیناً اُن لوگوں کو نئے دین کے ساتھ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شخصیت کے بارے میں بھی تجسّس ہوگا اور وہ اس اہم ترین خبر کی تصدیق کے علاوہ شہر کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کے متعلّق بھی ہم سے سوالات کریں گے، بلکہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے براہِ راست ملاقات کی کوشش بھی کریں تو اس طرح صرف ایک اللہ کی عبادت اور بتوں سے نفرت کے متعلّق ان کا پیغامِ توحید آہستہ آہستہ سارے عرب میں پھیل جائے گا۔ پھر نہ جانے کتنے لوگ اُن کی زبانِ معجز بیان سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیں۔ چناں چہ اس پیچیدہ اور خطرناک صورتِ حال سے نکلنے اور مستقبل میں پیش آنے والی ایسی پریشانیوں سے محفوظ رہنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ زائرینِ حرم کے لیے ان سوالوں کا کوئی متفقہ جواب تیار کر کے ایک مضبوط رائے قائم کرلیں جو آنے والے مہمانوں کو مطمئن کر سکے۔

مکّہ کے ایک بااثر سردار اور رئیسِ اعظم ولید بن مغیرہ جس کے دس جوان اور طاقت ور بیٹے ہر وقت اُس کے ساتھ رہتے تھے، فصاحت و بلاغت اور شعر و شاعری میں بھی اُس کی بڑی شہرت تھی اور لوگ اس کی شان و شوکت، مال و منال اور طاقت و حشمت کی وجہ سے طائف کے سردار ابومعوذ ثقفی کی طرح اُسے بھی سیادت و قیادت اور نبوت کا حق دار سمجھتے تھے۔ اس قدر صفات کا مالک ہونے کی وجہ سے مشرکینِ مکّہ نے مناسب سمجھا کہ اکابرِ قریش کا یہ اہم ترین اجلاس اپنے دانش مند اور معاملہ فہم بزرگ سردار ولید بن مغیرہ کے گھر منعقد کیا جائے۔ اس اہم اجلاس کا صرف ایک نکاتی موضوع تھا کہ حج کے دنوں میں جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تبلیغی سرگرمیوں کو غیر موثر کرنے اور اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے کوئی متفقہ لائحۂ عمل تیار کیا جا سکے۔

دشمنانِ سیاہ بخت کے اس اجتماع میں مختلف لوگوں کی جانب سے مختلف آراء اور خیالات سامنے آئے۔

چند ایک نے مشورہ دیا:

ہم حاجیوں کو کہیں گے کہ وہ کاہن ہیں۔

ولید نے اس رائے کو بالکل غلط قرار دیتے ہوئے کہا:

اے جماعتِ قریش!

بات وہ کہنی چاہیے جسے سچ ثابت کیا جا سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے اُن میں کہانت والا کوئی انداز کبھی نہیں دیکھا۔

وہ تارک الدنیا لوگوں کی طرح نہ کوئی گول مول یا بناوٹی بات کرتے ہیں،

نہ ہم نے اُن کو کبھی اِدھر اُدھر کے فقروں کو جوڑ کر ذو معنی بات کرتے دیکھا ہے۔

کینہ وروں کی مجلس میں شریک ایک شخص نے تجویز دی کہ:

ہم اُن کو جادوگر مشہور کر دیتے ہیں۔

ولید نے کہا:

میں اس تجویز سے بھی متفق نہیں ہوں، کیوں کہ کوئی بھی اس بات کو نہیں مانے گا۔

اس لیے کہ وہ جادوگروں کی طرح جھاڑ پھونک کا کوئی عمل نہیں کرتے،

نہ رسیوں اور بالوں کو گرہ لگاتے ہیں اور نہ کسی جادوگر کی زندگی کے معاملات اتنے

صاف شفاف ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کا اخلاق و کردار اتنا اجلا، خوب صورت اور باوقار ہوتا ہے۔

ایک نے کہا:

ہم لوگوں کو کہیں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو ایک شاعر ہیں۔

ولید نے اس تجویز کو بھی قبول نہ کیا اور کہا:

واللہ!

عرب کے لوگ شاعری کی تمام اصناف کو بڑی اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔

اہلِ زبان بڑی آسانی سے اس اَمر کا اندازہ لگا لیں گے

کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے کلام کو کسی شاعر کے کلام سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

اجلاس میں موجود ایک تاریک باطن شخص نے رائے دی کہ:

ہم یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ (نعوذ باللہ) مجنون ہیں۔

فہم و ادراک کے مالک، تجربہ کار اور جہاں دیدہ سردار ولید نے اس تجویز کو بھی باطل قرار دیتے ہوئے کہا:

میں جنون اور دیوانگی کی حقیقت سے بڑی اچھی طرح واقف ہوں،

مجھے یقین ہے کہ اس طرح کی بے معنی اور فضول بات کوئی نہیں مانے گا،

کیوں کہ نہ تمھارے صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا کلام بے ربط ہے

اور نہ اُن کے کلام میں کوئی وسوسہ ہے،

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُن کی صفائی اور پاکیزگی کا معیار، جسمانی کیفیت،
رفتار اور گفتار میں بھی بڑی نفاست اور اعتدال ہے۔

ولید نے شدّت پسندوں کی جانب سے پیش کی گئیں تمام تجاویز اور مشوروں کو ناقص اور خلافِ حقیقت ٹھہرا کر رَدّ کر دیا، پھر تھوڑے غور و فکر کے بعد اُس نے مجلس میں موجود حضرات کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا:

اے گروہِ قریش!
مجھے میرے معبودوں کی قسم!
جنابِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اندر مجھے تو ہمیشہ خیر اور بھلائی ہی نظر آئی ہے۔
وہ اپنی قوم میں شرافت، مروّت اور اخلاق کے لحاظ سے
سب سے اعلیٰ و اَرفع نظر آتے ہیں۔
وہ سب سے زیادہ بُردبار، راست باز اور خوش اخلاق ہیں۔
وہ اذیت رسانی اور فضول باتوں سے بھی بہت زیادہ دور ہیں۔
ہم میں سے کسی نے اُن کو کبھی کسی کے ساتھ لڑتے جھگڑتے بھی نہیں دیکھا۔
وہ وعدے کے پکے، قول میں سچے، صادق اور امین ہیں۔
لوگو! سچ تو یہ ہے کہ وہ بڑی پُرکشش شخصیت کے مالک ہیں۔
اُن کا کلام نہایت شریں اور بیان اتنا پُرلطف اور پُراثر ہوتا ہے
کہ جو کوئی بھی سن لیتا ہے، وہ اُن کا ہی ہو جاتا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ اُن کے حسین و جمیل کردار میں بڑی سچائی ہے۔
وہ جو کلام پیش کرتے ہیں،
اُس میں بڑی دانائی، حکمت اور حلاوت ہے۔
اُن کے پاک کلام کی اساس حد درجہ سنجیدہ و متین اور مستحکم ہے،
اس کی شاخیں نہایت استوار اور ثمردار ہیں اور اس کی شادابی،
تر و تازگی اور چمک دمک ہمیشہ برقرار رہنے والی ہے۔

ولید کی کہی ہوئی یہ سب باتیں اہلِ مکّہ کو بڑی اچھی طرح معلوم تھیں لیکن حج کا زمانہ اب بہت قریب تھا۔ اس لیے بالآخر مشرکینِ مکّہ کے اس اجلاس میں بیت اللہ شریف کے مہمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کامل اتفاقِ رائے سے ایک مشترکہ لائحۂ عمل طے کر لیا گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے متعلّق قریب ترین جو بات کہی جا سکتی ہے،
وہ یہ ہے کہ:

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایسے ساحر ہیں
جن کا ساحرانہ کلام سننے سے بیٹا باپ سے، بیوی خاوند سے
اور بھائی بھائی سے جدا ہو جاتا ہے اور یہ کلام اتنا اثر انگیز ہے کہ
جس سے دوستوں اور ساتھیوں کے درمیان،
فرد اور خاندان کے درمیان، کنبوں اور قبیلوں کے درمیان
افتراق اور پھوٹ پڑ جاتی ہے۔
اس لیے، اے اللہ کے گھر کے مہمانو!
یہ آپ لوگوں کے فائدے ہی کی بات ہے کہ
اپنے خاندان اور قبیلے کو انتشار اور افتراق سے بچانے کے لیے
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ملاقات سے مکمل اجتناب کریں۔

ابوجہل کے چچا اور بزرگ سردار ولید بن مغیرہ کی اس رائے سے مجلس میں موجود تمام افراد نے مکمل اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ:

اے ہمارے سردار!
یقیناً آپ کے اس فیصلے پر عمل درآمد سے بہترین نتائج سامنے آئیں گے۔(1)

جہاں پر بھی پائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے
وہیں عرش ہے وہیں طور ہے
جو تیری نظر میں نہ آ سکا
تو تیری نظر کا قصور ہے

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 1/71-270۔السیرۃ النبویہ لابن اسحٰق: 1/151۔دلائل النبوۃ للبیھقي: 2/200

جنابِ عداس کے تاثرات

طائف میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد

طائف کے تبلیغی سفر کے دوران حضور نبیِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہاں کے نابکار، نا ہنجار اور بدفطرت لوگوں کی جانب سے روا رکھے جانے والے ظلم و زیادتی اور سنگ دلی سے بچانے کے لیے خادمِ خاص حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے ہمراہ لے کر فوراً ایک باغ میں داخل ہو گئے۔

وادیِ طائف میں واقع اُس باغ کے مالک، مکّہ کے سب سے بڑے رئیس اور دشمنِ اسلام ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ تھے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ جب یہ افسوس ناک حادثہ پیش آیا تو عین اُس وقت وہ دونوں بھائی بھی اپنے باغ میں موجود تھے اور اہلِ طائف کی جانب سے کیے گئے اذّیت ناک سلوک اور ناگوار طرزِ عمل کو بہ چشم خود دیکھ چکے تھے، چناں چہ اسلام کے پکے دشمن ہونے کے باوجود اُن دونوں بھائیوں نے قرابت داری اور مہمان نوازی کے جذبے کے تحت اپنے عیسائی غلام عداس کو حکم دیا کہ ایک طباق میں انگور لے کر اُن صاحب کے پاس جائے جو ابھی باغ میں داخل ہوئے ہیں۔

باادب عداس نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اپنا نام بتایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو انگور تناول فرمانے کی دعوت دی۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عداس کی دعوت کو قبول فرمایا اور "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" کے بابرکت کلمات کے ساتھ اپنا مبارک ہاتھ انگوروں کی جانب بڑھایا۔

جنابِ عداس نے اِس طرح کا کلامِ عالی مقام پہلے کبھی نہیں سنا تھا، اس لیے پہلے تو اُنھوں نے بڑے انہماک اور استغراق سے چہرۂ انور کی جانب دیکھا، پھر نہایت حیرت و استعجاب کے ساتھ دریافت فرمایا:

اے ہمارے معزز و محترم مہمان!
یہ سحر انگیز کلمات کیا تھے؟ جو ابھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ادا فرمائے ہیں،
کیوں کہ میں نے اِس وادی کے لوگوں کو اِس طرح کا کلمۃ الخیر ادا کرتے کبھی نہیں سنا۔

رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑے مشفقانہ انداز میں دریافت فرمایا:

اے عداس!
تم کس سرزمین کے رہنے والے ہو اور کس مذہب سے نسبت رکھتے ہو؟

جنابِ عداس نے بڑے سلیقے اور شائستگی کے ساتھ عرض کیا:

میرا تعلّق نصرانیت سے ہے

اور نینوا میرا وطن ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہی نینوا شہر جہاں اللہ کے پاک طینت، نیک صفت اور
برگزیدہ بندے یونس بن متی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے؟

عداس نے دریافت کیا:

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے وطن کی اُس خدا رسیدہ شخصیت کے متعلّق
اتنی زیادہ معلومات کیسے رکھتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عداس!

اللہ ربّ العزت نے جس طرح مجھے نبوّت اور رسالت عطا فرمائی ہے،
اُسی طرح میرے بھائی یونس بن متی علیہ السلام بھی اللہ کے پیغمبر اور نبی علیہ السلام تھے۔

اتنے عظیم الشان منصب کی حامل شخصیت کو اپنے رُوبرو دیکھ کر بدنصیب مالکوں کے خوش بخت اور صالح فطرت خادم عداس کی روح فرطِ حیرت اور فراوانی مسرّت سے جھوم اُٹھی۔ اُس نے بے ساختہ پیشانی اقدس پر بوسہ دیا، پھر جھکا اور نہایت والہانہ انداز میں بابرکت ہاتھ پاؤں چومنے شروع کردیئے۔

عتبہ اور شیبہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، لہٰذا جب وہ غلام واپس آیا تو دونوں بھائیوں نے اُسے جھڑکتے ہوئے کہا:

عداس!

تجھ پر ہلاکت ہو!

یہ تجھے کیا ہوگیا تھا کہ تم نے ہمارے باغ میں داخل ہونے والے
صاحب کے ہاتھ پاؤں چومنا شروع کردیئے۔

جناب عداس نے کہا:

اے میرے معزز مالکان!

اِس وقت رُوئے زمین پر اُن سے زیادہ معزز و محترم، افضل و اکمل
اور بزرگ و برتر اور کوئی ہستی نہیں ہے۔
بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی وہ پیغمبرِ عظیم ہیں
جن کا ذکرِ خیر "توریت" اور "انجیل" میں آچکا ہے،
کیوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے ایک ایسے امر کی خبر دی ہے

جس کا علم اللہ کے پیغمبر علیہ السلام کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔(1)

جنگِ بدر سے پہلے جناب عداس کی مکّہ آمد

جنگِ بدر کے موقعے پر سردارانِ قریش نے پورے شہر میں یہ اعلان کرا دیا تھا کہ اہلِ اسلام کے خلاف جنگ میں وادیِ مکّہ کے تمام صحت مند افراد کو شامل ہونا پڑے گا، چناں چہ شہر میں موجود سب لوگوں کی طرح عتبہ اور شیبہ بھی لشکرِ کفّار میں شامل ہونے کے لیے تیاری کرنے لگے۔

اتفاق سے اُن دنوں جناب عداس بھی مکّہ آئے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے جب اپنے مالکان کو خلافِ معمول جنگ کا سامان اکٹھا کرتے دیکھا تو پوچھا کہ:

اے میرے آقا!
کیا آپ لوگوں کو کسی جنگ کا مرحلہ درپیش ہے؟

اُنھوں نے جواب دیا:

ہاں! ہم سردار عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے بدر کے میدانِ کارزار میں پہنچنے کی
تیاری کر رہے ہیں۔

جناب عداس آنے والے حالات کی سنگینی کے متعلّق سوچ کر رونے لگے، پھر دونوں بھائیوں کی منت سماجت کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا:

اے میرے محترم مالکان!
میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ
پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں،
لہٰذا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کے لیے جانے والے لشکر کا مقدّر
تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ آپ لوگ عرب کے کسی
عام سردار یا قبیلے سے نہیں، بلکہ اُس جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیت سے مقابلہ
اور مجادلہ کرنے جا رہے ہیں جنھیں اللہ ذُوالجلال والاکرام نے پوری کائنات
کے لیے نبوت اور رسالت جیسے عظیم الشان منصب سے سرفراز فرمایا ہے۔

بدر کی رزم گاہ میں معرکہ آرائی شروع ہونے سے پہلے عتبہ اور شیبہ کو جناب عداس کے روانگی سے قبل کہے گئے نصیحت آمیز اور خبردار کرنے والے الفاظ بار بار یاد آ رہے تھے جس سے اُن کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا، چناں چہ

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 421/1

گھبراہٹ اور بے چینی کے اِس عالم میں اُنھوں نے کئی بار واپس چلے جانے کا ارادہ بھی کیا لیکن ابوجہل نے اُن کو بزدلی اور کم ہمتی کے طعنے دے دے کر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ لوگ خواہش کے باوجود اپنے آپ کو عملی طور پر جنگ سے علیحدہ نہ کر سکے۔

لڑائی کے دن جب دونوں فوجیں جدال وقتال کے ارادے سے ایک دُوسرے کے آمنے سامنے آ گئیں تو لشکرِ کفّار کی جانب سے عتبہ بن ربیعہ، اُس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اُس کا بیٹا ولید بن عتبہ بڑے طمطراق کے ساتھ دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے رزم گاہ کے درمیان میں پہنچ گئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے لشکرِ اسلام کی جانب سے سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ المرتضیٰ اور سیّدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث ایک خون ریز معرکے کے لیے آگے بڑھے لیکن چند لمحات کے اندر ہی فرزندانِ توحید کے ہاتھوں یہ تینوں فریب خوردہ مردود قتل ہو کر ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل ہو گئے۔

اِس طرح جنابِ عداس کی وہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی کہ

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابلے میں آنے والا ہر شخص
ذلّت و رُسوائی کی موت مرے گا، کیوں کہ
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسُولِ صادق اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔(1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِيْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِيْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو
سینے پہ تسلی کو تیرا ہاتھ دھرا ہو
گر وقتِ اجل سر تیری چوکھٹ پہ پڑا ہو
جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 33/1۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: 386/4

سیّدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، نجاشی کے دربار میں

یہ اعلانِ نبوّت کا پانچواں سال تھا اور مکّہ کے بُت پرست سرداروں کی جانب سے دارالندوہ میں کیے گئے متفقہ فیصلوں کے بعد اَب عقیدۂ توحید کے تمام عَلَم برداروں اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اطاعت گزاروں کو بیت اللہ شریف میں نماز ادا کرنے، بلند آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت یا دیگر ارکانِ اسلام کی بجا آوری کی صورت میں سخت ترین سزاؤں یا شدید ترین ردِّعمل کو برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

عداوت، دشمنی اور انتقام در انتقام کے اِس عمل میں جبارانِ مکّہ کسی مسلمان کے امیر یا غریب ہونے کی کوئی تخصیص نہیں کرتے تھے، چناں چہ دشمنانِ دین کی طرف سے فدایانِ اسلام اور شمعِ رسالت کے پروانوں کے خلاف ناقابلِ برداشت اور حد سے بڑھنے والے اندوہ ناک جبر وتشدد اور انسانیت سوز مظالم کو دیکھتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو ہجرت کی اجازت عنایت کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ ذُوالجلال والاکرام نے اپنی زمین کو بہت وسیع بنایا ہے۔

اس وقت جب کہ سرزمینِ مکّہ میں اہلِ ایمان کے لیے روز بہ روز
پریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں،
آپ لوگ اپنے ایمان کی سلامتی اور جان کی حفاظت کے لیے
بھلائی کی سرزمین حبشہ کی جانب ہجرت کرجائیں،
کیوں کہ وہاں کا نیک دل، انصاف پسند اور راست کردار بادشاہ
اپنی رعایا کے ساتھ بڑی شفقت، مہربانی اور دل نوازی کے ساتھ پیش آتا ہے۔
اُس ملک میں بادشاہ کے عادلانہ طرزِ حکومت کی وجہ سے، کوئی غریب ہو یا امیر،
مسافر ہو یا مقیم کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوتی،
اِس لیے جب تک مکّہ شہر میں ظلم وزیادتی اور شدّت پسندی کی موجودہ فضا ختم
نہیں ہوجاتی، آپ لوگ عارضی طور پر حبشہ چلے جائیں!
یہاں تک کہ اللہ ربُّ العزت تم لوگوں کی آسانی کے لیے کوئی بہتر صورت
پیدا فرمادیں۔(1)

گو اہلِ مکّہ نے مسلمانوں کے ہجرت کے ارادے کو ناکام بنانے کے لیے اُن کی نقل وحرکت پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی تھی لیکن اِس کے باوجود مجبور ومعتوب اور ستم رسیدہ راہِ حق کے معصوم مسافروں کا یہ قافلہ، جس میں

1۔السیرۃ النبویہ لابن اسحٰق: 213/1۔السنن الکبریٰ للبیہقی۔رقم الحدیث: 17734

83 مرد اور 18 کے قریب عورتیں شامل تھیں، تند و تیز ہواؤں، گہرے سمندروں اور تپتے صحراؤں کو عبور کر کے بہ خیریت اپنی منزلِ مقصود حبشہ کے دارالحکومت اکسوم پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ سیّدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا، جنھیں بعد میں اُمّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا تھا، وہ بھی حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والی اُس جماعت میں شامل تھیں۔ ایک بار اُنھوں نے اپنے بیان میں فرمایا:

حبشہ کے پایۂ تخت اکسوم پہنچنے پر ہمارا بہترین انداز میں خیر مقدم کیا گیا۔
ہمارے ہمسائے بڑے اچھے لوگ تھے۔
ہم بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔
وہاں قیام کے دوران ہمیں کسی پریشانی یا نامناسب رویے کا سامنا نہیں کرنا پڑا
اور نہ ہی کسی جانب سے کوئی ناپسندیدہ یا ناخوش گوار بات سننی پڑی۔(1)

مکّہ میں عاشقانِ صادق کی اِس ہجرت کا ردِّعمل بہت شدید تھا، کیوں کہ اِس بار وطن کو خیر آباد کہنے والوں میں غریب، بے کس اور بے یار و مددگار لوگ ہی نہیں بلکہ قریش کے کئی خوش حال اور طاقت ور گھرانوں کے بہت سے سرکردہ افراد بھی ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ اپنے بچوں اور بھائیوں کے آرام دہ گھروں کو چھوڑ کر اِس طرح چلے جانے سے شہر کے بااثر اور اسلام دشمن خاندانوں سے تعلّق رکھنے والے افراد سخت بے چینی و بے قراری اور اضطراب کا اظہار کر رہے تھے۔

اِس کے علاوہ جب اُن رنجیدہ خاطر سردارانِ قریش کے پاس یہ خبریں پہنچیں کہ فدایانِ اسلام کو حبشہ میں اپنے دین کی تعلیمات پر نہایت پُرامن ماحول میں پورے اطمینان کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی ہے اور وہاں کے بادشاہ کی طرف سے اُن کے ساتھ خصوصی شفقت و مہربانی، رہائش کی سہولت، خاطر مدارت اور حُسنِ سلوک کا رویّہ اپنایا گیا ہے، تو اُن کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اتنا محفوظ مقام ملنے کے بعد مسلمان تو روز بہ روز مضبوط ہوتے جائیں گے۔ اِس طرح وہ مستقبل میں ایک بڑی طاقت بن کر اُبھر سکتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ وہ اُس طاقت کا استعمال ہمارے ہی خلاف کرنا شروع کردیں۔

اس صورتِ حال میں اپنے مستقبل سے خوف زدہ اور مسلمان دشمنی میں مبتلا اشرافِ مکّہ اسلام کے خلاف سازشوں کے مرکز دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے، دُور رس نگاہ رکھنے والے اِن جہاں دیدہ حضرات نے کافی غور و خوض، بحث و تمحیص اور مشاورت کے بعد اس تجویز پر عمل درآمد کا فیصلہ کیا کہ سفارت کاری میں ماہر اور زمانے کے نشیب و فراز سے واقف عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ پر مشتمل ایک وفد حبشہ کے بادشاہ، درباریوں اور پادریوں کے لیے گراں قدر تحفوں، نذرانوں اور سوغاتوں کے ساتھ وہاں بھیجا جائے۔

1۔ مسند احمد۔ رقم الحدیث: 22498

مکّہ کے مقتدر حلقوں کو اپنی اِس سفارتی مہم کی کامیابی کا پکّا یقین تھا، کیوں کہ اس مقصد کے لیے منتخب کیے جانے والے یہ دونوں سفیر غیر معمولی ذہانت وفراست کے مالک تھے اور اس بات کی کامل اہلیت وصلاحیت رکھتے تھے کہ اوّل تو حبشہ کے بادشاہ اَصحمہ نجاشی کو مسلمانوں سے بدگمان کر دیا جائے اور پھر اُسے اِس بات پر بھی قائل کر لیا جائے کہ ترکِ وطن کرنے والے مسلمانوں کو مکّہ واپس بھیج دیں، جو بادشاہ کی مہمان نواز طبیعت اور وسیع القلبی کے باعث بڑے آرام و راحت اور خیر وعافیت کے ساتھ وہاں زندگی گزار رہے تھے۔

اُمّ المومنین سیّدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مکّہ کے سرداروں کی طرف سے بھیجے گئے اِن دونوں تجربہ کار اور جوڑتوڑ کے ماہر سفارت کاروں نے حبشہ پہنچ کر سب سے پہلے فوج کے سپہ سالاروں، مذہبی راہنماؤں، نمائندگانِ حکومت اور معززینِ شہر سے ملاقات کی اور اُن لوگوں کی خدمت میں بیش قیمت تحائف اور نذرانے پیش کر کے انھیں اِس بات پر پوری طرح اپنا ہمنوا بنا لیا کہ وہ مسلمانوں کو وطن واپس بھیجنے کے معاملے میں سرِ دربار مشرکینِ مکّہ کے موقف کی حمایت کریں گے۔

اگلے روز مکّہ سے آئے ہوئے یہ دونوں سفارتی نمائندے جب دربار میں داخل ہوئے تو اُنھوں نے اپنی نیاز مندی کا اظہار کرنے کے لیے سب سے پہلے بادشاہ کو سجدہ کیا، پھر سردارانِ مکّہ کی طرف سے بھیجے گئے نفیس اور بیش قیمت تحائف عزت مآب شہنشاہِ حبشہ کی خدمت میں پیش کیے۔ بادشاہ نے قدیم سفارتی روایات کے مطابق قریش کے دونوں سفیروں کو اپنے دربار میں عزت واحترام کے ساتھ اپنے قریب بیٹھنے کی دعوت دی۔ اِس عزت افزائی پر عمرو بن العاص نے دربار کے آداب کے مطابق شہنشاہِ حبشہ اَصحمہ نجاشی کا شکریہ ادا کیا اور پھر جس مقصد کے لیے وہ اتنی دُور سے آئے تھے، اُس کے بارے میں بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

اے حبشہ کے قابلِ احترام بادشاہ سلامت!

> ہمارے شہر، برادری اور قریب ترین عزیزوں میں سے کچھ عقل وشعور سے عاری اور فہم و ادراک سے محروم افراد نے اپنا وطن چھوڑ کر آپ کے ملک میں سکونت اختیار کر لی ہے۔
>
> پھر اشرافِ مکّہ کے ان نمائندوں نے بادشاہ کو اشتعال دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے ملک میں پناہ حاصل کرنے والے یہ لوگ صدیوں سے رائج اپنے اسلاف کے مذہب کو ترک کر چکے ہیں۔
>
> ہمیں سب سے زیادہ حیرت اس بات کی ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے آپ کا مذہب بھی اختیار نہیں کیا، بلکہ ایک بالکل ہی نئے مذہب کا علم بلند کر دیا ہے جسے یہ لوگ ''اسلام'' کہتے ہیں۔
>
> حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے پورے عرب میں اس نئے مذہب کا کوئی وجود نہیں تھا۔

اے عزت مآب بادشاہ سلامت!

ہمیں سفارتی وفد کی صورت میں مکّہ شہر کے عزت دار گھرانوں کے جلیل القدر بزرگوں اور عالی مرتبت اکابرین نے اِس درخواست کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ قوم قریش کے اس باغی گروہ کو سرکاری سطح پر دیئے گئے تحفّظ کے اپنے فرمان کو واپس لے لیں اوران کے لیے آج ہی مکّہ واپس بھیجنے کا حکم بھی صادر فرما دیں۔ اِس کرم فرمائی اور تعاون پر ہم آپ کے انتہائی شکر گزار ہوں گے۔

جیسے ہی عمرو بن العاص نے اپنی بات ختم کی تو پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق حکومتی منصب دار، مذہبی راہنما اور افسرانِ دربار نے ، جو اُن سفارت کاروں سے بیش قیمت تحائف اور نذرانے وصول کر چکے تھے، اپنے وعدے کے مطابق سفیرانِ مکّہ کے مطالبے کی تائید کرتے ہوئے کہا:

اے ہمارے ہر دل عزیز بادشاہ سلامت!

مکّہ سے آئے ہوئے اِن سفیروں کی جانب سے پیش کی گئی یہ عرض داشت ہمیں بالکل جائز معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ مسلمان مہاجروں کی یہ جماعت خیر خواہی چاہنے والے اپنے قریبی عزیزوں، خاندان کے شفیق و مہربان بزرگوں اور قبیلے کے دانش منداور صاحبِ فراست سرداروں کی اجازت کے بغیر ہی اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آ گئی ہے۔

اِس مسئلے کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ فی الفور مسلمانوں کی اِس جماعت کو سردارانِ مکّہ کے ان نمائندوں کے حوالے کرنے کا فرمان جاری فرما دیں، تا کہ یہ گم کردہ راہ مسافر سلامتی اور حفاظت کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں، جہاں ان کے اہلِ خاندان بڑی شدّت کے ساتھ اِن کے منتظر ہیں۔

آسمانی کتابوں ''تورات'' اور ''انجیل'' کے تمام احکامات اور تعلیمات سے آگاہ مملکتِ حبشہ کا نیک دل بادشاہ اَصحمہ نجاشی بڑا سمجھ دار، معاملہ فہم اور صاحبِ ادراک حکمران تھا۔ اُس نے بغیر کسی تحقیق، تصدیق یا سوال و جواب کے اپنے دربار کے افسروں، مذہبی راہنماؤں اور حکومتی منصب داروں کا مشورہ ماننے اور جلد بازی میں کوئی یک طرفہ کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا:

اپنے وطن سے ہجرت کر کے یہاں آنے والے مہمانوں نے کسی دوسرے ملک میں جانے کی بجائے مملکت حبشہ میں قیام کو پسند کیا ہے تو اب یہ بات مجھے اچھی نہیں لگتی کہ میرے ملک میں آنے والے اور میری ہمسائیگی اختیار کرنے والے اِن معزز مہمانوں کے حقیقی حالات اور خیالات کو سُنے بغیر میں اُن کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کر دوں۔ عقل و انصاف کا تقاضا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والے اللہ کے نیک بندوں کی اِس قابلِ احترام جماعت کو بھی اپنی

بات کہنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔
اگر اِن غریب الوطن مسافروں کے بیان میں سچ کی جھلک نظر آئی تو پھر وہ ہمارے مہمان کی حیثیت سے حکومتی حفاظت میں امن اور اطمینان کے ساتھ رہیں گے اور سرکاری منصب داروں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مکّہ سے آئے ہوئے اِن مسلمان مہمانوں کے آرام و آسائش کا ہر طرح سے خیال رکھیں۔

اگلے دن فرماں روائے حبشہ نے ایک قاصد اُن معزز مہمانوں کی جانب بھیجا کہ آپ لوگ آئیں اور اہلِ دربار کے سامنے سرزمینِ مکّہ چھوڑنے کی اصل حقیقت اور یہاں آمد کے متعلّق اپنا نقطۂ نظر بیان کریں۔

دربار میں حاضری کا پیغام ملنے پر توحید کا پرچم بلند کرنے والی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اِس جماعت نے اپنی مجلس مشاورت میں سردارانِ قریش کے وفد کی جانب سے لگائے گئے الزامات پر تبادلۂ خیال کیا کہ ہمیں بادشاہ کے سامنے اپنی حبشہ آمد کے متعلّق کیا موقف اختیار کرنا چاہیے۔ یہ ایک مشکل مرحلہ تھا جس کا نتیجہ کچھ بھی ہوسکتا تھا لیکن جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی بحث و تمحیص کے بعد بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ مصلحت کا کوئی راستہ اختیار کرنے کی بجائے ہمیں پورے عزمِ صمیم کے ساتھ بادشاہ اور اہلِ دربار کے رُو بہ رُو اللہ کا وہ پیغامِ برحق صاف صاف اور بغیر کسی افراط و تفریط کے پیش کردینا چاہیے جس کی تعلیم و تلقین اور تربیت و ہدایت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دی اور پھر خیر، بھلائی اور بہتری کی توقع کے ساتھ نتیجہ اللہ ربُّ العزت پر چھوڑ دینا چاہیے۔

دوسرے دن وقتِ مقررہ پر جب کاروانِ اسلام کے وجیہ و شکیل، روشن جبیں اور عالی وقار قائد سیّدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اپنے رفقا کے ہمراہ دربار میں پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ صاحبِ جلالت و عظمت بادشاہِ حبشہ اَصحمہ نجاشی اپنے تخت پر جلوہ افروز ہے۔ مسلح افواج کے افسران، اراکینِ سلطنت، حکومتی منصب دار اور مذہبی راہنما بھی اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھ چکے ہیں اور مکّہ کے وہ دونوں سفارتکار بھی دربار میں موجود ہیں جو مہاجرین کو واپس لے جانے کے لیے حبشہ آئے تھے۔

سیّدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ایک فصیح البیان مقرر اور قادر الکلام خطیب بھی تھے۔ اُنھوں نے دربار میں داخل ہوتے وقت مروّجہ روایات کے مطابق بادشاہ سلامت کو سجدہ کرنے کی بجائے اِن الفاظ کے ساتھ اندر آنے کی اجازت چاہی:

اے بادشاہ سلامت!
اللہ کے بندوں کی اِس جماعت کے ساتھ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب
آپ کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔

بادشاہ نے جواب میں بڑی گرم جوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

ہم اپنے واجب الاحترام مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

آپ لوگ خیریت اور عافیت کے ساتھ دربار میں تشریف لائیں۔

پھر سرکاری طور پر دربار کی کاروائی شروع ہوئی اور بادشاہِ حبشہ، سیّدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا:

ہمارے دربار میں موجود قریش کے یہ نمائندے آپ لوگوں کو آپ کے اہلِ خاندان کے پاس مکّہ واپس لے جانا چاہتے ہیں۔ اِن سفارت کاروں نے اپنے بیان میں آپ کی جماعت کے خلاف حرف گیری کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ لوگ غایت درجہ کے قصوروار اور خطاکار ہیں، کیوں کہ آپ لوگ اپنی قوم اور اپنے اسلاف کے دین کو باطل قرار دے کر اُس سے الگ ہو گئے ہیں اور اُس کے بعد آپ دنیا کی کسی دوسری قوم کے معروف مذہب یا پھر میرے مذہب نصرانیت میں بھی داخل نہیں ہوئے، بلکہ ایک نئے اور ناآشنا دین کا کلمہ پڑھ کر اُس پر عمل پیرا ہو گئے ہیں۔

آپ لوگ مجھے بتائیں کہ اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر تنقید کرنے، وطن چھوڑنے اور اتنی دور آ کر میرے ملک میں پناہ لینے کی وجہ کیا ہے اور جس نئے مذہب کا مکّہ میں اعلان کیا گیا ہے، اُس دین کی ہدایات اور تعلیمات سے بھی مجھے آگاہ کریں۔

اسلامی وفد کو غیر مذہب، حاسد اور دشمن ذہنیت رکھنے والے مختلف لوگوں کے سامنے اپنا موقف پیش کرنا تھا۔ اِن مشکل ترین لمحات میں مردِ بحران، سردارِ مکّہ ابو طالب کے فرزندِ ارجمند اور سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے برادرِ معظم چھبیس سالہ صورت اور سیرت میں حسین و جمیل اور صاحبِ فراست نوجوان سیّدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی جماعت کا موقف پیش کرنے کے لیے آگے بڑھے اور بڑے سلجھے ہوئے انداز میں اپنے دلائل کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

اے معزز و محترم بادشاہ سلامت!

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات یگانہ، یکتا اور واحد ہے اور اُس کا کوئی ہمسر نہیں لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ اَن گنت جھوٹے خداؤں کو شریک کیے ہوئے تھے۔

ہم ایک ایسی گمراہ قوم سے تعلّق رکھتے تھے جو صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی تھی۔

ہم لوگ جہالت کے اندھیروں میں گرفتار اور بے حیائی کے کاموں میں بری طرح ملوث تھے۔

ہم بے جان بتوں کی پرستش کرنے، سود لینے اور حرام جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق کا خیال نہ رکھنا

اور اُن کے ساتھ اپنے میل جول کو ختم کرنا ہمارے لیے معمولی بات تھی۔
یتیموں کا مال کھانا، ہمسائیوں کے ساتھ بُرا سلوک کرنا،
انھیں دُکھ اور تکلیف پہنچانا جیسی بری عادات کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی۔
ہمارے طور طریقے، رنگ ڈھنگ اور اخلاق کسی بھی اعلیٰ تہذیب و تمدن اور
مہذب معاشرے کے قاعدہ و دستور کے مطابق نہیں تھے۔
ہم ایک ایسے بدطینت، بددیانت اور کج خلق معاشرے کے رکن تھے
جہاں ہر طاقت ور آدمی کو کمزور کا حق غصب کر لینے کا اختیار حاصل تھا۔
انسانیت کا احترام نہ کرنا، وعدوں کو توڑنا اور امانت میں خیانت کرنا
ہمارا روز کا معمول تھا۔
حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس سماجی، معاشرتی اور مجلسی زندگی میں اچھے، برے
اور حلال و حرام کی تمیز ہی ختم ہو چکی تھی۔
آخر ربِّ کریم رؤف و رحیم نے ہماری اِس پریشان حالی اور حرماں نصیبی پر
اپنا فضل فرمایا اور ہم خودسر اور نافرمان لوگوں کی بخشش اور ہدایت کے لیے
ہماری قوم ہی میں سے ایک ایسی مقبول، محبوب اور برگزیدہ شخصیت کو،
جو پہلے ہی سے ہمارے شہر میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھی،
اپنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمایا۔
اُس شخصیت کا اسمِ مبارک پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔
ہم نے دل کی گہرائیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی تصدیق کی
اور پھر مستقل مزاجی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔
اللہ ذُوالجلال والاکرام کی جانب سے آئے ہوئے تمام احکامات، تعلیمات اور
ہدایات کا اتباع اور پیروی کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔
قومِ قریش میں شامل ہر شخص، چاہے وہ دوست ہو یا دشمن
اور یہ دونوں سفیر جو یہاں تشریف فرما ہیں،
بڑی اچھی طرح سے پیکرِ رحمت و شفقت، معزز و محترم ہمارے نبی علیہ السلام کی
خاندانی وجاہت و شرافت، دیانت و امانت، پارسائی و پرہیزگاری اور پاکیزہ سیرت
کے ہمیشہ سے شاہد اور واقف ہیں۔

ہمارے معلمِ اخلاق نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں غیر اللہ کی عبادت اور بُت پرستی سے روک دیا
اور عقیدۂ توحید کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ
کسی چیز کو اللہ ذُوالجلال والاکرام کی ذات اور صفات میں شریک نہ کریں،
یہ گناہِ کبیرہ ہے۔
صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اُسی کے احکامات کی اطاعت اور اتباع کریں۔
اے صاحبِ جلال وعظمت بادشاہ سلامت!
جب اللہ ذُوالجلال والاکرام کی طرف سے یہ حکم آ گیا کہ
بُت پرستی عظیم ترین لعنت، نادانی اور بے وقوفی ہے،
تو ہم نے اپنی سابقہ جہالت اور حماقت پر توبہ کی اور
فوراً اپنے باپ دادا کے بنائے ہوئے مصنوعی اور غیر فطری دین،
یعنی خود ساختہ بتوں، بے جان پتھروں اور جھوٹے خداؤں کی پرستش سے
دست بردار ہو گئے اور اب ہم صرف اللہ پروردگارِ عالم کی عبادت کرتے ہیں
جو اِس کائنات کا خالق و مالک ہے اور جس کی بارگاہ میں
قیامت کے دن ہم سب کو اپنے اپنے اعمال کے ساتھ حاضر ہونا ہے
جہاں اللہ کی عدالت سجے گی اور سب کے ساتھ انصاف ہو گا۔
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا
اور غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو صدقہ وخیرات دینے کی ترغیب وتعلیم دی۔
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سچ بولنا اور وعدہ پورا کرنا سکھایا،
رشتہ داروں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنے اور مہمانوں کا احترام کرنے کی ہدایت فرمائی
اور ہمیں ہمسائیوں کے ساتھ بھلائی، خیر خواہی، حُسنِ سلوک اور مہربانی کرنے کا حکم فرمایا۔
کم تولنا، حرام کھانا، ایک دوسرے کی بے حرمتی، قتل وغارت اور خون ریزی جیسے اعمال کو
انتہائی ناروا اور ناپسندیدہ قرار دیا۔
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام کاری، دشنام طرازی، فسق وفجور، ناشائستہ گفت گو،
جھوٹی گواہی یا جھوٹ بولنے کے کسی بھی عمل کو بدترین افعال سے تشبیہ دی ہے۔
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ تلقین بھی فرمائی ہے کہ
معصوم، پاک دامن اور نیک کردار خواتین کی عفّت وعصمت اور عزت و آبرو پر

ناحق تہمت اور بدنامی کا داغ لگا کر انھیں رنج میں مبتلا نہ کریں۔
اب ہم اپنی خواتین کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں یتیموں کا مال کھانے سے منع فرما دیا ہے،
لہٰذا اب ہم یتیم کے مال کو امانت سمجھتے ہوئے پوری دیانت داری کے ساتھ
اُس کے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔
اب تو ہم نے اپنا یہ اسلوبِ حیات بنالیا ہے کہ ہر قسم کی بے راہ روی، خطا کاری
اور فسق و فجور سے دور رہنا ہے اور زندگی کے تمام معاملات میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ حق اور سچ کا ساتھ دینا ہے۔
اے باوقار، صاحبِ جلال شہنشاہ سلامت!
ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت و فرماں برداری اور
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات اور ہدایات کی مکمل پیروی کو اپنے ایمان کا حصّہ سمجھتے ہیں۔
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں جس طرح مختلف چیزوں کے حلال اور حرام ہونے کی
نوعیت سے آگاہ فرمایا تھا،
ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُس ارشادِ گرامی قدر کے عین مطابق حرام چیزوں کو
اپنے آپ سے ہمیشہ کے لیے دُور کر دیا ہے
اور پھر حلال چیزوں کے متعلّق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکامات کو تسلیم کرتے ہوئے
ہمیشہ کے لیے اپنے دِلوں میں بسالیا ہے۔
اِن تعلیمات اور احکامات کے علاوہ بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام مقدس فرمودات
اور بابرکت ارشادات پر پوری توجہ، لگن اور ذمّے داری کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں۔
اے عالی وقار شہنشاہِ سلامت!
یہ ہیں ہمارے مذہب کی وہ خوب صورت تعلیمات
جن کو بنیاد بنا کر دشمنوں نے ہمیں قصوروار اور مجرم قرار دے دیا
اور جس کی پاداش میں ہماری اپنی ہی قوم ہم سے ناراض ہو کر دشمنی پر کمر بستہ ہوگئی
اور پھر ہر جانب سے ہماری شدید ترین مخالفت شروع کر دی گئی،
اپنے مذہبی فرائض کو ادا کرنے کے دوران ہمیں طرح طرح کے ظلم و ستم،
جور و جبر اور قساوت و شقاوت کا نشانہ بنایا جاتا۔

اِن سردارانِ قریش نے ہولناک سزائیں دے کر اور مصائب و آلام میں مبتلا کر کے
ہمارا جینا انتہائی مشکل اور معاملاتِ زندگی کو دشوار سے دشوار تر بنا دیا تھا،
تاکہ ہم اپنے مذہب کو چھوڑ دیں اور ایک اللہ کی عبادت سے پیچھے ہٹ جائیں۔
ہر روز کے اِن شدائد و صعوبات سے عاجز آ کر ہم نے وادیِ مکّہ سے
کسی دوسرے ملک کی جانب ہجرت سے متعلّق سوچنا شروع کر دیا تھا۔
ترکِ وطن کے اِس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے جب ہم تمام ساتھی
مختلف ملکوں کے متعلّق آپس میں مشورہ کر رہے تھے
تو نبیِ برحق پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ہدایت فرمائی
کہ ہم اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کے لیے سچائی اور بھلائی کی سرزمین
حبشہ کے انصاف پسند اور خداترس بادشاہ کے سایۂ عدل میں پناہ لیں،
تاکہ ہم لوگ فرائضِ اسلام کو احسن انداز میں ادا کر سکیں۔
یہاں پہنچے تو آپ کے اِس پُرامن اور عظیم ملک میں بڑے اچھے انداز میں
ہمارا خیر مقدم کیا گیا، ہمیں بھلے اور شریف ہمسائے میسّر آئے۔
اُن کے درمیان رہائش اختیار کر کے ہمیں کسی تکلیف دہ رویّے یا
طنز و تشنیع کا سامنا نہیں کرنا پڑا
اور نہ ہی ہمیں ارکانِ اسلام پر عمل کرنے کے معاملے میں کوئی پریشانی ہوئی۔
ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ کی فرماں روائی میں
ہمارا دین و ایمان، عزت و آبرو اور جان و مال ہر طرح سے محفوظ ہے
لیکن مکّہ کے سردارانِ قریش کو ہمارا اِس مملکتِ خداداد میں امن و سکون اور
اطمینان سے رہنا گوارا نہ ہو سکا اور انتقام کے خواہش منداُن جفاپسند سرداروں
نے ہمیں مکّہ واپس لے جانے کے لیے اپنے نمائندوں کو یہاں بھی بھیج دیا ہے۔
اگر اُن کی درخواست پر آپ نے ہمیں اِن ظالموں کے سپرد کر دیا
تو یہ ہمیں وہاں لے جا کر مجبور کریں گے کہ
ہم اپنے عزیز از جان دین کو ترک کر کے دوبارہ بُت پرستی اختیار کر لیں
لیکن اے عدل و انصاف کرنے والے شہنشاہ!
ہمیں یقین ہے کہ آپ کی بادشاہی میں ہمارے ساتھ کوئی زیادتی یا

ناانصافی نہیں ہوگی۔
ہم آپ کی جانب سے خصوصی شفقت ومہربانی کے خواست گار ہیں۔

ایک غیر مسلم اجتماع کے سامنے مکّہ سے آئے ہوئے خوبرو نوجوان سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابوطالب کا نہایت سلیقے اور شائستگی کے ساتھ پیش کیا گیا یہ فصاحت و بلاغت اور اندازِ بصالت سے بھرپور خطاب جب ختم ہوا تو دربار میں ہر طرف سناٹا چھا چکا تھا۔ سلیم الطبع، نیک سیرت اور انصاف پسند بادشاہ نے خوش بیان اور شیریں کلام سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی اِس شاہکار تقریرِ اثر پزیر کو پوری توجہ، سنجیدگی اور متانت کے ساتھ سننے کے بعد اپنا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو پاک کلام رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے
اُس مقدس کلام میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی پڑھ کر سنائیں!

موقع محل کا صحیح انتخاب کرتے ہوئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بڑی خوش الحانی کے ساتھ سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی عفت مآب والدۂ محترمہ کا ذکرِ مبارک ہے۔

جب اِن بابرکت آیات کی تلاوت ختم ہوئی تو حسن وجمال سے بھرپور کلامِ پاک کے مقدس الفاظ کی دل نشیں انداز میں تلاوت اور سیّدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے اثر انگیز لہجے کی تاثیر سے بادشاہ اور اہلِ دربار کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

بادشاہ نے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے کہا:

اللہ کی قسم!
یقیناً جس کلامِ پاک کی یہاں تلاوت فرمائی گئی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا
وہ کلام جو جبرئیل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لائے تھے،
یہ دونوں بابرکت کلام ایک ہی چراغ کے نور ہیں۔
بے شک! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی عالی مرتبت پیغمبر اور نبیِ آخر الزماں ہیں
جن کی آمد اور تشریف آوری کی خوش خبری ''توریت'' اور ''انجیل'' میں موجود ہے۔

اِس کے بعد بادشاہ اَصحمہ نجاشی نے مکّہ سے آئے ہوئے وفد کے سازشی مطالبے کو رَدّ کرتے ہوئے اُن کے تمام تحفے اور نذرانے واپس کرتے ہوئے انھیں صاف کہہ دیا کہ:

یہ پاک طینت لوگ تو اللہ کی رضا اور صراطِ مستقیم کے طلب گار ہیں۔
تم لوگوں نے اِن پر ظلم اور زیادتی کے پہاڑ توڑے جس پر یہ لوگ بالآخر ہجرت پر مجبور ہو گئے۔
اے سفیرانِ مکّہ!

یہ تو معمولی سے تحائف ہیں جو تم لوگ میرے لیے لائے ہو۔
اللہ کی قسم!
اگر میرے سامنے سونے کے انبار بھی لگا دو تو بھی میں مذہبِ اسلام کے
اِن معصوم اور مظلوم پیروکاروں کو، جنھوں نے کسی دوسرے ملک جانے کی
بجائے میرے ملک اور میری فرماں روائی میں رہنے کو ترجیح دی ہے
اور جو اتنی دُور سے میرے مہمان بن کر اِس مملکتِ خداداد میں آئے ہیں،
واپس نہیں کروں گا بلکہ یہ لوگ یقیناً مجھے بہترین میزبان پائیں گے۔

پھر بادشاہ نے مکّہ کے سفیروں کو مخاطب کرتے ہوئے مزید کہا:

اور سن رکھو کہ میں اِن بے قصور اور بے گناہ مسلمانوں کو ہرگز
تم لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ تم لوگ فوراً واپس چلے جاؤ!
اِن بابرکت مہمانوں کو میری عمل داری اور فرماں روائی میں
اپنے عظیم مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔
میں اِن کے تحفظ اور سلامتی کی ذمّے داری کو قبول کرتا ہوں، کیوں کہ اگر
یہ نیک لوگ میرے ملک کی ترقی اور خوش حالی کے لیے دُعا گو ہیں تو میں
بھی اِن کی خیریت و عافیت، فلاح و بہبود اور ثروت مندی کا خواہش مند ہوں۔(1)

اِس طرح حرماں نصیب سردارانِ قریش کی جانب سے بھیجے گئے نمائندوں کی تمام تدابیر بے کار گئیں اور وہ دونوں سفارت کار شرمندہ چہروں کے ساتھ مکّہ واپس چلے گئے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ دیکھے

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام: 1/37-334۔مسند احمد۔رقم الحدیث: 1740،22498

تاثراتِ اُمِّ معبد

ہجرت کے تاریخ ساز سفر کے دوران رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ساتھیوں کا یہ بابرکت اور مقدس قافلہ قدید کے علاقے سے گزرتے ہوئے بنی خزاعہ کی ایک محترم خاتون اُمِّ معبد (عاتکہ بنت خالد) کی قیام گاہ پر پہنچا۔ وہ ایک آبرومند، فراخ دل، جہاں دیدہ، بلند حوصلہ اور اعلیٰ درجے کی مہمان نواز خاتون تھیں۔ آنے جانے والے مسافروں کے آرام کا خیال رکھنا، اُن کی خاطر داری کرنا اور اپنے خستہ مالی حالات کے باوجود مہمان نوازی کو نبھانے جیسی اعلیٰ اقدار کی حامل خاتون تھیں۔ آنے والے مسافروں کے لیے جو کچھ بھی گھر میں موجود ہوتا، وہ بِلا تکلف ان کی خدمت میں پیش کر دیا کرتیں۔

جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس قافلہ اُس مہمان نواز خاتون کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ مہربان خاتون اپنے صحن میں آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ اُن دنوں بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے اُس علاقے میں خشک سالی اور قحط کی صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی۔ قافلۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ایک فرد نے اُمِّ معبد سے گوشت یا کھجور خریدنے کی بات کی۔ اُس معزز خاتون نے نہایت خندہ پیشانی سے اُس مقدس قافلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے عرض کیا:

اے مہمانانِ گرامی قدر!

اگر گھر میں کوئی چیز کھانے کے لیے ہوتی تو میں آپ کے دریافت کرنے سے پہلے ہی آپ کی خدمت میں دل وجان سے پیش کر دیتی اور آپ جیسے معزز ترین لوگوں کی مہمان نوازی کر کے بے حد خوشی محسوس کرتی۔ اِس وقت تو میری بکریاں بھی چرنے کے لیے جنگل میں گئی ہوئی ہیں۔ اگر آپ حضرات تھوڑا انتظار فرمالیں تو میرے خاوند ابو معبد ریوڑ لے کر بس واپس آنے ہی والے ہیں۔

اِسی اثنا میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری بیٹھی دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:

اے اُمِّ معبد!

یہ بکری کیسی ہے؟

اُمِّ معبد نے عرض کیا:

یہ بکری اتنی نحیف اور ناتواں ہے

کہ ریوڑ کے ساتھ چراہ گاہ تک نہیں جاسکتی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر استفسار فرمایا:

کیا اِس میں دودھ ہے؟

اُمِّ معبد نے عرض کیا:

اے ہمارے محترم مہمان!

یہ اِس قدر ضعیف اور کمزور ہے کہ اِس کے تھنوں میں دودھ کے ہونے کی اُمید بالکل نہیں کی جاسکتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

کیا مجھے اِس کا دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟

اُمِّ معبد وہ بکری آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لے آئی اور بڑے مودبانہ انداز میں کہا:

اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اِس کے تھنوں میں تھوڑا سا بھی دودھ ملنے کی اُمید نظر آتی ہے تو بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کوشش کر کے دیکھ لیجیے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے **بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ** پڑھ کر اُس کی کمر اور تھنوں پر اپنا دستِ مبارک پھیرتے ہوئے یہ دُعا فرمائی:

اے اللہ!

اُمِّ معبد کی بکری میں ہم سب کے لیے برکت عطا فرمادے (آمین!)

جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ سے دعا کی، بکری نے جگالی کرنا شروع کر دی اور پاؤں پھیلا دیئے۔ اس کے تھنوں میں اتنا بھرپور دودھ اُتر آیا کہ ٹپکنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دودھ دوہنا شروع کیا، حتیٰ کہ وہ بڑا برتن دودھ سے لبالب بھر گیا جو ایک جماعت کے لیے کافی تھا۔ اوّل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دودھ اُمِّ معبد کو پینے کے لیے دیا جو یہ منظر دیکھ کر حیران و پریشان کھڑی تھیں۔ اُنھوں نے خوب سیر ہو کر دُودھ پیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ساتھ سفر کرنے والے ساتھیوں کو وہ دودھ پلایا اور سب سے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود پیا۔

بلاد العرب میں یہ قول بہت مشہور ہے کہ

ساقی القوم اٰخرھم

قوم کا قائد لوگوں کو پلانے کے بعد خود آخر میں پیتا ہے۔

اِس کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوبارہ دودھ دوہا، یہاں تک کہ وہ بڑا برتن پھر بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دودھ سے بھرا ہوا وہ برتن اُمِّ معبد کو عنایت کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ تم لوگوں کا بھلا کرے!

جب ابو معبد آئے تو تم یہ دودھ اُسے پینے کے لیے دینا۔

اِس ارشاد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی منزل یثرب کی طرف روانہ ہو گئے۔

اُدھر جب شام ہونے سے پہلے ابومعبد آہستہ آہستہ چلنے والی لاغر بکریوں کو جنگل سے چرا کر گھر واپس پہنچا تو دُودھ سے بھرا ہوا ایک بڑا برتن دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اُس نے بڑے تعجب سے پوچھا:

اے اُمِّ معبد!

یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔ میں تو اپنی بکریوں کو لے کر بہت دُور نکل گیا تھا اور گھر میں رہ جانے والی یہ مریل بکری اِس قابل بالکل نہ تھی کہ دودھ کا ایک قطرہ بھی دے سکے۔

اُمِّ معبد، جو انتہائی سمجھ دار اور معاملہ فہم خاتون تھیں، کہنے لگیں:

اے ابومعبد!

مجھے بھی اپنی پوری زندگی میں اِس طرح کا حیران کن منظر دیکھنے کا پہلی بار اتفاق ہوا ہے۔

دراصل ہمارے گھر میں آج ایک انتہائی بابرکت اور مقدس مہمان تشریف لائے تھے۔

یہ سب ان ہی کا فیضان ہے۔ اُس کریم صفت مہمانِ عزیز کی برکت سے گھر میں رہ جانے والی کمزور اور ضعیف بکری کے تھنوں میں بہ افراط دودھ اُتر آیا۔ اُنھوں نے خود ہی دُودھ دوہا اور سب سے پہلے مجھے پینے کے لیے دیا، پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ خود بھی سیر ہو کر پیا اور تمھارے لیے فرما گئے ہیں کہ باقی یہ دودھ اُنھیں پلانا۔

یہ حیران کن واقعہ سن کر ابومعبد نے کہا:

مجھے تو یہ صاحب وہی نبیِ مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) معلوم ہوتے ہیں جن کے بارے میں قریش کی طرف سے ہمیں بہت کچھ بتایا گیا ہے۔

ابومعبد نے بڑی حسرت سے کہا:

اگر مجھے کبھی موقع ملا تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں ضرور حاضری دوں گا، کیوں کہ اب میرے دل میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت کی تمنا پیدا ہو گئی ہے۔

اے اُمِّ معبد!

میرے سامنے اُس بابرکت مہمان کی شباہت اور کیفیت تو بیان کرو!

اِس پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے والی محترم خاتون اُمِّ معبد نے اپنے شوہر کے سامنے نہایت شان دار الفاظ، دل نشین انداز اور بلند درجہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ حضور پُرنور شافع یوم النشور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاہ و جلال اور عظمت و وقار کا تعارف اِس طرح بیان کیا کہ گویا سننے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔

اُمِّ معبد نے کہا:

اے ابو معبد!
آج ہمارے گھر میں جو بابرکت مہمان تشریف لائے تھے،
وہ انتہائی خوب صورت اور خوش اخلاق تھے۔
صفائی اور پاکیزگی میں انتہائی نفیس اور اپنے ساتھیوں میں سب
سے زیادہ خوش نظر، حسن و جمال میں ڈھلا ہوا پیکر، تاب ناک،
تروتازہ، شگفتہ اور پُرنور چہرہ، سرخ اور سفید کھلتا ہوا رنگ، روشن
اور کشادہ جبین، جاذبِ نظر، متوازن، متناسب اور پُرکشش سراپا،
خوب صورت سینہ اور پیٹ برابر، کشادہ ہتھیلیاں، سرخی مائل ایڑیاں،
دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ، نکلتا ہوا درمیانہ قد، نہ اتنا طویل کہ
آنکھوں کو بھلا نہ لگے، نہ اتنا کم کہ کوئی نگاہ اس سے بلند قد کی طرف متوجہ ہو،
بلند پیشانی اور موتیوں جیسے سفید چمکتے دانت، دونوں اَبرو مبارک باہم ملے ہوئے
اور درمیان میں ہلکے ہلکے بال، بہ تمام و کمال، چمک دار، لمبے اور نیم گھنگریالے بال،
جب خاموشی اختیار فرماتے تو پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ،
وہ انتہائی منضبط اور خوب صورت ترتیب کے ساتھ کلام فرماتے،
گویا کسی بھی کمی بیشی سے بالکل پاک، گفت گو واضح، مکمل اور میٹھے انداز
میں جیسے موتی جھڑ رہے ہوں، آواز بارُعب اور پورے تمکنت کے ساتھ
جو گرد و پیش پر چھا جائے۔
وہ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ قدر و منزلت والے تھے۔
اُن کے جاں نثار رفیق ہر وقت اُن کے گرد حلقہ بنائے رہتے تھے۔
جب وہ کچھ فرماتے تو اُن کے ساتھی اُن کی ہر بات کو نہایت توجہ کے
ساتھ سنتے اور جب وہ کسی بات کا حکم دیتے تو اُن کے اصحاب اُس حکم
پر تعمیل کے لیے دوڑ پڑتے۔
وہ عالی مرتبت جو سب کے محترم اور سب کے مخدوم تھے،

دور سے دیکھیں تو خوب صورت، خوب رو اور دل آویز،
نزدیک سے دیکھیں تو اور بھی حسین وجمیل۔
وہ جہاں کھڑے ہوتے، جہاں تشریف رکھتے، ہرسُو خوشبو پھیل جاتی۔
اُن کی ذات مبارک پر جب ایک مرتبہ نظر پڑ جائے
تو پھر نگاہ دوسری طرف پھیرنے کو دل نہ چاہتا تھا۔

اُمِّ معبد اور ابومعبد دونوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بس گئی تھی، چناں چہ کچھ عرصے بعد دونوں اپنی صحرائی خیمہ گاہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے سینوں کو اسلام کے نور سے منور کر کے وہیں رہائش اختیار کر لی۔(1)

اُس نظر کا مقدر ہے کس اوج پر
اُس کی تقدیر ہے کس قدر بخت ور
اُس نظر پر فدا تابِ چشمِ سحر
جس ہستی نے دیکھا اُنھیں ایک نظر
اُس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:2/261۔زاد المعاد:3/51-50

تاثرات سراقہ بن مالک

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے سفر کے دوران سردارانِ قریش کی جانب سے پیغمبرِ اسلام حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثار ساتھی سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گرفتار یا شہید کرنے پر سو سُرخ اُونٹوں کے انعام کی خبر عرب کے تقریباً ہر حصے تک پہنچ چکی تھی۔

اتنے کثیر اور گراں قدر انعام کی خبر سن کر بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح قبیلۂ بنی مدلج کا سردار سراقہ بن مالک بھی پوری طرح مسلح ہو کر اِس عزم کے ساتھ گھر سے روانہ ہوا کہ وہ قدید کے علاقے سے گزرنے والے اِس مقدس قافلہ پر غلبہ پا کر سردارانِ قریش کی جانب سے مقرر کردہ سو سرخ اُونٹوں کا انعام اکیلے ہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ تعاقب کی اِس کوشش کے دوران سراقہ کو دو دفعہ ایسا موقع ملا کہ وہ اُس بابرکت قافلے کے بالکل قریب جا پہنچا لیکن دونوں بار اُس بلند قامت اور بہادر شہسوار کے تیز رفتار گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ تیسری بار تو قریب پہنچنے سے پہلے ہی گھوڑے کی دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک پتھریلی زمین میں دھنس گئیں اور سراقہ بڑی تیزی کے ساتھ زمین پر آ گرا۔

اس غیر معمولی واقعے کے بعد سراقہ کو اِس بات کا یقین ہو گیا کہ بہ ظاہر عام نظر آنے والے ان معاملات کے برعکس یہ بلند مرتبہ اور عالی مقام لوگ تو اللہ ربّ العزت کی خصوصی حفاظت اور پناہ میں ہیں اور اگر ایسا ہی ہے، جیسا کہ میں نے محسوس کیا ہے، تو پھر بہت جلد اِن کی تعظیم و تکریم کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ یہ سوچ کر اُس نے وہیں سے بلند آواز میں اُن جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہستیوں کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میری استدعا کو سنا جائے۔

وہ قابلِ احترام لوگ ٹھہر گئے تو سراقہ نے نہایت پریشانی کے عالم میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ گزارش کی کہ:

انعام کے لالچ میں مجھ سے جو غلطی ہوئی ہے،
اُس کے لیے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے معافی کا طلب گار ہوں۔

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں نہایت عاجزی کے ساتھ یہ درخواست بھی پیش کی کہ

مجھے ایسی تحریر پر مشتمل ایک امان نامہ عطا فرما دیں جو کسی مشکل
وقت میں میرے لیے تحفظ اور عزت کا باعث بن سکے۔

حضور سرورِ عالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ حفاظت اور سلامتی کی ایک تحریر سراقہ کو عنایت فرما دی جائے، چناں چہ خادمِ خاص نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے حفاظت و سلامتی کی ایک تحریر

لکھ کر سراقہ کو عنایت کر دی۔

جواب میں سراقہ بن مالک نے اُن بزرگ و برتر ہستیوں کی خدمتِ اقدس میں کچھ تحائف پیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی تحفہ قبول کرنے کی بجائے سراقہ کو تاکید کی کہ وہ ہمارا حال کسی پر ظاہر کرنے کی بجائے رازداری سے کام لے اور ہمارے تعاقب میں آنے والوں کو وہیں سے لوٹا دے، چناں چہ سراقہ بن مالک نے اپنے اس وعدے کو نہایت احسن طریقے سے نبھایا اور ہر اُس شخص کو واپس بھیجنا شروع کر دیا جو کسی غلط نیّت یا ارادے سے مقدس قافلے کی جانب بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا(1)۔ جب سراقہ کو اس بات کا مکمل اطمینان ہو گیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے ہوں گے، تب اُس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے حیرت انگیز واقعے کی تفصیل لوگوں کے سامنے بیان کی۔

سراقہ کے ساتھ پیش آنے والے اس معجزے کی روداد جب سردارانِ قریش تک پہنچی تو انھیں یہ پریشانی لاحق ہونے لگی کہ سراقہ اپنے ساتھ پیش آنے والے اس تعجب خیز واقعے کی سرگزشت اگر اسی طرح مختلف محفلوں اور مجلسوں میں بیان کرتا رہا تو اس حیران کن واقعے کی خوشبو ملک کے دُور دراز علاقوں تک بھی پھیل جائے گی جس سے اہلِ عرب اسلام کی طرف راغب ہو سکتے ہیں، چناں چہ ابوجہل نے ایک انجانے خوف اور اضطراب کی حالت میں فوراً قبیلۂ بنی مدلج کے نام شکوہ و شکایت سے بھرا ہوا یہ خط لکھا:

اے قبیلۂ بنی مدلج کے لوگو!

تمھارے قبیلے کے ایک کم عقل سردار سراقہ کی بے حقیقت باتوں سے ہمیں پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمھارے سردار نے سو اُونٹوں کے انعام کا ایک شان دار موقع ملنے کے باوجود جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گرفتار یا شہید نہیں کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سراقہ کے اندازِ بیان سے ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حمایت، اعانت اور ظفریابی کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنے کے راستے پر گامزن ہے۔

اس خط میں مزید لکھا گیا کہ:

تمھارے بے وقوف سردار کی یہ گمراہ کن کوشش ایک ناقابلِ معافی جرم ہے، لہٰذا یہ تم لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اُس احمق، نادان اور بیگانۂ عقل سردار کو بقول اس کے اپنے ساتھ پیش آنے والے حیرت انگیز واقعے کو اپنی محفلوں اور مجلسوں میں بیان کرنے سے اِسی مرحلے پر روک دو۔ ایسا نہ ہو کہ قومِ قریش کی طرح بنی مدلج کے اتحاد اور یک جہتی کا شیرازہ بھی بکھر جائے اور تمھاری جماعت میں پیدا ہونے والے اِس افتراق و انتشار سے تمھاری قوم بھی کہیں ملک عرب میں اپنی عزت و عظمت کے اُس مقام کو

1۔صحیح بخاری۔رقم الحدیث:3906۔صحیح مسلم۔رقم الحدیث:2009

نہ کھو بیٹھے، جسے تمھارے اسلاف نے بڑی جدوجہد کے بعد حاصل کیا تھا۔

مکّہ سے موصول ہونے والے اِس اشتعال انگیز خط کے جواب میں سراقہ بن مالک نے بھی بڑے جذباتی انداز اور تند و تیز الفاظ کے ساتھ ابوجہل کو یہ خط لکھا:

اے ابوالحکم!
میں اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم کھا کر کہتا ہوں،
تم اگر اُس وقت وہاں موجود ہوتے جب میرے گھوڑے کے پیر
پتھر سے بھی زیادہ سخت زمین میں دھنس رہے تھے
تو تم یہ حیرت انگیز معجزہ دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے
اور پھر تمھارے پاس اللہ کی طرف سے بھیجے گئے
اس فرمانِ عظیم کی سچائی میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی کہ
جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے سچے رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، نبیِ برحق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
اور سرچشمۂ ہدایت ہیں۔
مجھے تو اب دل کی گہرائیوں سے یقین ہو چکا ہے کہ
تم لوگوں کو بالآخر پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابلے میں
ذلّت و رُسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔
اے قومِ قریش!
جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف تمھاری طرف سے کی جانے والی
عداوت اور دشمنی کی تمام کوششیں انجام کار رائیگاں جائیں گی،
کیوں کہ یہ وہ ''لازوال امرّ'' ہے جو ہر حال میں ہو کر رہے گا۔
اے جماعتِ قریش!
اگر تم اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو تباہی اور بربادی سے بچانا چاہتے ہو
تو رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ
مسلح تصادم جیسے خیالات سے قطعی اجتناب کرو،
اس لیے کہ یہ بات اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ
جماعتِ قریش کو وہ وقت عنقریب دیکھنا پڑے گا
جب اسلام اور پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت، عروج اور کامیابی و کامرانی

کے تمام نشانات ساری دنیا پر ظاہر ہو کر رہیں گے
اور بڑے بڑے سردار عفو و درگزر کی درخواستوں کے ساتھ ہاتھ باندھے
اور سر جھکائے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عالی مرتبت دربار میں
عجز و انکسار کے ساتھ کھڑے نظر آئیں گے۔(1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ہے بِلاشک جو سلطان دنیا و دیں
جس کے دربان ہیں جبرئیلِ امین
پاک قانون جس کا کتابِ مبین
عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگین
اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:249/2

سردار بریدہ رضی اللہ عنہٗ (بن حصیب) اسلمی

ہجرت کے مبارک سفر میں مشکلات پیدا کرنے کے لیے سردارانِ قریش کی جانب سے اعلان کیے گئے سو سرخ اُونٹوں کے انعام کی خبر سردار بریدہ بن حصیب اسلمی تک بھی پہنچ چکی تھی، چناں چہ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح بنو اسلم قبیلے کا یہ جہاں دیدہ سربراہ بھی اتنے بڑے انعام کو حاصل کرنے کا عزم لے کر اپنی قوم کے ستّر ساتھیوں کے ہمراہ اُس مقدس قافلے کی جُستجو میں اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا لیکن مدینہ کے مضافات میں قبا کے بالکل قریب جب اُس بہادروں کے بہادر سردار کی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات ہوئی تو ایک کشادہ جبین، روشن مقال، پُرنور اور پُرکشش چہرۂ مبارک کی پہلی جھلک دیکھتے ہی اُس نے بڑی چاہت اور اشتیاق سے پوچھا:

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کون ہیں؟

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑے تحمّل، متانت اور وقار کے ساتھ فرمایا:

میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا فرزند محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں اور
مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث فرمایا ہے۔

بنو اسلم قبیلے کے صاحب اختیار رئیس بریدہ بن حصیب اسلمی، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام مبارک کی خوب صورتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حُسنِ کلام، دل آویز مسکراہٹ اور عظمت وجلال سے بھرپور شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

اُن کے دل کی دنیا بدل چکی تھی اور انھیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہی وہ مقدس ہستی ہیں جن کے مبارک قدموں میں ہر انسان اپنی جان، مال اور اولاد کو نثار کر دینے میں فخر محسوس کرے گا۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اقدس سے صرف چند خوب صورت کلمات سننے کے ساتھ ہی بنو اسلم قبیلے کے اس خوش نصیب سردار کا سینہ اسلام کے آفاقی نُور سے مَنوّر ہو گیا، چناں چہ سردار بریدہ اسلمی نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے ستّر ساتھیوں سمیت کلمۂ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
اب تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے دل میں سما گئے ہیں،
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت وعقیدت میرے قلب میں گھر کر گئی ہے۔
میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے
اِس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں اور میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں
کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

بنو اسلم قبیلے کے سردار کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے اِس بات کی بھی اجازت عطا فرما دی گئی کہ وہ اپنا جھنڈا لہراتے ہوئے بنو اسلم قبیلے کی حدود تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں سفر کرنے والے مقدس کارواں کے آگے آگے چلیں۔ اجازت ملنے پر بریدہ رضی اللہ عنہ حصیب اسلمی نے اپنی سفید پگڑی اُتار کر اپنے نیزے کے اُوپر باندھ لی اور اُس کو جھنڈے کی طرح فضا میں لہراتے ہوئے اور یہ بشارت سناتے ہوئے کاروانِ رُشد و ہدایت کے آگے آگے چلنے لگے:

سلامتی اور امن کے تاج دار اتحاد و اتفاق کے نگہبان
اِس عالمِ اسباب کو امامت و سیادت، عدل و انصاف
اور اُنسیّت و یگانگت سے ہمکنار فرمانے والے
سالارِ کارواں نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ (1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و با یزید تیرا جمال بے نقاب
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

1۔السیرۃ الحلبیہ :71/2۔سبل الھدی والرشاد:252/3۔اسد الغابہ:367/1

سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام (تاثرات)

مدینہ میں آباد یہودیوں کے سب سے بڑے سردار کے فرزند عبداللہ بن سلام اپنی قوم میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ وہ ایک عالی مرتبہ رئیس ہونے کے علاوہ "توریت" اور "انجیل" کے بھی نام ور اور بلند پایہ عالم تھے۔ اپنی قوم میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے والے تحمل مزاج، بردبار اور انصار کے حلیف عبداللہ بن سلام کا اصل نام حصین بن سلام تھا۔

عظیم الشان پیغمبر یوسف علیہ السلام کے باعزت خاندان سے تعلّق رکھنے والی اس خوب صورت، سلیم الطبع اور باوقار شخصیت نے جب اسلام قبول کیا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کا نام حصین بن سلام کی بجائے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام رکھ دیا۔

صداقت شعار اور حقیقت کے طلب گار عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام (جن کی کنیت ابو یوسف تھی) کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا تھا جو ہمیشہ حق اور سچ کی تلاش میں رہتے تھے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام اپنے سامنے پیش آنے والے واقعات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

ہجرت کا سفر مکمل کرنے کے بعد جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ تشریف لائے تو عقیدت اور ارادت رکھنے والے بے شمار لوگ روزانہ اپنے دل میں ملاقات کی خواہش لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے لگے۔ اُن بہت سے معتقدین کی طرح میں بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کی مسرّت انگیز خبر سن کر بڑے ذوق اور شوق کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلامِ عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا تو وہاں اُس وقت بھی بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع تھے۔

سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام بیان کرتے ہیں:

جب میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رخشندہ و تابندہ اور رونق افروز چہرۂ اقدس کی زیارت پہلی بار کی تو میرے دل نے فوراً کہا کہ "توریت" کے وعدے اور نشانیوں کے مطابق یہ وہی نبیِ منتظر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کی مقدس بارگاہ ہے جہاں فرشتے بھی ادب سے سر جھکاتے ہوں گے۔

چودھویں رات کے چاند اور چمکتے ہوئے آفتاب سے زیادہ روشن جبیں اور شاداب رُخِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ایک نقش حق و صداقت کی منہ بولتی تصویر نظر آ رہا تھا، چناں چہ اتنا دل شاد، دل نواز اور دل نشیں چہرۂ مبارک دیکھ کر میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر شیفتہ و شیدا ہو گیا۔

بے اختیار میرے دل نے فیصلہ دے دیا کہ ایسا تابندہ اور تابناک چہرۂ مبارک صرف اور صرف ایک حق اور سچ کے ساتھ مبعوث ہونے والے پیغمبر علیہ السلام کا ہی ہوسکتا ہے، لہٰذا میں نے طے کرلیا کہ میں ضرور اسلام قبول

کروں گا۔

اگلے ہی دن میں اور میرے خوش نصیب خاندان کے تمام افراد نہایت رازداری کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کرلی۔خاندان کے ہر فرد نے بہ رضا و رغبت اور صدقِ دل سے کلمۂ شہادت پڑھا اور دل کی گہرائیوں سے ہم سب مسلمان ہو گئے۔

سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام مزید بیان کرتے ہیں:

ایک روز میں حضور فخرِ دوجہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ کچھ مبارک کلمات ادا فرمائے جو ہمیشہ کے لیے میرے دل میں گھر کر گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اے لوگو!

مہمان نوازی اختیار کرو!

مسافر اور غیر مسافر سب کو کھانا کھلاؤ!

آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے السلام علیکم کہا کرو!

اپنے قریب اور دور کے رشتہ داروں کے ساتھ تعلّق کو قائم رکھو

اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ!

اور پھر رات کے وقت جب لوگ آرام کرنے کے لیے سو جائیں

تو تم نماز ادا کیا کرو۔

اگر تم ایسا کرو گے تو خیریت، عافیت اور سلامتی کے ساتھ

جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کرنے والے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کی تو اب دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔

وہ ایک دن میں کئی کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلامِ عقیدت پیش کرنے، جمالِ رسالت کی زیارت اور نورِ نبوت کی جھلک دیکھنے کے لیے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوتے تھے۔

سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ المرتضیٰ نے صحابیِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دس بہترین اور محترم اصحاب رضی اللہ عنہم میں

سیّدنا عبداللہ بن سلام بھی شمار کیے جاتے تھے۔

ہر دل عزیز صحابیِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے سنہ ۴۳ ہجری میں وفات پائی۔(1)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

وہ صبح و شام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ نمائیاں
ہو ماہتاب جیسے ستاروں کے درمیاں
کیا خوش نصیب لوگ تھے یارانِ مصطفیٰ
جن کے دل و نظر کو میسّر تھا آستاں
پیشِ نگاہ تھا رُخِ زیبا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
کرتے تھے روز و شب ہی نظارا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

چاند سے منہ پہ تاباں و درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن کثیر:276/2۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:269/2,181/1

عدی بن حاتم طائی

''بنی طے'' کا شمار خطّۂ عرب کے ممتاز قبیلوں میں ہوتا تھا۔ خاص طور پر اس قبیلے کے نام وَر سردار حاتم کی انتہا درجے کی دریادلی، کرم گستری اور سخاوت کی وجہ سے اس خاندان کو پورے ملک میں نہایت پسندیدہ شہرت اور دل پزیر نیک نامی حاصل ہو چکی تھی۔ کسی گاؤں کی محفل ہو یا کسی شہر کی مجلس، ہر جگہ سردار حاتم طائی کا ذکر عزت و احترام کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

بنی اسرائیل سے تعلّق رکھنے والے قبیلۂ بنو طے نے کچھ عرصہ قبل عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ کم عقل اور نادان لوگ اب بھی بتوں کو ہی معبود مانتے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے سب سے بڑے بت 'الفلس' کو نہایت متبرک اور معظم سمجھتے تھے۔ اُن کے دل نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت عداوت، مخاصمت اور ناپسندیدہ خیالات سے بھرے ہوئے تھے، بلکہ یہ دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف دشمنی پر آمادہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے، چناں چہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیرِ خدا سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ۱۵۰ بہادر، تجربہ کار اور جنگ جو مجاہدینِ اسلام کا ایک فوجی دستہ سفید اور سیاہ جھنڈوں کے ساتھ ان فساد پسندوں کی گوشمالی، بڑے بت ''الفلس'' کو پاش پاش اور ''بت خانۂ کبیر'' کو مسمار کرنے کی غرض سے روانہ فرمایا، تا کہ بلادِ طے سے بت پرستی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔

شہر کی حفاظت کرنے والے نگہبانوں نے جب اسلام کے عظیم اور سربلند جھنڈوں کو شہر کی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ فوراً سردار عدی بن حاتم کے پاس پہنچے اور کہا:

اے ہمارے محترم سردار!

اسلامی شہسواروں نے ہمارے شہر پر حملہ کر دیا ہے۔

اب جو کچھ کرنے کا آپ ارادہ رکھتے ہیں، اُسے کر گزریں۔

مجاہدینِ اسلام کے حملے کی خبر سنتے ہی عدی بن حاتم نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی بجائے اپنی جان اور مال کو بچانے کے لیے تیز رفتار اُونٹوں کا انتظام کیا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سرزمینِ شام کی جانب فرار ہو گیا۔ وہاں اُس نے ایسے علاقے میں رہائش اختیار کر لی جہاں اُس کے ہم مذہب نصاریٰ کافی بڑی تعداد میں آباد تھے۔

اُدھر جاں نثارانِ اسلام نے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت بڑے بت ''الفُلس'' کو مسمار کرنے کے بعد ''صنم خانۂ کبیر'' کی پوری عمارت کو منہدم کر دیا، پھر بت پرستوں کی فوجی مزاحمت کو تہس نہس کر کے قبیلۂ طے کے بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ اتفاق سے جنگی قیدیوں میں مشہور مخیر، کشادہ دست، فیاض اور بنو طے قبیلے کے رئیسِ

اعظم حاتم طائی کی صاحب زادی اور عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بنتِ حاتم بھی شامل تھی۔ (1)

سفانہ بنتِ حاتم کے ساتھ حسنِ سلوک

ایک دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس احاطے کے پاس سے گزر رہے تھے جہاں بنو طے کے قیدیوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ اُس وقت ایک عمر رسیدہ اور بھاری بھرکم جسم والی عورت نے اپنی اشک بار آنکھوں کے ساتھ ایک درخواست ان الفاظ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کی:

اے مسلمانوں کے عظیم سردار!
میں قبیلۂ بنو طے کے آبرومند اور خوددار سردار حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔
سارا عرب جانتا ہے کہ میرے والد بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔
وہ دل کی گہرائیوں سے بے بسوں، بے کسوں اور درماندہ افراد کے ہمدرد تھے۔
جب وہ زندہ تھے تو پورے ملک میں یہ بات زبان زدِ خاص و عام تھی کہ
میرے والد مہمان نواز، شفیق اور مہربان شخصیت کے مالک ہیں۔
وہ پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنے اور قیدیوں کو رہائی دلانے میں ہمیشہ سرگرم
رہتے تھے۔
وہ جانے انجانے لوگوں کو کھانا کھلاتے اور کسی بھی تہی دست کو اپنے گھر سے خالی ہاتھ
نہیں لوٹاتے تھے۔
اب کئی سال ہو گئے ہیں کہ میرے والد اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے ہیں اور
جس بھائی نے میری نگہبانی اور محافظت کرنی تھی،
وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر ملک شام کی جانب فرار ہو گیا ہے۔
میں بہت ضعیف العمر ہو چکی ہوں اور کوئی حق الخزمت ادا کرنے کے لائق نہیں ہوں۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احسان و امتنان اور رحم و کرم کا تو چاروں جانب شہرہ ہے،
میں آزادی جیسی نعمت کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفقت کی منتظر ہوں۔
مجھے یہ انعام عطا فرما دیں!
تاکہ ہمارے دشمن قبائل کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ ملے۔

رحمتِ عالم رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس عقل منداور جہاں دیدہ خاتون کی عرض داشت پیش کرنے کے انداز کو پسند کرتے ہوئے فرمایا:

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 3/88-986

تمھارا نیک خصلت باپ اعلیٰ اخلاقی قدروں اور صفات کا مالک تھا۔

اللہ ذُو الجلال والاکرام بھی اچھے اخلاق اور عادات کو پسند فرماتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:

اب تمھارے گھر کا سربراہ اور خبرگیری کرنے والا کون ہے؟

سفانہ بنتِ حاتم نے کہا:

ہمارے خاندان کا سربراہ میرا بھائی عدی بن حاتم ہے۔

خاتم النّبیین رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہ جو اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے کی بجائے
روپوش ہوگیا ہے۔

سفانہ نے بڑی عاجزی سے کہا:

اے محترم سردار!
میرے بڑھاپے کی وجہ سے مجھ پر احسان فرمائیں،
پروردگارِ عالم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اپنا احسان اور کرم فرمائیں گے۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صفاتِ مبارکہ کے عین مطابق سفانہ بنتِ حاتم کی درخواست پر مہربانی اور کرم کا معاملہ فرمایا اور اُس نیک بخت خاتون کو اپنے قبیلے میں واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمادی، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:

سفانہ!
ابھی جانے میں عجلت سے کام نہ لینا!
جب تک تمھاری قوم کا کوئی لائقِ اطمینان اور بھروسے والا شخص نہ مل جائے
جو تجھے اپنی نگہداشت میں تیرے بھائی تک پہنچادے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ:

اپنی روانگی کی خبر مجھے ضرور دینا۔

چند دنوں بعد ایک قافلہ مدینہ آیا جو سرزمینِ شام کی طرف جارہا تھا۔ اُس قافلے میں بنو طے کے بھی کچھ معزز لوگ شامل تھے۔ بات چیت کے بعد اہلِ قافلہ اس بات پر رضامند ہوگئے کہ سفانہ کو حفاظت کے ساتھ ملک شام میں اُس کے بھائی کے پاس پہنچادیا جائے گا۔

اُن لوگوں کے ساتھ معاملہ طے ہونے کے بعد سفانہ بنتِ حاتم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر

ہوئی اور قافلے کے ساتھ واپس جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفانہ بی بی کو زادِراہ کے لیے کچھ رقم ، نئے کپڑوں کے کئی جوڑے اور سواری کے لیے اُونٹ عنایت فرمایا اور قافلے والوں کے ساتھ جانے کی اجازت عطا فرمادی۔

سفانہ بنتِ حاتم نے دل کی گہرائیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت ،عنایت اور نوازش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھادیئے اوران الفاظ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دعا گو ہوئیں:

اے پروردگارِ عالم!
میرے ساتھ کی گئی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہر نیکی ، بھلائی اور کرم کو قبول فرما!
اللہ ربُّ العزت!
آپ سے دُعا ہے کہ وہ تمام نادار اور بے مایہ لوگ ہمیشہ
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے التفات اور توجہ کے شکر گزار رہیں
جو ثروت مندی اور خوشحالی کے بعد خستہ حالی کا شکار ہوجائیں
اور وہ لوگ کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابلے میں طاقت اور قوت حاصل نہ کرسکیں
جو مفلسی اور بدحالی کے بعد اچانک سرمایہ دار بن جائیں اور ظلم کا راستہ اختیار کریں۔
اے اللہ ذُوالجلال والاکرام!
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایسا فضل وکرم فرما کہ کبھی کسی کم ظرف سے کوئی کام پیش نہ آئے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اچھائی کو اس بلند اور خوبصورت مقام پر پہنچادے
کہ جب کسی شریف النفس اور معزز ومحترم شخص کا حق چھینا جائے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
ہی اس کے لیے دادرسی اور عدل وانصاف کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ بنیں! (آمین)

سفانہ کی شام میں آمد

سفانہ جب شام پہنچیں تو عدی سے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

بھائی تم نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑ آنے کی ایسی حرکت کی ہے جو تمھارے باپ کے کردار اور عمل کے بالکل خلاف ہے۔تو کیسا بھائی ہے کہ تم نے بھائی اور بہن کے نازک رشتے کو ہی بھلادیا ہے۔

بھائی نے کہا:

ہمشیرہ! میں بہت شرم سار ہوں اور اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے معافی کا خواست گار ہوں۔
میری بہن! خدا کے لیے مجھے معاف کردو۔

پھر اپنی بہن سے پوچھنے لگا کہ مسلمانوں کی قید میں آپ لوگوں کا تجربہ کیسا رہا، وہاں آپ لوگوں کے ساتھ کِس ڈھنگ کا سلوک کیا گیا اور میری بہن مجھے یہ مشورہ بھی دو کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔

سفانہ نے بتایا کہ:

مسلمانوں کے سردار جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے مجھے عزت واحترام کے ساتھ رخصت فرمایا اور پھر بھائی کے سامنے اُن سارے واقعات ومعاملات اور احسان وکرم کا ذکر کیا جو اُس کے ساتھ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے پیش آئے تھے۔

سفانہ نہایت زیرک، دور اندیش اور عقلمند خاتون تھی۔

اس نے عدی کو مشورہ دیا کہ:

میرے بھائی کسی بھی قسم کا خوف اپنے دل میں مت رکھو!

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو شریف اور عزت دار لوگوں کی تکریم فرمانے والے ہیں اور یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس جانے والا ہر فرد فائدے میں رہتا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) خلقِ عظیم کے پیکر، نہایت رحم دل اور بہت احسان فرمانے والے ہیں۔

اللہ ذوالجلال والاکرام کی قسم!

میرے خیال میں تمھارے لیے یہ بات انتہائی مناسب ہوگی کہ تم کوئی وقت ضائع کیے بغیر جلد از جلد اُس بابرکت ہستی کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جاؤ، اس لیے کہ مدینہ میں قیام کے دوران جو مشاہدہ مجھے ہوا ہے، اُس کی بنیاد پر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ یا تو وہ اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں یا اپنے ملک کے بادشاہ ہیں۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں تو تمھاری دنیا اور آخرت کی بھلائی اور عزت اسی میں ہے کہ فی الفور بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف پیش قدمی کرو اور اللہ پر اور اُس کے رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان لانے میں اوّلیت حاصل کرنے کی سعادت اور فضیلت حاصل کرو، کیوں کہ نبوّت اور رسالت کی تصدیق وتائید میں سبقت لے جانے والوں کی شان بہت بلند ہوتی ہے لیکن اگر وہ بادشاہ ہیں تو جلد از جلد اُن کے دربار میں حاضری کے لیے پہنچ جاؤ، اس لیے کہ بادشاہوں کو بھی اپنی پھیلتی ہوئی سلطنت اور مملکت کے لیے دانا اور صاحبِ رائے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

میرے بھائی عدی!

جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بہت اعلیٰ ظرف اور کریمانہ اخلاق کے مالک ہیں۔ وہ لوگوں کو رسوا نہیں کرتے، بلکہ عزت واحترام سے نوازتے ہیں۔ ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے والا ہر شخص سرخرو ہوا ہے۔

جب وہ تیری غیر معمولی قابلیت اور استعدادکار کو دیکھیں گے تو ہوسکتا ہے کہ تیرے مقام کے مطابق عزت واکرام سے نواز دیں اور تجھے تیرے منصب پر بحال فرما دیں۔

اپنی بڑی بہن کی دِل نواز باتیں سن کر عدی بن حاتم کے دل میں اُس عظیم المرتبت ہستی سے ملاقات کا جذبہ اور ذوق وشوق تیز تر ہوتا چلا گیا۔ اس نے اپنی ہمشیرہ کی رائے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور کہا:

میری بہن! تو نے مجھے نہایت نفیس، نیک اور صائب مشورہ دیا ہے۔

میں بارگاہِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضری کے لیے کل ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔(1)

عدی بن حاتم طائی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر کہا:

اے مسلمانوں کے محترم سردار!

میں حاتم طائی کا فرزند عدی بن حاتم ہوں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی کو بڑے پُرجوش انداز میں خوش آمدید کہا اور مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

مجھے اُمید تھی کہ ایک دن اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی بن حاتم کی قدر افزائی اور شفقت کے اظہار کے لیے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کاشانۂ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک نہایت ہی غریب اور ضعیف العمر عورت اپنی عرض سنانے کے لیے اجازت کی طلب گار ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بات سننے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اُس عمر رسیدہ خاتون نے اپنی پریشانیوں کی داستان سنانی شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی دیر تک انتہائی توجہ اور تحمل کے ساتھ اُس عورت کی داستانِ غم سنی اور پھر اُس کی ضرورت اور طلب کو پورا فرما دیا۔

عدی دل میں سوچنے لگا کہ گلی میں کھڑے ہوکر جس صبر و برداشت اور عجز و نیاز کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس بزرگ خاتون کی ایک طویل اور غیر دلچسپ روداد سنی ہے، اُس غریب کو اپنا وقت دیا اور اُس کی دل جُوئی کرتے ہوئے اُس کی آرزو اور خواہش کو پورا فرما دیا۔ بادشاہوں کا غرور وتکبّر، شان وشوکت اور طرزِ عمل تو ایسا نہیں ہوتا، بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو مجھے ہر عاجز ومحتاج کے دلی ہمدرد اور مفلس ونادار کے سچے غمگسار نظر آتے ہیں۔

گھر تشریف آوری پر اہلِ خانہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹھنے کے لیے کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا ایک چمڑے کا گدا لے آئے لیکن مہمان کی عزت افزائی کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے عدی!

اس گدّے پر تم بیٹھو!

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:580/2۔زاد المعاد:453/3

عدی نے عرض کیا:

نہیں یا سیّدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہے کہ میں گدّے پر بیٹھوں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ اصرار کے ساتھ فرمایا کہ:

عدی، تم اس پر بیٹھ جاؤ!

عدی کہتے ہیں کہ:

میرے پاس اب تعمیلِ ارشاد کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

میں اس گدّے پر بیٹھ گیا

اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خود زمین پر بچھی چادر پر تشریف فرما ہو گئے۔

عدی اس حُسنِ سلوک اور کریمانہ اخلاق سے بہت متاثر ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی سے دریافت فرمایا کہ:

کیا تم اپنے قبیلے کے سب سے زیادہ امیر کبیر شخص نہیں تھے؟

عدی نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے عرض کیا:

جی ہاں! یہ حقیقت ہے کہ دولت وثروت کے معاملے میں

میرے خاندان کا اپنے قبیلے میں کوئی مقابل نہ تھا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی سے دریافت فرمایا:

کیا تم طاقت اور جبر کے ساتھ تہی دست اور غریب عوام سے

ان کی سالانہ پیداوار کے علاوہ لوٹ کھسوٹ کے مال میں سے بھی

ایک چوتھائی وصول نہیں کر لیتے تھے؟

عدی بن حاتم نے کہا:

جی ہاں، یہ بھی سچ ہے کہ میں یہ رقم وصول کیا کرتا تھا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے عدی!

یہودیوں پر اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں

لیکن تم تو مذہباً پورے نصرانی نہیں ہو، بلکہ ''رکوسی'' ہو

اور میں تمھارے دین کو تجھ سے بہتر جانتا ہوں۔

اصل صداقت یہ ہے کہ اپنی رعایا سے اتنا زیادہ حصّہ وصول کرنا
تمھارے مذہب میں مباح نہیں تھا۔
عدی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) درست فرما رہے ہیں،
بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو ان معاملات کا بھی علم رکھتے ہیں
جن سے عرب کے عام لوگ بالکل ناواقف ہیں۔
اب میرے دل میں یہ خیال راسخ ہوتا جا رہا ہے کہ
یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے برحق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سچے رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔
اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
عدی!
تم کیوں یہ کہنے سے بھاگ گئے تھے کہ
اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
اے عدی!
اسلام قبول کرنے میں تمھیں شاید یہ امر مانع ہے کہ
اس دین کو ماننے والے زیادہ تر نادار، غریب اور خستہ حال لوگ ہیں۔
اللہ ذوالجلال والاکرام کی قسم!
وہ وقت جلد آنے والا ہے
جب مسلمانوں کے پاس مال و دولت کی اتنی بہتات اور فراوانی ہوگی
کہ امیر لوگ ہاتھوں میں دولت کے تھیلے لے کر غرض مند لوگوں کو اِدھر اُدھر
تلاش کریں گے
لیکن اُن کو مدینہ میں صدقہ اور خیرات لینے والا کوئی مفلس، نادار
اور بے کس نظر نہیں آئے گا
اور غالباً یہ بات بھی تمھیں حلقۂ اسلام میں شامل ہونے سے روک رہی ہے
کہ اہلِ اسلام ابھی تعداد میں بہت کم ہیں
اور اَبھی تک طاقت، قوت اور مضبوطی میں بھی کوئی بڑا مقام حاصل نہیں کر سکے ہیں،
جب کہ ہمارے دشمنوں کی تعداد ہم سے بہت زیادہ ہے

اور وہ بہت طاقت وَر بھی ہیں۔

اے عدی!

اگر تمھاری زندگی نے وفا کی تو تم دیکھو گے کہ اس عظیم دعوت
کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچ کر رہے گا، حتیٰ کہ ایک عورت تنِ تنہا اُونٹ
پر سوار ہو کر بیت اللہ شریف کی زیارت اور حج کے لیے قادسیہ سے روانہ
ہو کر امن اور سلامتی کے ساتھ مکّہ مکرمہ پہنچے گی اور پورے راستے میں اُسے اللہ
کے سوا کسی کا ڈر یا خوف نہیں ہوگا۔

اے عدی!

شاید تم اس لیے بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہونے سے ہچکچا رہے ہو
کہ بڑی بڑی مضبوط مملکتوں کی فرمانروائی اور اختیار و اقتدار ہمارے دشمنوں
کے پاس ہے۔

اللہ ربّ العزت کی قسم!

عنقریب تم سن لو گے کہ سرزمینِ بابل پر قائم وسیع وعریض سلطنت
اور ان کے سفید چمکدار شاہی محلات پر اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین دفعہ یہ کلمات ادا کیے اور پھر فرمایا:

اے عدی!

اسلام قبول کر لو!

یہی دین تمھاری جان کی سلامتی اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے۔

سلیم الطبع عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ:

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حیاتِ طیبہ، طرزِ رہائش، کریمانہ اخلاق، مبارک عادات
اور حکیمانہ اندازِ گفت گو سے میری سوچ کا انداز اور خیالات بالکل بدل گئے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ تبارک وتعالیٰ کے برحق نبیؐ اور
سچے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں۔

جب میرے دل میں سچائی اور راستی کا جذبہ مضبوط و مستحکم ہو گیا تو میں
نے فوراً اپنا ہاتھ بیعت کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مبارک ہاتھوں میں دے دیا۔

اس طرح ایک بار جو جناب عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم نے کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا شرف

حاصل کر لیا تو پھر اپنے قبیلے کے وہ شریف النفس سردار ساری زندگی اپنے اسلام پر نہایت متانت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم اپنے قبولِ اسلام کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

میں نے دیکھا کہ میرے اسلام قبول کرنے پر
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے حد مسرّت کا اظہار فرمایا
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے منّور ہو گیا۔
ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ پر یہ مہربانی اور شفقت بھی فرمائی
کہ مجھے قبیلۂ طے کی سرداری کے منصب پر دوبارہ بحال فرما دیا۔

نیک سیرت اور خوش خصال عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم اپنے بیان میں مزید کہتے ہیں کہ اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کی جانے والی تین میں سے دو پیشین گوئیاں تو جلد ہی پوری ہو گئیں۔

پہلی یہ کہ:

میں مسلمانوں کی اس حملہ آور فوج میں شامل تھا جس نے
بابل کی سرزمین پر، کسریٰ کے خزانوں پر قبضہ کر لیا تھا
اور اُن کے سفید محلات پر اسلام کا پرچم لہرا دیا تھا۔

دوسری پیشین گوئی کے متعلّق عدی کہتے ہیں کہ:

میں نے دیکھا کہ عدل وانصاف اور بہترین امن وامان کی وجہ سے
راستے اتنے محفوظ ہو گئے تھے کہ ایک عورت تنِ تنہا اپنے گھر سے
بیت اللہ شریف کی زیارت اور حج کے لیے روانہ ہو کر
بِلا کسی خوف، ڈر یا رکاوٹ کے مکّہ پہنچ گئی۔

ہمیشہ باوضو رہنے اور کثرت سے ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنے والے عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم کہتے ہیں:

مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ تیسری پیشین گوئی بھی
ان شاء اللہ ضرور پوری ہو گی، یعنی مسلمان اتنے ثروت مند
ہو چکے ہوں گے کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی غریب اور محتاج نظر نہیں
آئے گا، کیوں کہ یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

چناں چہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! یہ پیشین گوئی بھی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پوری ہو گئی کہ اہلِ مدینہ اپنی زکوٰۃ لے کر جب باہر نکلتے تو سارے شہر میں ایک بھی محتاج نظر نہ آتا تھا، جسے زکوٰۃ دی جا سکتی۔

اسی لیے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے فرمان کے جواب میں کہتے تھے:

صدقت یا رسُول اللہ ﷺ!

بے شک تمام تعریفیں اللہ ربّ العزت کے لیے ہیں کہ جس نے اپنے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین ﷺ کے ساتھ جو وعدے کیے، وہ پورے فرمائے۔(1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کُل ستاروں میں جیسے ہو ماہ تمام
ہیں اُسی طرح نبیّوں میں خیر الانام
جس کے منہ سے سنیں ہم خدا کا کلام
بادشاہوں سے افضل ہو جس کا غلام
اُس پہ بے حد درود اُس پہ بے حد سلام

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:2/81-580۔زاد المعاد:3/453

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن سعنہ (تاثرات)

مدینہ میں مستقل رہائش پزیر ایک ممتاز کاروباری خاندان سے تعلّق رکھنے والے زید بن سعنہ جن کا شمار یہودیوں کے بڑے معتبر علما میں ہوتا تھا، اُس صاحبِ مطالعہ شخص نے تورات شریف میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے متعلّق بیان کی گئیں خوبیوں، صلاحیتوں اور صفات کے بارے میں بہت کچھ پڑھ رکھا تھا۔

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو سلیم الفطرت زید بن سعنہ نے نہایت احتیاط کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں صفاتِ رسالت اور علاماتِ نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پرکھنا شروع کیا۔ سچائی کی تلاش میں زید بن سعنہ بڑے بے تاب نظر آنے لگے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی قدر میں مذکورہ صفاتِ جلیلہ دیکھنے کے لیے وہ ایک دن میں کئی کئی مرتبہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک مجلسوں میں حاضر ہوتے۔

اب تک کے جائزے کے مطابق یہ بات اُن کے تجربے میں آچکی تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمدہ اخلاق، عالی عادات، سیرت وصورت، بزرگی وعظمت، دانش وحکمت اور فیاضی وسخاوت میں بے مثل اور فقید النظیر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بابرکت وجود نیکی، بھلائی اور اقبال مندی کا سرچشمہ ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن سعنہ خود بیان کرتے ہیں کہ اب صرف دو ہی ایسی صفات رہ گئیں تھیں جو ابھی تک میری نظروں سے نہیں گزری تھیں، وہ یہ کہ:

i) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصے پر ہمیشہ فائق رہتا ہے۔

ii) اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی بے شعور یا جاہل شخص حماقت کا انداز اختیار کرے یا نادانی اور تیز بیانی کا جتنا بھی سخت رویّہ اپنائے تو اس صورتِ حال میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و درگزر، تحمل و بردباری اور صبر و برداشت میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ایک دن کسی دور افتادہ گاؤں سے آیا ہوا ایک دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میرے قبیلے کے افراد نے میرے اندازِ تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا، جب کہ اُنھیں دینِ فطرت کی جانب راغب کرتے وقت میں نے ایک دلیل یہ بھی دی تھی کہ اسلام ایک بابرکت مذہب ہے۔

اگر مسلمان ہو جاؤ گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تم لوگوں کو دنیا و آخرت کی تمام کامیابیوں سے نواز دے گا اور

آسودہ حالی، ثروت مندی اور خوش گزرانی تمھارا مقدر بن جائے گی۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

لیکن اب مجھے ایک مشکل آن پڑی ہے کہ ہمارے وطن میں ایک طویل عرصے سے بارشیں نہ ہونے سے ہمیں خشک سالی کا سامنا ہے جس کے نتیجے میں میرے علاقے کے مفلس اور نادار افراد کو آج کل فاقے برداشت کرنا پڑ رہے ہیں۔

اگر دُکھ اور تکلیف کی اس مشکل گھڑی میں میرے قبیلے کے لوگوں کا ساتھ نہ دیا گیا یا اُن کی مدد نہ کی گئی تو میرے دل میں اِس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ کہیں وہ دوبارہ بت پرستی کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا کہ:

کیا کوئی ایسی چیز موجود ہے جس سے ہم اپنے اُن بے بضاعت اور تہی دست بھائیوں کی دست گیری کر سکیں جو اِس وقت قحط سالی کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہیں۔

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

اتفاق سے بیت المال میں اس وقت ایسا کچھ موجود نہیں
جس سے ہم اپنے اُن دیہاتی بھائیوں کی کوئی خاطر خواہ مدد کر سکیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

میرے پاس ۸۰ مثقال سونا موجود ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مناسب سمجھیں تو میں یہ سونا بطورِ قرض دینے کے لیے تیار ہوں۔

اس کے بدلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے وقتِ مقررہ پر کھجوریں دے دیجیے گا۔

چناں چہ فریقین کے درمیان لین دین کے معاملات اور ادائے قرض کی مدّت طے پا جانے کے بعد رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس دیہاتی کو بلایا اور اُسے رقم دیتے ہوئے فرمایا:

تم اپنے قبیلے کے لوگوں تک جلد پہنچو اور اِس رقم کو سب میں برابر تقسیم کر دو!

صداقت شعار اور حقیقت کے خواستگار حضرت زید رضی اللہ عنہ بن سعنہ کا بیان ہے کہ:

وعدے کی مدت میں ابھی کچھ دن باقی تھے لیکن میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صبر وضبط اور قوتِ برداشت کو آزمانے کے لیے دانستہ جنت البقیع پہنچ گیا جہاں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ کے بعد اُس کی تدفین کا مرحلہ ادا کیا جا رہا تھا۔ اِس دوران، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی

اپنے ساتھی کی جدائی کا غم دِلوں میں لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی بااَدب کھڑے تھے، میں نے اپنے ذہن میں پہلے سے بنائے گئے منصوبے کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک چادر کو ایک کونے سے پکڑا اور اُسے ذرا زور سے اپنی طرف کھینچا اور ساتھ ہی تھوڑا سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا قرض کیوں ادا نہیں کر رہے؟

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے زید!

ابھی تو تمھارے وعدے کی مقررہ مدّت پوری ہونے میں کچھ دن باقی ہیں۔

یہ جواب سن کر میں نے کہا:

اللہ کی قسم!

خاندانِ عبدالمطلب کو میں بڑی اچھی طرح جانتا ہوں۔

ادائے قرض میں آپ لوگوں کا شمار لیت ولعل سے کام لینے والے خاندانوں میں ہوتا ہے۔

بات کرنے کا یہ افسوس ناک اور غیر شائستہ انداز کسی بھی شخص کو مشتعل کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہاں پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکے اور بڑے جذباتی لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا:

او گستاخ انسان!

تمھیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بات کرتے
وقت مقامِ ادب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھو۔

اللہ کی قسم!

اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کی موجودگی میں
ہم پر اُن کا ادب واحترام واجب ہوتا ہے،
وگرنہ تمھارے اِس اشتعال انگیز لب ولہجے، نامناسب الفاظ کے استعمال
اور سرکش اندازِ گفتگو کی وجہ سے میں تمھارا یہ فضول اور ناکارہ سر،
جس میں دو آنکھیں چمک رہی ہیں،
ایک لمحے سے بھی کم عرصے میں تمھارے تن سے جدا کر دیتا۔

لیکن آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اِس غیر مہذب اندازِ بیان پر کسی قسم کے ردّعمل کا اظہار کیے بغیر نہایت

سکون واطمینان، ضبط و قرار اور متانت و شائستگی کے ساتھ میری جانب دیکھا اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے عمر رضی اللہ عنہ!
کسی قسم کی بے چینی اور بے تابی کا اظہار کرنے کی بجائے مناسب بات یہ ہوتی کہ
آپ رضی اللہ عنہ اِس معاملے کو حل کرنے کے لیے کوئی بہتر اسلوب اختیار کرتے۔
ایک طرف تو آپ رضی اللہ عنہ مجھے کہتے کہ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!
ہمیں اِس شخص کا قرض کسی احسن طریقے اور بہتر انداز میں ادا کرنے کا
بندوبست کرنا چاہیے۔
اور دوسری طرف اُس شخص کو کہتے کہ
بھائی!
اپنے قرض کا تقاضا کرتے وقت تھوڑی شائستگی، وضع داری اور
معقول رویّے سے کام لو۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اچھے طریقے سے قرض ادا کرے۔
اے عمر رضی اللہ عنہ!
اگرچہ ابھی اِس شخص کے وعدہ پورا ہونے میں کچھ دن باقی ہیں
لیکن اب آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیں
اور جتنا اِس کا حق بنتا ہے، وہ اسے دے دیں۔
چوں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اِس شخص کو ڈرایا دھمکایا ہے،
اِس لیے اِس کی دل جوئی کی خاطر بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں۔

وہاں پر موجود سب لوگوں نے دیکھا کہ کسی ردِ عمل کا اظہار کرنے کی بجائے اِس تمام عرصے کے دوران رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ مبارک پر تسکین و اطمینان، نرم روی اور تبسّم کے تاثرات دکھائی دے رہے تھے۔

زید رضی اللہ عنہ بن سعنہ کہتے ہیں کہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے گئے اور میرے قرض کے علاوہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے مطابق بیس صاع کھجوریں زیادہ عنایت فرما دیں۔

زید رضی اللہ عنہ بن سعنہ مزید کہتے ہیں کہ:

میرے جہالت آمیز رویّے اور انتہائی اشتعال انگیز طرزِ گفت گو کے جواب میں جب میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نا قابلِ یقین قوتِ برداشت، صبر و ضبط، معتدل مزاج اور نرم آواز جیسی دِل نشیں خوبیوں، نشانیوں اور صفات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بے شک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ پیش آنے والے ہر نامناسب اور ناپسندیدہ سلوک پر زبردست طاقت کے مالک ہونے کے باوجود برہم نہیں ہوتے اور اشتعال میں نہیں آتے، بلکہ پہلے سے زیادہ حلیم اور مہربان نظر آتے ہیں، چناں چہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میں نے اعلان کر دیا کہ:

میں بہ رضا و رغبت اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ کے سچے رسُول اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اے عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب!

آپ رضی اللہ عنہ گواہ رہیں!

اُس ذات والاصفات کی قسم!

جس نے عدل وانصاف کے پیکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق اور سچ کے ساتھ

مبعوث فرمایا ہے،

آج میں اپنا قرض وصول کرنے نہیں آیا تھا،

بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ سابقہ الہامی کتابوں میں آخری نبی علیہ السلام کی

جتنی بھی نشانیاں اور علامات بیان کی گئی تھیں،

میں نے دیکھا کہ اِس میں سے ہر صفت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہ تمام وکمال موجود ہے

لیکن اب تک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صبر و ضبط، تحمل و بردباری اور قوتِ برداشت کا

مشاہدہ نہیں کر سکا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! آج میرے تجربے میں یہ بات بھی آ گئی کہ

تورات شریف کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ تمام صفاتِ عالیہ موجود ہیں،

لہٰذا اَب میں پورے بھروسے اور اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ

بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نبی منتظر اور اللہ کے سچے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حق کے طلب گار اور رَاستی کے علَم بردار حضرت زید رضی اللہ عنہ بن سعنہ نے سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ہی اِس بات کا اظہار کیا کہ:

میں اپنے تمام مال واسباب اور جائیداد کا آدھا حصّہ مہاجرین کی آبادکاری اور

مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔(1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مطلع ہر سعادت پہ اسعد درود
مقطع ہر سیادت پہ لاکھوں سلام
وَصف جس کا ہے آئینۂ حق نما
اُس خدا ساز طلعت پہ لاکھوں سلام
اُس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
اُس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام
اعتلائے جبلت پہ عالی درود
اعتدالِ طویت پہ لاکھوں سلام
الغرض اُن کی ہر صفتِ مواسات پہ بے حد درود
اور اُن کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام

1۔دلائل النبوۃ ابی نعیم الاصبہانی:91/1۔دلائل النبوۃ للبیھقي:34/1

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود (استقامت)

جنگِ اُحد کے اُن خوف ناک اور نازک لمحات کے دوران، کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارک پر ہر طرف سے پے در پے جان لیوا حملے ہو رہے تھے اور اُس وقت بھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب تیروں کی بارش اور تلواروں سے یلغار ہو رہی تھی، سالارِ اعظم حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عزم و ہمت اور استقلال میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی کمی دیکھنے میں نہیں آئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پورے وقار، شجاعت، آن اور شان کے ساتھ حملہ آوروں کے سامنے کھڑے رہے، حالانکہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شدید زخم بھی آئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو دانت مبارک شہید ہوئے، چہرۂ انور پتھر لگنے سے گھائل ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خود کی دو کڑیاں رخسارِ مبارک میں چبھ گئیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تمام تکالیف کو نہایت ہمت، صبر اور استقامت کے ساتھ برداشت فرما رہے تھے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثاروں کی جماعت میں شمولیت اختیار کرنے والے جناب حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اپنے بیان میں فرماتے ہیں:

اُس ذاتِ پاک کی قسم

جس نے سرکارِ دو عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق اور سچ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے،
میدانِ جنگ میں دشمنانِ خدا کی طرف سے سخت ترین حملوں کے دوران بھی
میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدم مبارک اپنی مرکزی کمان گاہ سے ایک انچ بھی پیچھے
ہٹتے ہوئے نہیں دیکھا۔

سرکارِ دو عالم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوری شجاعت، دلیری اور بہادری کے ساتھ
لشکرِ کفّار کے سامنے اپنے مرکزی مقام پر پورے استقلال اور عزم کے ساتھ
ثابت قدم رہے۔

کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کوئی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کے گرد اکٹھی ہو جاتی اور کبھی وہ جماعت مشرکینِ مکّہ کے ساتھ لڑتے لڑتے بہت
دور نکل جاتی تھی۔

کئی دفعہ میں نے دیکھا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دشمنوں کی طرف پتھر پھینک کر
اُن کو اپنے سے دُور رکھ رہے ہوتے تھے اور کبھی بہ نفسِ نفیس اپنی کمان سے تیر اندازی

کر رہے ہوتے تھے۔
جنگ کے اُن مشکل ترین لمحات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کئی جگہ زخم بھی آئے لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پورے صبر، وقار اور عظمت کے ساتھ غیر متزلزل انداز میں اپنی جگہ پر ثابت قدم اور قائم رہے، یہاں تک کہ مشرک حملہ آوروں کا زور ٹوٹ گیا اور اُن کی جانب سے بار بار کیے جانے والے حملے بالآخر بند ہو گئے۔(1)
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ دلیری و دِلاوری، استقلال واستقامت اور حوصلہ و ولولہ اپنی اُمت کی رہبری اور راہنمائی کے لیے تا ابد مشعلِ راہ بن گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جس سا شہ زور کوئی بھی پیدا نہیں
جس کا مثل اور عالم میں دیکھا نہیں
جس سے بڑھ کر ہمارا سہارا نہیں
جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

1۔الطبقات الکبریٰ لابن سعد:32/2۔شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ:417/2

عروہ بن مسعود ثقفی اور صلح حدیبیہ

قریشِ مکّہ کے لیے یہ بات پریشانی کا باعث بن چکی تھی کہ ان کی طرف سے جس شخص کو بھی سفیر بنا کر حدیبیہ بھیجا جاتا ہے، وہ (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مذاکرات کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متوازن موقف کو فوراً صحیح تسلیم کر لیتا تھا، جس سے سردارانِ مکّہ اُس سے جھگڑا کرنے لگتے اور اُسے سخت سُست کہنے لگتے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر قریش کے حلیف، طائف کے مردِ دانا اور مجلس دارلندوہ کے اہم ترین رکن سردار عروہ بن مسعود ثقفی نے اہلِ مکّہ سے کہا کہ:

میں دیکھ رہا ہوں کہ جو بھی اس مسئلے پر گفت وشنید کرنے کے لیے حدیبیہ جاتا ہے تو پھر وہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے موقف کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اُن کا ترجمان بن کر واپس آتا ہے۔ اس پر تم لوگ اُس سے بدکلامی اور خفگی سے پیش آتے ہو۔

عروہ بن مسعود نے ان سے مزید کہا:

اے برادرانِ قریش!

تم میرے عزیز ہو اور اہلِ مکّہ میرے خلوص کو بھی بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔ جب کبھی آپ لوگوں کو کوئی مشکل مرحلہ درپیش ہوتا ہے تو میں اپنے خاندان اور اپنی قوم کے جانبازوں کو لے کر فوراً آپ لوگوں کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ میری تمام زندگی تمھاری نظروں کے سامنے گزری ہے۔ کیا میں نے کبھی کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے تمھارا اعتماد مجروح ہوا ہو یا تم لوگوں کی توقعات کو میں نے پورا نہ کیا ہو؟

قریش نے کہا:

آپ کی کہی ہوئی تمام باتیں بالکل برحق ہیں۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ آپ ایک باعزت، بااعتماد اور باوقار شخص ہیں۔

تب عروہ نے کہا:

اگر میں خود حدیبیہ جاؤں اور (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس مسئلے پر بات کروں اور مصالحت کا کوئی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کروں تو کیا تم مجھے اس کا اختیار دیتے ہو؟

قریش نے یقین دلایا کہ:

ہمیں آپ کی دانائی، فراست اور سفارت کاری پر پورا اعتماد ہے۔ آپ جائیں اور بات چیت کے

ذریعے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

عروہ بن مسعود ثقفی ایک وجیہ، زیرک، جہاں دیدہ اور فنِ گفت گو سے آشنا شخص تھا۔ وہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو اس نے ایک ماہر سفارت کار کی طرح بڑا سلجھا ہوا انداز اختیار کرتے ہوئے بات چیت کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے اس نے جماعتِ قریش کی دھاک بٹھانے کے لیے اُن کی قوت وطاقت اور اگر جنگ ہوتی ہے تو اُس صورت میں ایک بڑی تباہی کا خوف ناک نقشہ کھینچا تا کہ مسلمان خوف زدہ ہو جائیں۔ پھر اہلِ ایمان کو نفسیاتی طور پر دباؤ میں لانے اور اُن کے عزم کو کمزور کرنے کے لیے اُس نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے متفرق قبیلوں اور مختلف نسلوں کے معمولی اور بے وقعت لوگ اپنے ساتھ ملا لیے ہیں۔ ان فاقہ زدہ اور بے سروسامان لوگوں کا لشکر لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی قوم کا مقابلہ کرنے کے لیے آ گئے ہیں۔ یہ غیر معروف لوگ نا قابلِ اعتماد ہیں۔ میں تو ان کے حسب نسب کو بھی نہیں جانتا، بلکہ یہاں میں نے کسی معزز خاندان کا کوئی فرد نہیں دیکھا اور نہ مجھے ان میں کوئی بہادر اور جاں نثار نظر آ رہا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اِدھر اُدھر کے لوگوں پر بھروسا کرتے ہوئے اپنے ہی آبائی وطن پر یلغار کرنے آ گئے ہیں۔ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ہی شہر کو تباہ و برباد اور ویران کرنے کا ارادہ کر لیا ہے؟

جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قبیلہ اور پورا خاندان آباد ہے۔ جناب! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ بتا سکتے ہیں کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنگ کا راستہ اختیار کیا اور ایک بڑی خون ریزی اور قتل و غارت کے بعد اپنی قوم کا کام تمام بھی کر دیا تو کون اسے بڑا اچھا کارنامہ کہے گا؟ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے پہلے عرب کی کسی بڑی شخصیت کے متعلّق ایسی بات سنی ہے کہ اس نے اپنی ہی قوم کو تباہ و برباد اور رسوا کر دیا ہو؟

اگر جنگ شروع ہو جاتی ہے تو کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں جانتے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مقابلہ ان لوگوں سے ہو گا جو دبنے والے نہیں اور اپنی آن پر کٹنا اور مرنا جانتے ہیں۔ اُنھوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جنگ کی پوری تیاری کر لی ہے اور قسم کھائی ہے کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مکّہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، بلکہ اردگرد کے قبائل بھی سردارانِ قریش کی حمایت میں مکّہ پہنچ گئے ہیں۔

اب ان مشترکہ لشکروں کے لڑاکا بہادروں کی تعداد اور قوت اسلامی لشکر کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ اگر جنگ شروع ہو گئی تو بڑی قتل و غارت ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لشکر کو اس جنگ کے خوف ناک نتائج بھگتنا پڑیں۔ اگر لڑائی نے رنگ بدلا اور اسلامی لشکر قریش کے جوابی حملوں کی تاب نہ لا سکا تو یقین کریں اُس مصیبت کے وقت اِدھر اُدھر سے

اکٹھے کیے ہوئے یہ بے حیثیت، غیر ذمّے دار اور بے وفا لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تنہا چھوڑ کر میدانِ جنگ سے اپنی جانیں بچا کر بھاگ کھڑے ہوں گے، پھر یہ بھگوڑے پیچھے مُڑ کر بھی نہیں دیکھیں گے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشست کے پیچھے مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہوئے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مذاکرات کی مجلس میں ہونے والی یہ تمام گفت گو بڑے غور سے سن رہے تھے۔ جب عروہ بن مسعود نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے وفائی کا ذکر کیا تو عروہ کے یہ توہین آمیز الفاظ مسلمانوں کو بہت گراں گزرے، حتیٰ کہ انتہائی معتدل مزاج، نرم خُو اور بردبار طبیعت کے مالک سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی یہ اشتعال انگیز اندازِ گفت گو برداشت نہ کر سکے اور طیش میں آ گئے۔ اُنھوں نے انتہائی غصّے کے عالم اور سخت ترین لہجے میں سردار ثقیف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

او بے ہودہ انسان!

اپنی اس بکواس کو بند کر!

تُو نے یہ کس قدر احمقانہ، نامناسب اور ناقابلِ قبول بات کہہ دی ہے کہ ہم غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشکل وقت میں اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ تجھے کیا معلوم کہ فرزندانِ اسلام اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہمیں اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ تجھے یاد ہونا چاہیے کہ ہم تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مکّہ ہی نہیں، مکّہ کی جائیدادیں اور بیوی بچے تک چھوڑ کر آ گئے تھے۔

اے بے وفا سردار!

اگر تُو نے کسی سے وفا کی ہوتی تو تجھے اس بات کا علم ہوتا کہ کس طرح ہم نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اپنی وفاؤں کو نبھایا ہے۔ اگر تُو جنگِ بدر یا جنگِ اُحد میں موجود ہوتا تو تجھے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کے عشق، اُن کی جاں نثاری اور فدا کاری کا اندازہ ہو جاتا اور تُو اس طرح کی بیان بازی نہ کرتا۔

اے عقل سے عاری انسان!

اگر تُو سفیر نہ ہوتا تو میں تیری اس ہرزہ سرائی اور فضول گوئی پر

تیری گردن تیرے جسم سے جدا کر چکا ہوتا۔

عروہ ایک بڑا سردار تھا۔ اُسے اتنے سخت ردِ عمل کی توقع نہیں تھی۔ اُس نے اس توہین کو محسوس کیا اور پھر پریشان ہو کر پوچھنے لگا:

یہ شخص کون ہے؟

آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

یہ ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ معلوم کرنے کے بعد عروہ بولا:

قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ دراصل میری گردن پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بہت زیادہ احسانات ہیں اور میں اب تک اُن کی نیکیوں کا بدلہ نہیں چکا سکا، اگر اُن کے یہ احسانات رکاوٹ نہ ہوتے تو میں بھی اُن کی تلخ گفتاری کا جواب تلخ کلامی سے ہی دیتا۔(1)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے غیر معمولی انداز اور سخت لہجے میں دیا گیا جواب اتنا برموقع اور باکمال تھا کہ عروہ کا مزاج چند ہی لمحوں میں بالکل درست ہو گیا اور اس کا سارا غرور اور اکڑ ختم ہو گئی۔ جو مسلمانوں کو مرعوب کرنے آیا تھا، اب خود مرعوب ہو چکا تھا اور یوں بنو ثقیف کے سردار کو قریش کی فوج، جنگی صلاحیت اور تعداد بتا کر مسلمانوں کو دباؤ میں لانے کی حکمتِ عملی میں قطعی طور پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس نے دوبارہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ مذکرات کے آغاز میں درخواست کا انداز اختیار کیا اور عرب روایات کے مطابق ریش مبارک کو بار بار ہاتھ لگانے لگا۔ بلند قامت اور مضبوط جسم والے مغیّرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ جو آں حضور ﷺ کے پیچھے مودب کھڑے تھے، ان کو عروہ کا اس طرح بات کرنے کا انداز رسالت مآب ﷺ کے ادب و احترام کے منافی لگا۔ عروہ نے جب ایک دفعہ پھر اپنا ہاتھ ریش مبارک کی طرف بڑھایا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی یہ حرکت برداشت نہ ہو سکی۔

اُنھوں نے نہایت غضب ناک انداز میں اپنی تیز دھار تلوار کی نوک سے عروہ کے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا:

عروہ!

تمھیں معلوم ہونا چاہیے!

تم رسُول اللہ ﷺ سے بات کر رہے ہو،

خبردار!

اب بات چیت کے دوران یہ ناپاک انداز اختیار نہ کرنا،

وگرنہ تمھارا یہ بڑھا ہوا ہاتھ واپس نہیں جائے گا۔

عروہ نے کہا:

تم پر تباہی ہو۔

1۔ بخاری۔ رقم الحدیث: 2731

تم کس قدر سخت اور کرخت ہو۔

پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

یہ کون ہے؟

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متبسم لہجے میں فرمایا:

یہ تیرا بھتیجا مغیرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عروہ سے بھی وہی بات کہی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے آنے والے سفیروں سے فرما چکے تھے، فرمایا:

قریش سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہم لوگ لڑنے کے لیے یہاں نہیں آئے۔ ہم تمام معاملات کو امن و امان اور صلح و آشتی سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر صرف بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ ادا کرنا ہے اور یہ تو باقی تمام عرب کی طرح ہمارا بھی حق ہے۔

اے عروہ!

ہماری طرف سے قریش کو یقین دہانی کرادیں کہ ادائے عمرہ کے بعد ہم مدینہ واپس چلے جائیں گے۔

عروہ ایک حقیقت شناس اور جہاں دیدہ سردار تھا۔ اس نے بات چیت کے دوران مجلسِ نبوی کے آداب و احترام، حُسنِ عقیدت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری، فدائیت، ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی اور صدق و اخلاص کے تعجب خیز مناظر دیکھے تو وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ اس ساری صورتِ حال سے متاثر ہو کر جب وہ واپس قریش کے پاس آیا تو جو کچھ اس کی نگاہوں نے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھا تھا، وہ عدیم المثال مناظر اُس نے قریش کو بھی دکھانے کی کوشش کی، چناں چہ اُن کے سامنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سحر انگیز شخصیت کے متعلّق اپنے احساسات، مشاہدات اور دلی کیفیت بیان کرتے ہوئے عروہ نے کہا:

اے برادرانِ قریش!

جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے مسلمانوں کے درمیان میں نے جس عقیدت و محبت، تعظیم و تکریم، عشق و وارفتگی اور عزم و ثبات کا حیرت انگیز مظاہرہ دیکھا ہے، اس طرح کی عظمت تو بڑے بڑے ذی شان بادشاہوں کے درباروں میں بھی نہیں دیکھی۔

اے میری قوم!

مجھے بارہا قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں وفد لے کر جانے کا موقع ملا ہے۔ مجھے اُن درباروں کے رنگ ڈھنگ، شان و شوکت اور ان کے اندازِ حکمرانی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے ہاں بھی یہ منظر نہیں دیکھا کہ وہ اپنی قوم

میں اتنا معزز اور محترم مقام رکھتا ہو جتنا ادب و احترام، اعزاز و اکرام اور والہانہ عقیدت جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھی ان کے ساتھ رکھتے ہیں۔ وہ حقیقی معنوں میں اپنے ''صاحب'' کے جاں نثار اور ان پر دل و جان سے فدا ہیں۔ وہ جب بھی کسی چیز کا حکم دیتے ہیں تو اُن کے جاں نثار رفیق اس حکم کی تعمیل کے لیے فوراً دوڑ پڑتے ہیں، حتّیٰ کہ بزرگ ترین رفقا بھی حکم کی بجا آوری میں سبقت لے جانے میں فخر اور سعادت محسوس کرتے ہیں۔

جناب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب وضو فرماتے ہیں تو اُن کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی نیچے نہیں گرنے دیتے اور حصولِ برکت کے لیے پانی کے اُن قطروں کو اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتے ہیں۔ کنگھی کرتے ہوئے کوئی بال گرتا ہے تو اُن کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی عقیدت کا یہ حال ہے کہ اُن میں سے ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ تبرک اُس کے حصے میں آئے، پھر وہ خوش نصیب اُس بال کو بڑی تعظیم و اخلاص کے ساتھ خوشبو میں معطر کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہے۔ حصولِ ثواب کے لیے لوگ اُن کی معمولی سی خدمت کا موقع ملنے کے منتظر رہتے ہیں۔

جب پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گفت گو کر رہے ہوں تو اُن کے وقار اور عظمت کی وجہ سے ہر طرف سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو دوسرے سے بات کرنی بھی ہو تو آدابِ محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت دھیمی آواز میں بات کرتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کے دلوں میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے اتنی زبردست عظمت اور تعظیم و توقیر ہے کہ کوئی شخص آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف بھرپور نظروں سے نہیں دیکھتا، بلکہ سب لوگ حد درجہ احترام و اکرام کرتے ہوئے تعظیماً اپنی نظریں نیچی رکھتے ہیں۔ سچ کہتا ہوں، ایسی بے پناہ عقیدت رکھنے والے یہ بہادر لوگ اپنے ''صاحب'' کے قدموں پر جان تو دے دیں گے مگر ان کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑیں گے، جب کہ تم لوگ بغیر کسی نصب العین کے ایک باطل اور بے مقصد جنگ لڑ رہے ہو۔

اے اہلِ مکّہ!

حقیقت یہ ہے کہ اِن لوگوں کے مقابلے میں تمھارا فتح یاب ہونا ممکن نظر نہیں آتا، کیوں کہ تمھارا مقابلہ اپنی قوم میں بلند ترین شان اور ایک معزز ترین مقام رکھنے والی شخصیت اور ان کے جاں نثاروں، جاں بازوں اور فدا کاروں پر مشتمل ایک منظم تنظیم اور انقلابی جماعت سے ہے۔ آگے تم لوگ اپنی رائے خود قائم کر لو۔

اے برادرانِ قریش!

ان تمام معاملات کو حل کرنے کے لیے مسلمانوں کا رویّہ کافی مصالحانہ ہے۔ اس لیے میرا ایک بار پھر

مشورہ ہے کہ ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنے ارادوں اور فیصلوں پر دوبارہ غور کرلو، کیوں کہ میں ایک ایسا لشکر دیکھ کر آرہا ہوں جس کا ہر فرد شجاعت و مردانگی اور ایثار و محبت کا پیکر نظر آتا ہے۔ اُن کے جذبوں کو دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم ان پُرعزم لوگوں پر کبھی غلبہ نہ پاسکو گے جو اپنے ''صاحب'' پر اپنی جانیں قربان کرنے اور اپنی گردنیں کٹوانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

اے قومِ قریش!

بے شک جناب محمد (ﷺ) نے تمھارے سامنے ایک پسندیدہ اور مناسب تجویز اور بھلائی کا ایک بہترین پیغام بھیجا ہے کہ وہ اور اُن کے ساتھی عمرہ کے بعد فوراً واپس چلے جائیں گے۔ میرا آپ لوگوں کو یہی مشورہ ہے کہ خیر سگالی، دانائی اور مصلحت کی اس بات کو قبول کر کے کوئی سمجھوتا کرلو اور مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے نہ روکو۔

اگر تم ہر قیمت پر مخالف راستہ اختیار کرنے کا ارادہ کر چکے ہو تو پھر مجھے ڈر ہے اس کی پاداش میں کہیں تم پر عذابِ الٰہی نازل نہ ہوجائے۔ اس لیے کہ صدیوں سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ دشمنوں کو بھی بیت اللہ شریف میں داخلے سے نہیں روکا جاتا۔

میں تمھارا خیرخواہ ہوں اور تمام صورتِ حال کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نصیحت کررہا ہوں کہ تم لوگ اپنے موقف پر ایک بار پھر غور کرلو اور لشکرِ اسلام کو زیارتِ کعبہ شریف اور ادائے عمرہ سے نہ روکو!

افسوس کہ عمائدینِ قریش نے عروہ بن مسعود کے اخلاص پر مبنی ان مشوروں اور صلح جوئی کی تمام کوششوں کو قبول کرنے سے یک سر انکار کردیا۔ اس پر وہ دل برداشتہ ہوکر اپنے ساتھیوں سمیت طائف واپس چلا گیا۔(1)

دیکھے ہزار چشمِ بد، مٹ نہ سکے گی تا ابد
تیری مہک تیری شمیم، تیرا چمن ، تیری بہار

1۔ بخاری۔ رقم الحدیث:32-2731

تاثرات حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ

اُحد کے دن لشکرِ اسلام میں شامل چند افراد کے غلط فیصلے کی وجہ سے جو تھوڑی بہت کامیابی قریشِ مکّہ کو حاصل ہوئی تھی، اُس پر قریش کے سپہ سالار اور سربراہ سردار ابوسفیان نے بڑے طمطراق کی کیفیت میں اسلامی لشکر کو آئندہ سال بدر کے مقام پر ایک اور جنگ لڑنے کا چیلنج دے دیا۔

چناں چہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانِ مبارک پر عمل کرتے ہوئے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لشکرِ قریش کے قائد کی جانب سے دی گئی دعوتِ مبارزت کے جواب میں کہا:

ابوسفیان!

ہمیں تمھارا چیلنج قبول ہے اور تجھ سے ہمارا وعدہ ہے کہ اگلے سال تمھاری فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم بدر کے میدانِ جنگ میں وقتِ مقررہ پر موجود ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

اُحد سے واپسی کے وقت دونوں طرف سے گرما گرم مکالمات کا تبادلہ تو ہو گیا لیکن جوں جوں بدر کے میدانِ کارزار میں مقابلے کی تاریخ قریب آنے لگی تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سردار ابوسفیان کے ارادے میں کمزوری اور نیت میں نااستواری صاف نظر آنی شروع ہو گئی ہے، چناں چہ اُس نے اپنی اس ذہنی پریشانی کے حل کے لیے سفارت کاری کی حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک جناب نعیم بن مسعود سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے، اس معاملے کے حل کے لیے کوئی ایسی تدبیر اختیار کرو کہ ہماری عزت بھی رہ جائے اور لشکرِ اسلام کے ساتھ ٹکراؤ اور مقابلے کی نوبت بھی نہ آئے۔

سردار ابوسفیان کے ساتھ معاوضے کے معاملات طے ہو جانے کے بعد نعیم بن مسعود جب مدینہ پہنچے تو اُنھوں نے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اپنے پراپیگنڈے کے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ وحشت ناک افواہ پھیلانی شروع کر دی کہ:

سردار ابوسفیان نے بہت سے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور وہ زبردست تیاری، عظیم الشان مسلح طاقت اور عرب کے نامور بہادروں پر مشتمل ایک لشکرِ جرار کے ساتھ بدر کے میدانِ کارزار میں پہنچ رہا ہے، تو اس صورت میں اگر جنگ ہوئی تو پھر اسلامی لشکر میں شامل کسی بھی فرد کے خیر و عافیت کے ساتھ واپس آنے کا کوئی امکان نہیں۔

افواہیں پھیلانے اور بات کو مبالغے کی حد تک بڑھا چڑھا کر پیش کرنے والے نعیم بن مسعود کی اِس تشہیری مہم سے متاثر ہو کر اہلِ مدینہ کی اکثریت آنے والی جنگ کے متعلّق تشویش اور فکرمندی کا اظہار کرنے لگی، بلکہ اس

کیفیت کے حامل کچھ افراد نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوکر دبے لفظوں میں یہ تجویز پیش کی کہ: اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مناسب سمجھیں تو بدر کے میدانِ کارزار تک جانے کا ارادہ ترک فرمادیا جائے۔

جب کہ دُوسری طرف جراَتِ ایمانی کے پیکر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس تجویز کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کہ:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

ہم نے سردار ابوسفیان کی اس دعوتِ مبارزت کو قبول کیا تھا کہ لشکرِ کفار

کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم بدر کے میدانِ جنگ تک ضرور پہنچیں گے۔

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

اللہ ربُّ العزت اپنے پسندیدہ دین اسلام کو ہر میدان میں غلبہ عطا فرمائے گا

اور وہی اپنے نبی علیہ السلام کی عزت واحترام اور وقار کی حفاظت بھی فرمائے گا۔ان شاءاللہ!

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے معتمد اور قریب ترین رفقا کی اس حوصلہ مندی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اُس ذات بابرکات کی قسم!

جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے،

میں اپنے وعدے کی پاس داری اور ایفائے عہد کے لیے

دشمنوں سے لڑنے بدر کے میدانِ جنگ تک ضرور جاؤں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ اعلانِ جراَت واستقامت دیکھ کر جاں نثارانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دِلوں میں ناقابلِ شکست جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت پیدا ہوگیا، چناں چہ مدینہ کے اس پُرجوش ماحول میں مسلمانوں کا حوصلہ اور ہمت کو توڑنے کے لیے نعیم بن مسعود کا بے بنیاد جھوٹ، ناکارہ اور چالاکی پر مبنی پروپیگنڈا بھی اپنی موت آپ مرگیا اور بالآخر وہ ناکام ونامراد ہوکر اپنے گھر واپس چلا گیا، جب کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لشکرِ کفار سے نمٹنے کے لیے پندرہ سو سرفروشانِ اسلام کو ساتھ لے کر بدر کے شہرۂ آفاق میدانِ کارزار کی جانب پیش قدمی فرمائی۔(1)

دُوسری طرف سردار ابوسفیان جب بوجھل دل، ناپختہ عزم اور متزلزل ارادے کے ساتھ اپنے لشکر کو لے کر مکّہ سے روانہ ہوئے تو میدانِ بدر کی جانب پیش قدمی کرنے والے ہر قدم کے ساتھ اُن کی ہمت جواب دیتی چلی گئی۔ انجام کار لشکرِ قریش اور اُس کے سپہ سالار دونوں حوصلہ ہار بیٹھے، لہٰذا سردار ابوسفیان اور اُن کے قریبی ساتھیوں نے آپس میں ایک مختصر سے مشورے کے بعد خشک سالی اور جانوروں کے لیے چارے کی قلت کا بہانہ بنا کر بدر کی

1۔ کتاب المغازی للواقدی: 1/87-385

رزم گاہ کی جانب سفر جاری رکھنے کی بجائے بے نیل و مرام مکّہ واپس جانے کا اعلان کر دیا۔

آٹھ روز تک میدانِ بدر میں قیام کرنے کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں شان دار کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے لشکرِ اسلام کی مدینہ منورہ میں آمد بڑی شان وشوکت، عظمت و وقار اور فاتحانہ انداز میں ہوئی۔

چوں کہ کم ہمت سردارنِ قریش کی جانب سے دی گئی دعوتِ مبارزت کے مطابق بدر کے میدانِ جنگ میں پہنچنے کی بجائے عافیت کا راستہ اختیار کیا گیا، لہٰذا مکّہ کے نام نہاد بہادروں کے اس متزلزل عمل سے پورے عرب میں یہ تاثر اُبھرا کہ:

یہ تو ناقابلِ تسخیر سمجھے جانے والے قریش کی کھلی شکست ہے۔

یوں ریاستِ مدینہ کی جانب سے اس مستحکم جنگی طاقت کے عظیم الشان مظاہرے اور حالات پر گرفت مضبوط ہونے کا تاثر دینے سے اردگرد کے دشمن قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گل ہائے عقیدت پیش کرنے والے نامور شاعر اور بیعتِ عقبہ میں شامل مدینے کے معزز سردار عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے اسلامی ریاست کا مقام ومرتبہ بلند کرنے والی اس اعلیٰ ترین کارکردگی پر اپنے دِلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ اشعار پیش کیے:

لشکرِ کفار کے بے جا فخر وافتخار کا اظہار کرنے والے سپہ سالار ابوسفیان کی
جانب سے دی گئی دعوتِ مبارزت کے بعد اُحد میں ہمارا اُس کے ساتھ
یہ عہد وپیمان ہوا تھا کہ دونوں طرف کی مسلح افواج ایک خون ریز جنگ
کے لیے اگلے سال بدر کے میدانِ کارزار میں پہنچیں گی لیکن جب
امتحان کا وقت قریب آیا تو سب نے دیکھا کہ مکّہ کے سردار تو حوصلہ ہار بیٹھے ہیں۔
میں اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر سرداران قریش اُحد
کے دن کیے گئے اپنے قول وقرار پر پورا اُترتے اور بدر کی رزم گاہ میں ایک
خون ریز مقابلے کے لیے پہنچ جاتے تو پھر یقیناً وہ اپنے عم زاد بھائیوں، قرابت داروں
اور بہت سے عزیز دوستوں کو کھو بیٹھتے۔

ہم تو وہ بہادر ہیں جنھوں نے بدر کے دن عتبہ، اُس کے بیٹے اور بھائی کی لاشوں
کو اندھے کنوئیں میں پھینک دیا تھا اور وہ بھی ایک عبرت ناک منظر تھا جب ہم
نے ابوجہل کی گردن کو کاٹ ڈالا تھا اور اُس کی تڑپتی ہوئی لاش میدانِ جنگ میں
بے گور وکفن پڑی تھی۔

یہ انجام تھا اُس خود پسند سردار کا جس نے اللہ اور اُس کے

رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا۔
کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم لوگوں نے بُت پرستی کا مذہب اختیار کیا ہوا ہے۔
دیکھو!
یہ بُتوں کی پرستش تو کھلی گمراہی اور سرکشی کا راستہ ہے
اور ایک غیر دانش مندانہ عقیدہ اور قابلِ مذمت عمل ہے۔
اب تم لوگ چاہے مجھے کتنا ہی بُرا بھلا کہو لیکن میں اس بات کی آگاہی
تم لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ میری جان، مال اور اولاد سب کچھ
صرف اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہونے کے لیے ہے۔
ہم نے دِل کی گہرائیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعابعت، پیروی اور فرماں برداری اختیار کی ہے،
اس لیے کہ اس پوری کائنات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقید النظیر، جامع الصفات،
جلال وعظمت میں یکتا و یگانہ اور اپنی مثال آپ ہیں۔
ہمارے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تاریک راتوں میں راہنمائی فرمانے
اور سیدھا راستہ دکھانے والے ایک تابندہ و درخشندہ روشن ستارے جیسی ہے۔(1)

وہ دانائے سبل ختم الرّسل مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سِینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

1۔السیرۃ النبویہ لابن ھشام:209/2

ایک معزز خاتون کے تاثرات

''ربذہ'' سے آنے والے ایک تجارتی قافلے نے مدینہ کے نواح میں آکر پڑاؤ ڈالا۔ اتفاق سے اُس دن اللہ کے حبیب رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کے خیموں کے قریب سے گزر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن لوگوں کے پاس ایک عمدہ سُرخ اُونٹ دیکھا۔ اُس کی قیمت دریافت کرنے پر اُونٹ کے مالک نے جو قیمت بتائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بغیر کسی کمی بیشی کے اُسی قیمت پر اُونٹ کو خریدنا منظور کرتے ہوئے قافلے والوں سے فرمایا:

میں یہ اُونٹ اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں اور جو قیمت آپ کے ساتھ طے ہوئی ہے،
وہ رقم اپنے خادم کے ہاتھ ابھی آپ کو بھیج دی جائے گی۔
آپ لوگ اطمینان رکھیں۔

جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُونٹ لے کر شہر کی جانب روانہ ہو گئے تو قافلے والوں کو خیال آیا کہ یہ ہم کیا کر بیٹھے ہیں کہ جن کے ساتھ ہمارا پہلے سے نہ کوئی تعارف ہے،
نہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا نام جانتے ہیں اور نہ ہی ہمیں اُن کے گھر کا اتا پتا معلوم ہے۔
بغیر کسی جان پہچان کے اتنے قیمتی اُونٹ کی مہار ایک اجنبی مہمان کے ہاتھ میں کیوں دے دی!
وہ لوگ بار بار اس بات پر افسوس اور پچھتاوے کا اظہار کر رہے تھے۔

اُن کی اس پریشانی اور اضطراب کو دیکھ کر قافلے کے سردار کی نیک دل اہلیہ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

آپ لوگ اِس قدر فکرمند کیوں ہو رہے ہیں۔
اُس بردبار، تحمل مزاج اور خوش کلام شخصیت کا پُرشکوہ اور کرم فرما چہرۂ مبارک
تو چودھویں رات کے چاند سے بھی زیادہ درخشاں، تابندہ اور روشن تھا۔
میرا دل کہتا ہے کہ ایسی عالی وقار، صاحبِ عظمت اور متبسّم چہرے والی ہستی
تمھارے ساتھ طے شدہ معاہدے کے مطابق ہی معاملہ فرمائے گی۔
میں تم لوگوں کے مزید اطمینان کے لیے خود اُونٹ کی قیمت ادا کرنے کی ضمانت دیتی ہوں۔

اُس قافلے میں شامل ایک فرد طارق بن عبداللہ بیان کرتے ہیں:

ابھی ہم اُس گرامی قدر شخص کی راہ دیکھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اپنا تعارف اِن الفاظ میں کرانے لگا:

میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خادم ہوں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُونٹ کی طے شدہ قیمت کے علاوہ
قافلے میں شریک تمام افراد کے لیے کھانا بھیجا ہے۔
کھانا تیار کرنے میں تھوڑی دیر ہوگئی تھی،
اس کے لیے آپ لوگ ہماری معذرت قبول فرمائیں۔

دُوسرے دن اُس تجارتی قبیلے کے تمام افراد نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔(1)

سبحان اللہ!

زندگی تو نے اپنا لیا ہے ہمیں
اور کیا ہم کو اس کے سوا چاہیے
مل گئی دولت عشقِ شاہِ امم
ہم غلاموں کو اب اور کیا چاہیے

1۔دلائل النبوۃ للبیہقی:5/381-82

تاثرات مالک بن عوف

فتح مکّہ کے فوری بعد ہونے والی جنگِ حنین میں ہوازن قبائل کا سالارِ اعلیٰ مالک بن عوف، اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے اور اُن کی روز بروز بڑھتی ہوئی فوجی قوت کو تاخت و تاراج کرنے کا عزم لے کر بارہ ہزار لڑاکا فوجیوں کے ساتھ لشکرِ اسلام پر حملہ آور ہوا لیکن سالارِ اعظم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال سربراہی، شجاعت، دلیری، دلاوری اور جنگی حکمتِ عملی کی بدولت ہوازن کا یہ نام نہاد بہادر بدترین شکست کھانے اور ذلّت آمیز ہزیمت اُٹھانے کے بعد پناہ کی تلاش میں سیدھا طائف کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔

جنگ ختم ہونے کے کئی دنوں بعد جب بنو ہوازن کا ایک نمائندہ وفد اپنے جنگی قیدیوں کی رہائی کے لیے ایک عاجزانہ درخواست کے ساتھ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا تو دورانِ گفت گو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارکانِ وفد سے دریافت فرمایا:

تمھارا سردار مالک بن عوف کہاں ہے؟

وفد کے ارکان نے عرض کیا:

ہماری اطلاعات کے مطابق مالک بن عوف اہلِ ثقیف کی حفاظت اور پناہ میں ہے اور وہ اس وقت بنو ثقیف کے سرداروں کے ساتھ مکمل تعاون کر رہا ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آپ لوگ اپنے سردار تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ ہمیں اس کے ساتھ ہمدردی ہے۔ وہ ہر قسم کا خوف اپنے دل سے نکال دے اور اسلام قبول کرنے کے لیے ہمارے پاس آجائے۔ ہم اس کے ساتھ احسان اور کرم کا ارادہ رکھتے ہیں، ہم نہ صرف اس کا مال و متاع اُس کے سپرد کر دیں گے اور اس کے اہل و عیال کو بھی نہایت احترام کے ساتھ واپس گھر بھیج دیں گے، بلکہ اُس کی دل جوئی کے لیے اسے مزید سو اُونٹ بھی عطا فرمائیں گے۔

میدانِ کارزار میں ناکامی کا منہ دیکھنے والے مالک بن عوف کو جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے عفوو درگزر، کرم فرمائی اور فیاضانہ پیش کش کی خبر ملی تو اپنے مستقبل سے پریشان مالک بن عوف اپنے میزبانوں کو اعتماد میں لیے بغیر انتہائی رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں طائف سے نکلا اور تیز رفتاری کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔

اس کی آمد پر رسُولِ کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ کوئی تلخ و ترش بات نہیں کی بلکہ بنو ہوازن کے اس شکست خوردہ جنگ جُو کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ دی اور جب وہ بہ رضا و رغبت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہونے کا شرف حاصل کر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسبِ وعدہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو خطاب کر کے فرمایا:

آج سے ابنِ عوف آپ کا بھائی ہے۔
اس کا نہ صرف کُل سرمایہ اور مال ومتاع اس کو واپس کر دیا جائے،
بلکہ اس کے اہل وعیال کو بھی خیریت، عافیت اور عزت و احترام کے
ساتھ گھر واپس بھیجنے کا انتظام کیا جائے اور اس کو سو اُونٹ مزید عطا کرنے
کا جو وعدہ ہم نے کیا تھا، اُسے بھی پورا کر دیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید شفقت ومہربانی فرماتے ہوئے اُسے اپنی قوم کے علاوہ نصر، ثمالہ، سلمہ اور فہم قبائل کا سربراہ بھی مقرر فرما دیا۔ مالک رضی اللہ عنہ بن عوف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ سلوک، خلقِ عظیم اور کرم نوازی کو دیکھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش میں فی البدیعہ یہ نعتیہ اشعار کہے۔

اپنی نعت میں اُنھوں نے رحمۃ للعالمین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت، سخاوت، شفقت اور مہربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا:

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا شفقت ومحبت ہیں لیکن میدانِ کارزار میں
جب وہ ایک باوقار بہادر کی طرح لڑتے ہوئے نظر آتے ہیں تو پھر ہمیں
یقین ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی سب سے الگ، منفرد اور عظیم الشان
ہستی کے مالک ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے مقابلہ کرنے والے
طاقت ور حریف اور پیچھے نہ ہٹنے والے سخت جان سپہ سالار، میں نے زندگی میں
نہ کبھی دیکھے، نہ سنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالمِ کائنات کے تمام انسانوں میں یکتا،
افضل اور اکمل نظر آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے اچھے اخلاقِ عالیہ کے مالک
اور اپنے وعدوں کو پورا فرمانے والے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے فیاض اور کریم ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بخشش اور عطا کی
درخواست کی جائے تو انعاماتِ کثیر سے مالا مال فرما دیتے ہیں۔
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ بصیرت کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی چاہے تو وہ آنے
والے کل کی بات یا مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی بھی خبر دے دیتے ہیں۔

قبیلہ بنو ہوازن کا عالی مرتبت سردار، عرب کا مایہ ناز جنگ جو اور مختلف قبائل کے مشترکہ لشکر کا سالارِ اعلیٰ مالک بن عوف، ایک شعلہ بیان خطیب اور مایہ ناز شاعر بھی تھا مگر آج وہ بہادروں کا بہادر، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے عجز وانکسار کی تصویر بنا ندامت سے سر جھکائے ایک غلام کی حیثیت سے کھڑا تھا۔

اس عاشقِ صادق نے جب ایک بار اللہ ذُوالجلال والاکرام کی وحدانیت اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی تصدیق کا اعلان کیا تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے ایک سچے اور مخلص مسلمان ثابت ہوئے۔

اُنھوں نے اپنی زندگی اللہ کے پسندیدہ دین کی خدمت کے لیے وقف کرتے ہوئے بڑے بڑے شان دار اور پُرشکوہ کارنامے انجام دیئے۔ خصوصاً اُنھوں نے بنوثقیف اور اردگرد کے بت پرست قبائل کے خلاف نہایت سخت اقدامات کیے جس کے نتیجے میں بہت جلد وادیِ طائف اور اردگرد کے تمام قبائل نے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرلیا۔

خوش بخت مالک رضی اللہ عنہ بن عوف کو جنگِ قادسیہ اور فتحِ دمشق میں بھی شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔(1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

ہم خاک تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اکسیر کر دیا
کتنا بڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا احسان ہو گیا
ہے اک نگار خانہ حیرت یہ نام بھی
جس کی نظر پڑی وہی حیران ہو گیا

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:491/2۔کتاب المغازی للواقدی:955/3۔المواھب اللدنیہ:396/1

تاثرات حضرت سائب بن قیس (سائب بن ابی سائب)

قریش کے سب سے معزز خاندان بنو ہاشم کے نو جوان جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب کی عمر مبارک تقریباً بیس سال کے قریب تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارت جیسے معزز پیشے کی جانب مائل ہوئے۔ زندگی کے اس اہم ترین فیصلے کے بعد جناب سائب بن قیس وہ پہلے شخص تھے جن کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تجارتی سرگرمیوں کا آغاز فرمایا۔ جناب سائب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حُسنِ کارکردگی، امانت، دیانت، صاف ستھرے اخلاق و عادات اور حساب و کتاب میں مکمل شفافیت جیسی اُصول پرستی سے بہت متاثر ہوئے، چناں چہ جب شراکت داری کا وہ کاروبار اپنے اختتام کو پہنچا تو جناب سائب بن قیس نے الوداعی ملاقات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

میں اپنے دل کی گہرائیوں سے اِس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اپنے کاروبار کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا غیر معمولی طور پر امانت دار، دیانت دار، قول کا پکا اور وعدے کا سچا دوسرا شریکِ تجارت نہیں مل سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے شریف اور نجیب ساتھی کی کمی مجھے ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ تجارت کاروباری حضرات کے لیے ایک مثالی نمونہ تھا۔

چناں چہ سائب بتاتے ہیں کہ:

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارتی سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیریت دریافت کرنے کے لیے فرداً فرداً اپنے عزیز و اقارب، دوستوں اور واقف کاروں کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ محسوس کرتے کہ کسی گھرانے کے حالات اچھے نہیں ہیں اور انھیں مالی اعانت کی ضرورت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منافع میں سے اُس خاندان کی مدد فرمادیا کرتے اور اگر کبھی تجارتی قافلے کے ساتھ ہم جاتے تو سفر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خوش آمدید کہتے، ہم سے سفر کے حالات اور خیر و عافیت دریافت فرماتے، پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایسے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافع کے متعلّق کوئی بات نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ کچھ دنوں بعد ہم خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر منافع کا حساب کتاب پیش کرتے اور ہم دونوں کے حصے میں جو بھی منافع آتا،

اُسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہایت خوش دلی سے قبول فرمالیا کرتے تھے۔

کسی تکرار، تضاد یا نزاع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ اجتناب فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درجات بلند فرمائے! (آمین)۔

یہی سائب فتح مکّہ کے بعد جب حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے لیے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

سائب بڑے سلجھے ہوئے شخص اور اُصول پرست تاجر ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

میں سائب کو تم لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہ میرے بڑے اچھے
دوست اور کاروبار میں میرے ساتھ شریک رہے ہیں۔

پھر سائب کو مخاطب کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اے سائب!

میں آپ کے مسلمان ہونے پر بے حد خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

میری آپ کو نصیحت ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی اچھی عادات
جاری رکھنے پر اور زیادہ توجہ دینا، مہمان نوازی کرنا، یتیم کی عزت کرنا،
اپنے عزیز و اقارب اور ہمسائیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنا۔
یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اِن اچھے اعمال کے صلے میں اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔(1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی
اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ
عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

سرکار کی سیرت سے جلا زیست نے پائی
سرکار کی یادوں سے منور ہوئے سینے
اخلاقِ پیغمبر نے یہ توفیق عطا کی
طے کرتے گئے لوگ مدارات کے زینے

1۔مسند احمد۔رقم الحدیث:15500۔الاصابہ:19/3

صفوان بن اُمیّہ

قبیلۂ قریش کے ایک بڑے سردار صفوان بن اُمیّہ کا شمار مکّہ کے طاقت وَر راہنماؤں میں ہوتا تھا۔شہر کے اس امیر ترین شخص کا پورا گھرانا سخاوت، فیاضی اور مہمان نوازی میں بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔اُس کا باپ اُمیّہ بن خلف جنگِ بدر کے اُن مقتولین میں شامل تھا جن کی لاشوں کو گھسیٹ کر اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا۔اپنے باپ کے اس عبرت ناک انجام کے بعد صفوان اَور بھی زیادہ شدّت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی پر اُتر آیا تھا۔اُس نے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کے لیے ایک معصوم صحابی رضی اللہ عنہ سیّدنا زید رضی اللہ عنہ بن دثنہ کو تنعیم کے مقام پر ایک بڑے ہجوم کے سامنے سولی پر لٹکا دیا تھا۔(1)

خالد بن ولید جب اسلام قبول کرنے کے عزم کے ساتھ مدینہ جا رہے تھے تو اُنھوں نے اپنے بہنوئی صفوان کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تو اُس نے جواب میں سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا:

اے خالد!

اگر سارا مکّہ بھی مسلمان ہوجائے تو میں پھر بھی مسلمان نہیں ہوں گا۔(2)

صفوان اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف عداوت رکھنے اور اُنھیں اذّیت پہنچانے میں دوسروں سے بہت آگے تھا،حتیٰ کہ اس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) شہید کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو مدینہ بھیجا تھا جو مدینہ جا کر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کریمانہ اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔(3)

فتح مکّہ کے دن خندمہ کے مقام پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد وہ قتل ہونے کے خوف سے مکّہ سے فرار ہو کر جدہ پہنچ گیا اور رُوپوشی اختیار کر لی،کیوں کہ اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بھی اُن دس خطا کاروں کی فہرست میں شامل ہے جن کے خون کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رائیگاں قرار دے دیا ہے۔

صورتِ حال کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اُس کے چچا زاد بھائی اور بچپن کے دوست حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن وہب نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان!

صفوان نے سزا کے خوف سے نہ صرف مکّہ چھوڑ دیا ہے،

بلکہ سمندر میں کود کر اپنے آپ کو غرق کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

1۔کتاب المغازی للواقدی:362/1　　2۔ایضاً:747/2　　3۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:662/1

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلند ترین مقام اور اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک ہیں۔

میری آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں نہایت مودبانہ التجا ہے کہ

اپنی شانِ کریمی سے صفوان کی تمام خطاؤں کو درگذر فرمائیں

اور اُسے بھی امان عطا فرما دیں،

کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر سرخ اور سفید کو معاف فرما دیا ہے،

جب کہ صفوان کا شمار اپنی قوم کے بڑے سرداروں میں ہوتا ہے۔

اللہ کے حبیب رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمیر رضی اللہ عنہ کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا کرتے ہوئے فرمایا:

عمیر رضی اللہ عنہ!

جاؤ! اور اپنے چچازاد کو بلا لاؤ!

بے شک وہ ہماری امان اور پناہ میں ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!

صفوان کی تسلّی کے لیے کوئی متبرک نشان عطا فرما دیں!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شانِ کریمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے امن کی نشانی کے طور پر اپنی چادر مبارک عطا فرما دی۔ تب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن وہب، صفوان سے ملاقات کے لیے جدّہ پہنچے۔ وہ اُس وقت سمندر کے راستے یمن جانے کے لیے بحری جہاز پر بیٹھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے صفوان سے واپس چلنے کے لیے کہا تو وہ واپسی کے فیصلے پر پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے بولا:

مجھے ڈر ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجھے دیکھتے ہی

میرے قتل کا حکم جاری فرما دیں گے۔

اس پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے زیادہ حلیم الطبع اور شفیق ہستی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑی سے بڑی غلطیوں سے درگزر فرمانے والے،

نہایت رحیم و کریم اور بدلہ لینے جیسی باتوں سے کہیں بلند

اور بالاتر مقام کے مالک ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بلند مرتبہ عزت دار شخصیت ہیں
جو دُوسروں کی عزت کا بھی احترام کرتے ہیں۔

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے صفوان سے مزید کہا:

میرے جان سے زیادہ عزیز بھائی!
میں تمھارے پاس دنیا کی سب سے افضل و اکرم اور بردبار شخصیت
کی طرف سے امن کا پیغام لایا ہوں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ وفادار اور اپنے عہد کو پورا فرمانے والے،
سب سے زیادہ نیک، نرم دل اور لوگوں سے بہترین حُسنِ سلوک فرمانے والے ہیں۔
اے صفوان!
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمھاری قریبی عزیز داری بھی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت تمھاری عزت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سربلندی
تمھاری سربلندی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت تمھاری حکومت ہے۔

اس کے ساتھ ہی حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن وہب نے جب صفوان کو بتایا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی یمنی منقش چادر مبارک کے ذریعے تمھارے لیے امن کا پیغام بھیجا ہے تو یہ سُن کر وہ واپس آنے کے لیے تیار ہو گیا۔

پھر جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو لے کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو صفوان نے بڑی حیرت اور تعجب کے لہجے میں عرض کیا:

(یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!)
عمیر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے عام معافی کے اعلان میں
مجھے بھی شامل فرمالیا ہے اور مجھے پناہ اور امان بھی عطا فرما دی ہے
تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی تصدیق چاہتا ہوں؟

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ہاں صفوان!
عمیر رضی اللہ عنہ نے سچ بات کی ہے۔

معافی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ صفوان نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے کے لیے دو ماہ کی مہلت عنایت فرمائی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صفوان!

تمھارے لیے چار ماہ کی مہلت ہے،

تاکہ تم اسلام کے بارے میں خوب غور وفکر کرلو۔(1)

فتح مکّہ کے فوراً بعد غزوۂ حنین پیش آ گیا جس میں صفوان اسلامی لشکر کے ہمراہ رہا۔اس غزوہ کے فوراً بعد اُس نے اسلام قبول کرلیا۔اُس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کا پہلا نکاح ہی برقرار رکھا اور اس طرح تمام زندگی دونوں میاں بیوی کا اسلام سے تعلّق نہایت عمدہ،مثالی اور بہترین رہا۔

صفوان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ

فتح مکّہ کے بعد جنگِ حنین کا مرحلہ اچانک پیش آ گیا۔اس کی تیاری کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان کے پاس اپنا ایک نمائندہ بھیجا کہ چالیس ہزار درہم بطور قرض اور وہ تمام زرہیں،

جو اُس کے اسلحہ خانہ میں موجود ہیں،ہمیں مستعار دی جائیں۔

صفوان نے نمائندے سے پوچھا:

کیا جنابِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک فاتح کی حیثیت سے مجھ سے

میرا اسلحہ زبردستی چھیننا چاہتے ہیں؟

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندے نے کہا:

بالکل نہیں!

یہ سب کچھ بڑے اچھے انداز میں واپس کیا جائے گا۔(2)

اے صفوان!

بے بنیاد باتیں ہرگز نہ سوچو!

کسی کے مال کو زبردستی غصب کرلینا

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ اور تعلیماتِ عالیہ کے خلاف ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کسی کے مال کو زبردستی چھین لینا،

کسی سے ظلم زیادتی کرنا اور کسی سے غداری کرنا بالکل نہیں سکھایا۔

تمھیں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ فتح کیا تھا،

اُس وقت تم لوگوں کی حیثیت ایک قیدی اور مجرم کی سی تھی لیکن رؤف و رحیم

1۔السیرۃ النبوۃ لابن ھشام:418/2

2۔سنن ابی داؤد۔رقم الحدیث:3562۔اسنادہ صحیح عندالالبانی

رسُولِ کریم رحمۃ للّعالمین ﷺ نے تم لوگوں کو عام معافی دے دی اور ہر ایک کو
کوئی سزا دیئے بغیر چھوڑ دیا تھا تو کیا فتح مکہ کے دن لشکرِ اسلام نے تم لوگوں کے
کسی مال یا جائیداد کو نقصان پہنچایا؟
اس وقت بھی تمھارے ہتھیار، زرہیں اور دیگر سامانِ جنگ
آپ ﷺ عارضی طور پر منگوا رہے ہیں۔
ہماری طرف سے یہ وعدہ ہے کہ انّ شاءَ اللہ!
فتح ونصرت کے بعد یہ تمام چیزیں ایک امانت کی طرح واپس پہنچا دی جائیں گی۔

صفوان نے پوچھا:
اگر کوئی چیز ضائع ہوگئی تو؟

رسُول اللہ ﷺ کے نمائندے نے اُسے بتایا کہ:
اگر کوئی ایسی صورت سامنے آئی تو اُس کا معاوضہ دیا جائے گا۔

صفوان نے کہا:
ٹھیک ہے۔
میں اپنا اسلحہ آپ کو پیش کر دیتا ہوں۔

لشکرِ اسلام جب مکّہ سے غزوۂ حنین کے لیے روانہ ہوا تو صفوان بھی لشکرِ اسلام کے ساتھ ہوگیا، حالانکہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ غزوۂ حنین میں فتح کے بعد جب رسالت مآب ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے صفوان کو کافی مقدار میں چاندی، بکریوں کا ایک بہت بڑا ریوڑ اور تین سو اُونٹ عطا فرمائے تو وہ بے اختیار کہہ اُٹھا:

کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اتنے کُھلے دل سے سخاوت اور فراخ دِلانہ
بخشش کا حوصلہ نہیں رکھتا، جس قدر (پیغمبرِ اسلام) جناب محمد (ﷺ) نے
مجھے عطا فرمایا ہے۔ میرے گناؤنے جرائم، ظلم و زیادتی اور سفاکیوں کے باوجود
اتنی فیاضی، دریادلی اور اتنے کُھلے دل کا مالک ہونا سوائے اللہ کے نبی (ﷺ) کے
کوئی اور شخص ہو ہی نہیں سکتا۔
یہ اللہ کے رسُول (ﷺ) کی شانِ کریمی ہے کہ آپ (ﷺ)
اتنا عطا کرتے ہیں کہ لینے والے کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔

اس حقیقت بیانی کے بعد اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی محبت اُن کے دل میں راسخ ہوگئی۔

فوراً ہی رسالت مآب ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے اور کلمۂ شہادت (اشھد ان لاالٰہ الا اللہ

واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ) پڑھ کر مسلمان ہونے کا شرف حاصل کرلیا۔(1)

اتفاق سے جنگِ حنین میں صفوان سے لیے گئے کچھ جنگی ہتھیار ضائع ہو گئے تو زبانی معاہدے کے مطابق اسلامی لشکر میں سے کچھ ساتھی رسُول اللہ ﷺ کے نمائندے کی حیثیت سے اُن ہتھیاروں کا معاوضہ پیش کرنے کے لیے اُن کے پاس پہنچے تو صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا:

میرے بھائیو! وہ وقت اور تھا جب میں نے معاوضہ لینے کی بات کی تھی۔
آج تو مجھے اپنے مال سے زیادہ اسلام سے محبت ہو چکی ہے،
بلکہ اب تو اسلام میرے خون میں شامل ہو کر میری رگوں میں دوڑنے لگا ہے۔
میں اپنا تمام مال ومتاع، ہتھیار، حتّٰی کہ جان جیسی قیمتی چیز بھی
اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اس پر کسی نے کہا:

تم رسُول اللہ ﷺ سے اُن کی بخشش اور عطا کی وجہ سے محبت کرنے لگے ہو؟

تو سیّدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

اللہ ذُوالجلال والاکرام کی قسم!
میں پہلے بھی بہت دولت مند تھا۔
میرے دل میں آپ ﷺ کی محبت اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ
اللہ تعالٰی نے جن بے شمار صفات سے آپ ﷺ کو نوازا ہے،
اُن میں سے ایک حیرت انگیز صفت یہ بھی ہے کہ
آپ ﷺ جانتے ہیں کہ بیمار دلوں کا علاج کیسے کیا جاتا ہے۔(2)

شاہِ زمیں شہِ زماں دونوں جہاں کے تاجدار
میں تیرے نام پر فدا تیرے نام پہ نثار
تیرے دیار کے لیے اپنے قرار کے لیے
چشم ونظر ہیں مضطرب قلب وجگر ہیں بے قرار
مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

1۔کتاب المغازی للواقدی:855/2-946/3

2۔السیرۃ النبوۃ لابن کثیر:614/3۔تاریخِ دمشق لابن عساکر:114/24

''کاش چوتھا فرد میں ہوتا''

حضرت عفیف الکندی اپنی زندگی کا ایک یادگار واقعہ بیان کرتے ہیں:

ایک بار حج کے موسم میں میرا مکّہ جانا ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ابھی دینِ اسلام سے میرا تعارف نہیں ہوا تھا۔ اُنھوں نے بتایا:

مکّہ شہر کے ایک ممتاز تاجر سردار عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے میرے پرانے کاروباری اور تجارتی تعلّقات تھے۔ ایک دن میں نے کپڑے اور خوشبو کی خریداری کے لیے جناب عباس رضی اللہ عنہ سے منیٰ میں اُس وقت ملاقات کی جب دوپہر ڈھل چکی تھی اور ابھی ہم ایک دُوسرے کی خیریت ہی معلوم کر رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ایک باوقار، وجیہہ وشکیل، روشن چہرہ، کشادہ جبیں اور عظمت وجلال سے بھرپور شخصیت کے مالک نوجوان اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے۔ مجھے ایسا لگا جیسے روشنی ہر سُو پھیل گئی ہو۔

اُن کے ساتھ ایک عفت مآب، شائستہ اور بُردبار خاتون بھی تھیں۔ اُن دونوں لائقِ احترام شخصیات نے نہایت نفیس اور عمدہ طریقے سے وضو کیا۔ ایک ہشّاش بشّاش اور خوش انداز نوجوان بھی اُن کے ساتھ تھا جو ابھی پوری طرح جوانی کی عمر کو نہیں پہنچا تھا۔ اس نے بھی اُن دونوں کی تقلید میں بڑے اچھے طریقے سے وضو کیا، پھر اُن لوگوں نے سیّدالمرسلین امام النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتدا میں بڑے اہتمام و احترام اور رکُوع و سجود کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

حضرت عفیف الکندی کہتے ہیں کہ:

یہ دل آویز اور پُرسرور منظر میرے دل کو بہت بھایا۔
میں نے بڑی بے تابی کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ
مجھے اِس عظیم امرّ کے متعلّق کچھ بتائیں،
کیوں کہ یہ باوقار اور پُرشکوہ طریقۂ عبادت تو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے مکّہ میں آنے والے اِس مہتم بالشّان اور طاقت ور انقلاب کے متعلّق آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ:

ان میں یہ صاحب تو میرے برادرِ عزیز جناب عبداللہ کے فرزندِ ارجمند
جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔
اُنھوں نے کچھ دن پہلے اعلان کیا ہے کہ
اللہ ربّ العزت نے مجھے اپنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث فرمایا ہے،

تاکہ میں اُس کے پسندیدہ دین اسلام کا یہ پیغام لوگوں تک پہنچاؤں کہ
اِس کائنات کا خالق و مالک صرف اور صرف اللہ ذُوالجلال والاکرام ہے،
وہی پروردگارِ عالم ہے اور یہ کہ قیامت کے دن ہم سب کو اپنے تمام اعمال کی
جواب دہی کے لیے اللہ ربّ العزت کے سامنے پیش ہونا ہے۔

جناب عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا:

جو دُوسری نیک سیرت، پاک طینت اور صاحبِ عزت واحترام
شخصیت ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہلیہ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں
اور تیسرے میرے برادرِ معظم سردارِ مکہ جناب ابوطالب کے سب سے
چھوٹے فرزند علی رضی اللہ عنہ ہیں۔
مکّہ کا یہ اُبھرتا ہوا نوجوان حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔
اس نے بھی پیغمبرِ اسلام جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت کی تصدیق
کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔

اس ناقابلِ فراموش واقعے کے کافی عرصہ بعد جب عفیف الکندی کو اسلام قبول کرنے کا شرف اور اعزاز حاصل ہوا تو وہ اُس دن کے رُوح پرور منظر کو یاد کرکے ہمیشہ پچھتاتے اور بڑی حسرت سے کہا کرتے تھے کہ:

کاش!
اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اُس دن اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشتا تو اُس دن
اُن تین نماز پڑھنے والی پاک، طاہر اور معصوم ہستیوں کے ساتھ چوتھا فرد میں ہوتا۔(1)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی
اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ
عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

یہ مبارک الفاظ کہ ''کاش چوتھا فرد میں ہوتا''
یہ صرف جناب عفیف الکندی کی تمنّا نہیں تھی بلکہ آج بھی اُمت کا ہر فرد ایسا ہی سوچتا ہے۔

1۔السیرۃ النبوۃ للابن اسحٰق:137/1۔عیون الاثر:112/1

اِک اِک ادا توازن و تہذیب کی مثال
ہر دور کے لیے ہے قیادت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

ممتاز، منفرد، ازل آثار، بے مثال
صورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہو کہ سیرت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

صدی صدی کی تاریخِ آدمیت میں
تیری مثال نہیں تیرا جواب نہیں

تیرے کمالِ مساوات کی قسم ہے مجھے
کہ تیرے دیں سے بڑا کوئی انقلاب نہیں

تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جن کے جبرئیل نے آ کے چومے قدم
جن کی تابش سے روشن تھا صحنِ حرم
جن کو اقصیٰ میں لایا براق ایک دم
کر سلام اُن کو اے اُمتِ محترم
عرش کے تاج والے پہ لاکھوں درود
مصطفٰے مجتبیٰ پہ کروڑوں درود

گلدستہِ تعظیم وتکریم

گزری جہاں کو پیدا ہوئے مدتِ مدید
انسان نے سنی نہ تھی ایسی کوئی نوید
مژدہ سنا ورودِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو جہاں
بولا رسُولِ آخر و اعظم خوش آمدید

مدت سے منتظر تھا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
کرتا تھا انتظار بھی کعبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

آپ آئے تو دنیا منوّر ہوئی
دو جہاں کو ہدایت میسّر ہوئی
اے شہ ذوالکرم ہو سلام آپ پر
اے ہادیٔ محترم ہو سلام آپ پر

درود و سلام کی فضیلت

اللہ ذُوالجلال والاکرام نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا ہے۔

قرآنِ حکیم میں خالقِ کائنات، پروردگارِ عالم کی جانب سے تمام اہلِ اسلام کے لیے یہ فرمانِ مبارک نازل ہوا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

(احزاب:56)

یقیناً اللہ اور اُس کے فرشتے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجتے ہیں۔

اے ایمان والو! تم بھی بہترین انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کرو!

اللہ ذُوالجلال والاکرام کی جانب سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود یا صلوٰۃ بھیجنے کا مفہوم یہ ہے کہ:

اللہ ربُّ العزت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے حد وحساب رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتے ہیں، آسمانوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور تعظیم وتکریم کی جاتی ہے، روزِ حساب شفاعت کے مبارک عمل کو شرفِ قبولیت اور ذکرِ مبارک کو بلند فرمادیا گیا ہے۔

پاک باز فرشتے اور اُمت کے خوش قسمت افراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود و سلام بھیجتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے یہ عرض کرتے ہیں کہ:

اے اللہ پاک!

اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہمیشہ لا انتہا رحمتیں، شفقت ومہربانی اور لطف وکرم فرماتے رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ محمود پر فائز فرمائیں۔

ماہرینِ لغت کے مطابق صلوٰۃ اور درود کے مبارک الفاظ کا مفہوم رحمت، برکت اور بخشش کی دُعا کے ہیں۔

عربی میں اس مقدس دُعا کے لیے لفظ صلوٰۃ اور فارسی میں اس کے لیے درود کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، تو ایک طرف یہ درود شریف اللہ ذُوالجلال والاکرام کا حکم ہے اور دوسری طرف یہ ایک خوب صورت دُعا اور اعلیٰ درجے کی سعادت اور عبادت ہے جو اہلِ اسلام کو عطا ہوئی ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کے ہر فرد کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت اور ارادت ومودّت کا والہانہ اظہار کرنے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلّق کو جوڑنے اور مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ درود شریف ہے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو درود شریف کی فضیلت اور افادیت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ قیامت کے روز میرے سب سے نزدیک وہ شخص ہوگا جو میرے پاس سب سے زیادہ درود بھیجتا ہو گا۔(1)

۲۔ اگر لوگ کسی ایسی مجلس میں بیٹھے ہوں جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے اور نہ وہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھیں تو یہ بات اُس مجلس میں شریک افراد کے لیے بالآخر حسرت و افسوس کا باعث بن جائے گی، پھر خالقِ کائنات اور پروردگارِ عالم کی مرضی ہے کہ وہ اُن لوگوں کو معاف فرمادے یا کسی سخت عذاب کا سزا وار ٹھہرائے۔(2)

۳۔ سب سے بڑا بخیل وہ شخص ہے جو دورانِ گفت گو میرا نام سنے اور مجھ پر درود نہ بھیجے۔(3)

۴۔ اے لوگو! مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے درود شریف پڑھیں، پھر پروردگارِ عالم سے رحمتوں کے طلب گار ہوں! جب موذّن کو اذان دیتے ہوئے سنیں تو اُن مبارک الفاظ کو خود بھی اُسی طرح ادا کریں جس طرح موذّن پڑھ رہا ہو! جب اذان کا مقدس عمل اپنے اختتام کو پہنچ جائے تو مجھ پر درود پڑھیں(4)۔ نماز ادا کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کریں۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجیں۔ اپنی حاجات کے لیے اللہ سے دُعائیں مانگیں۔ آخر میں پھر درود شریف پڑھیں!

ایک اور حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ:

۵۔ جو شخص ایک بار پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ جلالت وعظمت میں درود شریف کا ہدیہ بھیجتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اُس بندے پر اپنے کرم، نوازش اور مہربانی سے دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اُس کے اعمال میں دس نیکیاں اضافی لکھ دی جاتی ہیں، اُس شخص کے دس گناہوں کو معاف فرما دیا جاتا ہے اور اُس کے مقام و مراتب اور قدر و منزلت میں دس درجے اضافہ فرما دیا جاتا ہے۔(5)

۶۔ ہر محفل کے اختتام پر درود شریف پڑھا کریں۔ یہ سنّتِ اسلام ہے۔

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۷۔ اے لوگو! مجھ پر درود پڑھا کرو، تم جہاں کہیں بھی ہوگے، تمھارا درود و سلام مجھ تک پہنچ جائے گا۔

1۔سنن ترمذی۔رقم الحدیث:484۔السنن الکبریٰ للبیہقی۔رقم الحدیث:5995

2۔سنن ترمذی۔رقم الحدیث: 3380
3۔سنن ترمذی۔رقم الحدیث:3546

4۔صحیح مسلم۔رقم الحدیث:384
5۔سنن نسائی۔رقم الحدیث:1297

ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا:

یارسول اللہ ﷺ!

ہم کس طرح آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجا کریں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: درود کے الفاظ کو اِس طرح ادا کیا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط

اے اللہ پاک! آپ اپنی رحمتیں نازل فرمائیں محمد ﷺ پر اور آلِ محمد ﷺ پر! جس طرح کہ آپ نے ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم علیہ السلام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں۔ اے اللہ پاک! بے شک آپ لائقِ حمد اور بزرگی والے ہیں۔ اے اللہ پاک! آپ اَن گنت برکتیں نازل فرمایئے محمد ﷺ پر اور آلِ محمد ﷺ پر! جیسا کہ آپ نے ابراہیم علیہ السلام پر اور آلِ ابراہیم علیہ السلام پر اپنی برکتیں نازل فرمائیں۔ اے اللہ پاک! بِلا شبہہ آپ لائقِ تعریف و توصیف ہیں، بزرگی والے اور صاحبِ جلال وعظمت ہیں۔ (1)

یہ بابرکت کلمات اُمّتِ مسلمہ پر اُس عظیم المرتبت، صاحبِ عظمت اور برگزیدہ ہستی کے مقدس وجود کا فیضان اور احسان ہے جو غریبوں اور کمزوروں کے محافظ، یتیموں اور مسکینوں کے سرپرست اور غلاموں کے مددگار تھے، جنھوں نے پورے عرب کی جابر طاقتوں کا انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بڑی جراَت، ہمت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ فرمایا اور جنھوں نے اس مقدس راستے میں پیش آنے والی تمام تر مشکلات اور مصائب کے باوجود آدم علیہ السلام کی اولاد کے گمراہ لوگوں کے دلوں سے کفر کے اندھیروں کو ختم کر کے اُنھیں دینِ مبین کے نور سے منوّر فرما دیا۔

بنی نوعِ آدم کو مقامِ آدمیت سے روشناس کرانے اور اس تیرہ وتار دنیا کو شاہراہِ نور و ہدایت پر ڈالنے والے ہمارے حضور نبی پاک صاحبِ لولاک ﷺ کے اُن احسانات، کرم، نوازش اور مہربانی کا شکریہ ادا کرنے کا پسندیدہ انداز، بہترین طریقہ اور اعلیٰ و افضل اسلوب یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کا ہر فرد، ہر جگہ اور ہر وقت پورے ذوق وشوق، عجز وانکسار، دِل آویزی و دِل نوازی اور دلی عقیدت و احترام کے ساتھ درود شریف کا مقدس تحفہ اپنے آقا و مولا خاتم النّبیین سیّد المرسلین رحمۃ للّعالمین ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہے۔

1۔مسند احمد۔رقم الحدیث:18133-8804

لٰہذا اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام عاشقانِ صادق تک کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اللہ ربُ العزت کی عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف وتوصیف، تحسین وتکریم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر روز وشب درود پاک کا ورد کرنا بھی خود پر واجب سمجھتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے ایک جیّد عالم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نے بڑے خوب صورت الفاظ میں درود شریف کی فضیلت وبرکات کا ذکر فرمایا ہے۔

وہ کہتے ہیں:

- ☆ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنا، ایک محبوب ترین عمل اور شیریں ترین عبادت ہے۔
- ☆ درود شریف پڑھنے والے کے نہ صرف گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے، بلکہ اُس کے درجات بھی بلند ہو جاتے ہیں۔
- ☆ درود شریف پڑھنے کا ثواب، غلاموں کے آزاد کرنے سے بھی افضل ہے۔
- ☆ دُرود شریف کا وِرد کرنے والے کو قیامت کے دن کے خطرات، بے چینی اور بے کلی سے نجات ملے گی۔
- ☆ دُرور شریف کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور نوازش و مہربانی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے امان ملے گی، نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا، جس کی برکت سے سے عرشِ الٰہی کے سائے میں جگہ ملے گی، روزِ حساب فرشتے گرم جوشی کے ساتھ استقبال کریں گے، نہایت شفقت ومحبت سے پیش آئیں گے اور حوضِ کوثر پر حاضری نصیب ہوگی۔
- ☆ درود شریف ایک ایسا عمل ہے جو بارگاہِ الٰہی میں تمام اعمال سے زیادہ افضل، بابرکت اور محبوب ہے۔ یہ مجالس کے لیے زینت بخش اور لوگوں کے دِلوں میں محبت بڑھانے کا سب سے خوب صورت ذریعہ ہے۔
- ☆ درود شریف کی برکت سے مال بڑھتا ہے، تمام حاجات کی تکمیل ہوتی ہے، ظلم سے نجات ملتی ہے اور دِلوں سے خوف دُور ہو جاتا ہے۔ مصیبتیں ٹل جاتی ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں نصرت عطا کی جاتی ہے۔
- ☆ دُرود شریف کا پڑھنا تنگ دست کے لیے صدقے کا قائم مقام ہے۔
- ☆ دُرود شریف کا پڑھنا اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حصولِ قرب کا بہترین ذریعہ ہے۔
- ☆ دُرود شریف پڑھنے والے کے لیے ایک عظیم سعادت یہ بھی ہے کہ پڑھے گئے دُرود پاک کے ساتھ اُس شخص کا نام بھی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پیش کیا جاتا ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان

جب تک کوئی مسلمان مجھ پر دُرود و سلام بھیجتا رہتا ہے، اُس وقت تک فرشتے بھی اُس کے لیے دُعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔(1)

سبحان اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اُن کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود
اُن کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام
الغرض اُن کے ہر مُو پہ لاکھوں درود
اُن کی ہر خُو و خصلت پہ لاکھوں سلام

تیرے ذکر میں ہیں یہ برکتیں
میرے بگڑے کام سنور گئے
جہاں تیری یاد ہے دل نشیں
وہیں رحمتوں کا نزول ہے

1۔سنن ابن ماجہ۔رقم الحدیث:907

سلامِ عقیدت

☆ سلامِ عقیدت اُس عظیم المرتبت، صاحبِ عظمت اور برگزیدہ ہستی کی خدمتِ اقدس میں کہ جنھوں نے پورے عرب کی جابر طاقتوں کا اپنے محدود وسائل کے باوجود بڑی جرأت، ہمت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ فرمایا اور تبلیغ کے اس مقدس راستے میں پیش آنے والی تمام تر مشکلات اور مصائب پر قابو پا کر گمراہ انسانوں کے دلوں سے بالآخر کفر کے اندھیروں کو ختم کر کے انھیں دینِ مُبین کے نور سے مَنوّر فرما دیا۔ کروڑوں درود و سلام پیغمبرِ اعظم رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جنھوں نے اپنی دل آویزیوں، جمال آرائیوں اور غریب نوازیوں سے جس بابرکت انقلاب کا آغاز فرمایا تھا، بالآخر اُسے معراجِ کمال تک پہنچانے میں کامیاب و کامران رہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

☆ لاکھوں سلام اُن فرزندانِ توحید پر جنھوں نے تحریکِ اسلام کے ابتدائی تیرہ سالوں کے دوران مکّہ میں خاتم النّبیین رحمۃ للّعالمین نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت اور وارفتگی کا ایسا محیر العقول مظاہرہ کیا کہ جس کی مثال تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

☆ لاکھوں سلام اسلامی تاریخ کا رُخ بدلنے والے یثرب کے اُن چھ درخشندہ و تابندہ ستاروں پر جنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ اقدس میں اپنا ہاتھ دے کر اُس بیعتِ عظیم کا شرف حاصل کیا جس کے نتیجے میں اسلام اور اہلِ اسلام کی بے بسی کا پریشان کن دور اختتام پزیر ہونے کے ساتھ ایک روشن صبح کا آغاز ہوا۔

☆ بیعتِ عقبہ ثانی کے موقع پر اپنی جان، مال اور اولاد قربان کرنے کا عہد کرنے والے اُن عاشقانِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر لاکھوں سلام۔ تاریخ گواہ ہے کہ یثرب کے ان پیکرانِ صدق وصفا نے اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان، مال اور اولاد سب کچھ نچھاور کر دیا۔

☆ بے شمار سلام اُن شوقِ شہادت، جذبۂ ایمانی اور عزمِ صمیم رکھنے والے بہادرانِ اسلام پر جنھوں نے اللہ کی مدد سے بدر کے میدانِ کارزار میں افرادی قوّت کی کمی، سامانِ حرب کی قلت اور محدود وسائل کے باوجود اپنے سے تین گنا بڑے بت پرستوں کے لشکر کو عبرت ناک شکست سے دو چار کیا۔

☆ اُحد کے جواں مرد شہیدانِ وفا پر لاکھوں سلام جنھوں نے گھمسان کی جنگ کے دوران تیروں کی بارش اور تلواروں کی یلغار کے سامنے پورے حوصلے اور استقامت کے ساتھ اپنے آقا و مولا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

محافظت کے لیے سینہ سپر ہو کر یکے بعد دیگرے پروانوں کی طرح اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔

☆ لاکھوں سلام اُن تابع فرمان خدمت گزاروں پر جنھوں نے نہایت دِقّت طلب اور دشوار گزار حالات کا سامنا کرتے ہوئے صرف چھ دن میں پانچ کلومیٹر خندق کی کھدائی کا حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دے کر اسلامی ریاست کے دارالحکومت مدینہ منورہ کے تحفظ اور سلامتی کو ہر لحاظ سے یقینی بنا دیا۔

☆ بے شمار سلام اُن سرفروشانِ اسلام پر جنھوں نے اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں حدیبیہ کے مقام پر ہر قسم کے نتیجے اور تلخ انجام سے بے پروا ہو کر اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دے کر اپنی جانوں کا سودا کیا کہ وہ مشرکینِ مکّہ سے ٹکرا جانے، جنگ میں صبر کے ساتھ ثابت قدم رہنے اور راضی خوشی اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کی بازی لگا دینے کا عہد کرتے ہیں۔

☆ سلام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُن جاں نثاروں پر جنھوں نے حنین کے میدانِ کارزار میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سحر آفریں ندا پر لبیک کہا، پلٹ کر واپس آئے اور پھر ایک گھمسان کی جنگ کے بعد اپنے زورِ بازو سے کافروں کے لشکرِ جرار کو عبرت ناک شکست سے دو چار کیا۔

☆ لاکھوں سلام اُس سچے عاشقِ صادق اور بلند حوصلہ شہیدِ اسلام خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی پر جس نے مشرکینِ مکّہ کی جانب سے دی گئی سزائے موت کے دوران تختۂ دار پر اسلام کا ترانہ پڑھا۔

☆ سلام اُس باوفا شہیدِ اسلام زید رضی اللہ عنہ بن حارث پر جس نے آزادی کی بجائے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں رہنا پسند کیا۔

☆ اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی خدمتِ اقدس میں سلامِ عقیدت جو اسلامی تاریخ میں بلند مرتبہ و مقام کی حامل ہیں۔ بیعتِ عقبہ ثانی میں شریک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خاتونِ اُحد کا خطاب حاصل کرنے والی نسیبہ بنتِ کعب (اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا) پر لاکھوں سلام جو اپنے لختِ جگر جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرفروشانِ اسلام کی اُس جماعت میں شامل تھیں جس نے میدانِ اُحد میں حملہ آور دُشمنوں کو پسپا کرنے کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اردگرد ہونے والی خوں ریز لڑائی میں حصہ لیا، جس کے نتیجے میں وہ خود بھی شدید زخمی ہو گئیں۔ اُن کے ایک فرزندِ ارجمند حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے مسلمہ کذاب کے سامنے جب کلمۂ حق بلند کیا تو اُس ظالم شخص نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے جسم کے ایک ایک حصے کو بڑی بے رحمی سے کاٹنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ تو کیوں نہ لاکھوں سلام ہوں اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے اُس غیّور بیٹے پر کہ جس نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے جھوٹے نبی کے سامنے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کے باوقار پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔

☆ لاکھوں سلامِ عقیدت بئیرِ معونہ کے مقام پر ستّر کے قریب شہید کیے جانے والے مبلغینِ اسلام پر جو

ارضِ بنوسلیم میں بے دریغ، ناحق اور بے رحمانہ طریقے سے شہید کر دیئے گئے۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی شمعِ رسالت کے اُن پروانوں کے دھوکے باز قبائل کے ہاتھوں غریب الوطنی اور بے بسی کی حالت میں شہید کیے جانے کے سانحے کو یاد کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں اشک بار ہو جاتیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن معصوم شہیدوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام
وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اُس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

صدیق رضی اللہ عنہ عکسِ حسن و جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
فاروق رضی اللہ عنہ ظلِ جاہ و جلالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
عثمان رضی اللہ عنہ ضیائے شمع کمالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
حیدر رضی اللہ عنہ بہارِ باغِ خصالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است

ایک اور دُعا

پھیکا نہیں پڑا ہے ستاروں کا بانکپن
قائم رکھے ہوئے ہے فلک اپنی انجمن
پھیلی ہوئی ہے دور تلک نیلگوں فضا
خوشبو لٹا رہا ہے ابھی رات کا چمن

تازہ ہے ابھی روح میں نغمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا
روشن ہے میری فکر پہ جلوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

لکھتا رہوں میں یونہی قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا
پڑھتا رہوں میں یونہی وظیفہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

اندھیری قبر میں میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یاد کا روشن دیا ہو
نہ شرمندہ کریں مجھ کو فرشتے
اس عاصی کے لیے ایسی دعا ہو

جناب پروفیسر خیال آفاقی صاحب

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان موضوع پر لکھی گئی کتاب ''پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی تیاری کے دوران جن صاحبانِ احترام واکرام اور محققین و مصنّفین کی دلکش اور ایمان افروز تصانیف سے استفادہ کیا گیا، اُس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
سیرتِ سرورِ عالم	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	علامہ شبلی نعمانی
سیرتِ حلبیہ (اُردو)	مولانا محمد اسلم قاسمی
سیرتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	الشیخ ابوبکر جابر الجزائری، مُدرس مسجدِ نبوی مدینہ منورہ
سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	قاضی القضاۃ الحافظ علاؤالدین مغلطائی (ترجمہ) ڈاکٹر مفتی محمد عمران انور نظامی
السیرۃ النبویہ	علامہ سید احمد بن زینی دحلان
سیرتِ کبریٰ	حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری
سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مکّی احادیث کی روشنی میں)	شاہین شہزادی بنت محمد زکریا
(سیرتِ پاک) آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ابدال بیلا
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانا ابوالکلام آزاد۔ علامہ پیر سیّد ایاز ظہیر ہاشمی
منتخب سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز بن ابراہیم العُمری
سیرتِ ابنِ ہشام	محمد عبدالملک ابنِ ہشام
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	حضرت آیت اللہ جعفر سبحانی
سیرۃ الرسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن وہاب (ترجمہ) محمد مدنی بن حافظ عبدالغفور
سیرت الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ابوعبید مولانا خادم حسین شجاع آبادی
شرح سیرت ابنِ ہشام	(ترجمہ) الروض الانف امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیل
سیرت ابنِ اسحاق	نقوش محمد طفیل
سیرتِ ابنِ حبان	ابنِ حبان البستی
سیرتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	یوسف صالح محمد خاں
سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانا محمد ادریس کاندھلوی

سنہری سیرت ﷺ	عبدالمالک مجاہد
سیرۃ النبی انسائیکلوپیڈیا	سید قاسم محمود
سیرۃ النبی انسائیکلوپیڈیا	دارالسلام ریسرچ سنٹر
سیرتِ محمد رسول اللہ ﷺ	ڈاکٹر سید معین الحق ۔(ترجمہ) رفیع الزماں زبیری
سیرۃ النبی ﷺ	امام حافظ ابوالفداءعمادُالدین ابنِ کثیر
سیرت سیّد الابرار ﷺ	منیر احمد خلیلی
سیرت سرورِ کونین ﷺ	مولانا محمد عاشق بلندشہری
دروسِ سیرت	مفتی محمد ادریس
مختصر سیرتِ نبوی ﷺ	ابومحمد الملک بن ہشام حمیری بصری
سیرۃ المختار ﷺ	(ترجمہ) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
	شیخ مصطفیٰ الغلاییني ۔جسٹس ملک غلام علی
نقوشِ سیرت ﷺ	ڈاکٹر طلحہ حسین
سیرتِ نبوی ﷺ	ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد
سیّدالوریٰ	قاضی عبدالدائم دائم
سیرت رسولِ عربی ﷺ	نور بخش توکلی
دروسِ سیرت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
سیرت النبی ﷺ	ڈاکٹر علی محمد صلابی
صحیح سیرتِ رسول ﷺ	الشیخ ڈاکٹر محمد صوبیانی ۔ابوالحسن عبدالمنان راسخ
	(ترجمہ) محمد عباس گواندلوی
سیرتِ مصطفیٰ بزبانِ مصطفیٰ ﷺ	محمد عبدالباسط الاثر
سیرت محسنِ اعظم	میاں محمد نواز
سیرت النبی ﷺ	احسان بی۔اے
پیامِ سیرت ﷺ	ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن العریفی
سیرتِ مصطفیٰ ﷺ	مولانا عبدالعزیز ہزاروی
سیرت النبی ﷺ (روشنی حرا سے)	ڈاکٹر شمس جیلانی
سیرت ہادی برحق ﷺ	گوہر ملسیانی
سیرت رسولِ اکرم ﷺ	محمد نذیر رانجھا
سیرت النبی ﷺ	یاسر جواد
سیرتِ اقدس	محمد قیوم اعوان

سیرت النبی ﷺ کا عملی پہلو	پروفیسر ڈاکٹر حبیب اللہ چشتی
سیرت خاتم النّبیین ﷺ	حکیم محمود احمد المدنی
سیرت النبی ﷺ پر خطبات	ابومحمد عزیز السّلفی المدنی
سیرت النبی ﷺ	فتح اللہ گولین
شان حبیبِ کبریا ﷺ	علامہ عبدالرسُول ارشد
سیرت نبویہ ﷺ	قاضی احمد بن زینی دحلان مکی (ترجمہ) علامہ صائم چشتی
سُبل الھدیٰ والرّشاد فی سیرۃ خیر العباد (اُردو)	امام محمد بن یوسف الصالحی الشافی (ترجمہ) مولانا عبیدالرحمٰن
سیرت رسُول کریم ﷺ	مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی
سیرت کے درخشاں پہلو	منصور احمد بٹ
سیرت پیغمبرِ عالم ﷺ	عبدالصمد رحمانی
شانِ محمد ﷺ کے درخشاں پہلو	محمد یٰسین سروہی
نقوش سیرتِ محمد رسُول اللہ ﷺ	حکیم محمد سعید
سیرتِ مصطفیٰ ﷺ	علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی
سیرت النبی محمد ﷺ حبیب اللہ	ڈاکٹر سلیم ابنِ محمد رفیع
سیرت النبی ﷺ	علامہ عبدالرحمٰن ابنِ خلدون
سیرۃ سرورِ انبیاء	غلام احمد حریری
سیرت میرے حضور کی	مرزا محمد نواز بیگ
سیرت الصحابہ	الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی
اوراقِ سیرت	مولانا سید جلال الدین عمری
سیرت پیغمبرِ اسلام ﷺ	علامہ محمد غزالی۔ (ترجمہ) ابومسعود اظہر ندوی
سیرتِ رسُول ﷺ	ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن
سرورِ کائنات ﷺ	ملک مقبول احمد
نقوشِ سیرت سرورِ انبیاء	نصرت علی اشیر
سیرتِ محمد ﷺ	ڈاکٹر صابر علی ہاشمی
سیرت النبی ﷺ	علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی
سیرۃ رسُولِ اکرم ﷺ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع
سیرتِ طیبہ محمد رسُول اللہ	مولانا عبدالمقتدر فاضل فتح پوری

سیرۃ رسول ﷺ (اختصار)	حافظ عماد الدین ابو الفدا ابنِ کثیر۔ مولانا شمس الدین
سیرتِ پاک ﷺ	مولانا محمد اسلم قاسمی۔ ایم اے
سیرت کے سچے موتی	امیر حمزہ
سیرتِ رسول ﷺ	مولانا وحید الدین خان
سیرت دانائے سُبل	محمد عثمان قریشی
سیرت رحمتِ عالم ﷺ	ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری۔ خدا بخش کلیار
سیرۃ امام الانبیاء ﷺ	الشیخ محمد منیر قمر۔ حافظ ارشاد الحق
سیرت النبی ابنِ ہشام	محمد بن اسحاق۔ ابو محمد عبد الملک بن ہشام
سیرت النبی ﷺ	انجینئر محمد راشد فاروقی
سیرت خاتم النّبیین ﷺ	ڈاکٹر ماجد علی خان
سیرت حبیبِ دو عالم ﷺ	ابو بکر جابر الجزائری۔ مختار احمد رومی
سیرتِ رسول ﷺ	یوسف صالح محمد خاں
سیرت النبی قدم بہ قدم	عبداللہ فارانی
سیرت المصطفیٰ کامل	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
محمد رسول الرحمٰن	تنویر خالد راضی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر
محبوبِ طالب	چوہدری عبد الرحمٰن خاں
محمد عربی ﷺ	محمد عنایت اللہ سبحانی
حضرت محمد ﷺ	علی اصغر چوہدری
محمد پیغمبرِ اسلام ﷺ	کانسٹنٹ ورجل جیور جیو
محمد رسول اللہ (پیکرِ صبر و ثبات)	مولانا عبد الرحمٰن کیلانی
مکّہ کی سرد جنگ	میجر میاں محمد رفیع مراد
ماہتابِ عالم	امتیاز احمد (لندن)
محمد رسول اللہ ﷺ (قرآن اور تاریخ کے آئینے میں)	مولانا سید محمد میاں
محمد ﷺ سب کے لیے	سید حامد محسن
محبوبِ خدا	چودھری افضل حق
محمد رسول اللہ ﷺ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ پروفیسر خالد پرویز
محمد ﷺ	عائض بن عبد اللہ القرنی
محمد رسول اللہ ﷺ	پروفیسر محمد نذیر احمد تشنہ

محمد ﷺ پیغمبر عہدِ رواں	کیرن آرمسٹرانگ۔ نعیم اللہ ملک
محمد ﷺ (اپنی صفات کے آئینے میں)	اعجاز الحق صدیقی۔ محمد عظیم حاصل پوری
محمد رسول اللہ ﷺ	خواجہ شمس الدین عظیمی
محمد رسول اللہ ﷺ	ابوبکر سراج الدین
محمد رسول اللہ ﷺ	مولوی محمد عادل قدوسی
محسنِ انسانیت	نعیم صدیقی
محمد ﷺ کی سرکار	سردار گوردت سنگھ
محمد بحیثیتِ انسان اور پیغمبر	عادل صلاحی۔ (ترجمہ) نجمہ خان
رسولِ مبین ﷺ	محمد احسان الحق سلیمانی
رسولِ عربی ﷺ	جی سنگھ دار
رحمتِ عالم ﷺ	مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی
رہبرِ کامل	مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی
رسول اللہ ﷺ کی زندگی	پیرزادہ احمد صابر چشتی
رسولِ کائنات ﷺ	عبدالکریم ثمر
رسولِ رحمت تلواروں کے سائے میں	حافظ محمد ادریس
رحمتِ کائنات ﷺ	حکیم محمود احمد ظفر
رسولِ عربی ﷺ	عمر ابوالنصر
رسول اللہ کے اشک گلفام	صوفی عبدالستار بن صدیق
رسولِ کریم ﷺ	ڈاکٹر رحمت الٰہی
رؤوف الرحیم	پیرزادہ شفیق الرحمٰن
رحمتِ عالم ﷺ	علامہ سید سلیمان ندوی
رحمتِ دارین	طالب الہاشمی
پیکرِ جمیل	محمد حمید شاہد
پیغمبرِ اعظم و آخر	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
رسولِ رحمت ﷺ	مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا غلام رسول مہر
ہادیِ اعظم ﷺ	سید فضل الرحمٰن
الامین	محمد رفیق ڈوگر
معاملاتِ رسول ﷺ	قیوم نظامی
رسولِ اعظم ﷺ	پروفیسر خیال آفاقی

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانا حافظ محمد عبدالاحد قادری
صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات	مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر (ترجمہ) محمد حنیف عبدالمجید
الصادق الامین	ڈاکٹر محمد نعمان السّلفی
حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	محمد حسین ہیکل
المُواہب الدنیہ (اردو)	(ترجمہ) امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی مولانا محمد صدیق ہزاروی
الرحیقُ المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری
الخصائص الکبری	علامہ جلال الدین سیوطی۔ مولانا عبدالاحد قادری
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منتخب سنہرے واقعات	عبدالمالک مجاہد
ضیا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	پیر محمد کرم شاہ الازہری
صاحب زادیاں رضی اللہ عنہن	مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری
فروغِ ابدیت	(ترجمہ) مولانا نصیر حسین
الرّسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سردار محمد احمد قادری
نقوشِ رسُول نمبر	محمد طفیل
ثارالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ابوعبداللہ ابوحبیب اللہ ثارالنبی اویسی چشتی
ابدی پیغام کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ضیاءالدین کرمانی (ترجمہ) سید اختر حسین ہاشمی
الرّسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سعید حوی۔ (ترجمہ) علامہ مختار احمد رومی
بارانِ رحمت	خواجہ شمس الدین عظیمی
جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	حضرت علامہ سید سعادت علی قادری
ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	محمد بشیر ھرل
النبی الخاتم	مولانا مناظر احسن گیلانی
انسانِ کامل و نبیِ اکمل	(ترجمہ) جسٹس ملک غلام علی ڈاکٹر منظور ممتاز
پیغمبر انسانیت	مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی
صحابہ رضی اللہ عنہم کی داستانِ حیات روشن ستارے	عبدالوارث ساجد
حیاتِ طیبہ	مولانا محمد ابراہیم فیضی
پیغمبرِ انسانیت	مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری

نبیِ رحمت	ابوالعرفان پروفیسر حاجی فتح محمد نسیم
جانِ رحمت	پروفیسر محمد یعقوب
حُبِ رسُول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم	حافظ محمد سعد اللہ
پیغمبرِ صحرا	کے ایل گابا
عرب کا چاند	سوامی لکشمن پرشاد
تاجدارِ رحمت	خورشید عالم گوہر قلم
اسوۂ حسنہ	مولانا مفتی محمد سلیمان قاسمی
پیغمبرِ اخلاق	ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن
عظمتِ رسُول ﷺ	نصیر الدین حیدر
اَذکارِ سیرت	پروفیسر سید محمد سلیم
تجلیاتِ رسالت	تفاخر محمود گوندل
وقائع سیرت النبی ﷺ	اخلاق محمد قادری
حیاتِ رسُول ﷺ	کرنل ڈاکٹر محمد ایوب خان
نبیِ رحمت اپنے گھر میں	ابو انیس حافظ ثناء اللہ خاں
پیغمبرِ اسلام ﷺ	کونستان ویرژیل جارج
حسنت جمیع خصالہ	طالب الہاشمی
حیاتِ سرورِ کائنات	مارٹن لنگس
جلوۂ فاراں	محمد عنایت اللہ سبحانی
غریبوں کے والی	حافظ محمد سعد اللہ
نبیِ رحمت ﷺ	مولانا ابوالحسن علی ندوی
حیاتِ محمد ﷺ	رُمیل بن ابی رمیل
مقاماتِ رسالت	پروفیسر حبیب اللہ چشتی
حیاتِ سرورِ کائنات	ملا واحد دہلوی
اسوۂ حسنہ	مولانا محمد ظفر الدین
نورِ اُمّ النور نورِ رحمۃ للّعالمین ﷺ	ڈاکٹر محمد عمر خان